صحیح البخاری اور الکافی کی تفسیری احادیث و آثار کا تقابلی جائزہ

مقالہ برائے پی ایچ ڈی، علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

علی رضا یوسف

پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

رجسٹریشن نمبر: 796-PhD/IS/F18

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

اپریل، 2024ء

صحیح البخاری اور الکافی کی تفسیری احادیث و آثار کا تقابلی جائزہ

مقالہ برائے پی ایچ ڈی، علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

علی رضا یوسف

پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

رجسٹریشن نمبر:796-PhD/IS/F18

نگرانِ مقالہ

ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

نمل، اسلام آباد

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

سیشن (2018ء–2023ء)

© علی رضا یوسف 2024ء

بسم الله الرحمن الرحيم

منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ

(Thesis and Defence Approval Form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انھوں نے یہ مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: صحیح البخاری اور الکافی کی تفسیری احادیث و آثار کا تقابلی جائزہ

A comparative study of the Tafseeri Ahadith and Asaar of Sahih Al-Bukhari and Al-Kafi

Sahih Al-Bukhari Aur Al-Kafi ki Tafseeri Ahadith o Asaar ka Taqabuli Jaiza

نام ڈگری: ڈاکٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: علی رضا یوسف

رجسٹریشن نمبر: 796-PhD/IS/F18

ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری

(نگرانِ مقالہ) ______________ دستخط نگرانِ مقالہ

ڈاکٹر ریاض احمد سعید

(صدر شعبہ اسلامی فکر و ثقافت) ______________ دستخط صدر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

پروفیسر ڈاکٹر محمد ریاض شاد

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) ______________ دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

میجر جنرل (ر) شاہد محمود کیانی (ہلال امتیاز ملٹری)

(ریکٹر نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد) ______________ دستخط ریکٹر نمل

تاریخ: ______________

حلف نامہ فارم

(Candidate Declaration Form)

میں **علی رضا یوسف** ولد **محمد یوسف**

رول نمبر:PD-IS-18-450 رجسٹریشن نمبر:796-Phd/IS/F-18

طالب علم، پی ایچ ڈی، شعبہ اسلامک تھاٹ اینڈ کلچر، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ

مقالہ بعنوان: صحیح البخاری اور الکافی کی تفسیری احادیث و آثار کا تقابلی جائزہ

A comparative study of the Tafseeri Ahadith and Asaar of Sahih Al-Bukhari and Al-Kafi

Sahih Al-Bukhari Aur Al-Kafi ki Tafseeri Ahadith o Asaar ka Taqabuli Jaiza

پی ایچ ڈی کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلے میں پیش کیا گیا ہے اور **ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری** کی زیر نگرانی تحریر کیا گیا ہے، یہ راقم الحروف کا اصل کام ہے اور مزید یہ کہ مذکورہ کام کہیں اور جمع کرایا گیا ہے نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: علی رضا یوسف

دستخط مقالہ نگار:

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

A comparative study of the Tafseeri Ahadith and Asaar of Sahih Al-Bukhari and Al-Kafi

Abstract:

A comparative study of the Tafseeri Ahadith and Asaar (narrations) from Sahih al-Bukhari and Al-Kafi involves analyzing the approach of these two key Islamic texts in the interpretation and explanation (Tafseer) of Hadiths, with a focus on their authenticity, content, and theological implications. Both texts are highly significant in Sunni and Shia Islam, respectively, but they belong to different traditions and therefore reflect distinct interpretative methodologies and theological perspectives.

Sahih al-Bukhari: Sahih al-Bukhari, Compiled by Imam Muhammad bin Ismail al-Bukhari, this collection is widely regarded as one of the most authentic books of Hadith in Sunni Islam. Sahih al-Bukhari contains narrations attributed to the Prophet Muhammad (PBUH) and is known for its rigorous criteria for authenticity. The collection consists of over 7,000 Ahadith (including repetitions). Imam al-Bukhari established Kitab al-Tafseer in Sahih al-Bukhari, in which he described the Tafseeri hadiths and Asaar.

Al-Kafi: Al-Kafi, compiled by the Shia scholar al-Kulayni, is one of the four main Hadith collections in Shia Islam. It is considered the most authoritative source of Hadith in Shia. The collection is divided into three main sections: Usul al-Kafi (dealing with theology), Furu’ al-Kafi (dealing with practical law), and Rawdat al-Kafi (miscellaneous narrations). Imam Kulaini did not establish Kitab al-Tafseer in al-Kafi, but in other chapters he described the interpretation of hadiths and Asaar.

The following basic questions will be addressed during the research:

1) What are the interpretation principles of Ahl al-Sunnah and Ahl al Shia?

2) What are the explanatory hadiths and Asaar of Sahih Al-Bukhari and Al-Kafi regarding beliefs, worship and society?

3) What are the commonalities and differences between Sahih al-Bukhari and al-Kafi's commentary hadiths and Asaar?

4) How can interfaith coordination be created?

A comparative study of the Tafseeri Ahadith from Sahih al-Bukhari and Al-Kafi reveals significant differences in their theological approaches, methodologies, and implications. Sahih al-Bukhari tends to align with the broader Sunni understanding of Islamic history and jurisprudence, whereas Al-Kafi offers a Shia perspective deeply rooted in the concepts of Imamate and the unique spiritual and legal role of the Ahl al-Bayt. A study of both these books revealed that they contain Tafseeri hadiths and Asaar, and that they also have similarities and differences.

Key Word: Sahih al-Bukhari, Imam Bukhari, Al-Kafi, Imam Kulayni, Tafseeri Hadith and Asaar

صحیح البخاری اور الکافی کی تفسیری احادیث و آثار کا تقابلی جائزہ

خلاصہ:

صحیح البخاری اور الکافی کی تفسیری احادیث و آثار کے تقابلی مطالعہ میں احادیث کی تشریح و توضیح (تفسیر) میں ان دو اہم اسلامی متون کے نقطہ نظر کا تجزیہ کیا جاتا ہے، ان کی صداقت، مواد اور مذہبی اثرات پر توجہ دی جاتی ہے۔ دونوں نصوص بالترتیب سنی اور شیعہ اسلام میں انتہائی اہم ہیں، لیکن ان کا تعلق مختلف روایات سے ہے اور اس لیے الگ الگ تشریحی طریقہ کار اور مذہبی نقطہ نظر کی عکاسی کرتے ہیں۔

صحیح البخاری: صحیح البخاری، امام محمد بن اسماعیل البخاری کی مرتب کردہ کتاب ہے، اس مجموعہ کو سنی اسلام میں حدیث کی سب سے مستند کتابوں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے۔ صحیح البخاری میں نبی کریم ﷺ سے منسوب روایات ہیں اور یہ صحیح کے سخت معیار کے لیے مشہور ہے۔ یہ مجموعہ 7000 سے زائد (بشمول تکرار) احادیث پر مشتمل ہے۔ امام بخاری نے صحیح البخاری میں کتاب التفسیر کو قائم کیا جس میں انہوں نے تفسیری احادیث وآثار بیان کیے ہیں۔ **الکافی:** الکافی، جسے امام ابو جعفر محمد بن یعقوب الکلینی نے مرتب کیا ہے، شیعہ اسلام میں حدیث کے چار اہم مجموعوں میں سے ایک ہے۔ اسے شیعہ میں حدیث کا سب سے مستند ماخذ سمجھا جاتا ہے۔ اس مجموعے کو تین اہم حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: اصول الکافی، فروع الکافی اور روضہ الکافی۔ امام کلینی نے الکافی میں کتاب التفسیر کو قائم نہیں کیا بلکہ دیگر ابواب میں تفسیری احادیث وآثار بیان کیے ہیں۔ تحقیق کے دوران درج ذیل بنیادی سوالات پر توجہ دی گئی۔

1) اہل سنت اور اہل تشیع کے تفسیری اصول کیا ہیں؟

2) عقائد، عبادات اور معاشرت کے بارے میں صحیح بخاری اور الکافی کی تفسیری احادیث آثار کیا ہیں؟

3) صحیح البخاری اور الکافی کی تفسیر احادیث آثار میں مشترکات و مختلفات کون کون سے ہیں؟

4) بین المذاہب ہم آہنگی کیسے پیدا کی جاسکتی ہے؟

صحیح البخاری اور الکافی دونوں ہی اہم کتب ہیں، مگر ان کی تفسیری احادیث و آثار میں نمایاں فرق ہے۔ صحیح البخاری اہل سنت کے نقطہ نظر کی عکاسی کرتا ہے، اور اس میں صحابہ کرام اور دیگر اسلامی شخصیات کے اقوال و افعال پر زور دیا گیا ہے۔ الکافی میں شیعہ مکتبہ فکر کی تفسیری روایات کو پیش کیا گیا ہے، جہاں اہل بیت اور اماموں کی رہنمائی پر زور دیا گیا ہے۔ ان دونوں کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ان میں تفسیری احادیث وآثار موجود ہیں نیز ان میں مشترکات و مختلفات بھی ہیں۔

کلیدی الفاظ: صحیح البخاری، امام بخاری، الکافی، امام کلینی، تفسیری احادیث و آثار

فہرست عنوانات

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1.	منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ	III
2.	حلف نامہ	IV
3.	ملخص(Abstract)	V
4.	ملخص(اردو)	VI
5.	فہرست عنوانات	VII
6.	اظہار تشکر	IX
7.	انتساب	X
8.	**باب اول: تعارفی مباحث**	XI
9.	فصل اول: تعارفی مباحثِ مقالہ	XII
10.	فصل دوم: اہل سنت اور اہل تشیع کے تفسیری اصول	1
11.	فصل سوم: تفسیر آیات میں صحیح بخاری اور الکافی کے اسالیب و مناہج	30
12.	**باب دوم: صحیح بخاری اور الکافی کی عقائد سے متعلق تفسیری احادیث و آثار کا مطالعہ**	73
13.	فصل اول: توحید سے متعلق تفسیری احادیث و آثار	76
14.	فصل دوم: رسالت سے متعلق تفسیری احادیث و آثار	109
15.	فصل سوم: کتب اور ملائکہ سے متعلق تفسیری احادیث و آثار	145
16.	فصل چہارم: آخرت سے متعلق تفسیری احادیث و آثار	162
17.	**باب سوم: صحیح بخاری اور الکافی کی عبادات سے متعلق تفسیری احادیث و آثار کا مطالعہ**	199
18.	فصل اول: صلاۃ سے متعلق تفسیری احادیث و آثار	203
19.	فصل دوم: صوم سے متعلق تفسیری احادیث و آثار	233
20.	فصل سوم: زکوٰۃ سے متعلق تفسیری احادیث و آثار	256

282	فصل چہارم: حج سے متعلق تفسیری احادیث و آثار	.21
305	**باب چہارم: صحیح بخاری اور الکافی کی معاشرت سے متعلق تفسیری احادیث و آثار کا جائزہ**	.22
306	فصل اول: نکاح سے متعلق تفسیری احادیث و آثار	.23
339	فصل دوم: طلاق سے متعلق تفسیری احادیث و آثار	.24
375	فصل سوم: حقوق والدین اور اولاد سے متعلق تفسیری احادیث و آثار	.25
401	فصل چہارم: قرابت داروں اور دیگر مسلمانوں کے حقوق سے متعلق تفسیری احادیث و آثار	.26
434	**باب پنجم: صحیح بخاری اور الکافی کی مشترکات و مختلفات کا مطالعہ**	.27
435	فصل اول: عقائد سے متعلق مشترکات و مختلفات	.28
456	فصل دوم: عبادات سے متعلق مشترکات و مختلفات	.29
469	فصل سوم: معاشرت سے متعلق مشترکات و مختلفات	.30
485	خلاصہ بحث	.31
488	نتائج بحث	.32
490	سفارشات	.33
491	**فہارس**	.34
492	فہرست قرآنی آیات	.35
496	فہرست احادیث	.36
500	فہرست اصطلاحات	.37
502	فہرست اعلام	.38
504	فہرست مصادر و مراجع	.39

اظہار تشکر

أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ، وَنَسْتَعِينُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا، وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، اما بعد:

اللہ رب العالمین کا فضل و احسان اور کرم ہے کہ اس نے ہمیں قرآن مجید جیسا صحیفہ انقلاب اور محمد ﷺ جیسا عظیم رسول عطا فرمایا اور ہمیں اُن کا امتی ہونے کا شرف عطا فرمایا اور یہ سعادت بخشی کہ قرآن مجید اور آپ کی سیرت طیبہ سے خوشہ چینی کر سکیں۔

میں شکر گزار ہوں اپنے محسن و مربی اور انتہائی مشفق و مہربان استاد ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری (سابق صدر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت) کا، کہ جن کی خصوصی توجہات اور نظر التفات سے یہ مقالہ بخیر و خوبی منزل آشنا ہوا آپ نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود رہنمائی کے لئے بھرپور وقت عنایت فرمایا اور اہم بات یہ کہ آپ مسلسل رابطے میں رہے اور کام کی نوعیت اور رفتار پر ترغیب و ترہیب کے ذریعے توجہ دلاتے رہے جس پر تازیست میں ان کا عمیق قلب سے شکر گزارر ہوں گا اور بارگاہ الوہیت میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں دارین کی سعادتیں نصیب فرمائے۔ (آمین)

میں شکر گزار ہوں پروفیسر ڈاکٹر محمد ریاض شاد (ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز)، ڈاکٹر ریاض احمد سعید (ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت) پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی (سابق صدر شعبہ اسلامی فکر و ثقافت)، ڈاکٹر نور حیات خان (سابق صدر شعبہ اسلامی فکر و ثقافت)، اور شعبہ کے جملہ اساتذہ کرام کا جو اس تحقیق کے عمل میں میری ہر اعتبار سے حوصلہ افزائی اور رہنمائی کرتے رہے۔

آخر میں ان تمام کرم فرماؤں کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے دوران تحقیق کسی بھی طرح کا تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ سب کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ (آمین)

علی رضا یوسف

پی ایچ ڈی سکالر، نمل یونیورسٹی اسلام آباد

ذوالقعدہ 1445AH / اپریل، 2024ء

انتساب

میں اپنی اس کاوش کا انتساب

رحمۃ اللعالمین ﷺ کی ذات بابرکات کے نام کرتا ہوں کہ جن

کی اتباع و پیروی میں دارین کی سعادت مندی کا راز مضمر ہے۔

باب اول

تعارفی مباحث

فصل اول: تعارفی مباحثِ مقالہ

فصل دوم: اہل سنت اور اہل تشیع کے تفسیری اصول

فصل سوم: تفسیر آیات میں صحیح بخاری اور الکافی کے اسالیب و مناہج

فصل اول:

تعارفی مباحثِ مقالہ

مقدمہ

تعارف موضوع:Introduction to the Topic

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب، مکمل ضابطہ حیات اور علوم کا عظیم خزینہ ہے۔ جب کہ احادیثِ مبارکہ کا اکثر حصہ قرآن مجید کی تفسیر اور حکمت بیان کرتا ہے۔ احادیث مبارکہ میں قرآن کریم کی عملی شکل نظر آتی ہے جو کہ انسانیت کی تعمیر اور معاشرے کی تنظیم کے لیے درست بنیادیں فراہم کرتی ہے۔ اس میں حکمت ودانائی کی وہ باتیں ہیں جن میں بنی نوع انسان کی روحانی وجسمانی شفا کا سامان موجود ہے۔ اہل علم نے ہر دور میں قرآن مجید کی طرح احادیث مبارکہ کو بھی خصوصی توجہ کا مرکز بنایا ہے۔ ابتدائی دور سے ہی احادیث کی جمع وترتیب کا سلسلہ چلتا رہا ہے جس کا صحیح اور مستند ترین مجموعہ صحیح البخاری کی صورت میں سامنے آیا۔

احادیث مبارکہ جہاں زندگی کے مختلف گوشوں میں رہنمائی فراہم کرتی ہیں، وہیں فہم قرآن کے لیے کلید کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی ابتدائی تفسیر خود نبی کریم ﷺ نے اپنے اقوال، افعال سے کی ہے۔ بالفاظ دیگر یہی اقوال وافعال جن کو احادیث کہا جاتا ہے، قرآن فہمی میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

قرآنی آیات کی تفسیر میں بہت سی روایات، حدیث کی کتابوں میں آئی ہیں۔ فہم قرآن کے تناظر میں ان روایات کے بارے میں عام طور پر دو نقطہ نظر پائے جاتے ہیں۔ پہلے کے مطابق مذکورہ روایات قرآن فہمی کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ جبکہ دوسرے نقطہ نظر کے مطابق یہ روایات اس موضوع میں صرف ثانوی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں لہذا ان روایات کو اوّلین ماخذ کا درجہ حاصل نہیں۔ مگر راجح بات یہ ہے کہ شان نزول یا اسباب نزول کی روایات، قرآنی آیات کا مستند پس منظر فراہم کرتی ہیں۔ انہی کے ذریعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کون سے معاصر حالات تھے، جس میں قرآن کا کوئی حصہ رہنمائی کے طور پر اتارا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ تفسیری روایات کے بغیر قرآن کو پوری طرح نہیں سمجھا جا سکتا۔ مثال کے طور پر﴿قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾ (المجادلہ:1) میں میاں بیوی کے درمیان جھگڑا کے واقعہ کا حوالہ دیا گیا ہے، لیکن اس واقعہ کی تفصیلات قرآن میں کہیں موجود نہیں۔ یہ تفصیلات ہمیں تفسیری روایات میں ملتی ہیں۔ اس اعتبار سے تفسیری روایات بہت اہمیت کی حامل ہیں۔

صحیح بخاری اہل سنت کی سب معتبر ترین حدیث کی کتاب ہے اور الکافی اہل تشیع کی سب سے معتبر ترین کتاب ہے۔ ان کتب کی تفسیری احادیث و آثار کو جاننا ضروری تھا تاکہ دونوں مسالک کے درمیان باہمی ہم آہنگی کی راہ ہموار ہو سکے۔

موضوع تحقیق کی ضرورت واہمیت:Significance of the Study

قرآن مجید، اسلام کا بنیادی مأخذ ہے جس کو سمجھنا ہر مسلمان مرد و عورت کے لیے ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل علم نے ہر دور میں اس کے گوہر ہائے پنہاں کو لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی اپنے تئیں کوششیں کی ہیں۔ انہوں نے اس باب میں نبی کریم ﷺ کے فرامین تک رسائی کو خصوصی توجہ دی ہے اور ان کی روشنی میں تفسیر قرآن کی خدمات سرانجام دیں تاکہ لوگ اس سے فائدہ حاصل کرسکیں۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قرآن مجید کے سب سے پہلے مفسر خود محمد ﷺ ہیں جنھوں نے اپنے اقوال و افعال کے ذریعے آیات قرآنیہ کی تشریح کی۔ حضور ﷺ کے یہ فرامین سلسلہ اسانید کے ساتھ حدیث کی مختلف کتابوں میں جمع کیے گئے۔ چونکہ تفسیری احادیث و آثار کے ذریعے قرآن مجید کی تفسیر اور شان نزول یا اسباب نزول کا علم ہوتا ہے اس لیے ہر دور میں ان روایات کی اہمیت مسلم رہی ہے اور اہل علم نے ان کو خصوصی توجہ دی ہے

۔

زیر نظر تحقیقی مقالہ میں " **صحیح البخاری اور الکافی کی تفسیری احادیث و آثار کا تقابلی جائزہ**" کے عنوان کے تحت انہی تفسیری احادیث و آثار کے پہلوؤں سے اہل سنت اور اہل تشیع کی دو معتبر کتابوں کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے۔

موضوع کی وجہ انتخاب:Rationale of the Study

یہ بات معلوم ہے کہ احادیث مبارکہ کی جمع وترتیب کے حوالے سے جن کتب کو ممتاز حیثیت حاصل رہی ہے، ان میں سے ایک **صحیح البخاری** ہے جو کہ اہل سنت کی مستند ترین کتاب ہے۔ جبکہ دوسری طرف اہل تشیع کی سب سے نمایاں نام **الکافی** کا ہے ۔ ایسے میں ان دونوں کتابوں کی تفسیری احادیث و آثار کی مشترکات اور مختلفات کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے، اس سے متعلقہ آیات کی تفہیم میں آسانی پیدا ہوئی، نیز دونوں مسالک میں باہمی ہم آہنگی کی راہ بھی ہموار ہوئی ہے۔

صحیح البخاری جس کا مکمل نام "**الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه و ايامه**" ہے، اس کو امام محمد بن اسماعیل البخاریؒ (م256ھ) نے سولہ سال کی مدت میں بڑی جانفشانی اور محنت کے ساتھ چھ لاکھ احادیث سے منتخب کر کے ترتیب دیا ہے۔ اہل سنت کے ہاں اس کتاب کو ایک خاص مرتبہ وحیثیت حاصل ہے اور اسے کتاب اللہ کے بعد مستند ترین کتاب کا درجہ دیا گیا ہے۔ اس کتاب نے امام بخاریؒ کی زندگی ہی میں بڑی شہرت و مقبولیت حاصل کر لی تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کتاب کو تقریباً ستر ہزار سے زائد لوگوں نے ان سے پڑھا اور اس کی سماعت کی۔ اس کی شہرت اس زمانہ میں عام ہو گئی تھی، اور اُس زمانے کے علما میں اِس کتاب کو توجہ اور مقبولیت حاصل ہوگئی تھی۔ اہل علم نے اس کتاب کے مختلف پہلوؤں پر کام کیا، جس میں شروحات، مختصرات، تعلیقات، مستدرکات اور مستخرجات شامل ہیں۔ یہاں تک کہ بعض مورخین نے اس کی بیاسی

سے زیادہ شروحات لکھی جانے کا تذکرہ کیا ہے الغرض اس کتاب کو وہ قبولیت عامہ حاصل ہوئی ہے جو کتاب اللہ کے بعد کسی اور کتاب کو نہیں مل سکی۔

الکافی کو امام کلینیؒ (م 329ھ) نے 20 برس کے عرصہ میں ترتیب دیا ہے۔ یہ کتاب **اصول کافی، فروع کافی** اور **روضہ کافی** کے نام سے تین حصوں پر مشتمل ہے۔ جن میں سے پہلے حصے میں شیعہ عقائد کے اصول و اعتقادات کی تشریح اور ان کے اعتقادی مسائل سے مربوط مطالب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں فقہی مسائل سے متعلق روایات ہیں۔ جبکہ تیسرے حصے میں مختلف موضوعات سے متعلق روایات ذکر کی گئی ہے۔ جن میں آیات کی تفسیر ، بعض انبیاء کی تاریخ، ائمہ کے مواعظ، شیعوں کے فضائل و وظائف وغیرہ شامل ہیں۔

موضوع پر سابقہ کام کا جائزہ:Literature Review

تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ اس موضوع پر ایسا مستقل علمی کام نہیں ہوا جس میں **صحیح البخاری** اور **الکافی** کی تفسیری احادیث و آثار کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہو۔ البتہ کچھ تحقیقی کام ایسے موجود ہیں جن سے کچھ رہنمائی ملتی ہے ۔جو کہ مندرجہ ذیل ہے:

1) **صحاح ستہ میں کتب تفاسیر قرآن کا تحقیقی جائزہ** (پی ایچ ڈی مقالہ)، مقالہ نگار، مسعود باللہ عباسی، شعبہ اسلامیات، وفاقی اردو یونیورسٹی کراچی کیمپس، سندھ

یہ مقالہ وفاقی اردو یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامیہ سے پی ایچ ڈی سطح پر ہوا ہے اس مقالہ میں صحاح ستہ کی کتب تفاسیر کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن کریم کی تفسیر کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے، نیز اس مقالہ میں ان کا تقابل نہیں کیا گیا ہے۔ اس مقالہ میں یہ کام ہوا ہے کہ اس آیت کی تفسیر کتب صحاح ستہ میں یہ ہے۔

2) **رواۃالحدیث المشترکون بین اھل السنة والشیعة** (پی ایچ ڈی مقالہ)، مقالہ نگار، نثار احمد، نگران مقالہ، پروفیسر ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر، شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

یہ مقالہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور سے پی ایچ ڈی سطح پر ہوا ہے، اس مقالہ میں اہل سنت و اہل تشیع کے مشترکات پر بحث کی گئی ہے۔ یہ مقالہ تین سو آٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔

3) **اہل سنت اور اہل تشیع کے اصول تفسیر کا تقابلی مطالعہ** (مقالہ ایم فل) مقالہ نگار، احتشام الحق، نگران مقالہ، ڈاکٹر عبد الحمید خاں عباسی، شعبہ تفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

یہ مقالہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد کے شعبہ تفسیر میں ایم فل سطح پر ہوا ہے، اس میں اہل سنت اور اہل تشیع کے تفسیری اصول کا موازنہ کیا گیا ہے۔

4) **اہل تشیع کے اصول تفسیر کا تحقیقی مطالعہ** (مقالہ ایم فل) مقالہ نگار، صدا حسین، نگران مقالہ، ڈاکٹر سید ازکیاہاشمی، شعبہ علوم اسلامیہ، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ

یہ مقالہ ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ کے شعبہ علوم اسلامیہ میں ایم فل سطح پر ہوا ہے، اس میں اہل تشیع کے اصول تفسیر پر بحث کی گئی ہے، نیز اس مقالہ نگار کا ایک آرٹیکل بعنوان **"اہل تشیع کے عمدہ لسانیاتی اصول تفسیر"** نور معرفت ریسرچ جنرل میں بھی شائع ہوا ہے۔

5) **صحیحین کی تفسیری روایات کا تقابلی جائزہ** (ایم فل مقالہ) مقالہ نگار، فرخندہ بٹ، نگران مقالہ، ڈاکٹر شیر علی، شعبہ علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

یہ مقالہ جی سی یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامیہ سے ایم فل سطح پر ہوا ہے، اس مقالہ میں صحیحین کی تفسیری روایات کا تقابل کیا گیا ہے، اس مقالہ میں بہت سی روایات ایسی ہیں جو ان دونوں کتب میں موجود ہیں جن کو متفق علیہ کہا جاتا ہے۔ اس مقالہ میں صحیحین کے تفسیری منہج کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

6) **اصول کافی میں امام جعفر صادقؑ سے منقول تفسیری روایات** (مقالہ) سید حسنین عباس گردیزی، نور معرفت، 2012ء

یہ مقالہ سہ ماہی مجلہ نور معرفت میں شائع ہوا ہے، یہ مقالہ اصول کافی کی کتاب التوحید میں امام جعفر صادقؑ سے منقول تفسیری روایات پر مشتمل ہے۔ نیز یہ مقالہ چودہ صفحات پر مشتمل ہے۔

7) **مکتب اہل بیت میں علوم الحدیث کا ارتقاء** (کتاب) ڈاکٹر محسن علی نقوی (کراچی: مکتبہ عماد الاسلام، 2009ء)

8) **اصول کافی** (کتاب) شارح ڈاکٹر محسن علی نقوی (کراچی: مکتبہ عماد الاسلام، 2014ء) یہ کتاب ابھی کتاب التوحید تک مکمل ہوئی ہے۔ اس کتاب کی تین جلدیں ابھی تک مکمل ہوئی ہیں۔

9) **الشافی ترجمہ اصول کافی** (کتاب) سید منیر حسین رضوی (لاہور: مصباح القرآن ٹرسٹ، س ن) یہ کتاب اصول کافی کے ترجمہ تک محیط ہے، اس کتاب کی پانچ جلدیں ہیں۔

10) **الشافی ترجمہ فروع کافی** (کتاب) سید ظفر حسن (کراچی: ظفر شمیم پبلیکیشنز ٹرسٹ، 2020ء) یہ کتاب فروع کافی کے ترجمہ تک محیط ہے۔ اس کتاب کی پانچ جلدیں ہیں۔

11) **الکلینی و الکافی** (کتاب) عبدالرسول الغفار، (قم: موسسة النشر الاسلامی، 1416ھ) اس کتاب میں امام کلینیؒ کا تعارف اور الکافی کا تعارف پیش کیا گیا ہے، نیز تدوین حدیث میں اہل تشیع کے اہم مراکز پر سیر بحث ہے۔ یہ کتاب ایک جلد پر مشتمل ہے اور اس کے پانچ سو ستاون صفحات ہیں۔

12) *An Introduction To Sahih Al-Bukhari*, Al Azami, Mustafa, (London: Turath Publishing, 2020.)

اس کتاب میں ڈاکٹر مصطفی اعظمی نے انگریزی زبان میں صحیح بخاری کا تعارف پیش کیا ہے۔

13) *A Study of Sunni and Shii Traditions Concerning Tahrif* Rasul Ja'fariyan (Al-Tawhid Islamic Journal)

یہ آرٹیکل ہے جو تین حصوں پر مشتمل ہے اور اس میں اہل سنت اور اہل تشیع کا تحریف سے متعلق روایات کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ اہل سنت کا نظریہ ہے کہ قرآن مجید تحریف شدہ نہیں ہے جبکہ اہل تشیع کا نظریہ ہے کہ قرآن مجید تحریف شدہ ہے۔ البتہ اہل تشیع کے جدید مفسرین تحریف قرآن کے قائل نہیں ہیں۔

14) *Tafseer Imam Hasan Askari*, Rizvi,Syed,Athar Hussain (Qum:Ansariyan Publications)

یہ ایک قرآنی تفسیر ہے جو انگریزی زبان میں ہے اور اس کی ایک جلد ہے۔ نیز یہ تفسیر قم ایران سے شائع ہوئی ہے۔

تحقیق میں موجود خلا:Research Gap

مذکورہ بالا تحقیقی مقالات میں **صحیح البخاری** اور **اصول کافی** کی تفسیری احادیث و آثار کا احاطہ نہیں کیا گیا۔ یعنی صحاح ستہ اور صحیحین کی تفسیری روایات پر کام ہوا ہے، لیکن ان میں **صحیح البخاری** اور **اصول کافی** کی تفسیری احادیث و آثار کا تقابلی مطالعہ موجود نہیں ہے۔ جب کہ مقالہ "اصول کافی میں امام جعفر صادقؑ سے منقول تفسیری روایات" میں صرف کتاب التوحید سے متعلق تفسیری روایات کو ہی پیش کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ تفسیری احادیث و آثار کی طرف التفات نہیں کیا گیا۔ بالفاظ دیگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ پیش نظر علمی موضوع ابھی بھی تشنہ تحقیق ہے۔

تحدید موضوع:Limitation and Delimitations

زیر تحقیق موضوع **صحیح البخاری** اور **الکافی** کی تفسیری احادیث و آثار کا تقابلی جائزہ تک محدود ہے۔ اس دوران دونوں کتب کی مشترکات اور مختلفات کو بھی جمع کیا ہے اور پھر نتائج کی ترتیب کو پیش نظر رکھا ہے۔

بیان مسئلہ:Statement of the Problem

قرآن مجید، ایک مستند اور جامع کتاب ہے اور شک وشبہ سے مبرا ہے۔ اس کی تفسیر سب سے پہلے نبی کریم ﷺ نے اپنے اقوال و افعال سے کی ہے۔ جس کو سمجھنا ہر مسلمان مرد و زن کے لیے لازم ہے۔ مذکورہ احادیث جن کتب میں موجود ہیں ان میں دو اہم کتابیں، **صحیح البخاری** اور **الکافی** ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ **صحیح البخاری** اور **الکافی** کی تفسیری احادیث و آثار کے ذریعے قرآنی آیات کو سمجھا جا سکے۔ ان کتب میں موجود مشترکات و مختلفات کا

تقابلی جائزہ پیش کیا جاسکے، تاکہ باہمی ہم آہنگی کی راہ ہموار ہوسکے۔ نیز **صحیح البخاری** اور **الکافی** کی تفسیری احادیث و آثار جن جن مسائل پر بحث کرتیں ہیں، اس کو جانا جاسکے۔

مقاصد تحقیق:Research Objectives

موضوع تحقیق کے مقاصد درج ذیل ہیں:

1) اہل سنت اور اہل تشیع کے تفسیری اصولوں کا جائزہ پیش کرنا۔

2) **صحیح البخاری** اور الکافی کا عقائد، عبادات اور معاشرت سے متعلق تفسیری احادیث و آثار جائزہ لینا۔

3) **صحیح البخاری** اور **الکافی** کی تفسیری احادیث و آثار کا تقابل کرتے ہوئے ان کی مشترکات و مختلفات کا جائزہ پیش کرنا۔

4) بین المسالک ہم آہنگی کے لیے آگاہی پیدا کرنا۔

سوالات تحقیق:Research Questions

دوران تحقیق درج ذیل بنیادی سوالات پیش نظر رہیں گے:

1) اہل سنت اور اہل تشیع کے تفسیری اصول کیا ہیں؟

2) **صحیح البخاری** اور **الکافی** کی عقائد، عبادات اور معاشرت سے متعلق تفسیری احادیث وآثار کون کون سے ہیں؟

3) **صحیح البخاری** اور **الکافی** کی تفسیری احادیث و آثار میں مشترکات اور مختلفات کون کون سے ہیں؟

4) بین المذاہب ہم آہنگی کیسے پیدا کی جاسکتی ہے؟

منہج تحقیق:Research Methods & Methodology

1) مقالہ ہذا کے معیاری پیراڈائم (Qualitative Paradigm) میں رہتے ہوئے تجزیاتی و تقابلی منہج تحقیق اختیار کیا ہے۔

2) تجزیاتی و تقابلی تحقیق میں Contant Analysis کو اختیار کیا گیا ہے۔

3) حتی الامکان بنیادی مصادر (قرآن مجید، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن ابو داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، الکافی، الاستبصار وغیرہ) سے استفادہ کیا ہے، جبکہ حسب ضرورت ثانوی مصادر سے بھی مدد لی ہے۔

4) دوران تحقیق صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں موجود تفسیری احادیث و آثار پیش کیے گئے ہیں تاہم اس کی شرح میں ضرورت کے پیش نظر دیگر کتب کی تفسیری احادیث و آثار سے استفادہ کیا گیا ہے۔ جبکہ الکافی

میں کتاب التفسیر موجود نہیں ہے اس لیے متعلقہ ابواب میں موجود تفسیری احادیث و آثار پیش کیے گئے ہیں۔

5) قرآنی آیات کے ترجمہ کے لیے شیخ عبد السلام بن محمد بھٹویؒ کی طرف رجوع کیا ہے۔

6) صحیح البخاری کی احادیث کے ترجمہ کے لیے مولانا محمد داؤد رازؒ کی شرح سے استفادہ کیا ہے۔

7) الکافی کی احادیث و آثار کے ترجمہ کے لیے سید منیر حسین رضوی اور مولانا ظفر حسن کی طرف رجوع کیا ہے۔

8) مقالہ کی تحریر اور حوالہ جات کے لیے NUML کے منظور شدہ فارمیٹ کو اختیار کیا ہے۔

9) تحقیق کے لیے عصر حاضر کے جدید ذرائع سے بھی استفادہ کیا ہے اور اس سلسلہ میں مکتبہ شاملہ اور انٹرنیٹ پر موجود مستند مواد سے بھی استفادہ کیا ہے۔

فصل دوم:

اہل سنت اور اہل تشیع کے تفسیری اصول

قرآن مجید مسلمانوں کی بنیادی کتاب ہے، جس کو سمجھنا ہر مسلمان پر لازم ہے، اور امت مسلمہ کا بہترین شخص وہی ہے جو قرآن مجید کو سیکھتا ہے اور سیکھاتا ہے۔ اس وقت امت مسلمہ کے دو بڑے مسالک زیر بحث ہیں، ایک اہل سنت اور دوسرا اہل تشیع کے نام سے موسوم ہے۔ ان دونوں مسالک نے قرآن مجید کو سمجھنے اور اس کی تشریح کے اصول بنانے ہیں، جن کی روشنی میں وہ قرآن مجید کی تفسیر لکھتے ہیں۔ ذیل میں اہل سنت اور اہل تشیع کے تفسیری اصول پیش کیے جارہے ہیں۔

مبحث اول:

اہل سنت کے تفسیری اصول

اہل سنت کا مفہوم:

اہل سنت دو الفاظ سے مرکب ہیں۔ اہل کے معنی: اشخاص، اتباع اور پیروکار کے ہیں۔ سنت کے معنی: راستہ اور طریقہ کے ہیں۔ اور مجازاً اصول مقررہ، دستور، قانون، عادت، روش زندگی اور طرز عمل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔[(1)]

ابن سیدہ لکھتے ہیں: "و السنة: السيرة حسنة كانت او قبيحة"[(2)]

(یہ اصول و قوانین اچھے ہوں یا برے ہوں۔)

علامہ زبیدیؒ لکھتے ہیں: "معناه من اهل الطريقه المستقيمة المحمودة"[(3)]

(اس کا مطلب یہ ہے سیدھا بہترین راستہ والوں میں سے ہے۔)

علامہ ازہری لکھتے ہیں:

"السنة الطريقه المستقيمة المحمودولذلک قيل فلان اهل السنة"[(4)]

(سنت سے مراد صرف سیدھا یا بہترین راستہ ہے، اسی وجہ سے تو کہتے ہیں کہ فلاں اہل سنت میں سے ہے۔)

1جوہری، اسماعیل بن حماد، الصحاح تاج اللغة و صحاح العربیہ (بیروت: دار العلم، 1954ء) ج5، ص2139-

2ابن سیدہ، علی بن اسماعیل، المحکم والمحیط الاعظم (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2000ء) ج8، ص417-

3زبیدی، محمد مرتضیٰ، تاج العروس من جواهر القاموس (بیروت: مکتبۃ الحیاۃ، س ن) ج9، ص244-

4الازہری، محمد بن احمد، تھذیب اللغة (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 2001ء) ج12، ص210-

ابن اثیر لکھتے ہیں:

"واذااطلقت فی الشرع،فانما یرادبھا:ما امر النبی اور نھی عنه و ندب الیه قولا وفعلا ممالم ینطق به الکتاب العزیز"(1)

(شرعی اصطلاح میں اس سے مراد وہ قول و عمل ہے، جس کا آپ ﷺ نے حکم دیا ہو یا اس سے منع کیا ہو جس سے کتاب اللہ خاموش ہو۔)

یاد رہے! سنت میں "خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم" کی سنت بھی داخل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ))(2)

(تو تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑو۔)

اس حدیث مبارکہ میں سنت کا لفظ خلفاء راشدین کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ لہذا سنت سے مراد نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین اور ہدایت یافتہ لوگوں کا راستہ اور طریقہ ہے۔

اہل سنت کا اصطلاحی مفہوم:

اہل سنت سے مراد وہ جماعت اور طبقہ ہے جو آپ ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنے والا صحیح عقیدہ کا حامل اور صحابہ اور رسول اللہ ﷺ کی کامل اتباع کرنے والا ہو۔ جیسا کہ آپ ﷺ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي (جس راستہ پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔)(3) کہہ کر اہل سنت کی تعریف اور پرکھنے کی کسوٹی متعین فرمادی ہے۔(4)

اصول کا مفہوم:

"اصل" کی جمع اصول ہے اس کی جمع مکسر اصول کے علاوہ اور کوئی نہیں لائی جاتی۔

امام ابن منظور لکھتے ہیں:

"الأصل: أسفل كل شيء و جمعه أصول، لا يكسر عليٰ غير ذلك"(5)

---

1 ابن اثیر، مجد الدین مبارک، النھایة فی غریب الحدیث و الاثر (مکۃ المکرمہ: مکتبہ ابن عباس احمد الباز، 1997ء) ج2، ص368-

2 ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن (الریاض: دارالسلام، 1999ء) کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنة، حدیث 4607- علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت "صحیح" ہے۔

3 ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، السنن (الریاض: دارالسلام، 1999ء) کتاب الإیمان عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب مَا جَاءَ فِي افْتِرَاقِ هَذِهِ الأُمَّةِ، حدیث 2641- اس روایت کو علامہ ناصر الدین البانیؒ نے "حسن" کہا ہے۔

4 بنوری، علامہ، محمد یوسف، دارالافتاء، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی، فتوی نمبر 143410200021-

5 افریقی، ابن منظور، ابوالفضل، جمال الدین، محمد بن مکرم، لسان العرب (بیروت: دار صادر، 1417ھ) 1/18-

(کسی بھی چیز کے سب سے نچلے حصے کو "اصل" کہتے ہیں، اس کی جمع اصول ہے اور اس کی جمع مکسر اصول کے علاوہ اور کوئی نہیں لائی جاتی۔)

تفسیر کے لغوی و اصطلاحی مفاہیم:

تفسیر کا مادہ فسر ہے، اس کے معانی، بند چیز کو کھولنا، واضح کرنا، مشکل الفاظ کے مرادی معانی پیش کرنا ہے۔

امام لغت ابن منظور کی تحقیق:

" فسر: الفَسْرُ: الْبَيَانُ. فَسَر الشيءَ يفسِرُه، بالكَسر، ويفْسُرُه، بِالضَّمِّ، فَسْراً وفَسَّرَهُ: أَبانه، والتَّفْسيرُ مِثْلُهُ. ابْنُ الأَعرابي: التَّفْسيرُ والتأْويل وَالْمَعْنَى وَاحِدٌ. وَقَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ: وَأَحْسَنَ تَفْسِيراً، الفَسْرُ: كَشْفُ المغَطّى، والتَّفْسير كَشف المراد عَنِ اللَّفْظِ المشْكل"[1]

(" فَسر "بمعنی بیان ہے یہ" فَسَرَ، يَفْسِرُ "اور" يَفْسُرُ "عین کے ضمہ و کسرہ دونوں سے مستعمل ہے۔ " فَسَرَه "یعنی اس نے واضح کر دیا۔ تفسیر اس کے ہم معنی ہے ابن الاعرابی کے بقول تفسیر و تاویل کا ایک ہی معنی ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: (وأَحْسَنَ تَفْسيراً) "یعنی بہترین وضاحت"" فسر "بند چیز کا کھولنا اور" تفسیر "مشکل الفاظ کے مرادی معنی کو کھولنا۔)

علامہ زرکشی کی تعریف:

"هو عِلْمُ نُزولِ الآيةِ وسورتِها وأقاصيصِها والإشاراتِ النَّازلةِ فيها، ثُمَّ ترتيبُ مكّيِّها ومدنيّها، ومحكمِها ومتشابِهِها، وناسخِها ومنسوخِها، وخاصِّها وعامِّها، ومطلقِها ومقيدِها، ومجملِها ومفسرِها"[2]

(تفسیر سے مراد آیات و سورت کے نزول، قصص اور ان کے بارے میں نازل شدہ اشارات، مکی و مدنی سورتوں، محکم و متشابہ، ناسخ و منسوخ، خاص و عام، مطلق و مقید اور مجمل و مفسر آیات کا علم ہے۔)

مفسر قرآن ابو حیان الاندلسی کی تعریف:

"التفسير: علمٌ يُبحثُ فيه عن كيفيةِ النطقِ بألفاظِ القرآنِ، ومدلولاتِها، وأحكامِها الإفراديَّةِ والتركيبيَّةِ، ومعانيها التي تُحملُ عليها حالَ التركيبِ، وتتماتُ ذلك."[3]

---

1 افریقی، ابن منظور، ابو الفضل، جمال الدین، محمد بن مکرم، **لسان العرب**، 5/55-

2 زرکشی، علامہ، بدر الدین، محمد بن عبد اللہ، **البرھان فی علوم القرآن** (قاہرہ: مکتبہ دار التراث، س ن) ج 2، ص 148-

3 اندلسی، ابو حیان، اثیر الدین، محمد بن یوسف، **البحر و المحیط** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1993ء) 1/10-

(''علم تفسیر'' وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی ادائیگی کی کیفیت، ان کے معانی و مفاہیم، ان کے افرادی و ترکیبی احکام زیر بحث لائے جاتے ہیں۔ نیز ان معانی و مطالب پر بحث کی جاتی ہے جو ترکیبی حالت میں ان الفاظ سے مراد ہوتے ہیں ان کے تکمیلی پہلو بھی زیر بحث لائے جاتے ہیں۔)

یہ تعریف اس لحاظ سے بہت جامع ہے کہ علم تفسیر نے اپنی مدون شکل میں جو ارتقائی مراحل طے کئے اور جو جو علوم اس کی خدمت کے لئے شامل ہوتے گئے اس تعریف میں مدون علم تفسیر کا جامع تعارف کروایا گیا ہے۔

فن تفسیر کا آغاز و ارتقاء

عہد نبوی سے عصر حاضر تک قرآنی تفسیر کئی مراحل سے گزری ہے۔ ہر ایک مرحلہ میں مفسرین اپنے اپنے اغراض و مقاصد کے پیش نظر نئے نئے انداز سے کام کرتے رہے۔ یہی اغراض و مقاصد دراصل تفسیر نویسی میں تنوع کا سبب بنتے رہے اور نتیجہ کے طور پر کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل تفسیر منظر عام پر آتی رہیں۔ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔

تفسیر عہد رسالت میں

قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا، اس زمانہ جو لوگ موجود تھے، عربی ان کی مادری زبان تھی۔ اس لیے قرآن مجید کے معانی و مفاہیم کو معلوم کرنے میں انہیں کسی قسم کوئی مشکل پیش نہیں آتی تھی، تاہم بعض مقامات پر جہاں زیادہ اجمال ہوتا تو صحابہ کرام خود نبی کریم ﷺ سے دریافت کر لیا کرتے تھے۔ تو نبی کریم ﷺ وحی کے ذریعے ان کی رہنمائی کیا کرتے تھے، اور قرآنی تفسیر بیان کر دیا کرتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾(1)

(اور ہم نے تیری طرف یہ نصیحت اتاری، تاکہ تو لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دے جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔)

عہد رسالت میں قرآنی تفسیر دو طریقوں سے ہوتی تھی: 1) تفسیر القرآن بالقرآن 2) تفسیر القرآن بالحدیث

تفسیر عہد صحابہ میں

اس عہد میں قرآن مجید کی تفسیر قرآن، احادیث اور اقوال صحابہ کے ذریعے کی جاتی رہی۔ صحابہ کرام کی فہرست میں کچھ صحابہ کرام مفسرین تھے۔ تفسیر قرآن میں خلفائے راشدین کا ایک بہت بڑا مقام ہے، ان کے علاوہ بھی نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت اس عظیم مشن کے لیے تیار کر دی تھی۔ انہوں

---

1 النحل:44

نے تفسیری احادیث وآثار بیان کیے: عبد اللہ بن عباس کا تفسیر میں ایک نام تھا، اور ان کی تفسیر آج بھی "تنویر المقباس فی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ " کے نام سے موجود ہے۔

نبی کریم ﷺ نے مفسرین صحابہ کے نام اپنی حدیث میں بھی بیان کیے ہیں۔ مثلاً:

((خُذُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَسَالِمٍ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ))(1)

(قرآن مجید چار آدمیوں سے سیکھو: (الف) سیدنا عبد اللہ بن مسعود، (ب) سیدنا سالم (سیدنا حذیفہ کے آزاد کردہ غلام)، (ج) سیدنا معاذ بن جبل، (د) ابی بن کعب)

اس عہد میں جو تفسیری مصادر تھے ان کے بارے میں محمد حسین ذہبی فرماتے ہیں:

"كان الصحابة فى هذا العصر يعتمدون فى تفسيرهم للقرآن الكريم على أربعة مصادر: الأول: القرآن الكريم. الثانى: النبى صلى الله عليه وسلم. الثالث: الاجتهاد وقوة الاستنباط. الرابع: أهل الكتاب اليهود والنصارى." (2)

(عہد صحابہ میں تفسیر کے مصادر چار تھے، پہلا: قرآن، دوسرا: حدیث، تیسرا: اجتہاد، چوتھا: اہل کتاب یہود و نصاریٰ)

بعض اہل علم نے تین مصادر بیان کیے ہیں، قرآن، حدیث اور اجتہاد، انہوں نے اہل کتاب کو اجتہاد میں ہی شامل کیا ہے۔ اس عہد میں تفسیری اختلافات کم تھے۔

تفسیر عہد تابعین میں

عصر صحابہ کے اختتام پر تفسیر قرآنی کے نئے دور کا آغاز ہوا، اس مرحلہ کی ابتداء تابعین سے ہوئی، جنہوں نے صحابہ کرام کی تعلمات کے سبب اپنی علمی پیاس بجھائی تھی۔ صحابہ کی طرح تابعین میں بھی بڑے بڑے نامور مفسرین پیدا ہوئے۔ ان کے بارے میں امام ابن تیمیہ اپنی کتاب مقدمہ فی اصول تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وأما التّفسير فأعلم الناس به أهل مكة، لأنهم أصحاب ابن عباس كمجاهد وعطاء بن أبي رباح وعكرمة مولى ابن عباس وغيرهم من أصحاب ابن عباس كطاؤوس وأبي الشعثاء وسعيد بن جبير وأمثالهم. وكذلك أهل الكوفة من أصحاب ابن مسعود، ومن ذلك ما تميزوا به عن غيرهم. وعلماء أهل المدينة في التفسير، مثل زيد بن أسلم الذي أخذ عنه مالك التفسير، وأخذ عنه أيضا ابنه عبد الرحمن، وعبد الله بن وهب"(3)

---

1 بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح (الریاض: دارالسلام، 1999ء) کتاب فضائل القرآن، باب القراء من اصحاب نبی کریم ﷺ، حدیث 4999-

2 ذہبی، ڈاکٹر، محمد حسین، التفسیر و المفسرون (قاہرہ: مکتبہ وھبہ، س ن) ج 1، ص 31-

3 ابن تیمیہ، تقی الدین، ابو العباس، احمد بن عبد الحلیم، مقدمہ فی اصول التفسیر، ص 15-

(تفسیر کے سب سے بڑے عالم اہل مکہ تھے اس لئے کہ یہ لوگ سیدنا ابن عباس جیسے عظیم مفسر کے ساختہ پرداختہ تھے۔ ابن عباس کے شاگردوں میں یہ حضرات بہت مشہور ہیں: مجاہد، عطاء بن ابی رباح، عکرمہ مولیٰ ابن عباس، طاؤس، ابو الشعثاء اور سعید بن جبیر وغیرہ۔ اہل کوفہ میں سے سیدنا ابن مسعود کے اصحاب و تلامذہ نے بہت شہرت حاصل کی۔ اُن تلامذہ میں سے بعض بہت ہی نمایاں شخصیت کے حامل تھے۔ اہل مدینہ میں بھی مفسرین کی ایک جماعت موجود تھی۔ ان میں زید بن اسلم جن سے انس بن مالک نے تفسیر کا درس لیا، خاصی شہرت کے حامل ہیں۔ زید بن اسلم سے ان کے بیٹے عبد الرحمٰن اور عبد اللہ بن وہب نے بھی استفادہ کیا۔)

مذکورہ بالا تابعین کی تفسیر کے میدان میں بہت زیادہ کاوشیں ہیں۔ اس عہد میں اسرائیلیات کی امیزش ہونی شروع ہوئی، نیز اس عہد میں تفسیری اختلافات نے جنم لیا، صحابہ کرام کے عہد میں تفسیری اختلافات نہ ہونے کے برابر تھے، تاہم عہد تابعین میں تفسیری اختلافات متاخرین کی نسبت کم تھے۔

عہد تابعین میں تفسیر کے مصادر میں قرآن، احادیث، اقوال صحابہ، اہل کتاب اور اجتہاد شامل تھے۔

تفسیر عہد تدوین میں

عہد تدوین پہلے ادوار میں تفسیر کو بذریعہ روایت نقل کیا جاتا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ سے تفسیری اقوال نقل کرتے تھے، اور صحابہ کرام اپنے اقوال بھی نقل کرتے تھے۔ اسی طرح تابعین نے بھی صحابہ کرام کی پیروی کرتے ہوئے تفسیری اقوال نقل کیے، یہ تفسیر کا پہلا مرحلہ تھا، عہد تابعین کے بعد تفسیر کے دوسرے مرحلہ کی ابتداء ہوئی۔ جب تدوین حدیث کی داغ بیل پڑی۔ حدیثِ نبوی مختلف ابواب میں منقسم تھی اور ان میں ایک باب، تفسیر پر بھی مشتمل تھا۔ اس دَور میں ایسی کوئی کتاب تالیف نہیں ہوئی تھی، جس میں ہر ہر سورت اور آیت کی الگ الگ تفسیر کی گئی ہو۔ ایسے علماء موجود تھے جو مختلف شہروں میں گھوم پھر کر احادیثِ مبارکہ کے ساتھ ساتھ تفسیری اقوال بھی جمع کرتے جو نبی کریم ﷺ یا صحابہ و تابعین کی طرف منسوب تھے۔ ان حضرات میں درج ذیل اکابر قابل ذکر ہیں:

"يزيد بن هارون السلمى المتوفى سنة 117هـ، وشعبة بن الحجاج المتوفى سنة 160هـ، ووكيع بن الجراح المتوفى سنة 197هـ وسفيان بن عيينة المتوفى سنة 198هـ، وروح عن عبادة البصرى المتوفى سنة 205هـ، وعبد الرزاق بن همام المتوفى سنة 211هـ، وآدم بن أبي إياس المتوفى سنة 220هـ، وعبد بن حميد المتوفى سنة 249هـ وغيرهم"[1]

---

1 ذہبی، ڈاکٹر، محمد حسین، التفسير و المفسرون (قاہرہ: مکتبہ وھبہ، س ن) ج 1، ص 104-

(یزید بن ہارون سلمیؒ(م 117ھ)، شعبہ بن حجاجؒ(م 160ھ)، و کیع بن جراحؒ(م 197ھ)، سفیان بن عیینہؒ(م 198ھ)، روح بن عبادہ بصریؒ(م 205ھ)، عبد الرزّاق بن ہمامؒ(م 211ھ)، آدم بن ابی ایاسؒ (م 220ھ)اور عبد بن حمیدؒ(م 249ھ)وغیرہ)

یہ تمام علماء محدثین میں سے تھے اور تفسیری اقوال کو الگ طور پر نہیں بلکہ احادیث کی حیثیت سے جمع کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے پیش رَو ائمہ تفسیر سے جو کچھ بھی نقل کیا تھا اس کو انکی جانب منسوب کر دیا تھا۔ لیکن گردشِ زمانہ سے یہ مجموعے ہم تک نہ پہنچ سکے۔

تیسرے مرحلہ پر پہنچ کر تفسیر قرآن نے حدیثِ نبوی سے الگ ہو کر ایک جداگانہ علم کی حیثیت اختیار کر لی۔ اب قرآنی ترتیب کے مطابق ہر ہر آیت کی تفسیر مرتّب کی جانے لگی۔ اس میں حسبِ ذیل علماء نے حصہ لیا:

"ابن ماجه المتوفى سنة 273هـ، وابن جرير الطبرى المتوفى سنة 310هـ، وأبو بكر بن المنذر النيسابورى المتوفى سنة 318هـ، وابن أبي حاتم المتوفى سنة 327هـ، وأبو الشيخ بن حبان المتوفى سنة 369هـ، والحاكم المتوفى سنة 405هـ، وأبو بكر بن مردويه المتوفى سنة 410هـ، وغيرهم"[1]

(امام ابن ماجہؒ(م 273ھ)، ابن جریر طبری(م 310ھ)، ابو بکر بن منذر نیشاپوری(م 318ھ)، ابن اَبی حاتم(م 327ھ)، ابو الشیخ ابن حبان(م 369ھ)، امام حاکم(م 405ھ)اور ابو بکر بن مردویہ(م 410ھ)وغیرہ)

یہ تمام تفاسیر نبی ﷺ اور صحابہ، تابعین واتباع تابعین سے بالاسناد منقول ہیں۔ ان میں تفسیر بالماثور کے سوا کچھ نہیں۔ البتہ اس دَور کی جس تفسیر کو شہرت عام اور بقائے دوام حاصل ہوا وہ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کی تفسیر "جامع البیان" ہے، جو تفسیر بالماثور کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔ امام ابن جریر طبریؒ نے اس میں تفسیری اقوال ذکر کر کے ان کی توجیہ کی اور بعض کو راجح اور دوسروں کو مرجوح قرار دیا ہے۔ جہاں ضرورت پڑی وہاں بعض کلمات کی اعرابی حالت بھی بتائی ہے، جن آیات مبارکہ سے احکام کا استنباط ممکن تھا ان سے شرعی احکام اخذ کیے ہیں۔

اس دَور میں ابو عبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ (متوفیٰ 223ھ) نے لغوی اور عقلی زاویہ نظر سے، علی بن حسن بن فضال رحمہ اللہ (متوفیٰ 224ھ) نے شیعی نقطۂ نظر سے، ابو سہل بن عبد اللہ تستری رحمہ اللہ (متوفیٰ 283ھ) نے متصوفانہ اسلوب سے، ابو علی جبائی رحمہ اللہ (متوفیٰ 303ھ) نے معتزلی نقطۂ نظر سے، ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ (متوفیٰ 324ھ) نے اشعری، ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ (متوفیٰ 333ھ) نے ماتریدی زاویۂ نگاہ سے تفسیریں لکھیں۔

پانچویں صدی ہجری میں علامہ ابن فورک رحمہ اللہ (متوفیٰ 406ھ) نے کلامی انداز میں "معانی القرآن"، ابو عبد الرحمٰن سلمی رحمہ اللہ (متوفیٰ 412ھ) نے صوفیانہ اسلوب سے "حقائق التفسیر"، ابو اسحاق احمد بن محمد ثعلبی

---

1 ذہبی، ڈاکٹر، محمد حسین، التفسیر و المفسرون (قاہرہ: مکتبہ وھبہ، س ن) ج 1، ص 104-

رحمہ اللہ (متوفیٰ 427ھ) نے لغوی و فقہی طریقے سے ''الکشف والبیان فی تفسیر القرآن'' اور ابو جعفر طوسی رحمہ اللہ (متوفیٰ460ھ) نے شیعی نقطۂ نظر کے موافق ''البیان فی تفسیر القرآن'' کے نام سے کتبِ تفسیر لکھیں۔ ان میں مؤخّر الذکر کتاب خاصی ضخیم ہے اور بیس جلدوں پر مشتمل ہے۔

اس مرحلے میں تفسیر کے حدیث نبوی سے جدا ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے قبل تفسیر کے سلسلہ میں جو مساعی سرانجام دی گئی تھیں، وہ سب رائیگاں ہو گئیں بلکہ تفسیر کا تدریجی سلسلہ جاری رہا۔ ابتدائی مرحلہ میں تفسیری اقوال بطریق اخذ و روایت نقل کیے جاتے تھے۔ دوسرے مرحلہ میں تفسیر کی تدوین ابوابِ حدیث کے ایک باب کے اعتبار سے کی جانے لگی اور تیسرے مرحلے میں ایک مستقل علم کی حیثیت سے جداگانہ طور پر تفسیر کی تدوین کا آغاز ہوا۔ مگر ایسے محدثین بھی تھے جو اس مرحلہ میں بھی تفسیری اقوال کو حدیث کے ایک باب ہی کے ضمن میں جمع کرتے رہے، اس میں ان کا دار و مدار فقط نبی کریم ﷺ اور صحابہ و تابعین سے منقول احادیث و آثار پر تھا۔

اہل سنت کے تفسیری اصول

سلف صالحین، علماء امت و مفسرین کرام کے مرتب کردہ اصول تفسیر امت کے پاس موجود ہیں۔ ان میں سے کچھ اصول قرآن کریم سے مستنبط ہوئے ہیں، کچھ اصول وہ ہیں جو نبی کریم ﷺ کی احادیث سے استنباط شدہ ہیں ، کچھ اصول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ کے فرامین سے اخذ کیے ہیں اور کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر اور اپنی بصائر سے کام لے کر مرتب کیے ہیں۔ اہل سنت کے تفسیری اصول ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں:

1) تفسیر القرآن بالقرآن:

اہل سنت کا پہلا تفسیری اصول **"تفسیر القرآن بالقرآن"** ہے۔ قرآن مجید کی تفسیر کرتے وقت سب سے پہلے قرآن مجید کی طرف رجوع کیا جائے گا، قرآن مجید میں اگر ایک مقام پر ابہام ہے تو دوسرے مقام پر اسی کو دفع کر دیا جاتا ہے۔ کہیں کلام مجمل ہے تو دوسرے مقام پر اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کہیں کلام مطلق ہے کہیں مقید، کہیں عموم ہے تو کہیں خصوص ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

" إنَّ أصَحَّ الطُّرُقِ في ذلك أنْ يُفَسَّرَ القرآنُ بالقرآنِ ، فما أُجْمِلَ في مكَانٍ فإنه قد بُسِطَ في مَوْضِعٍ آخرَ "[1]

---

1 ابن کثیر، ابو الفداء، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، ج1، ص8-

(قرآن کریم کی تفسیر کا بہترین طریقہ تفسیر القرآن بالقرآن ہے، اس میں ایک مقام پر اجمالا بیان ہوا ہے تو دوسرے مقام پر تفصیل سے بیان ہوا ہے۔)

قرآن مجید میں بہت سی آیات ایسی ہیں کہ اگر وہ ایک موقع پر مختصر ہیں تو کسی دوسرے موقع پر مفصل، لہذا ایک آیت کی تفسیر دوسری جگہ وارد تفصیلی آیات ہی سے کی گئی ہے۔ مثلاً:

﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾[1] (ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام کیا۔)

اس کی تفسیر "سورۃ النساء" کی درجِ ذیل آیت میں کی گئی ہے:

﴿وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ فَأُوْلَٰٓئِكَ مَعَ ٱلَّذِينَ أَنۡعَمَ ٱللَّهُ عَلَيۡهِم مِّنَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ وَٱلصِّدِّيقِينَ وَٱلشُّهَدَآءِ وَٱلصَّٰلِحِينَۚ وَحَسُنَ أُوْلَٰٓئِكَ رَفِيقٗا﴾[2]

(اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمابرداری کرے تو یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین میں سے اور یہ لوگ اچھے ساتھی ہیں۔)

مذکورہ بالا مثال قرآنی میں انعام یافتہ لوگوں کی تفسیر پیش ہوتی ہے۔ اس کی وضاحت دوسرے مقام پر انعام یافتہ لوگوں میں انبیاء کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین کو شامل کیا گیا۔ گویا پہلی آیت میں انعام یافتہ لوگوں کا اجمالاً ذکر ہوا ہے اور اس کی وضاحت دوسرے مقام میں پیش ہوئی ہے۔

2) تفسیر القرآن بالحدیث:

اہل سنت کا دوسرا تفسیری اصول "**تفسیر القرآن بالحدیث**" ہے، مفسر کو تفسیر کے سلسلے میں قرآن مجید کے بعد نبی کریم ﷺ کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔ اور یہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل تھا۔ آپ ﷺ شارح قرآن ہیں۔ قرآن کی تشریح وتوضیح کا فریضہ نزول قرآن کے ساتھ ہی آپ ﷺ پر عائد تھا۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

" فَعَلَيْكَ بالسُّنَّة ؛ فإنها شَارِحةٌ للقُرْآنِ وَمُوَضِّحةٌ له"[3]

(سنت قرآن مجید کے بہترین شارح ہے۔ اور قرآن مجید کی وضاحت کرتی ہے۔)

قرآن مجید کی تفسیر نبی کریم ﷺ نے کی ہے، ذیل میں مثال پیش کی جارہی ہے۔

---

1 الفاتحہ:6-7

2 النساء:69

3 ابن کثیر، ابوالفداء، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، ج1، ص8-

ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾[1]

(بلاشبہ یقیناً اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا جب اس نے ان میں ایک رسول انھی میں سے بھیجا، جو ان پر اس کی آیات پڑھتا اور انھیں پاک کرتا اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، حالانکہ بلاشبہ وہ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔)

تفسیر قرآن کریم بذریعہ سنت نہ صرف ضروری ہے بلکہ واجب ہے۔ آپ ﷺ کے اقوال و افعال کی شریعت میں حجیت خود قرآن بیان کرتا ہے۔﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾[2]

(اور رسول تمھیں جو کچھ دے تو وہ لے لو اور جس سے تمھیں روک دے تو رک جاؤ۔)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:((أَلاَ إِنِّي أُوتِيتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهُ))[3]

(سنو، مجھے کتاب (قرآن) دی گئی ہے اور اس کے ساتھ اسی کے مثل ایک اور چیز بھی (سنت) دی گئی۔)

گویا ہمیں قرآن مجید کے معانی و مفاہیم کو سمجھنے کے لیے احادیث رسول ﷺ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ قرآن مجید کے بہترین شارح ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی اس تفسیر کو تفسیر بالماثور کہا جاتا ہے۔اور یہ تفسیر بالرائے پر فائق واولیٰ ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اگر قرآن مجید کے معنی سمجھنے میں ابہام یا اشکال ہوتا تو وہ آپ ﷺ سے رجوع کرتے تھے۔حدیث نبوی ﷺ، قرآن کریم کی مجمل آیات کی توضیح کرتی ہے، عام آیات کی تخصیص کرتی ہیں اور مطلق آیات کی تقیید کرتی ہے۔ مثلاً:﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾[4](وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو بڑے ظلم کے ساتھ نہیں ملایا۔)

اس قرآنی آیت کی تفسیر نبی کریم ﷺ نے یوں فرمائی:

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ . رضى الله عنه . قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ شَقَّ ذَلِكَ عَلَى أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَقَالُوا أَيُّنَا لَمْ يَلْبِسْ إِيمَانَهُ بِظُلْمٍ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم " إِنَّهُ لَيْسَ بِذَاكَ، أَلاَ تَسْمَعُ إِلَى قَوْلِ لُقْمَانَ لاِبْنِهِ ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾"))[5]

---

1 آل عمران:164

2 الحشر:7

3 ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، كِتَاب السُّنَّةِ، باب فِي لُزُومِ السُّنَّةِ، حدیث4606-

4 الانعام:82

5 بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح(الریاض:دارالسلام،1999ء)کتاب التفسیر القرآن، باب لاَ تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ،حدیث -4776

(عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ [1] نے بیان کیا کہ جب آیت ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ کہ "جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کی آمیزش نہیں کی۔" نازل ہوئی تو اصحاب رسول ﷺ بہت گھبرائے اور کہنے لگے کہ ہم میں کون ایسا ہو گا جس نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کی ملاوٹ نہیں کی ہو گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آیت میں ظلم سے یہ مراد نہیں ہے۔ تم نے لقمان علیہ السلام کی وہ نصیحت نہیں سنی جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھی ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ کہ "بیشک شرک کرنا بڑا بھاری ظلم ہے۔")

اس آیت میں لفظ "ظلم" سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان ہو گئے کہ ہم میں سے ایسا کوئی شخص بھی نہیں ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو، تو نبی کریم ﷺ نے ایک آیت ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ [2] کی روشنی میں وضاحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: "یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔"

3) اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم:

اہل سنت کا تیسرا تفسیری اصول **"اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم"** ہے۔ جب تفسیر، قرآن و سنت دونوں میں نہ ملے تو اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع کیا جائے گا، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ نزول قرآن کے مخصوص قرآئن و حالات سے زیادہ باخبر ہونے کی وجہ سے آیات کے معنی و مطالب سے واقف تھے، نیز فہم تام، علم صحیح اور عمل صالح کی صفات کے مالک بھی تھے۔ لہذا تفسیر کرتے ہوئے قرآن و سنت کے بعد اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھرپور استفادہ کرنا چاہیے۔

صحابی کی تعریف:

"وَهُوَ: مَنْ لَقِيَ النَّبِيَّ -صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَسَلَّمَ- مُؤْمِنًا بِهِ، وَمَاتَ عَلَى الْإِسْلَامِ" [3]

(وہ شخص جس نے ایمان کی حالت میں نبی کریم ﷺ سے ملاقات کی اور اسلام پر ہی وفات پائی ہو۔ صحابی کہلاتا ہے۔)

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

" إذا لم نَجِدِ التفْسِيرَ فِي القُرآنِ ولا في السُّنةِ رَجَعْنا في ذلك إلى أَقْوالِ الصَّحابةِ " [4]

---

1 اس حدیث میں حضرت عبداللہ سے مراد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طبقہ میں جب عبد اللہ مطلق ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے مراد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہے۔ حماد، ابو محمد، عبد الستار، **هداية القاري شرح صحيح البخاري** (الریاض: دارالسلام، س ن) ج1، ص160۔

2 لقمان:13

3 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، **نخبة الفكر** (قاہرہ: دارالحدیث، 1998ء) ج4، ص724۔

4 ابن کثیر، ابو الفداء، عماد الدین، اسماعیل بن عمر، **تفسیر القرآن العظیم**، ج1، ص7۔

(جب ہمیں قرآن اور سنت میں تفسیر نہ ملے تو پھر اقوال صحابہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔)

گویا صحابہ کرام کے اقوال روایت کی قسم سے ہے اور یہ رائے کے باب میں سے نہیں ہیں۔ پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآنی آیات و الفاظ کی جو بھی توضیح فرمائی یہ ان کے اس علم خاص سے متعلق ہے جو انہوں نے براہ راست نبی کریم ﷺ سے حاصل کیا ہے۔

تفسیر قرآن میں خلفائے راشدین کا مقام بہت بلند ہے، ان کے علاوہ بھی نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت اس عظیم مشن کے لیے تیار کر دی تھی۔

((ذَكَرَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُودٍ فَقَالَ لَا أَزَالُ أُحِبُّهُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ خُذُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَسَالِمٍ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ)) [1]

(سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہمانے عبد اللہ بن مسعود کا ذکر کرتے ہوئے کہا: اس وقت سے ان کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی جب سے میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: قرآن مجید چار آدمیوں سے سیکھو: سیدنا عبد اللہ بن مسعود، سیدنا سالم (سیدنا حذیفہ کے آزاد کردہ غلام)، سیدنا معاذ بن جبل، ابی بن کعب رضی اللہ عنہم۔)

انہی مفسر صحابہ کرام میں سے ایک بہت بڑا مقام سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی ہے۔ جو "ترجمان القرآن" ہیں اور جن کے لیے نبی کریم ﷺ نے دعا فرمائی ((اللَّهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ))[2] (اے اللہ! انہیں کتاب کا علم عطا فرما۔) اور فرمایا: ((اللَّهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ))[3] (اے اللہ! انہیں حکمت و دانش سکھا۔) نیز فرمایا: ((اللَّهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ))[4] (اے اللہ! انہیں دین میں فقاہت نصیب فرما۔)

4) اقوال تابعین:

اہل سنت کے تفسیری اصول میں **"اقوال تابعین"** بھی ہے، جب کسی قرآنی آیات کی تفسیر قرآن، حدیث، اور اقوال صحابہ سے نہ ملے تو ایسے موقع پر تابعین کی تفسیر سے مدد لی جائے۔

تابعی کی تعریف:

امام حاکمؒ کے نزدیک تابعی کی تعریف یہ ہے: "التابعي من صحب الصحابي "[5]

---

1 بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب فضائل القرآن، باب القراء من اصحاب نبی کریم ﷺ، حدیث 4999-

2 بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب قول النبی ﷺ اللَّهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ، حدیث 75-

3 بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب ذکر ابن عباس رضی اللہ عنہما، حدیث 3756-

4 بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الوضوء، باب وضع الماء عند الخلاء، حدیث 143-

5 نیشاپوری، امام حاکم، ابو عبد اللہ، محمد بن عبد اللہ، معرفة علوم الحديث، ص 42-

(تابعی وہ ہے جسے صحابی کی رفاقت حاصل ہوئی ہو۔)

امام حاکمؒ کے نزدیک تابعی ہونے کے لئے صحابی کی طویل رفاقت ضروری نہیں، بلکہ صحابی سے سماع یا ملاقات بھی کافی ہے۔

امام ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

" التَّابِعِيِّ: وَهُوَ مَنْ لَقِيَ الصَّحَابِيَّ "[1] **(تابعی وہ ہے جس کی صحابی سے ملاقات ثابت ہو۔)**

مقدمہ ابن الصلاح میں تابعی کی تعریف یوں بیان کی:

" والتابعي اللاقي لمن قد صحبا وللخطيب حده أن يصحبا "[2] **(تابعی وہ ہے جس کی صحابی سے ملاقات ثابت ہو، جبکہ خطیب بغدادی کے نزدیک تابعی وہ ہے جسے صحابی کی رفاقت حاصل رہی ہو۔)**

امام ابن تیمیہؒ تفسیر القرآن باقوال التابعین کے بارے میں فرماتے ہیں:

" إذا لم تجد التفسير في القرآن ولا في السنة، ولا وجدته عن الصحابة، فقد رجع كثير من الأئمة في ذلك إلى أقوال التابعين "[3] **(اگر قرآن، سنت اور اقوال صحابی سے تفسیر نہ ملے تو اقوال تابعین کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔)**

5) اسباب نزول:

اہل سنت کے نزدیک اسباب نزول کے ذریعے بھی تفسیر کی جاتی ہے۔ بعض قرآنی آیات کے پیچھے کوئی سبب ہوتا ہے، تو اس سبب کے ذریعے صحیح قرآنی معرفت ہوتی ہے، اسی وجہ سے قرآن مجید کی تفسیر میں اسباب نزول کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ عموماً تفسیر میں آیات اور سورتوں کی شان نزول بیان کرتے ہوئے صحیح وضعیف روایات کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا، لیکن ایک مفسر کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ شان نزول میں بھی صحیح روایات اور مستند روایات ہی ذکر کی جائیں، اور جن روایات کی اسانید صحیح نہیں ہیں ان روایات سے اجتناب کیا جائے۔

اسباب نزول کی تعریف:

امام محمد عبد العظیم زرقانی اسباب نزول کی تعریف یوں کرتے ہیں:

" سبب النزول هو ما نزلت الآية أو الآيات متحدثة عنه أو مبينة لحكمه أيام وقوعه. "[4]

---

1 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، نخبة الفکر (قاہرہ: دار الحدیث، 1998ء) ج4، ص724۔

2 ابن الصلاح، ابو عمرو، تقی الدین، عثمان بن عبد الرحمن، معرفة أنواع علوم الحديث ويُعرف بمقدمة ابن الصلاح (بیروت: دار الکتب، 2002ء) ص40۔

3 ابن تیمیہ، ابو عباس، تقی الدین، احمد بن عبد الحلیم، مقدمة فی اصول التفسیر (بیروت: مکتبۃ الحیاہ، 1980ء) ص44۔

4 زرقانی، محمد، عبد العظیم، مناهل العرفان فی علوم القرآن، ج1، ص106۔

(جن حالات وواقعات، اعتراضات واستفسارات وغیرہ کے جواب میں قرآن کا جو حصہ نازل ہوا۔ وہ وجہ یا سبب ہی ان آیات یا سورہ یا سبب نزول کہلاتا ہے۔)

قرآن مجید میں اسباب نزول سے متعلق بہت سی آیات وارد ہیں۔ جن میں سے ایک آیت مثال کے طور پر پیش کی جارہی ہے۔ ارشاد باری ہے:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى﴾[1]

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نماز کے قریب نہ جاؤ اس حال میں جب تم نشے میں ہو۔)

((عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ صَنَعَ لَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ طَعَامًا فَدَعَانَا وَسَقَانَا مِنَ الْخَمْرِ فَأَخَذَتِ الْخَمْرُ مِنَّا وَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَقَدَّمُونِي فَقَرَأْتُ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَنَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ قَالَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ ﴾))[2]

(سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبدالرحمن بن عوف نے ہمارے لیے کھانا پکایا، پھر ہمیں بلایا اور ہمیں شراب پلائی، شراب نے ہمیں مدہوش کر دیا، اتنے میں نماز کا وقت آگیا انہوں نے مجھے امام بنادیا میں نے پڑھا: ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَنَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ﴾ (کہہ دیجیے اے کافرو! میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو اور ہم اس کی عبادت کرتے ہیں جس کی تم عبادت کرتے ہو۔) تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ﴾)

اس آیت کریمہ میں سبب نزول پیش کیا گیا ہے کہ شراب کیوں اور کب حرام ہوئی تھی؟ تو اس سبب نزول سے امت مسلمہ کی رہنمائی ہوتی ہے کہ شراب پینے کی وجہ سے نماز میں قرآنی آیات کی غلط قراءت کی وجہ سے یہ حکم نازل ہوا کہ اب شراب حرام ہے۔ اور نشہ کی حالت میں نماز کے قریب آنے سے منع کیا گیا۔

6) اسرائیلیات:

اہل سنت کے نزدیک "اسرائیلیات" کے ذریعے بھی قرآنی تفسیر کی جاتی ہے۔ اہل کتاب جب اسلام میں داخل ہوئے تو اپنی سابقہ ثقافت، معاملات، اور انبیاء کرام کے جو حالات وواقعات کتب سابقہ میں موجود تھے، ہمراہ

---

1 النساء:43

2 ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، السنن، کتاب تفسیر القرآن عن نبی کریم ﷺ، باب ومن سورۃ النساء، حدیث 3026- علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت "صحیح" ہے۔

لیتے آئے۔ یہ لوگ اپنی کتب سابقہ اور ثقافت دینیہ کی روشنی میں قرآن مجید کے بعض مقامات کی تفصیلات بیان کیا کرتے تھے، اس طرح کی روایات کو تفسیری ادب میں "اسرائیلیات" کہا جاتا ہے۔[1]

کتب تفاسیر میں اسرائیلی روایات کثیر تعداد میں بیان ہوئی ہیں۔ ایسی روایات کی تین قسمیں ہیں اور ہر قسم کا حکم علیحدہ ہے۔

" أَحَدُهَا: مَا عَلِمْنَا صِحَّتَهُ مِمَّا بِأَيْدِينَا مِمَّا يَشْهَدُ لَهُ بِالصِّدْقِ، فَذَاكَ صَحِيحٌ. وَالثَّانِي: مَا عَلِمْنَا كَذِبَهُ بِمَا عِنْدَنَا مِمَّا يُخَالِفُهُ.وَالثَّالِثُ: مَا هُوَ مَسْكُوتٌ عَنْهُ لَا مِنْ هَذَا الْقَبِيلِ وَلَا مِنْ هَذَا الْقَبِيلِ، فَلَا نُؤْمِنُ بِهِ وَلَا نُكَذِّبُهُ "[2]

پہلی قسم وہ اسرائیلی روایات جن کی تصدیق دوسرے خارجی دلائل سے ہو چکی ہے، مثلاً فرعون کا غرق ہو جانا، سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے مقابلہ، آپ کا کوہ طور پر جانا وغیرہ، ایسی روایات اس لیے قابل اعتبار ہیں کہ قرآن مجید اور صحیح احادیث نے ان کی تصدیق کر دی ہے۔

دوسری قسم وہ اسرائیلی روایات ہیں جن کا جھوٹا ہونا خارجی دلائل سے ثابت ہو چکا ہے، مثلاً یہ کہانی کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام آخری عمر میں (معاذ اللہ) بت پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ یہ روایت اس لیے قطعاً باطل ہے کہ قرآن مجید نے اس کی صراحت کے ساتھ اس کی تردید فرمائی ہے۔

تیسری قسم ان اسرائیلی روایات کی ہے جن کے بارے خارجی دلائل سے نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ سچی ہیں اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ جھوٹی ہیں، مثلاً تورات کے احکام وغیرہ، ایسی اسرائیلی روایات کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد یہ ہے کہ: ((لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ))[3]

(جب اہل کتاب تم سے بیان کریں تو نہ ان کی تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب کرو بلکہ کہو: ﴿ آمَنَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ﴾[4] (ہم ایمان لائے اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے اور تمہاری طرف نازل کیا گیا۔)

جہاں تک تعلق ہے اس بات کا کہ اسرائیلیات کی افادیت کس قدر ہے، تو اکثر و بیشتر اسرائیلیات ایسی ہیں کہ ان سے دین میں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، اسی لیے خود اہل کتاب کا بھی ان میں بڑا اختلاف ہے اور ان اسرائیلیات کی وجہ مفسرین میں اختلاف ہوا جیسا کہ یہ اختلاف کہ اصحاب کہف کے نام کیا تھے؟ ان کے کتے کا رنگ کیسا تھا؟ ان کی تعداد کتنی تھی؟ یا یہ کہ عصائے موسیٰ کس درخت کی لکڑی کا تھا؟ وہ کون سا پرندے تھا جنہیں اللہ

---

1 القطان، مناع بن خلیل، مباحث في علوم القرآن (سعودی عرب: مکتبہ المعارف، 2000ء) ص364-365-

2 ابن کثیر، ابوالفداء، عماد الدین، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، ج1، ص9-

3 بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب قول النبی ﷺ لا تسالوا اھل الکتاب عن شیء، حدیث7362-

4 العنکبوت:46

تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے لیے زندہ کر دیا تھا؟ وغیرہ وغیرہ۔ ایسے امور جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مبہم رکھا ہے، ان کے علم سے دنیا یا دین میں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ ایسے واقعات کے بیان کی اصل غرض عبرت و موعظت ہے۔ اگر مفسر قرآن اسرائیلی روایات کو نقل کرے اور ان میں اختلافی روایات کو پائے تو اسے چاہیے کہ تمام اقوال کو جمع کرے کیونکہ ممکن ہے اس باب میں وہی قول حق ہو جسے وہ چھوڑ گیا۔

خلاصہ بحث

اہل سنت کے نزدیک قرآن مجید کے تفسیری اصول تفسیر القرآن بالقرآن ہے، اگر قرآن مجید میں تفسیر نہ ملے تو احادیث رسول ﷺ کی طرف رجوع کرنا چاہیے، اگر قرآنی تفسیر قرآن اور سنت سے نہ ملے، تو اقوال صحابہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے، اگر قرآنی تفسیر قرآن، سنت اور اقوال صحابہ سے نہ ملے، تو اقوال تابعین کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

اہل سنت کے تفسیری اصول میں اسباب نزول کو بہت اہمیت حاصل ہے، اس کے ذریعے قرآنی آیات کے نزول کی وجہ معلوم ہوتی ہے، اس سے بہترین تفسیر ہوتی ہے۔ اہل سنت کے تفسیری اصول میں اسرائیلیات کو بھی بہت اہمیت حاصل ہے۔ اسرائیلیات کی تین اقسام ہیں۔ پہلی وہ اسرائیلی روایات جن کی تصدیق قرآن و سنت میں موجود ہے، اس قسم پر عمل ہو گا۔ دوسری وہ اسرائیلی روایات جن کی تصدیق قرآن و سنت سے نہیں ملتی، اس قسم پر عمل نہیں ہو گا۔ تیسری وہ اسرائیلی روایات جن کی تصدیق نہ تو سچ پر مبنی ہو اور نہ ہی جھوٹ پر مبنی ہو تو اس قسم پر سکوت اختیار کیا جائے گا۔

مبحث دوم:

اہل تشیع کے تفسیری اصول

تمہید:

اس کائنات میں کسی شے سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے اس کے اصول و قواعد کا جاننا ضروری ہے۔ الہامی کتب میں سب سے آخری کتاب قرآن مجید ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے انسانی رشد و ہدایت کے لیے نازل کیا ہے۔ اس کتاب میں بہت سی حکمتیں، اور مسائل و احکام کے خزانے پوشیدہ ہیں۔ ان حکمتوں اور مسائل و احکام تک رسائی حاصل کرنے کے لیے ادراک کے ساتھ اصول و قواعد کو جاننا ناگزیر ہے۔ قرآنی آیات کا فہم و ادراک کے لیے اصول تفسیر کا جاننا ازحد ضروری ہے۔ ذیل میں ہم اہل تشیع کے تفسیری اصول جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

اہل تشیع کا مفہوم

شیعہ کا مادہ شیع ہے شایع، یشایع، مشایعۃ سے ہے، جس کے معنی متابعت کرنا، کسی کے پیچھے چلنا کے ہیں۔[1]

" شيع وأشياع والأشياع الْأَمْثَال والأشباه"[2]

(شیعہ کی جمع شیع اور اشیاع ہے اس کے معنی اتباع کرنے والے اور ان جیسے ہیں۔)

المعجم الوسیط میں ہے:

"شايع مشايعة تبعه و صحبه و ايده و صحبه مودع"(اتباع کرنا، ساتھی ہونا، مدد کرنا، الوداع کرتے ہوئے ساتھ ہونا۔)"شيع:انتحل مذهب الشيعه، نشر"(مذہب شیعہ اختیار کرنا پھیلانا)"الشيعة:الفرقان و الجماعة(فرقہ اور جماعت)[3]

ابن اثیر[4] نے لکھا ہے:

"أَيْ أَوْلياؤُه وأنصارُه. وأصلُ الشِّيعَةِ الفِرْقةُ مِنَ النَّاس"[5]

---

1 فراہیدی، خلیل بن احمد، کتاب العین (قم: دار الھجرہ، س ن) ج2، ص 191-

2ابراہیم مصطفیٰ، المعجم الوسیط (قاہرہ: دار الدعوۃ، س ن) ص 503-

3ابراہیم مصطفیٰ، المعجم الوسیط ، ص 503-

4 مجد دین ابن اثیر الجزری کا نام مبارک بن محمد تھا۔ اور کنیت ابو السعادات 544 ہجری میں جزیرہ ابن عمر میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو و نما پائی۔ علامہ ابن اثیرؒ 606 ہجری میں 62 سال کی عمر میں موصل میں انتقال کر گئے۔

5ابن اثیر، مبارک بن محمد، النهاية في غريب الحديث والأثر (بیروت: المكتبة العلمية، 1399ھ) ج2، ص 519-

(شیعہ اولیاء اور انصار کو کہتے ہیں، شیعہ کا اصل "الفرقة من الناس" "لوگوں کا ایک فرقہ ہے۔)

مصباح اللغات میں ہے:

شاع يشيع شيعاً "خبر کو پھیلانا" شاع شياعا "پیچھے جانا، ہمراہ جانا" شیعہ "رخصت کرنے یا مکان تک پہنچانے کے لیے ہمراہ جانا" شيع الرجل "کسی آدمی کا شیعہ ہونے کا دعویٰ کرنا" تشيع الغضب "دل میں غصہ بھڑکنا" تشايعا "مختلف گروہ بننا" شيعة الرجل "پیروکار، مددگار" شیعہ فرقۃ اس لفظ کا غالب استعمال ان لوگوں کے لیے ہے۔ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرف دار ہوں۔ اس کا واحد شیعی ہے۔[1]

شیعہ ایک فرقہ کا نام ہے اور یہ واحد و جمع اور مذکر و مونث کے لیے یکساں استعمال ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت ابن منظور افریقی نے بیان کی ہے۔

ابن منظور افریقی[2] نے لکھا ہے:

" وأَصلُ الشِّيعة الفِرقة مِنَ النَّاسِ، وَيَقَعُ عَلَى الْوَاحِدِ وَالِاثْنَيْنِ وَالْجَمْعِ وَالْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ بِلَفْظٍ وَاحِدٍ وَمَعْنًى وَاحِدٍ، وَقَدْ غلَب هَذَا الِاسْمُ عَلَى مَنْ يَتوالى عَلِيًّا وأَهلَ بَيْتِهِ، رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَجمعين، حَتَّى صَارَ لَهُمُ اسْمًا خَاصًّا فإِذا قِيلَ: فُلَانٌ مِنَ الشِّيعة عُرِف أَنه مِنْهُمْ. وَفِي مَذْهَبِ الشِّيعَةِ كَذَا أَي عِنْدَهُمْ. وأَصل ذَلِكَ مِنَ المشايَعةِ، وَهِيَ المتابَعة والمطاوَعة "[3]

(شیعہ کا اصل لوگو کا ایک فرقہ ہے۔ یہ لفظ واحد تثنیہ، جمع، مذکر اور مؤنث سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنی ایک ہی ہے۔ یہ اسم عام طور پر ان لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر یہ نام ان کے لیے مخصوص ہو گیا۔ جب کہا جائے فلان شیعہ سے ہے تو اس کا مطلب یہ ہے وہ ان میں سے ہے۔ " وَفِي مَذْهَبِ الشِّيعَةِ كَذَا "کا مطلب ہے ان کے ہاں، اور اس لفظ کا اصل مشایعت سے ہے، جس کے معنی متابعت اور مطاوعت ہیں۔)

القیومی نے لکھا ہے:

"(الشِّيعَةُ) الْأَتْبَاعُ والْأَنْصَارُ وَكُلُّ قَوْمٍ اجْتَمَعُوا عَلَى أَمرٍ فَهُمْ (شِيعَةٌ) ثُمَّ صَارَتِ (الشِّيعَةُ) نَبْزاً لِجَمَاعَةٍ مَخْصُوصَةٍ والْجَمْعُ (شِيَعٌ) "[4]

---

1 ابو الفضل، عبد الحفیظ، **مصباح اللغات** (لاہور: مکتبہ قدوسیہ، 1999ء) ص 435-436-

2 آپ کا نام محمد بن مکرم ہے، ابن منظور کے نام سے مشہور ہیں۔ 1230ء بمطابق 630ھ قاہرہ میں ہوئی مولف لغت، شعر و ادب کی تعلیم قاہرہ میں پائی۔ دیوان انشاء میں ملازم ہوئے۔ بعد میں طرابلس کے قاضی بنائے گئے۔ اس کے بعد مصر واپس آ گئے۔ زبان و بیان کے بادشاہ تھے۔ عربی زبان میں سب سے جامع مستند اور ضخیم لغت لسان العرب کے مولف ہیں۔ اسے عربی زبان کا انسائیکلوپیڈیا کہا جا سکتا ہے۔ یہ لغت بڑے سائز کی بیس ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

3 افریقی، ابن منظور، محمد بن مکرم، **لسان العرب** (بیروت: دار الحیاء التراث العربی، س ن) ج 8، ص 189-

4 القیومی، احمد بن محمد، **المصباح المنير** (بیروت: المكتبة العصريّة، 1418ھ) ص 329-

(شیعہ پیروکار اور مددگار کو کہتے ہیں، ہر قوم جو کسی ایک معاملے پر اکٹھے ہو جائیں وہ شیعہ ہیں، پھر شیعہ کا نام ایک مخصوص جماعت کے لیے استعمال ہونے لگا۔ اس کی جمع شیع ہے۔)

المعجم الوسیط میں ہے:

" الشيعة فِرْقَة كَبِيرَة من الْمُسلمين اجْتَمعُوا على حب عَليّ وَآله وأحقيتهم بِالْإِمَامَةِ "[1]

(شیعہ مسلمانوں کا بڑا فرقہ ہے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی آل کی محبت پر اکٹھے ہوئے اور انہی کو امامت کا حق دار سمجھتے ہیں۔)

مذکورہ بالا تعریفات سے واضح ہوتا ہے کہ "اہل تشیع" اس جماعت کو کہا جاتا جو امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی امامت بلا فصل کا اعتقاد رکھتی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جماعتِ صحابہ سے افضل اور رسول اکرم ﷺ کا جانشین سمجھتی ہے اور ان کا یقین ہے کہ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرزندوں میں نسل فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا میں جاری رہے گی اور ان کے علاوہ کسی اور کو امامت کا حق نہیں ہے۔

اہل تشیع مفسرین کے نزدیک اصول تفسیر کا مفہوم

مفسرین کی اصطلاح میں تفسیر کی تعریف یہ ہے کہ مقررہ حدود و قیود اور اصول وضوابط کا لحاظ رکھتے ہوئے قرآن مجید کی تشریح، توضیح کرنا اور اس کے مشکل الفاظ اور جملوں کے مفہوم و مطالب کو ظاہر کرنا ہے۔ ذیل میں اہل تشیع مفسرین نے جو اصول تفسیر کی تعریفات کی ہیں ان کو مختصراً پیش کیا جائے گا۔

سید محمد باقر الصدر[2] اصول کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"العلم بالعناصر المشتركة في عملية استنباط الحكم الشرعي"[3]

(شرعی حکم کو مستنبط کرنے کے لیے مشترک عناصر کو جاننے کا نام اصول کہلاتا ہے۔)

اسماعیل طالقانی اصول کی اصطلاحی تعریف یوں کرتے ہیں:

" الأُصُولُ التي منها يَنْشَعِبُ الفُرُوْعُ"[4]

(عرف عام میں اصول ان قواعد کو کہا جاتا ہے جن پر مسائل متفرع ہوتے ہیں۔)

---

1 ابراہیم مصطفی، المعجم الوسیط (قاہرہ: دار الدعوۃ، س ن) ص 503-

2 سید محمد باقر صدر، 25 ذی القعدہ 1353ھ میں عراق کے شہر کاظمین میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا سید اسماعیل صدر چودہویں صدر ہجری میں شیعہ مراجع تقلید میں سے تھے۔ ان کا سلسلہ نسب امام موسی کاظم علیہ السلام اور ان دینی علما تک پہنچتا ہے جو ایران، لبنان اور عراق میں زندگی بسر کرتے تھے۔

3 صدر، سید، محمد باقر، المعالم الجديدة للأصول (قم: المطبعۃ شریعت، 1425ھ) ص 22-

4 الطالقانی، ابو القاسم، اسماعیل بن عباد بن العباس، المحيط في اللغه، ج 2، ص 26-

ہر کام کی اصل ہوتی ہے، اصل کی جمع اصول ہے۔ اصول کے ساتھ کام کرنے والے شخص کو ہر شعبہ میں پسند کیا جاتا ہے، بے اصولی سے کیے جانے امور کی کوئی قدر و اہمیت نہیں ہے، چاہے اس کا تعلق دنیاوی امور سے ہو یا دینی امور سے ہو۔ اس طرح قرآنی تفسیر کے لیے اہل علم نے کچھ اصول مقرر کیے ہیں، تاکہ قرآنی فہم و ادراک میں معاون ثابت ہوں۔

ابو القاسم موسوی الخوئی[1] **نے تفسیر کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا:**

"التفسیر هو ایضاح مراد الله تعالي في كتابه العزیز"[2]

(تفسیر: اللہ تعالیٰ کی کتاب کی مراد کو واضح کرنا ہے۔)

اس تعریف میں تفسیر کتاب اللہ کی مراد کی وضاحت کرنے کو کہا گیا ہے۔

شیخ طباطبائی[3] **تفسیر کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:**

"التفسیر: وهو بیان معاني الایات القرآنیة والکشف عن مقاصدها ومدالیلها "[4]

(قرآن مجید کی آیات کے معانی کو بیان کرنے اور ان کے مقاصد اور مدلول کو کھولنے کو تفسیر کہا جاتا ہے۔)

اس تعریف میں تفسیر سے مراد قرآنی آیات کے معانی بیان کرنا اور ان کے مقاصد کو واضح کرنے کو کہا گیا ہے۔

ان دونوں تعریفات میں سے شیخ طباطبائی کی تعریف جامع ہے۔ اس کے مقابلے میں ابو القاسم موسوی الخوئی کی تعریف مختصر ہے۔ اس دونوں میں ایک بات مشترک ہے وہ یہ ہے کہ قرآنی آیات (امر الٰہی) کی وضاحت ہے۔

اہل تشیع کے تفسیری اصول

جہاں تک اہل تشیع کے ہاں اصول تفسیر کا تعلق ہے، تو وہ حسب ذیل ہیں:

1) تفسیر القرآن بالقرآن

اہل تشیع کے اصول تفسیر میں پہلا اصول **"تفسیر القرآن بالقرآن"** ہے۔ یعنی قرآنی آیات کی تفسیر قرآنی آیات سے کرنا، قرآن کریم کا اسلوب یہ ہے کہ قرآن مجید میں ایک مقام پر ایک واقعہ مختصر بیان ہوا ہے تو وہی واقعہ

---

1 سید ابو القاسم خوئی نے 15 رجب سنہ 1317 ہجری کو ایران کے صوبہ مغربی آذربائیجان کے شہر خوی میں ایک علمی گھرانے میں آنکھ کھولی۔ ان کا سلسلہ نسب امام موسی کاظم (ع) تک پہنچتا ہے۔ ان کے والد سید علی اکبر خوئی نامی گرامی عالم اور شیخ عبد اللہ مامقانی کے شاگرد تھے۔ وہ حصول علم کے بعد اپنے آبائی وطن واپس لوٹ گئے اور وہیں اپنے دینی اور علمی فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہوئے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد خوی کو نجف اشرف میں سکونت اختیار کرنے کی غرض سے ترک کر دیا۔

2 الخوئی، ابو القاسم موسوی، **البیان فی تفسیر القران** (تہران: دار الثقلین، 1418ھ) ص 397-

3 محمد حسین طباطبائی یا سید محمد حسین طباطبائی (24 ستمبر 1903ء – 5 نومبر 1981ء) اپنے زمانے میں شیعہ اسلام کے ممتاز دانشور اور مفکرین میں سے تھے۔ وہ اپنی تحریر کردہ تفسیر قرآن بنام "المیزان فی تفسیر القرآن" کے باعث مشہور ہیں۔

4 طباطبائی، سید، محمد حسین، **المیزان فی تفسیر القرآن** (بیروت: موسسۃ الاعلمی للمطبوعات، 1998ء) جلد 1، ص 7-

دوسرے مقام پر تفصیل سے بیان ہوا ہے تو گویا قرآن کے ایک مقام کی تفسیر دوسرا مقام پیش کر رہا ہے۔ اہل تشیع کے نزدیک قرآن مجید کے ترجمان ائمہ معصومین اور اہل بیت ہیں۔

ابو علی فضل بن حسن طبرسی[1] نے تفسیر القرآن بالقرآن کی مثال دیتے ہوئے لکھا ہے: **قرآن مجید میں** ارشاد ہے: ﴿ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾[2]

(پھر تم اس کے بعد پھر گئے تو اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو یقیناً تم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوتے۔)

اس آیت میں لفظ " تَوَلَّيْتُمْ " استعمال کیا گیا، جس کا مطلب ہے اعراض کرنا اور منہ موڑنا۔[3] یہ لفظ قرآن مجید میں دوسرے مقام پر استعمال ہوا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ فَلَمَّا آتَاهُمْ مِنْ فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ﴾[4]

(پھر جب اس نے انھیں اپنے فضل میں سے کچھ عطا فرمایا تو انھوں نے اس میں بخل کیا اور منہ موڑ گئے، اس حال میں کہ وہ بے رخی کرنے والے تھے۔)

2) تفسیر القرآن بالحدیث

اہل تشیع کے نزدیک دوسرا تفسیری اصول **"تفسیر القرآن بالحدیث"** ہے۔ اس کو تفسیر بالماثور کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ اہل تشیع کے اکثر مفسرین اپنی کتب تفاسیر میں تفسیر بالماثور کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن کریم کی تفسیر نبی کریم ﷺ کی احادیث و آثار کے علاوہ جائز نہیں ہے۔ وہ جس طرح تفسیر میں قول رسول ﷺ حجت تسلیم کرتے ہیں، اسی طرح قول امام کو بھی حجت تسلیم کرتے ہیں۔ اور قرآنی تفسیر کو اپنی رائے سے کرنے کو جائز تسلیم نہیں کرتے۔

تاریخ تفسیر والمفسرون میں ہے:

"اہل تشیع کے نزدیک قرآن حکیم کی تفسیر و تاویل ائمہ کی خصوصیت ہے، دوسروں کو یہ درجہ حاصل نہیں کہ وہ تفسیر کر سکیں۔ اس لیے اہل بیت سے سنے بغیر کسی شخص کو قرآن مجید میں رائے زنی نہیں کرنی چاہیے۔

---

1 فضل بن حسن بن فضل طبرسی (468 یا 469ھ-548ھ) کی کنیت ابو علی اور لقب امین الاسلام ہے۔ آپ معروف شیعہ عالم دین، مفسّر، محدّث، فقیہ، متکلّم، ادیب، لغت دان اور ماہر ریاضیات ہیں۔ چھٹی صدی ہجری کے معروف ترین شیعہ علما میں سے مانے جاتے ہیں۔ تفسیر مجمع البیان انہی کی لکھی ہوئی تالیف ہے اور تفاسیر کے مآخذوں میں سے شمار کی جاتی ہے۔

2 البقرہ:64

3 طبرسی، امین الاسلام، ابو علی، فضل بن حسن، مجمع البیان فی تفسیر القرآن (بیروت: دار العلوم، 2005ء) ج1، ص174-

4 التوبہ:76

کیونکہ دوسرے لوگوں کا علم ناقص ہے۔اور وہ قرآن مجید کے ظاہری معانی کے فہم و ادراک سے قاصر و عاجز ہیں۔باطنی معانی معلوم کرنا تو اور بھی بڑی بات ہے۔"[1]

مثال: **اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:**﴿مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾[2]

(محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن آپ نبی کریم اور خاتم النبیین ہیں۔)

اس آیت کی تفسیر میں لفظ "خَاتَمَ النَّبِيِّينَ" کی تفسیر میں امام محمد بن یعقوب **الکلینی** بیان کرتے ہیں کہ:

حضرت امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہما السلام[3] ارشاد فرماتے ہیں:((لَقَدْ خَتَمَ اللهُ بِكِتَابِكُمُ الْكُتُبَ وَخَتَمَ بِنَبِيِّكُمُ الانْبِيَاءَ.))[4](بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری کتاب (قرآن مجید) پر (آسمانی) کتابیں ختم کر دیں اور تمہارے نبی ﷺ پر انبیاء کرام کو ختم کر دیا ہے۔)

اس مثال سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ قرآنی آیات کی تفسیر احادیث و آثار سے کرنی چاہیے۔اور لفظ "خَاتَمَ النَّبِيِّينَ" سے مراد نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔

3) احادیث معصومین سے قرآنی تفسیر:

اہل تشیع کے نزدیک تیسرا تفسیری اصول **"احادیث معصومین سے قرآنی تفسیر"** ہے۔نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرنے والے ائمہ اطہار بھی معصوم عن الخطا ہیں۔ائمہ اہل بیت جو روایت نقل کریں گے، اصل میں وہ روایت نبی کریم ﷺ کا قول ہوتا ہے۔اگر کسی امام نے واسطے کے ساتھ روایت نقل کی، تو یہ دیکھا جائے گا کہ امام سے اس کا سماع ہوا ہے یا نہیں؟ اگر سماع ثابت نہیں ہوا تو اس کو تفسیر بالرائے سمجھا جائے گا اور وہ ناجائز ہے۔

ابو جعفر محمد بن حسن طوسی[5] اسی اصول کے متعلق لکھتے ہیں:

"واعلم ان الرواية ظاهرة في اخبار اصحابنا بان تفسير القرآن لايجوز الا بالاثر الصحيح عن النبي وعن الائمة الاطهار عليهم السلام الذين قولهم حجة كقول النبي وان القول فيه بالراي لايجوز"[6]

---

1 حریری، غلام احمد، تاریخ تفسیر والمفسروین (فیصل آباد: ملک سنز پبلشرز، 2000ء)ص394-

2 الاحزاب:40

3 اہل تشیع علماء کرام کے نزدیک ایسی روایت جن کی سند ائمہ معصومین تک پہنچ جائے تو ایسی روایت مرفوع ہوتی ہے اور ایسی روایت کو حدیث کا درجہ دیا جاتا ہے۔اہل تشیع امام باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام کو آئمہ معصومین میں شمار کرتے ہیں۔

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، **الکافی**، كتاب الحجّة ، بَابُ الْفَرْقِ بَيْنَ الرَّسُولِ وَالنَّبِيِّ وَالْمُحَدَّثِ، باب 3، ح446/4-

5 شیخ طوسی ابو جعفر محمد بن حسن طوسی، (المتوفی 460ہجری) پانچویں صدی ہجری میں کے معروف ایرانی شیعہ اثنا عشری عالم دین تھے۔اہل تشیع کے بہت بڑے عالم دین ہیں شیعہ کتب اربعہ میں سے دو کتابیں (الاستبصار اور تہذیب الاحکام) انھی کی تالیف ہیں۔

6 طوسی، ابو جعفر، محمد بن حسن، التبیان فی تفسیر القرآن (بیروت: دار احیاالتراث العربی، س ن) ج1، ص4-

(اور جان لو! کہ ہمارے اصحاب کی خبر سے یہ روایت ظاہر ہے کہ قرآن کی تفسیر جائز نہیں ہے سوائے نبی ﷺ اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی صحیح روایت کے، جن کا قول قول کی طرح حجت ہے۔ نبی کا قول اور اس کے بارے میں رائے سے کہنا جائز نہیں ہے۔)

اہل تشیع کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر میں اقوال رسول حجت ہیں۔ صحابہ، تابعین اور باقی مسلمانوں کے اقوال معتبر نہیں۔ مگر وہ قول جو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہو تو معتبر ہو گا۔ متواتر روایت حدیث ثقلین میں بھی آپ ﷺ نے اپنے بعد اپنی عترت (اہل بیت) کے طریقہ کار کو لازم پکڑنے کا حکم دیا ہے۔ گویا اہل تشیع کے نزدیک وہ روایات معتبر ہوں گی جو ائمہ اہل بیت کے سلسلہ سے نبی کریم ﷺ تک پہنچتی ہیں۔ ان کی سند کچھ یوں گی۔

"ما رواه الصادق، عن أبيه الباقر، عن أبيه زين العابدين، عن الحسين السبط، عن أبيه أمير المؤمنين، عن رسول الله سلام الله عليهم جميعا" [1]

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ وہ مرویات جو حضرت ابوہریرہؓ، حضرت سمرہ بن جندبؓ، عمرو بن العاص، مروان بن حکم، عمران بن حطان سے منقول ہیں، تو اہل تشیع امامیہ کے نزدیک ان کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔ [2]

4) لغت سے قرآنی تفسیر:

اہل تشیع کے جدید اصول تفسیر میں چوتھا اصول **"لغت سے قرآنی تفسیر"** ہے۔ جس پر اعتماد کرتے ہوئے اہل تشیع مفسرین اپنی تصانیف میں مدد لیتے ہیں۔ قرآن کریم کے کلمات مفردہ کی تحقیق عربی لغت کے استعمال کے مطابق کرتے ہیں۔ جو الفاظ نزول قرآن کے وقت استعمال ہوتے تھے اور یہ الفاظ قرآن مجید میں کن معانی میں استعمال ہوئے ہیں، پھر سیاق وسباق کے مطابق ان کا معانی کیا ہوتا ہے، کو متعین کرنے کے لیے لغت عرب سے مدد لی جاتی ہے۔ علامہ طبرسی نے تفسیر مجمع البیان میں لغت کے حوالے سے میں نے ہر سورت کے شروع میں بتایا ہے کہ وہ مکی ہے یا مدنی، قرآت کا اختلاف، لغت اور اعراب کے متعلق نحوی بحث بعد ازاں اسباب نزول، معانی و مطالب، فقہی احکام، تاویلات و قصص کا ذکر کیا ہے پھر ربط آیات پر بحث کی ہے۔

ابو علی فضل بن حسن طبرسی خود لکھتے ہیں:

"أني قد جمعت في عربيته كل غرة لائحة، وفي إعرابه كل حجة واضحة، وفي معانيه كل قول متين، وفي مشكلاته كل برهان مبين، وهو بحمد الله للأديب عمدة، وللنحوي عدة، وللمقرئ بصيرة، وللناسك ذخيرة، وللمتكلم حجة، وللمحدث محجة، وللفقيه دلالة، وللواعظ آلة." [1]

---

1 الغطاء، کاشف، اصل الشيعة واصولها، ص236-

2 الغطاء، کاشف، اصل الشيعة واصولها، ص236-

(میں نے قرآن مجید کی عربیت، اعراب اور معانی کے متعلق ٹھوس گفتگو کی ہے، جو ادیب کے لیے مفید، نحوی کے لیے سود مند، قاری کے لیے بصیر افروز، محدث فقیہ اور متکلم کے لیے ہادی اور راہنماء ثابت ہو سکتی ہے۔)

تفسیر لغوی کی مثال: ﴿ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَى تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ☆ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ﴾[2]

(یا وہ انھیں خوف زدہ ہونے پر پکڑ لے۔ پس بے شک تمہارا رب یقیناً بہت نرمی کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ اور کیا انھوں نے اس کو نہیں دیکھا جسے اللہ نے پیدا کیا ہے، جو بھی چیز ہو کہ اس کے سائے دائیں طرف سے اور بائیں طرفوں سے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے ڈھلتے ہیں، اس حال میں کہ وہ عاجز ہیں۔)

مذکورہ بالا آیت میں لفظ " تَخَوُّفٍ " استعمال ہوا، جس کا مطلب ہے کسی سے تھوڑا تھوڑا کر کے مال لیتے رہنا کہ اس کے پاس کچھ باقی نہ رہے۔ اس طرح کی کیفیت میں آدمی کو رفتہ رفتہ مال کے ضائع ہونے کا خوف ہونے لگتا ہے۔ یہ لفظ عربی شعراء نے بھی اپنے کلام میں استعمال کیا ہے۔ عربی شاعر کہتے ہیں:

"تَخَوَّفَ الرَّحْلُ منها تامِكاً قَرِداً * كما تَخَوَّفَ عُودَ النبعةِ السَّفِنُ"[3]

(کجاوہ کی رسی اونٹنی کے کوہان کے بال کو کم کرتی رہتی ہے، جیسا کہ لوہا کشتی کی لکڑی کو کم کرتا رہتا ہے۔)

5) ناسخ و منسوخ:

اہل تشیع کے بعض مفسرین ناسخ و منسوخ کو اصول تفسیر کے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ مفسر فیض الکاشانی نے نقل کیا ہے: امام ابو عبد اللہ سے "ناسخ منسوخ، محکم متشابہ کے متعلق سوال کیا گیا" آپ نے فرمایا:

"الناسخ: الثابت، والمنسوخ ما مضى، والمحكم ما يعمل به، والمتشابه الذي يشبه بعضه بعضا."[4]

(ناسخ وہ جو برقرار ہو، منسوخ وہ جو گزر چکا ہو، اور محکم جس پر عمل کیا جائے، اور متشابہ جو ایک دوسرے کے مشابہ ہو۔)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اہل تشیع بھی نسخ کے قائل ہیں البتہ متن میں نسخ کے قائل نہیں۔ اہل تشیع کے نزدیک امام کو قرآن کریم کے کسی معنوی حکم کو منسوخ کرنے کا حق حاصل ہے۔ اہل تشیع ائمہ کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ قرآن کریم کی کسی بھی آیت کو منسوخ کر سکتے ہیں۔ نیز ائمہ کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ وہ قرآن کے کسی مطلق

---

1 طبرسی، امین الاسلام، ابو علی، فضل بن حسن، مجمع البیان فی تفسیر القرآن (بیروت: مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، 1995ء) ج1، ص35-

2 النحل: 47-48

3 ذہبی، محمد حسین، التفسیر و المفسرون (قاہرہ: مکتبۃ وھبۃ، س ن) ج1، ص29-

4 الکاشانی، فیض، محمد بن مرتضیٰ، تفسیر صافی (طہران: مکتبۃ الصدر، س ن) ج1، ص30-

حکم کو مقید یا خاص کو عام اور بالعکس کر سکتے ہیں۔ اہل تشیع کے ائمہ کو ان کے ہاں وہی قانونی حیثیت حاصل ہے جو شارح کو حاصل ہے۔

محمد صالح مازندرانی[1] اصول کافی کی شرح میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"أن حديث كل واحد من الأئمة الطاهرين قول الله عز وجل ولا اختلاف في أقوالهم كما لا اختلاف في قوله تعالى"[2]

(ہر ایک خالص ائمہ کی حدیث خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور ان کے اقوال میں کوئی اختلاف نہیں ہے جس طرح اس کے ارشاد میں کوئی فرق نہیں ہے۔)

6) قرآنی ظاہر و باطن:

اہل تشیع کے جدید مفسرین قرآن کے ظاہر و باطن کو بھی تفسیر کا ایک اصول قرار دیتے ہیں۔ قرآن مجید کی بہت سی آیات میں انہوں نے باطنی معانی و مفاہیم مراد لے کر آیات کریمہ کی تفسیر و تشریح کی ہے۔ البتہ اہل تشیع کے جدید مفسرین نے باطنی معانی مفاہیم کو مفسر کی حد تک محدود کیا ہے۔ اسے دوسروں کے خلاف حجت تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ ذیل میں مثالیں پیش کی جا رہی ہیں:

1) **ارشاد باری تعالیٰ ہے:**﴿ إِنَّا لَمَّا طَغَى الْمَاءُ حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ﴾[3]

(بلاشبہ ہم نے ہی جب پانی حد سے تجاوز کر گیا، تمھیں کشتی میں سوار کیا۔)

مفسر علی بن ابراہیم قمی[4] اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہیں:

" يَعْنِي أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عليه السلام وَ أَصْحَابَهُ"[5](اس آیت کریمہ کی تفسیر میں اہل تشیع مفسرین نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو مراد لیا ہے۔)[6]

---

1 صالح مازندرانی کا نام حسام الدین ملا محمد صالح بن احمد سروی مازندرانی ہے اور ملا صالح مازندرانی کے نام سے مشہور ہیں۔ گیارہویں صدی ہجری کے معروف شیعہ عالم اور فقیہ تھے۔ آپ کی وفات اعیان الشیعہ اور روضات الجنات کے مطابق 1081 ہجری میں ہوئی جبکہ کتاب جامع الرواۃ نے ان کی وفات کا سن 1086 ہجری ذکر کیا ہے۔ ان کے اپنے استاد علامہ محمد تقی مجلسی کے جوار میں جامع مسجد اصفہان میں دفن کیا گیا۔

2 المازندرانی، محمد صالح، شرح اصول کافی (بیروت: دار احیاالتراث العربی، 2008ء) ج2، ص225-

3 الحاقۃ: 11

4 علی بن ابراہیم قمی، شیعہ امامیہ مذہب کے فقیہ اور مفسر ہیں جو امام ہادی علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے۔ انھوں نے بہت سے اپنے آثار چھوڑے ہیں۔ تفسیر قمی کے نام سے ان کی روائی تفسیر اہم ترین کتاب سمجھی جاتی ہے۔

5 قمی، علی بن ابراہیم، تفسیر قمی (قم: دار الکتاب، 1404ھ) ج2، ص384-

6 یہ آیت مبارکہ حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں ہے اور اس کی تفسیر میں اہل تشیع مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل تشیع مفسرین باطنی تفسیر کے قائل ہیں۔

2) ارشادباری تعالیٰ ہے:﴿ وَالْمَلَكُ عَلَى أَرْجَائِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ﴾[1]

(اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور تیرے رب کا عرش اس دن آٹھ (فرشتے) اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔)

مفسر فیض الکاشانی[2] رقم طراز ہیں:

" حملة العرش ثمانية أربعة من الأولين وأربعة من الآخرين فأما الأربعة من الأولين فنوح وإبراهيم وموسى وعيسى (عليهم السلام) وأما الأربعة من الآخرين فمحمد وعلي والحسن والحسين صلوات الله عليهم"[3]

(عرش کو اٹھانے والے آٹھ میں سے پہلے چار حضرت موسیٰ، حضرت ابراہیم، حضرت نوح، حضرت عیسیٰ ہیں۔ بعد والے چار سے مراد: حضرت محمد ﷺ، حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین علیہم السلام ہیں۔)

3) ارشادباری تعالیٰ ہے:﴿ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ﴾[4] (اور جفت اور طاق کی!)

مفسر فیض الکاشانی اس آیت کریمہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"الشفع ركعتان والوتر ركعة قال وفي حديث آخر قال الشفع الحسن والحسين (عليهما السلام) والوتر أمير المؤمنين (عليه السلام)"[5]

(الشفع سے دو رکعت اور الوتر سے ایک رکعت۔ بعض اہل تشیع مفسرین نے کہاہے کہ الشفع سے مراد حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما اور الوتر سے امیر المومنین مراد ہیں۔)

7) عصمت ائمہ:

اہل تشیع عصمت ائمہ کے قائل ہیں اور وہ تفسیر کے اصول میں عصمت ائمہ کو اصل تسلیم کرتے ہیں۔ مثال: قرآن مجید میں ہے:﴿سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ﴾[6]

(ایک سوال کرنے والے نے اس عذاب کے متعلق سوال کیاجو واقع ہونے والاہے۔)

---

1 الحاقة:17

2 محمد محسن فیض کاشانی کے نام سے معروف عالم دین کا نام محمد بن مرتضی کاشانی ہے۔ یہ گیارہویں صدی کے حکیم، محدث، مفسر قرآن کریم اور اخباری فقیہ تھے۔ انھوں نے ملاصدرا، شیخ بہائی، میر فندرسکی اور میر داماد جیسے علما کی شاگردی اختیار کی۔ فیض کاشانی نے مختلف موضوعات تفسیر، حدیث، فقہ، اخلاق وعرفان میں تفسير صافی، الوافی، مفاتيح الشرائع، المحجة البيضاء اور الكلمات المكنونه جیسے آثار چھوڑے ہیں۔

3 الکاشانی، فیض، محمد بن مرتضی، تفسیر صافی (طہران: مکتبہ الصدر، س ن) ج5، ص219-

4 الفجر:3

5 الکاشانی، فیض، محمد بن مرتضی، تفسیر صافی (طہران: مکتبہ الصدر، س ن) ج5، ص324-

6 المعارج:1

اس آیت کریمہ میں نازل ہونے والے عذاب کے متعلق امام جعفر صادق سے سوال کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا:

" نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ الْمَغْرِبِ وَ مَلَكٌ يَسُوقُهَا مِنْ خَلْفِهَا حَتَّى تَأْتِيَ دَارَ بَنِي سَعْدِ بْنِ هَمَّامٍ عِنْدَ مَسْجِدِهِمْ- فَلَا تَدَعُ دَاراً لِبَنِي أُمَيَّةَ إِلَّا أَحْرَقَتْهَا وَ أَهْلَهَا- وَ لَا تَدَعُ دَاراً فِيهَا وَتْرٌ لِآلِ مُحَمَّدٍ إِلَّا أَحْرَقَتْهَا "[1]

(ایک آگ ہے، جو مغرب سے نکلے گی، اس کے پیچھے ایک فرشتہ ہو گا جو اسے ہانک رہا ہو گا، یہاں تک کہ یہ سعد بن ھمام کے پاس مسجد کے قریب جا پہنچے گی۔ پس وہ بنو امیہ کے کسی گھر اور ان کے اہل کو نہ چھوڑے گی، مگر جلا ڈالے گی پس وہ اہل بیت کے علاوہ کسی کو نہ چھوڑے گی۔)

مفسر عیاشی نے عبد اللہ بن سلام سے روایت کیا ہے، کہتے ہیں کہ ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾[2] سے مراد امیر المومنین ہیں۔[3]

مفسر سید ہاشم بحرانی[4] اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں: ﴿فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾[5] (پس وہ عمل کرے نیک عمل اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔)

اس آیت کریمہ کے بارے میں ابو عبد اللہ علیہ السلام سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

" فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صٰالِحاً وَلاٰ يُشْرِكْ بِعِبٰادَةِ رَبِّهِ أَحَداً . «الْعَمَلُ الصَّالِحُ:الْمَعْرِفَةُ بِالْأَئِمَّةِ، وَ لاٰ يُشْرِكْ بِعِبٰادَةِ رَبِّهِ أَحَداً :التَّسْلِيمُ لِعَلِيٍّ(عَلَيْهِ السَّلاَمُ)،لاَ يُشْرِكُ مَعَهُ فِي الْخِلاَفَةِ مَنْ لَيْسَ ذَلِكَ لَهُ،وَ لاَ هُوَ مِنْ أَهْلِهِ». "[6]

(اس میں عمل صالح سے مراد ائمہ کی معرفت ہے۔ اور ﴿ وَلاٰ يُشْرِكْ بِعِبٰادَةِ رَبِّهِ أَحَداً ﴾ سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلا فصل تسلیم کرنا ہے۔ پس خلافت میں اس کا کوئی شریک اور اہل نہیں۔)

8) نزول قرآن ثلاثاً یا ارباعاً:

اہل تشیع کے نزدیک اصول تفسیر **"نزول قرآن ثلاثاً یا ارباعاً"** ہے۔ اس تفسیری اصول کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کا نزول تین یا چار اقسام میں ہوا ہے۔ اس حوالے سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایات استدلال کے طور پر پیش کی جاتی ہیں آپ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

---

1 قمی، علی بن ابراہیم، تفسیر قمی (قم: دار الکتاب، 1404ھ) ج2، ص385-

2 الفاتحہ: 6

3 عیاش، ابو نصر، محمد بن مسعود، تفسیر عیاشی (لاہور: حق برادرز، 2009ء) ج1، ص22-

4 سید ہاشم بحرانی جو علامہ بحرانی کے نام سے معروف ہیں گیارہویں اور بارہویں صدی کے شیعہ فقہاء، محدثین اور مفسرین میں سے ہیں۔ ان کی مشہور تفسیر "البرھان فی تفسیر القرآن" ہے۔

5 الکھف: 110

6 البحرانی، سید، ہاشم، البرھان فی تفسیر القرآن (بیروت: موسسۃ الاعلمی للمطبوعات، 2006ء) ج5، ص100-

"نزل القرآن أثلاثا ثلث فينا وفي عدونا وثلث سنن وأمثال وثلث فرائض وأحكام."[1]

(قرآن مجید تین اقسام پر نازل ہوا ہے: ایک تہائی ہمارے اور ہمارے دشمنوں کے لیے نازل ہوا، ایک تہائی سنن اور امثال پر مشتمل اور ایک تہائی میں فرائض اور احکامات ہیں۔)

دوسری روایت ہے: ابو عبد اللہ علیہ السلام[2] نے نقل کیا:

" إن القرآن نزل أربعة أرباع ربع حلال وربع حرام وربع سنن وأحكام وربع خبر ما كان قبلكم ونبأ ما يكون بعدكم وفصل ما بينكم. "[3]

(قرآن کریم چار اقسام پر نازل ہوا ہے: ایک چوتھائی میں حلال اور حرام، ایک چوتھائی میں سنن اور احکام، ایک چوتھائی میں ماقبل اور مابعد کی خبریں ہیں۔)

اس روایت میں ایک چوتھائی قرآن کا تذکرہ موجود نہیں۔ البتہ اس کی مزید وضاحت ابن عباس کی روایت سے ہوتی ہے، جس میں آپ نے فرمایا:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ،عَنِ النَّبِيِّ(صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ)أَنَّهُ قَالَ: «إِنَّ الْقُرْآنَ أَرْبَعَةُ أَرْبَاعٍ:فَرُبُعٌ فِينَا أَهْلَ الْبَيْتِ خَاصَّةً، وَ رُبُعٌ حَلاَلٌ،وَ رُبُعٌ حَرَامٌ،وَ رُبُعٌ فَرَائِضُ وَ أَحْكَامٌ؛وَ اللَّهُ أَنْزَلَ فِينَا كَرَائِمَ الْقُرْآنِ».))[4]

(ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "قرآن کے چار چوتھائی ہیں: ہم میں سے ایک چوتھائی گھر والے ہیں، اور چوتھائی مباح ہے اور چوتھائی حرام ہے اور چوتھائی فرض اور احکام ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے عظیم قرآن نازل کیا ہے۔)

خلاصہ کلام

اہل تشیع کے نزدیک اصول تفسیر میں پہلا اصول تفسیر القرآن بالقرآن ہے، یعنی قرآنی آیات کی تفسیر قرآنی آیات سے کرنا، قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ قرآن کریم میں ایک واقعہ ایک مقام پر مختصر بیان ہوا ہے تو وہی واقعہ کسی دوسرے مقام پر تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ تو گویا قرآن مجید کے ایک مقام کی تفسیر دوسرا مقام پیش کر رہا ہے۔

---

1 مجلسی، محمد باقر، **مرآۃ العقول فی شرح اخبار آل الرسول** (تہران: دارالکتاب الاسلامیۃ، 1404ھ) ج12، ص517-

2 الکافی امام کلینیؒ کی ہے اس میں انہوں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے مراد امام صادق علیہ السلام ہے، اور اسی طرح ابو جعفر سے مراد امام محمد باقر علیہ السلام لیا ہے۔

3 مجلسی، محمد باقر، **مرآۃ العقول فی شرح اخبار آل الرسول** (تہران: دارالکتاب الاسلامیۃ، 1404ھ) ج12، ص517-

4 البحرانی، سید، ہاشم، **البرھان فی تفسیر القرآن** (بیروت: موسسۃ الاعلمی للمطبوعات، 2006ء) ج1، ص49-

اہل تشیع مفسرین کے نزدیک قرآنی تفسیر میں اقوال رسول اور ائمہ معصومین حجت ہیں، البتہ صحابہ کرام، تابعین، مسلمانوں کے اقوال قرآنی تفسیر میں معتبر نہیں ہیں۔

قرآن مجید کے شان نزول سے متعلق علم کو بعض اہل تشیع مفسرین اصول تفسیر میں شامل نہیں کرتے، تاہم بعض اس کو اصول تفسیر کے طور پر تسلیم کرتے ہیں، جو مفسرین شان نزول کے قائل نہیں ہیں ان کے نزدیک شان نزول سے آیات قرآنی کا مفہوم محدود ہو جاتا ہے۔ اور قرآنی آیات کسی ایک زمانہ کے لیے نازل نہیں ہوئی بلکہ ہر دور کے لوگوں کی رشد و ہدایت کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ شان نزول میں پیش کی جانے والی روایات کی اسانید ضعیف کے درجہ پر مشتمل ہیں۔

بعض اہل تشیع مفسرین قرآن کے ظاہر و باطن کو تفسیری اصول کے طور پر پیش کرتے ہیں، قرآن کریم کی بہت سی آیات میں انہوں نے باطنی مفاہیم مراد لے کر آیات کی تفسیر کی ہے۔ البتہ اہل تشیع کے جدید مفسرین نے باطنی مفاہیم کو مفسر کی حد تک محدود کیا ہے۔

فصل سوم:

تفسیر آیات میں صحیح بخاری اور الکافی کے اسالیب و مناہج

امام بخاری نے صحیح بخاری میں کتاب التفسیر کو بیان کیا ہے، اسی طرح آپ نے صحیح بخاری میں کتاب فضائل القرآن کو بھی قائم کیا ہے۔ ان ابواب میں آپ نے تفسیری احادیث و آثار بیان کیے ہیں۔ امام کلینیؒ نے الکافی میں کتاب التفسیر کو تو قائم نہیں کیا البتہ کتاب فضائل قرآن اور دیگر ابواب میں تفسیری احادیث و آثار بیان کیے ہیں ،ذیل میں ہم تفسیر آیات میں صحیح بخاری اور الکافی کے مناہج کا جائزہ لیتے ہیں۔

مبحث اول:

امام بخاریؒ کا تعارف

فن حدیث اور روایت و درایت کو اول تا آخر سب سے بڑھ کر جس ہستی پر فخر و ناز ہے اور جس کی بے نظیر خدمات وہ امیر المؤمنین فی الحدیث محمد بن اسماعیل البخاریؒ (م256ھ) ہیں۔ جن کی علمی جلالت، امامت، بے نظیر قوت حافظہ ،ذہانت، تقویٰ و طہارت اور سب سے بڑھ کے متون و اسانید اور اسماء الرجال میں مہارت پر تمام اہل علم متفق ہیں۔

نام و نسب:

آپ کی کنیت ابو عبد اللہ، اور محمد بن اسماعیل نام، شیخ الاسلام، امام الحفاظ، امیر المؤمنین فی الحدیث وغیرہ القاب ہیں۔ آپؒ کا نسب نامہ کچھ اس طرح سے ہے:

"أبو عبد الله مُحَمَّد بن إِسْمَاعِيل بن إِبْرَاهِيم بن الْمُغيرَة بن بردزبه الْجُعْفِيّ "(1)

(ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ الجعفی)

خاندان:

امام بخاریؒ فارسی النسل تھے، آپ کے پردادا نے حاکم بخارا ایمان جعفی کے دست پر اسلام قبول کیا، اسی لئے جعفی کہلائے۔(2)

1عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، مقدمہ فتح الباری بشرح صحیح البخاری (بیروت: دار المعرفۃ، 1379ھ) ص477-

2عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، مقدمہ فتح الباری بشرح صحیح البخاری ، ص477-(اس زمانہ کے دستور کے مطابق کہ جس کے ہاتھ پر اسلام لاتے اسی کی طرف منسوب ہوتے تھے۔)

ولادت:

آپ کی پیدائش خراساں کے مشہور شہر بخارا میں 13 شوال 194ھ بروز جمعۃ المبارک، بعد نماز جمعہ ہوئی۔[1]

پرورش:

امام بخاریؒ کے ایام طفولیت ہی میں باپ کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا تھا، ماں نے ان کی پرورش کی، امام بخاریؒ کی والدہ ماجدہ بڑی خدا رسیدہ، صاحبہ کرامات خاتون تھیں، آپؒ کی بینائی بچپن میں کسی وجہ سے جاتی رہی، ایک دن والدہ نے خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ فرمارہے ہیں:

"يَا هَذِه قد رد الله على ابْنك بَصَره بِكَثْرَة دعائك "[2]

(اے بی بی! تمہاری کثرت دعا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کے بیٹے کی بینائی لوٹادی ہے۔)

حلیہ:

امام بخاریؒ ہلکے بدن، اوسط قد و قامت، گندمی رنگ والے تھے۔[3]

طلب علم کی ابتداء اور رحلت:

امام بخاریؒ کو بچپن ہی سے طلب علم کا شوق تھا، چنانچہ آپ نے اپنے وطن بخارا ہی میں کسب علم و فیض شروع کر دیا اور دس سال یا اس سے بھی کم عمر میں حفظ حدیث میں لگ گئے، چنانچہ آپ کے کاتب کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاریؒ کو فرماتے ہوئے سنا:

"أُلهمت حفظ الحَدِيث وَأَنا فِي الْكتاب قلت وَكم أَتَى عَلَيْك إِذْ ذَاك فَقَالَ عشر سِنِين أَو أقل "[4]

(حفظ حدیث کا شوق میرے دل میں اسی وقت پیدا ہو گیا، جب میں مکتب میں تھا، میں نے کہا! اس وقت آپ کی عمر کیا تھی؟ تو فرمایا: دس سال یا اس سے کم تھی۔)

امام بخاریؒ نے اپنے وطن مالوف ہی میں رہ کر محمد بن سلام بیکندی، عبد اللہ بن محمد مسندی، ابراہیم بن الاشعت جیسے بڑے محدثین سے کسب فیض کیا۔ 205ھ میں سماع حدیث کی ابتداء ہوئی اور بچپن ہی میں محدث عبد اللہ بن مبارک کی تصانیف کو ازبر کر لیا۔[5]

---

1 اعظمی، مولانا محمد، تذکرۃ البخاری (بھنجن یوپی: مکتبہ الفہیم، 2007ء) ص 39-

2 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، مقدمہ فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ص 478-

3 اعظمی، مولانا محمد، تذکرۃ البخاری (بھنجن یوپی: مکتبہ الفہیم، 2007ء) ص 48-

4 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، مقدمہ فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ص 478-

5 ذہبی، شمس الدین، ابو عبد اللہ، محمد بن احمد، تذکرۃ الحفاظ (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1998ء) ج 4، ص 555-

مکہ کا سفر:

اس کے بعد آپ نے محدثین کے طریقے کے مطابق علمی رحلات کے لیے کمر باندھا کہ جس کے بغیر فن حدیث میں مہارت حاصل نہیں ہو سکتی تھی اور نہ ہی سنت کا خزانہ جمع ہو سکتا ہے۔ چنانچہ سولہ سال کی عمر میں آپ نے پہلا سفر والدہ ماجدہ اور بڑے بھائی کی معیت میں مہبط وحی، مرکز اسلام، مکہ معظمہ کا کیا۔ جب آپ نے سفر کیا اس وقت داڑھی اور مونچھ کے بال بھی نہیں اُگے تھے۔

علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں: " شدا وصنف وحدث وما في وجهه شعرة "[1]

(آپؒ نے سفر کیا، حدیثیں بیان کیں اور کتابیں لکھیں جب کہ آپ کے چہرے پر بال بھی نہیں اُگے تھے۔)

بڑے بھائی اور والدہ تو واپس لوٹ آئے، لیکن آپ نے جوار حرم میں رہ کر حدیثیں پڑھنا پسند کیا۔ چنانچہ مکہ معظمہ میں آپ نے ابو الولید احمد بن الازرقی، عبد اللہ بن یزید، اسماعیل بن سالم الصائغ، ابو بکر عبد اللہ بن الزبیر، علامہ حمیدی جیسے کبار محدثین سے روایات اخذ کیں۔[2]

مدینہ کا سفر:

آپ عمر کے اٹھارہویں برس 212ھ میں مدینہ پہنچے۔ مدینہ میں اس وقت جو لوگ درس دیتے تھے ان میں ابراہیم بن المنذر، مطرف بن عبد اللہ، ابراہیم بن حمزہ، ابو ثابت، محمد بن عبد اللہ، عبد العزیز بن عبد اللہ الاویس اور ان کے اقران خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[3]

دیگر بلاد کا سفر:

مدینہ منورہ میں دامن مراد کو ابھرنے کے بعد اسلامی بلاد و امصار کے تمام بلند پایہ محدثین کی طرف رخت سفر باندھا، خراسان، کوفہ، بصرہ، بغداد، حجاز، شام اور مصر تشریف لے گئے، بعض شہروں کی طرف تو متعدد بار تشریف لے گئے، چنانچہ بصرہ چار بار اور بغداد کا سفر آٹھ بار کیا ہے۔[4]

امام بخاریؒ کے شیوخ:

امام بخاریؒ نے ایک ہزار اسی (1080) اساتذہ سے حدیثیں تحریر کی۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے خود امام صاحب کا قول نقل کیا ہے: "كتبت عَن ألف وَثَمَانِينَ نفسا "[1] (میں نے ایک ہزار اسی شیوخ سے روایتیں لکھیں ہیں۔)

---

1 ایضا، ج2، ص104-

2 ایضاً

3 مبارک پوری، عبد السلام، سیرۃ البخاری، ص74-

4 مبارک پوری، عبد السلام، سیرۃ البخاری، ص76-

اسی طرح امام بخاریؒ نے ان شیوخ سے احادیث لکھی جو ایمان کے قول و عمل کے اعلی درجے پر فائز تھے۔"لم أكتب إِلَّا عَمَّن قَالَ الْإِيمَان قَول وَعمل "[2](آپؒ نے صرف ان شیوخ سے حدیثیں لکھیں ہیں جو ایمان کے قول و عمل ہونے کے قائل تھے۔)

چنانچہ بلخ میں مکی بن ابراہیم سے، بغداد میں عفان سے، مکہ میں المقری سے، بصرہ میں ابو العاصم اور محمد بن عبد اللہ انصاری، کوفہ میں عبد اللہ بن موسیٰ سے، شام میں ابو المغیرہ اور فریابی سے، عسقلان میں آدم بن نوح سے، حمص میں ابو الیمان سے، دمشق میں ابو مسہر وغیرہ جیسے صاحب امتیازات اساتذہ سے کسب فیض کیا۔[3]

آپ کے مشاہیر اساتذہ و شیوخ میں ابو بکر الحمیدی، علی بن مدینی، یحیٰ بن معین، امام احمد بن حنبلؒ، ابو نعیم فضل بن دکین کے اسماء سر فہرست ہیں۔[4]

امام بخاریؒ کے تلامذہ:

امام بخاریؒ کے تلامذہ کی صحیح تعداد تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، صرف "الجامع الصحیح" کو نوے ہزار آدمیوں نے روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مصنفات کے رواۃ الگ ہیں۔ آپ کے تلامذہ بھی علمی جلالت میں اپنا مخصوص مقام رکھتے ہیں اور یہ استاذ کی علو مرتبت پر اہم دلیل ہے۔ مشہور تلامذہ میں امام مسلم بن حجاج قشیری، امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام نسائی، امام محمد بن نصر مروزی، امام دارمی، امام ابن خزیمہ، ابراہیم الحزلی، ابو جعفر محمد بن ابی حاتم وراق کاتب بخاری اور فربری[5] کے نام سر فہرست ہیں۔

تصانیف:

امام بخاریؒ کی ان تصانیف کا ذکر حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے کیا ہے۔ جن کا تعارف حضرت مولانا عبد السلام صاحب مبارک پوریؒ نے سیرۃ البخاری میں بھی کرایا ہے۔ تصانیف کی اجمالی فہرست یہ ہے:

1)الجامع الصحيح	2)الادب المفرد	3)جزء رفع اليدين
4)جزء القراة خلف الامام	5)برالولدين	6)التاريخ الكبير
7) التاريخ الاوسط	8) التاريخ الصغير	9)خلق افعال العباد
10) كتاب الضعفاء	11) الجامع الكبير	12)المسند الكبير

---

1 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، مقدمه فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ص479-

2 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، مقدمه فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ص479-

3 ذہبی، شمس الدین، تذکرۃ الحفاظ، ج4، ص555-

4 بغدادی، خطیب، محمد بن علی، تاریخ بغداد، ج4، ص5-

5 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، مقدمه فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ص492-

13) التفسير الكبير 14)كتاب الهبة 15)كتاب الاشربة
16) اسامی الصحابة 17) كتاب الوحدان 18) كتاب العلل
19)كتاب الكنىٰ 20) كتاب الفوائد 21) قضايا الصحابة
22) كتاب الرقاق[1]

قوت حافظہ:

امام بخاریؒ قوت حافظہ میں بے نظیر تھے، آپ کے تمام تذکرہ نویسوں نے آپ کے حفظ وضبط کے عجیب عجیب واقعات بیان کیے ہیں، جب آپ بغداد تشریف لے گئے اور آپ کے حفظ وضبط کا غلغلہ ہوا تو وہاں کے علماء مشائخ نے آپ کا امتحان لینا چاہا، چنانچہ انہوں نے ایک سو حدیثوں کی سند و متن کو الٹ پلٹ کر اس حدیث کی سند کو اس حدیث سے، اس حدیث کی سند کو اس حدیث سے ملا دیا اور پھر دس دس حدیثیں ایک ایک آدمی کے ذمہ لگا دیا، اور انہیں حکم دیا کہ حاضر مجلس ہو کر امام بخاریؒ پر ان احادیث کو پیش کریں۔ چنانچہ جب مجلس منعقد ہو گئی اور سکون طاری ہو گیا تو ایک ایک آدمی نے باری باری دس دس حدیثوں کو پیش کرنا شروع کیا، امام بخاریؒ ہر بار یہی کہتے:" لَا أعرفهُ "اس طرح دسوں نے اپنی اپنی باری میں دس دس حدیثوں کو پیش کر دیا۔ آپ بس " لَا أعرفهُ "[2] فرماتے، امام بخاریؒ کے اس جواب پر باہم علماء کرام کہتے ہیں: یہ آدمی سمجھ گیا اور ناواقف کار امام بخاریؒ کے عجز اور تقصیر اور قلت حفظ کا گمان کرتے۔

آخر میں آپ پہلے شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: آپ نے جو احادیث پیش کی ہیں، وہ اس طرح ہیں ، پھر دوسرے کی طرف، اس کے بعد تیسرے کی طرف، غرض کہ باری باری تمام کی طرف متوجہ ہوئے اور ہر ایک کی پیش کردہ احادیث کی اصلاح کی سند کو اصل متن سے ملا دیا اور اس بات کا لحاظ رکھا کہ ترتیب نہ بدلنے پائے، نیز ان لوگوں نے جو غلط اور مقلوب سند و متن کیا تھا، اس کو بھی یاد رکھا اور یہ اس طرح نہیں بلکہ اس طرح ہے:

"فَأقر النَّاس لَهُ بِالْحِفْظِ وأذعنوا لَهُ بِالْفَضْلِ "[3] **(تب اس وقت لوگوں نے اس قوت حفظ اور فضل کا اعتراف کیا۔)**

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"فَمَا الْعجب من رده الْخَطَأ إِلَى الصَّوَاب فَإِنَّهُ كَانَ حَافِظًا بل الْعجب من حفظه للخطأ على تَرْتِيب مَا ألقوه عَلَيْهِ من مرّة وَاحِدَة"[4]

1 ایضاً، ص491-492-

2 ایضاً، ص486-

3 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، مقدمه فتح البارى بشرح صحيح البخارى ، ص486-

4 ایضاً

(خطاء کو صواب کی طرف پھیر دینے میں کوئی تعجب نہیں ہے، کیونکہ وہ حافظ حدیث تھے، بلکہ تعجب بات تو یہ ہے کہ انہوں نے خطاء کو اسی ترتیب سے یاد رکھا، جس ترتیب سے ان لوگوں نے پیش کیا تھا۔)

وفات:

امام بخاریؒ کا خرتنگ میں کچھ ایام قیام رہا۔ عبد القدوس روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک رات امام بخاریؒ کو دعا کرتے ہوئے سنا، جب وہ صلوۃ اللیل سے فارغ ہو چکے تھے: " اللَّهُمَّ إِنَّه قد ضَاقَتْ عَليّ الأَرْض بِمَا رَحبَتْ فاقبضني إِلَيْك "[1] (اے میرے اللہ! زمین اپنی کشادگی کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی ہے۔ تو تو مجھے اپنے دربار میں بلا لے۔)

امام بخاریؒ مستجاب الدعوات تھے، اللہ نے آپ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو شرف قبولیت بخشا، راوی کا بیان ہے: "فما تم الشهر حتى قبضه الله تعالى وقبره بخرتنك"[2] (ایک ماہ بھی نہ گذرنے پایا تھا کہ آپ مالک حقیقی سے جا ملے۔)

"بلغنا أن البخاري نزل قريةً خَرْتَنكَ على فَرسخين من سَمَرقند، فنزل على غالب بن جبريل، فمرض واشتد مرضه، ثمّ أرادَ الرُّكوب فعجز ، فقال : قد ضعفتُ. فدعا بدعوات، ثمّ اضطجع، فقُضي رحمه الله تعالى"[3]

(غالب بن جبرئیل (جن کے ہاں آپ مقیم تھے) کا بیان ہے: "آپ بیمار پڑے تو اہل سمر قند نے اپنا قاصد بھیج کر آپ کو طلب کیا، آپ نے ان کی درخواست منظور فرمالی، موزہ پہنا، عمامہ باندھا اور سوار ہونے کی تیاری کی ہے۔ ابھی بیس قدم چلے ہوں گے کہ فرمایا: مجھے چھوڑ دو، میں بہت کمزور ہو چکا ہوں، پھر آپ نے چند دعائیں کیں اور لیٹ گئے، روح قفص عنصری سے پرواز کر گئی۔)

" قال مهيب بن سليم : مات البخاري عندنا ليلة عيد الفطر من سنة ست وخمسين ومئتين ، وقد بلغ اثنتين وستين سنة "[4]

(مھیب بن سلیم بیان کرتے ہیں: عید الفطر کی رات 256ھ کو علم و فضل زہد و تقویٰ کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔ اور آپ کی عمر 62 سال تھی۔)

" ودفن يوم الفطر بعد صلاة الظهر يوم السبت لغرة شوال من سنة ست وخمسين ومائتين.عاش اثنتين وستين سنة إلا ثلاثة عشر يوما. "[5]

(عید الفطر کے دن بعد نماز ظہر روز یکم شوال 256ھ کو مدفون ہوئے، آپ کی مدت عمر 13 دن کم 62 سال ہے۔)

---

1 بغدادی، خطیب، ابو بکر، احمد بن علی، تاریخ بغداد (بیروت: دار الغرب الاسلامی، 2002ء) ج2، ص340-

2 ایضاً

3 البراک، عبد الرحمن بن ناصر، ھدی الساری مقدمہ فتح الباری (الریاض: دار طیبہ، 2005ء) ص45-

4 ایضاً

5 بغدادی، خطیب، ابو بکر، احمد بن علی، تاریخ بغداد (بیروت: دار الغرب الاسلامی، 2002ء) ج2، ص322-

مبحث دوم:

تفسیر آیات میں صحیح بخاری کے اسالیب ومناہج

امام بخاری کی صحیح بخاری کو دیگر کتب احادیث پر تقدم حاصل ہے، اسی طرح کتاب التفسیر میں بھی کئی پہلوؤں سے دیگر کتب احادیث پر برتری حاصل ہے، جن میں سے بعض کا ذکر کیا جارہا ہے۔

صحیح بخاری کی بدء الوحی سے ابتداء:

امام بخاریؒ کا یہ امتیاز ہے کہ انہوں نے صحیح بخاری کی ابتداء" كيف بدء الوحى "سے کی ہے، جس سے امام بخاریؒ بتانا چاہتے ہیں کہ ان کا مقصد وحی الٰہی کو جمع کرنا ہے، کیونکہ جو تفسیر قرآن نبی کریم ﷺ سے منقول ہے وہ بھی وحی ہے، کیونکہ وحی کا اطلاق قرآن مجید کے ساتھ ساتھ حدیث پر بھی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ [1]

(واضح دلائل اور کتابیں دے کر۔ اور ہم نے تیری طرف یہ نصیحت اتاری، تاکہ تو لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دے جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے اور تاکہ وہ غور وفکر کریں۔)

اس لیے امام بخاریؒ نے تفسیر القرآن کے لیے صرف کتاب التفسیر پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ اکثر ابواب میں عنوان کی مناسبت کے ساتھ آیات ذکر کرتے ہیں، اور ان کے معانی بیان کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے احادیث تفسیر کو ایک کتاب میں جمع کیا ہے۔ جس کا نام "تجريد التفسير من صحيح البخارى على ترتيب السور" رکھا ہے۔

امام بخاریؒ کا صحیح بخاری میں تفسیری مناہج

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں تین طرح سے قرآنی تفسیر کی ہے۔ (الف) عمومی ابواب میں تفسیر قرآن (ب) کتاب فضائل القرآن (ج) کتاب التفسیر

(الف) عمومی ابواب میں تفسیر قرآن:

1. امام بخاریؒ کسی موضوع کے بارے میں جب کتاب قائم کرتے ہیں تو اس کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کے طور پر قرآنی آیات کو پیش کرتے ہیں: مثلاً کتاب الایمان میں باب قائم کیا ہے: بَابُ الإِيمَانِ وَقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ

---

1 النحل: 44

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلَى خَمْسٍ» یہ باب قائم کرنے کے بعد بطور وضاحت چند آیات ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً:

وَهُوَ قَوْلٌ وَفِعْلٌ، وَيَزِيدُ وَيَنْقُصُ. قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ﴾[1]، ﴿وَزِدْنَاهُمْ هُدًى﴾[2]، ﴿وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى﴾[3]، ﴿وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ﴾[4]، ﴿وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا﴾[5]، وَقَوْلُهُ: ﴿أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَذِهِ إِيمَانًا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا﴾[6]. وَقَوْلُهُ جَلَّ ذِكْرُهُ: ﴿فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا﴾[7]. وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَمَا زَادَهُمْ إِلاَّ إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا﴾[8]. ((وَالْحُبُّ فِي اللَّهِ وَالْبُغْضُ فِي اللَّهِ مِنَ الإِيمَانِ.وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى عَدِيِّ بْنِ عَدِيٍّ إِنَّ لِلإِيمَانِ فَرَائِضَ وَشَرَائِعَ وَحُدُودًا وَسُنَنًا، فَمَنِ اسْتَكْمَلَهَا اسْتَكْمَلَ الإِيمَانَ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَكْمِلْهَا لَمْ يَسْتَكْمِلِ الإِيمَانَ، فَإِنْ أَعِشْ فَسَأُبَيِّنُهَا لَكُمْ حَتَّى تَعْمَلُوا بِهَا، وَإِنْ أَمُتْ فَمَا أَنَا عَلَى صُحْبَتِكُمْ بِحَرِيصٍ.))[9]

(اور ایمان کا تعلق قول اور فعل دونوں سے ہے اور وہ بڑھتا ہے اور گھٹتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا"تاکہ ان کے پہلے ایمان کے ساتھ ایمان میں اور زیادتی ہو۔"اور فرمایا کہ "ہم نے ان کو ہدایت میں اور زیادہ بڑھادیا۔" اور فرمایا کہ "جولوگ سیدھی راہ پر ہیں ان کو اللہ اور ہدایت دیتا ہے۔" اور فرمایا کہ "جولوگ ہدایت پر ہیں اللہ نے اور زیادہ ہدایت دی اور ان کو پرہیز گاری عطا فرمائی۔" اور فرمایا کہ "جولوگ ایمان دار ہیں ان کا ایمان اور زیادہ ہوا۔" اور فرمایا کہ "اس سورۃ نے تم میں سے کس کا ایمان بڑھادیا؟ فی الواقع جولوگ ایمان لائے ہیں ان کا ایمان اور زیادہ ہوگیا۔" اور فرمایا کہ "منافقوں نے مومنوں سے کہا کہ تمہاری بربادی کے لیے لوگ بکثرت جمع ہو رہے ہیں، ان کا خوف کرو۔ پس یہ بات سن کر ایمان والوں کا ایمان اور بڑھ گیا اور ان کے منہ سے یہی نکلا"حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ"[10]اور فرمایا کہ "ان کا اور کچھ نہیں بڑھا،ہاں ایمان اور اطاعت کا شیوہ ضرور بڑھ گیا۔" اور حدیث

1الفتح:4

2الکھف:13

3مریم:76

4محمد:17

5المدثر:31

6التوبہ:124

7آل عمران:173

8الاحزاب:22

9بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب الایمان، بَابُ الإِيمَانِ وَقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلَى خَمْسٍ، حدیث8-

10آل عمران:173

میں وارد ہوا کہ اللہ کی راہ میں محبت رکھنا اور اللہ ہی کے لیے کسی سے دشمنی کرنا ایمان میں داخل ہے، اور خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے عدی بن عدی کو لکھا تھا کہ ایمان کے اندر کتنے ہی فرائض اور عقائد ہیں۔ اور حدود ہیں اور مستحب و مسنون باتیں ہیں جو سب ایمان میں داخل ہیں۔ پس جو ان سب کو پورا کرے اس نے اپنا ایمان پورا کر لیا اور جو پورے طور پر ان کا لحاظ رکھے نہ ان کو پورا کرے اس نے اپنا ایمان پورا نہیں کیا۔ پس اگر میں زندہ رہا تو ان سب کی تفصیلی معلومات تم کو بتلاؤں گا تاکہ تم ان پر عمل کرو اور اگر میں مر ہی گیا تو مجھ کو تمہاری صحبت میں زندہ رہنے کی خواہش بھی نہیں۔)

2. حدیث میں اگر کوئی لفظ استعمال ہوا ہے، اور وہ لفظ قرآن مجید میں بھی استعمال شدہ ہو تو اس کی وضاحت کرتے ہیں: مثلاً سورۃ الفاتحہ کی فضیلت میں حدیث لائے ہیں، ((لأُعَلِّمَنَّكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ))(1)

(تمہیں قرآن کی عظیم ترین سورۃ سکھاؤں گا۔)

پھر حدیث میں بیان شدہ لفظ اعظم کی وضاحت کرتے ہیں قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی ہے:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ﴾(2)

(اور بلاشبہ یقیناً ہم نے تجھے بار بار دہرائی جانے والی سات آیتیں اور بہت عظمت والا قرآن عطا کیا ہے۔)

3. جن الفاظ سے باب قائم کرتے ہیں اگر وہی لفظ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے تو باب میں ہی آیت بطور تائید پیش کرتے ہیں: مثلاً امام بخاری نے "كتاب الوحی" میں یہ باب قائم کیا ہے۔

"بَابُ كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ"

(باب: نبی کریم ﷺ پر وحی کی ابتداء کیسے ہوئی۔)

اس باب کو قائم کرنے کے بعد امام بخاریؒ نے یہ آیت پیش کی ہے:

وقول الله جل ذكره: ﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ﴾(3)

(اور اللہ عزوجل کا یہ فرمان: ﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ﴾ کہ ہم نے بلاشبہ (اے محمد ﷺ) آپ کی طرف وحی کا نزول اسی طرح کیا ہے جس طرح نوح (علیہ السلام) اور ان کے بعد آنے والے تمام نبیوں کی طرف کیا تھا۔)

---

1 بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر القرآن، باب، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ، حدیث 4647-

2 الحجر: 87

3 النساء: 163

(ب) کتاب فضائل القرآن:

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں کتاب التفسیر کے علاوہ کتاب فضائل القرآن قائم کیا ہے، اور اس میں 37 ابواب قائم کر کے فضائل قرآن کے متعلق 79 احادیث ذکر کی ہیں۔ جن میں پہلی اور آخری حدیث بطور نمونہ پیش کی جاتی ہے۔

امام بخاریؒ نے کتاب فضائل القرآن میں پہلا باب: "بَابُ كَيْفَ نُزُولُ الْوَحْيِ وَأَوَّلُ مَا نَزَلَ"(باب: وحی کیوں کر اتری اور سب سے پہلے کون سی آیت نازل ہوئی تھی؟) قائم کیا ہے، اور اس باب کے تحت پہلی حدیث یہ لے کر آئے ہیں:

((لَبِثَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِينَ يُنْزَلُ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ وَبِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ))[1]

(نبی کریم ﷺ مکہ میں دس سال رہے اور قرآن نازل ہوتا رہا اور مدینہ میں بھی دس سال تک رہے اور آپ ﷺ پر وہاں بھی قرآن نازل ہوتا رہا۔)

اسی طرح امام بخاریؒ نے کتاب فضائل القرآن میں آخری باب: "بَابُ اقْرَءُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ قُلُوبُكُمْ "(باب: قرآن مجید اس وقت تک پڑھو جب تک دل لگا رہے۔) قائم کیا ہے، اور اس باب کے تحت یہ آخری حدیث لے کر آئے ہیں:((عَنْ جُنْدَبِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ " اقْرَءُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ قُلُوبُكُمْ، فَإِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُومُوا عَنْهُ "))[2](جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قرآن مجید اس وقت تک پڑھو جب تک اس میں دل لگے، جب جی اچاٹ ہونے لگے تو پڑھنا بند کر دو۔)

(ج) کتاب التفسیر:

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں کچھ عمومی ابواب قائم کیے اور کتاب فضائل القرآن کو قائم کیا، اسی طرح کتاب التفسیر کو بھی قائم کیا ہے۔ امام بخاریؒ نے کتاب التفسیر میں 505 احادیث بیان کی ہیں، جن میں سے 468 احادیث مرفوع ہیں اور باقی معلق ہیں، ان احادیث میں سے 400 احادیث ایسی ہیں جو امام بخاریؒ کتاب التفسیر سے پہلے بیان کر چکے ہیں اور کتاب التفسیر میں ان احادیث کو مکرر کے طور پر لائے ہیں۔[3]

صحیح بخاری کی کتاب التفسیر کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آئی کہ یہ کتاب درج ذیل مناہج کی حامل ہے۔

---

1 بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب فضائل القرآن، باب كَيْفَ نُزُولُ الْوَحْيِ وَأَوَّلُ مَا نَزَلَ، حدیث 4978-

2 ایضاً، بَابُ اقْرَءُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ قُلُوبُكُمْ، حدیث 5060-

3 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری شرح الجامع الصحیح (بیروت: دارالمعرفہ، 1379ھ) ج 8، ص 743-

1. ہر سورت کی تفسیر کے لیے الگ الگ باب:

قرآن کریم کی 114 سورتیں ہیں، ان سورتوں کے لیے امام بخاریؒ نے 114 ابواب ہی قائم کیے ہیں، گویا ہر سورت کے لیے الگ باب قائم کیا ہے۔ مثلاً: سورۃ الفاتحہ، سورۃ البقرہ، سورۃ آل عمران وغیرہ
امام بخاریؒ کا یہ اسلوب ہے کہ سورۃ کے نام سے باب قائم کرتے ہیں اور پھر اس باب میں ذیلی ابواب قائم کرتے ہیں۔ مثلاً: سورۃ الفاتحہ کے باب میں ذیلی ابواب قائم کیے ہیں: " بَابُ مَا جَاءَ فِي فَاتِحَةِ الْكِتَابِ"

(باب: سورۃ الفاتحہ کے بارے میں جو آیا ہے اس کا بیان)

" بَابُ: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِّينَ﴾"

(باب: آیت ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِّينَ﴾ کی تفسیر)

2. کتب احادیث میں سے جامع تفسیر:

محدثین میں اصحاب سنن اور جوامع نے اپنی اپنی کتب میں کتاب التفسیر قائم کرکے قرآن کریم کی تفسیر کی ہے۔ لیکن جس طرح امام بخاریؒ کی صحیح کو دیگر کتب احادیث سے ممتاز مقام حاصل ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس میں متقدمین کے تمام اسالیب تفسیر کو یکجا کیا ہے، مثلاً تفسیر بالماثور، تفسیر بالرائے، لغوی تفسیر اور اس طرح ہر سورت کے لیے الگ باب قائم کرکے اس کے متعلق کوئی حدیث یا اثر ضرور نقل کیا ہے۔

3. تفسیر بالماثور:

تفسیر بالماثور سے مراد مرفوع احادیث، اقوال صحابہ، اقوال تابعین سے کی جانے والی تفسیر ہے۔ امام بخاریؒ نے کتاب التفسیر میں ان تینوں اقسام سے تفسیر کی ہے۔

(الف) مرفوع احادیث:

امام بخاریؒ کو اگر کسی آیت کی تفسیر میں حدیث مرفوع ان کی شروط کے مطابق مل جاتی ہے تو امام بخاریؒ اسے نقل کرتے ہیں۔ مثلاً سورۃ البقرہ میں﴿ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ﴾[1] کی تفسیر کرتے ہوئے یہ حدیث نقل کی ہے: ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ۔ رضى الله عنه ۔ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ " قِيلَ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ﴾ فَدَخَلُوا يَزْحَفُونَ عَلَى أَسْتَاهِهِمْ، فَبَدَّلُوا وَقَالُوا حِطَّةٌ، حَبَّةٌ فِي شَعَرَةٍ

---

1 البقرہ:58

".))[1] (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کو یہ حکم ہوا تھا کہ شہر کے دروازے میں جھکتے ہوئے داخل ہوں اور ﴿حِطَّةٌ﴾ کہتے ہوئے (یعنی) "اے اللہ! ہمارے گناہ معاف کر دے۔" لیکن وہ الٹے چوتڑوں کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے اور کلمہ ﴿حِطَّةٌ﴾ کو بھی بدل دیا اور کہا کہ "حَبَّةٌ فِي شَعَرَةٍ "یعنی دل لگی کے طور پر کہنے لگے کہ "دانہ بال کے اندر ہونا چاہیے۔)

(ب)اقوال صحابہ:

اقوال صحابہ میں امام بخاریؒ زیادہ تر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اقوال نقل کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ کی دعا کی وجہ سے علم تفسیر میں وہ دیگر صحابہ سے ممتاز ہیں، اس لیے امام بخاریؒ نے ان کو ترجیح دی ہے۔

(ج)اقوال تابعین:

تابعین سے نقل کرنے میں امام بخاریؒ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد امام مجاہدؒ پر اعتماد کرتے ہیں، لہذا اقوال تابعین میں زیادہ حصہ انہی سے مروی ہے۔

4. تفسیر بالرائے:

امام بخاریؒ کی تفسیر بالرائے کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1. کسی مسئلے کے متعلق اپنی رائے کے اظہار کے لیے آیت کے ساتھ ترجمۃ الباب قائم کرتے ہیں اور پھر اس کے ضمن میں حدیث لے کر آتے ہیں، جس کا ظاہری طور پر آیت سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا، لیکن امام بخاریؒ اس سے کوئی استدلال کرتے ہیں: مثلاً امام بخاریؒ نے سورۃ البقرہ میں یہ باب قائم کیا ہے "بَابُ: ﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ﴾[2] إِلَى قَوْلِهِ: ﴿مِنَ الْمُمْتَرِينَ﴾"[3](باب: آیت کی تفسیر "جن لوگوں کو ہم کتاب دے چکے ہیں، وہ آپ کو پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور بیشک ان میں کچھ لوگ البتہ چھپاتے ہیں حق کو" آخر آیت ﴿ مِنَ الْمُمْتَرِينَ﴾ تک)
اس باب کے تحت امام بخاریؒ یہ حدیث پیش کرتے ہیں:

---

1 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر القرآن، باب ﴿وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ﴾، حدیث 4479–

2 البقرہ:146

3 البقرہ:147

((حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ، حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ بَيْنَا النَّاسُ بِقُبَاءٍ فِي صَلاَةِ الصُّبْحِ إِذْ جَاءَهُمْ آتٍ فَقَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ، وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ فَاسْتَقْبِلُوهَا. وَكَانَتْ وُجُوهُهُمْ إِلَى الشَّأْمِ فَاسْتَدَارُوا إِلَى الْكَعْبَةِ.))[1]

(ہم سے یحییٰ بن قزعہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے امام مالک نے بیان کیا، ان سے عبد اللہ بن دینار نے اور ان سے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ لوگ مسجد قباء میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک صاحب (مدینہ سے) آئے اور کہا کہ رات نبی کریم ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے اور آپ کو حکم ہوا ہے کہ کعبہ کی طرف منہ کر لیں۔ اس لیے آپ لوگ بھی کعبہ کی طرف پھر جائیں۔ اس وقت ان کا منہ شام کی طرف تھا۔ چنانچہ سب نمازی کعبہ کی طرف پھر گئے۔)

اس حدیث کا ظاہری طور پر آیت سے کوئی تعلق نہیں، لیکن امام بخاریؒ اس حدیث سے یہ استدلال فرما رہے ہیں کہ یہود کعبۃ اللہ کا قبلہ ہونا ایسے پہنچاتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔

2. امام بخاریؒ کا اسلوب یہ بھی ہے کہ وہ جن کتب سے اقوال نقل کرتے ہیں اگرچہ وہاں ایک سے زائد اقوال موجود ہوں تو امام بخاریؒ ان میں سے صرف ایک قول کو اپنی صحیح میں ذکر کرتے ہیں جو ان کے ہاں راجع ہوتا ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ صحیح بخاری کوئی مستقل تفسیر کی کتاب نہیں ہے، جن میں ایک سے زیادہ اقوال نقل کیے جائیں۔ مثلاً سورۃ البقرہ میں "﴿وَمَا خَلْفَهَا﴾[2] عِبْرَةٌ لِمَنْ بَقِيَ."[3]

﴿وَمَا خَلْفَهَا﴾ یعنی پچھلے لوگوں کے لیے عبرت جو باقی رہی۔)

5. تکرار والی احادیث:

امام بخاریؒ نے کتاب التفسیر میں 505 احادیث بیان کی ہیں جن میں سے 465 احادیث مرفوع ہیں اور باقی احادیث معلق ہیں، ان احادیث میں سے 400 احادیث ایسی ہیں جو امام بخاریؒ کتاب التفسیر سے پہلے بھی بیان کر چکے ہیں، اور کتاب التفسیر میں ان احادیث کو مکرر کے طور پر لائے ہیں۔

6. دوسرے محدثین سے استفادہ:

امام بخاریؒ نے دوسرے ائمہ محدثین کی طرح کتاب التفسیر میں متقدمین کے اقوال نقل کیے ہیں، بالخصوص لغت کے حوالے سے وہ ابو عبید معمر بن المثنی کے اقوال نقل فرماتے ہیں، اس حوالے سے امام بخاریؒ کا اسلوب یہ ہے:

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب تفسیر القرآن، باب ﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿مِنَ الْمُمْتَرِينَ﴾، حدیث 4491۔

2 البقرہ: 66

3 بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب تفسیر القرآن، سورۃ البقرہ، باب 2، ج 4، ص 461۔

1. اسلاف میں سے کسی کے قول معلق ذکر کرتے ہیں اور قائل کا نام بھی ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً:

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: بِالدِّينِ بِالْحِسَابِ. ﴿مَدِينِينَ﴾[1] مُحَاسَبِينَ.[2]

(مجاہد نے کہا کہ "الدین" حساب کے معنیٰ میں ہے جبکہ "مدینین" بمعنیٰ "محاسبین" ہے یعنی حساب کئے گئے۔)

کسی کی عبارت کا مفہوم معلق ذکر کرتے ہیں اور قائل کا نام ذکر نہیں مثلاً دین کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وَالدِّينُ الْجَزَاءُ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ، كَمَا تَدِينُ تُدَانُ.[3]

" الدین "(بدلہ کے معنی میں ہے۔ خواہ اچھائی میں ہو یا برائی میں جیسا کہ (بولتے ہیں)"کما تدین تدان" (جیسا کروگے ویسا بھروگے)

اصل میں یہ عبارت مجاز القرآن سے نقل کی گئی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

الحساب و الجزاء ، يقال فى المثل: كما تدين تدان[4]

2. امام بخاریؒ بعض اوقات تصریح بیان نہیں کرتے اور اس کی عبارت کا اختصار پیش کرتے ہیں۔ مثلاً سورۃ الفاتحہ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((أَنَّهُ يُبْدَأُ بِكِتَابَتِهَا فِي الْمَصَاحِفِ، وَيُبْدَأُ بِقِرَاءَتِهَا فِي الصَّلاَةِ))[5]

" اس سورۃ کا نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ قرآن مجید میں اسی سے کتابت کی ابتداء ہوتی ہے۔ (اسی لیے اسے "فاتحة الكتاب" بھی کہا گیا ہے) اور نماز میں بھی قرآت اسی سے شروع کی جاتی ہے "

7. سورتوں کے فضائل کا بیان:

مفسرین نے عام طور پر اس میں تساہل سے کام لیا ہے اور سورتوں کی فضیلت میں ضعیف بلکہ موضوع روایات کو بھی ذکر کیا ہے، لیکن اس کے برعکس امام بخاریؒ نے اس حوالے سے صحیح روایات کو اپنایا ہے اور معیار صحت کا مکمل لحاظ رکھا ہے، اور اگر کسی سورت کے فضائل پر دلالت کرنے والی روایت امام بخاریؒ کی شرط پر ہو تو اسے ہی امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں مثلاً سورۃ الاخلاص کی فضیلت پر یہ حدیث پیش کرتے ہیں:

---

1 الواقعہ:86

2 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب تفسیر القرآن، باب مَا جَاءَ فِي فَاتِحَةِ الْكِتَابِ، ج4، ص457۔

3 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب تفسیر القرآن، باب مَا جَاءَ فِي فَاتِحَةِ الْكِتَابِ، ج4، ص457۔

4 ابوعبید، معمر بن المثنیٰ، **مجاز القرآن** (مصر: محمد سامی امین الخانجی، 1953ء) ص23۔

5 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب تفسیر القرآن، باب مَا جَاءَ فِي فَاتِحَةِ الْكِتَابِ، ج4، ص457۔

((عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَجُلاً، سَمِعَ رَجُلاً، يَقْرَأُ ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ يُرَدِّدُهَا فَلَمَّا أَصْبَحَ جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ وَكَأَنَّ الرَّجُلَ يَتَقَالُّهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم " وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ ".))[1]

(ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہ ایک صحابی (خود ابو سعید خدری) نے ایک دوسرے صحابی (قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ) اپنے ماں جائے بھائی کو دیکھا کہ وہ رات کو سورۃ ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ بار بار پڑھ رہے ہیں۔ صبح ہوئی تو وہ صحابی (ابو سعید رضی اللہ عنہ) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا گویا انہوں نے سمجھا کہ اس میں کوئی بڑا ثواب نہ ہو گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ سورت قرآن مجید کے ایک تہائی حصہ کے برابر ہے۔)

8. مکی و مدنی سورتوں کا بیان:

مکی و مدنی سورتوں سے متعلق علم بھی علوم القرآن کی ایک اہم شاخ ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس علم کے ذریعے ناسخ و منسوخ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح ایک ہی موضوع سے متعلق منسوخ آیات کو ترک کر دیا جاتا ہے، اور ان مراحل کی معرفت ہو جاتی ہے، جن سے شریعت اسلامی گزری کہ کس طرح مخاطب کے گوناگوں حالات میں اس کی رہنمائی کر کے اس کے اندر قبولیت و استعداد کی صلاحیت پیدا کی۔ یہ سب کچھ بتدریج ہوا۔ جب مقام نزول، اس کے زمانہ و سبب معلوم ہو تو آیات کے فہم میں غلطی کا امکان کم ہو جاتا ہے اور تفسیر آسان ہو جاتی ہے۔ اس لیے امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں اس علم کو بیان کیا ہے۔ مثلاً سورۃ الفاتحہ کے بارے میں یہ اختلاف ہے کہ وہ سورت مکی ہے یا مدنی ہے تو امام بخاریؒ اس کے مکی ہونے پر سورۃ الحجر کی آیت لے کر آئے ہیں:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ﴾[2]

(اور بلاشبہ یقیناً ہم نے تجھے بار بار دہرائی جانے والی سات آیتیں اور بہت عظمت والا قرآن عطا کیا ہے۔)

مذکورہ بالا آیت میں سبع مثانی کے الفاظ ہیں اس کی وضاحت کے لیے امام بخاریؒ حدیث لے کر آئے کہ سبع مثانی سے مراد سورۃ الفاتحہ ہی ہے۔ مثلاً:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ . رضى الله عنه . قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم " أُمُّ الْقُرْآنِ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ ".))[3]

---

1 ایضاً، کتاب فضائل القرآن، بَابُ فَضْلِ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، حدیث 5013-

2 الحجر: 87

3 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ﴾، حدیث 4704-

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ام القرآن (یعنی سورۃ فاتحہ) ہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے۔)

اس سے امام بخاریؒ استدلال کچھ اس طرح سے کرتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں " سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي " سے مراد سورۃ الفاتحہ ہی ہے، جیسا کہ حدیث میں موجود ہے تو اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ الحجر سے قبل سورۃ الفاتحہ کا نزول ہو چکا تھا اور جب سورۃ الحجر بالاتفاق مکی ہے تو سورۃ الفاتحہ بھی بالاولیٰ مکی سورتوں میں شامل ہوئی۔

9. قرآنی آیات و سورتوں کا اسباب نزول:

قرآن مجید کا اکثر حصہ تو اصول دین اور احکام تشریح پر بحث کرتا ہے لیکن قرآن کریم کا کچھ حصہ وہ ہے جو کسی حادثے، واقعہ یا سوال کے جواب پر نازل کیا گیا ہے۔ اہل علم نے ان حوادث، واقعات اور سوالات کو اسباب سے تعبیر کیا ہے۔ اسباب نزول کے علم سے آیت کا پس منظر سمجھ میں آتا ہے کہ جس سے بغیر قرآنی تفسیر ناممکن ہے، اس لیے اسباب نزول کی معرفت کو علم تفسیر میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے اور اہل علم نے علوم القرآن پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں ہمیں اس علم کا بیان بھی ملتا ہے۔ مثلاً سورۃ بنی اسرائیل کی آیت:85 میں جب روح کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس کی تفسیر میں امام بخاریؒ یہ حدیث لائے ہیں:

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ۔ رضى الله عنه ۔ قَالَ بَيْنَا أَنَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي حَرْثٍ وَهْوَ مُتَّكِئٌ عَلَى عَسِيبٍ إِذْ مَرَّ الْيَهُودُ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ سَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ، فَقَالَ مَا رَابَكُمْ إِلَيْهِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ لاَ يَسْتَقْبِلُكُمْ بِشَىْءٍ تَكْرَهُونَهُ فَقَالُوا سَلُوهُ فَسَأَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ فَأَمْسَكَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِمْ شَيْئًا، فَعَلِمْتُ أَنَّهُ يُوحَى إِلَيْهِ، فَقُمْتُ مَقَامِي، فَلَمَّا نَزَلَ الْوَحْىُ قَالَ ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلاَّ قَلِيلاً﴾.))[1]

(عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک کھیت میں حاضر تھا نبی کریم ﷺ اس وقت کھجور کے ایک تنے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے کہ کچھ یہودی اس طرف سے گزرے۔ کسی یہودی نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا کہ ان سے روح کے بارے میں پوچھو۔ ان میں سے کسی نے اس پر کہا ایسا کیوں کرتے ہو؟ دوسرا یہودی بولا۔ کہیں وہ کوئی ایسی بات نہ کہہ دیں، جو تم کو ناپسند ہو۔ رائے اس پر ٹھہری کہ روح کے بارے میں پوچھنا ہی چاہئے۔ چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ سے اس کے بارے میں سوال کیا۔ نبی کریم ﷺ تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گئے اور ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میں سمجھ گیا کہ اس وقت آپ ﷺ پر وحی اتر رہی ہے۔ اس لیے میں وہیں کھڑا رہا۔ جب وحی ختم ہوئی تو آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ﴾، حدیث 4721۔

الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِنَ الْعِلْمِ إِلاَّ قَلِيلاً﴾[1] کہ "اور یہ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ روح میرے پروردگار کے حکم ہی سے ہے اور تمہیں علم تو تھوڑا ہی دیا گیا ہے۔)

اسی طرح سورۃ والضحیٰ کی ابتدائی آیات کی تفسیر میں امام بخاریؒ یہ حدیث ذکر کرتے ہیں:

((جُنْدُبَ بْنَ سُفْيَانَ ۔ رضی الله عنه ۔ قَالَ اشْتَكَى رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَلَمْ يَقُمْ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلاَثًا، فَجَاءَتِ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي لأَرْجُو أَنْ يَكُونَ شَيْطَانُكَ قَدْ تَرَكَكَ، لَمْ أَرَهُ قَرِبَكَ مُنْذُ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلاَثًا. فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿وَالضُّحَى * وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى * مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى﴾))[2]

(جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ بیمار پڑ گئے اور دو یا تین راتوں کو (تہجد کے لیے) نہیں اٹھ سکے۔ پھر ایک عورت (ابولہب کی عورت عوراء) آئی اور کہنے لگی۔ اے محمد! میرا خیال ہے کہ تمہارے شیطان نے تمہیں چھوڑ دیا ہے۔ دو یا تین راتوں سے دیکھ رہی ہوں کہ تمہارے پاس وہ نہیں آیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: ﴿وَالضُّحَى * وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى * مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى﴾[3] آخر تک یعنی "قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی جب وہ قرار پکڑے کہ آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا ہے اور نہ آپ سے بیزار ہوا ہے۔)

10. صحیح بخاری میں غریب القرآن کا بیان:

علم غریب القرآن سے مراد قرآنی الفاظ جو مشکل ہوں ان کی تفسیر لغت عرب سے کرنا، یعنی اس کی توضیح و تفسیر کے لیے کلام عرب سے استشہاد پیش کرنا، امام بخاری کتاب التفسیر میں اس کا اہتمام فرماتے ہیں۔ مثلاً: الدين کے معنی کی تفسیر کے لیے عربی کا مقولہ پیش کیا گیا:

"الدِّينُ الْجَزَاءُ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ، كَمَا تَدِينُ تُدَانُ."[4] ("الدین" بدلہ کے معنی میں ہے۔ خواہ اچھائی میں ہو یا برائی میں جیسا کہ (بولتے ہیں) "كما تدين تدان" جیسا کرو گے ویسا بھرو گے)

11. صحیح بخاری میں نظائر قرآنی کا بیان:

نظائر قرآنی سے مراد یہ ہے کہ ایک لفظ جو قرآن کریم میں ایک سے زیادہ مرتبہ ایک ہی معانی میں مستعمل ہوا ہے، امام بخاریؒ کا نظائر قرآنی کے حوالے سے منہج یہ ہے کہ وہ ان مقامات کی نشاندہی کرتے ہیں اور قریب المادہ لفظ کو بھی اس ضمن میں بیان کرتے ہیں۔ مثلاً امام بخاریؒ فرماتے ہیں:

---

1 بنی اسرائیل: 85

2 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب تفسير سورة ﴿وَالضُّحَى﴾، حدیث 4950-

3 والضحیٰ: 1-3

4 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب مَا جَاءَ فِي فَاتِحَةِ الْكِتَابِ، ج 4، ص 457-

"الدِّينُ الْجَزَاءُ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ، كَمَا تَدِينُ تُدَانُ."(1)

"وَقَالَ مُجَاهِدٌ: بِالدِّينِ بِالْحِسَابِ. ﴿مَدِينِينَ﴾(2) مُحَاسَبِينَ."(3)

(مجاہد نے کہا کہ "الدین" حساب کے معنٰی میں ہے جبکہ "مدینین" بمعنٰی "محاسبین" ہے یعنی حساب کئے گئے۔)

امام بخاریؒ اس مثال میں لفظ دین جو سورۃ الفاتحہ، سورۃ الانفطار اور سورۃ التین میں آیا ہے، اس کا معنی حساب کیا ہے اور قریب المادہ کا اعتبار کرتے ہوئے مدین اور دین کو ایک ہی مادہ میں ہم معنی قرار دیتے ہیں اس پر امام مجاہدؒ کو قول برھان کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

12. قرآن اور احادیث میں لفظی موافقت:

صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں امام بخاریؒ نے یہ منہج اپنایا ہے کہ قرآن اور حدیث میں لفظی موافقت ذکر کرتے ہیں۔ اور یہ منہج ایسا ہے کہ بہت کم اہل علم نے اس طرف توجہ دی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے اگر ایک لفظ قرآن کریم میں آیا ہے اور وہی لفظ حدیث مبارکہ میں آیا ہے، تو امام بخاریؒ کا اسلوب یہ ہے کہ وہ قرآنی الفاظ کی وضاحت کے لیے وہ حدیث پیش کرتے ہیں، جس سے یہ مقصد واضح ہوتا ہے کہ حدیث قرآن مجید کی تفسیر کرتی ہے۔ مثلاً: ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ﴾(4)

(وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو بڑے ظلم کے ساتھ نہیں ملایا، یہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔)

امام بخاریؒ نے اس آیت کریمہ میں لفظ "ظلم" کی موافقت میں یہ حدیث پیش کی ہے:

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ـ رضى الله عنه ـ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ شَقَّ ذَلِكَ عَلَى أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَقَالُوا أَيُّنَا لَمْ يَلْبِسْ إِيمَانَهُ بِظُلْمٍ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم " إِنَّهُ لَيْسَ بِذَاكَ، أَلاَ تَسْمَعُ إِلَى قَوْلِ لُقْمَانَ لاِبْنِهِ ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾))(5)

(عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب آیت ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾(1) کہ "جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کی آمیزش نہیں کی۔" نازل ہوئی تو اصحاب رسول ﷺ بہت

1 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب مَا جَاءَ فِي فَاتِحَةِ الْكِتَابِ، ج4، ص457-

2 الواقعہ: 85

3 ایضاً

4 الانعام: 82

5 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب: ﴿لاَ تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾، حدیث 4776-

گھبرائے اور کہنے لگے کہ ہم میں کون ایسا ہو گا جس نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کی ملاوٹ نہیں کی ہو گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آیت میں ظلم سے یہ مراد نہیں ہے۔ تم نے لقمان علیہ السلام کی وہ نصیحت نہیں سنی جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھی ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾(2) بے شک شرک کرنا بڑا بھاری ظلم ہے۔)

13. سورتوں کی آیات کی تعداد کا علم:

علوم القرآن میں ایک اہم علم آیات کی تعداد کا علم ہے، علماء سلف نے جس کا اہتمام کیا اور اس پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، صحیح بخاری سے ہمیں اس طرف بھی رہنمائی ملتی ہے۔ مثلاً "سبعا من المثانی" سے سورۃ الفاتحہ کی سات آیات مراد ہیں۔

14. صحیح بخاری میں قرات کا بیان:

چونکہ مختلف قرات سے بھی تفسیر قرآنی میں معاونت ملتی ہے، اور اس سے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں، اس لیے مفسرین تفسیر قرآن میں اس علم کا اہتمام کرتے ہیں تو امام بخاریؒ نے بھی یہی انداز اختیار کیا ہے، کہ اگر کسی لفظ میں مختلف قراءت ہیں تو اس کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی حیثیت کا تعین بھی کرتے ہیں۔ مثلاً:((قِرَاءَةُ الْعَامَّةِ يُطِيقُونَهُ وَهُوَ أَكْثَرُ.عَنْ عَطَاءٍ، سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ، يَقْرَأُ وَعَلَى الَّذِينَ يُطَوَّقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ))(3)

(اکثر لوگوں نے اس آیت میں ﴿يُطِيقُونَهُ﴾ پڑھا ہے، عطا نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا وہ یوں قرآت کررہے تھے﴿ وَعَلَى الَّذِينَ يُطَوَّقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾(تفعیل سے)﴿فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ﴾)

15. صحیح بخاری میں فقہی مباحث کا بیان:

قرآن مجید میں عمل سے متعلقہ احکام بھی بیان ہوئے ہیں، اس لیے عام مفسرین نے یہ منہج اپنایا ہوتا ہے کہ جہاں کوئی فقہی حکم بیان ہو رہا ہو، اس کے آیت کے ضمن میں اس فقہی حکم کی مکمل توضیح کرتے ہیں، لیکن امام بخاریؒ نے اختصار کا منہج اپنایا ہے اور اس فقہی مسئلہ کا حکم بیان کرتے ہوئے اس کی دلیل پیش کرتے ہیں۔ مثلاً:

---

1 الانعام:82

2 لقمان:13

3 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾، حدیث4505-

﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾[1]

(اور جو لوگ اسے مشکل سے برداشت کر سکیں ان کے ذمہ فدیہ ہے جو ایک مسکین کا کھانا ہے)

امام بخاریؒ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن عباس کا قول پیش کرتے ہیں:

((عَنْ عَطَاءٍ، سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ، يَقْرَأُ ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطَوَّقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَيْسَتْ بِمَنْسُوخَةٍ، هُوَ الشَّيْخُ الْكَبِيرُ وَالْمَرْأَةُ الْكَبِيرَةُ لاَ يَسْتَطِيعَانِ أَنْ يَصُومَا، فَلْيُطْعِمَانِ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا.))[2]

(عطاء نے اور انہوں نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا وہ یوں قرآت کر رہے تھے ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطَوَّقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾ (تفعیل سے)﴿ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ﴾ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ اس سے مراد بہت بوڑھا مرد یا بہت بوڑھی عورت ہے۔ جو روزے کی طاقت نہ رکھتی ہو، انہیں چاہیے کہ ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔)

16. ائمہ فن سے روایت:

امام بخاریؒ نے کتاب التفسیر میں کسی بھی آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہوئے اس بات کا لحاظ رکھا ہے، کہ ہر فن کے امام سے روایت کی جائے، مثلاً: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو ترجیح دی، تابعین میں سے امام مجاہدؒ سے زیادہ روایات نقل کی ہیں، اور لغوی ابحاث کرتے ہوئے سب سے زیادہ اعتماد ابو عبیدؒ پر کیا ہے۔

17. صحیح بخاری میں عربی اشعار سے تفسیر:

مفسرین کا یہ اسلوب عام ہے، کہ وہ کسی لفظ کی لغوی تفسیر کرتے ہوئے کسی شاعر کا قول پیش کرتے ہیں، امام بخاریؒ نے مفسرین کے اس اسلوب کی پیروی کرتے ہوئے عرب شعراء کے کلام کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ مثلاً: امام بخاریؒ نے سورۃ توبہ کی تفسیر میں لاواہ کی تشریح کرتے ہوئے اس شعر کو پیش کیا:

﴿لأَوَّاهٌ﴾[3] شَفَقًا وَفَرَقًا. وَقَالَ: إِذَا مَا قُمْتُ أَرْحَلُهَا بِلَيْلٍ ** تَأَوَّهُ آهَةَ الرَّجُلِ الْحَزِينِ[4]

---

1 البقرہ:184

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾، حدیث 4505-

3 التوبہ:114

4 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب سورۃ توبہ، ج4، ص585-

﴿لأَوَّاهٌ﴾(یعنی خدا کے خوف سے اور ڈر سے آہ و زاری کرنے والا جیسے شاعر "مثقب عبدی" کہتا ہے۔ جب میں رات کو اونٹنی کا پالان کسنے کے لیے اٹھتا ہوں تو وہ کسی غمزدہ شخص کی طرح آہیں بھرتی ہے۔)

اس بارے میں امام بخاریؒ کا منہج یہ ہے کہ وہ شاعر کا نام نہیں لیتے اور نہ ہی مرجع کا ذکر کرتے ہیں، یعنی صرف شعر ہی پیش کرتے ہیں، تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ امام بخاریؒ کا زیادہ تر انحصار ابو عبیدہ کی کتاب مجاز القرآن پر ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا شعر بھی امام بخاریؒ نے مجاز القرآن سے ہی لیا ہے، اور وہاں شعر کے ساتھ شاعر کا نام بھی لکھا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر "مثقب عبدی" کا ہے۔ مثلاً:

"وقال المثقب العبدى: إِذَا مَا قُمْتُ أَرْحَلُهَا بِلَيْلٍ ** تَأَوَّهُ آهَةَ الرَّجُلِ الْحَزِينِ"[(1)]

خلاصہ بحث

امام بخاریؒ کی صحیح بخاری کتاب التفسیر کے مطالعے سے مندرجہ نکات سامنے آتے ہیں:

صحیح بخاری کی کتاب التفسیر کتب احادیث میں سب سے جامع کتاب ہے، اور بہت سے خصائص کی حامل ہونے کی وجہ سے دیگر کتب احادیث پر فوقیت رکھتی ہے۔ امام بخاریؒ نے کتاب التفسیر میں ہر سورت کی الگ الگ ابواب بندی کر کے تفسیر کی ہے۔ اور قرآنی سورتوں کی تعداد کے برابر ابواب قائم کئے ہیں۔

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں 505 احادیث نقل کی ہیں، ان میں سے 100 احادیث ایسی ہیں جو پہلے ذکر نہیں ہوئی، اس کے علاوہ باقی تمام احادیث پہلے ذکر کی ہوئیں ہیں یعنی مکرر ہیں۔ امام بخاریؒ نے کتاب التفسیر میں تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے دونوں اسالیب کو اپنایا ہے، جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ امام بخاریؒ تفسیر بالرائے محمود کی حلت کے قائل ہیں۔ صحیح بخاری کی کتاب التفسیر سے بہت سے علوم قرآنی اخذ کیے جاسکتے ہیں، مثلاً اسباب نزول، مکی و مدنی سورتیں، آیات کی تعداد سے متعلق، علم القرات اور غریب القرآن وغیرہ، امام بخاریؒ نے کتاب التفسیر میں قرآن اور احادیث کی موافقت کا اسلوب بھی اپنایا ہے۔

1 ابو عبید، معمر بن المثنی، مجاز القرآن، ص270-

مبحث سوم:

شیخ محمد بن یعقوب الکلینیؒ کا تعارف

شیخ کلینی کی پیدائش:

محدث شیخ کلینی کی تاریخ پیدائش اور سال پیدائش نہیں ملتا، لیکن علماء کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ آپ امام زمانہ کے چار نائبین کے زمانے میں زندہ تھے۔صاحب کشف المحجة فرماتے ہیں:

" وقد أدرك زمان سفراء المهدي عليه السلام "[1](آپؒ نے امام مہدی علیہ السلام[2] کے سفیروں کا زمانہ پایا۔)

سلسلہ نسب اور دیگر نسبتیں:

آپؒ کا سلسلہ یہ ہے: محمد بن یعقوب[3] بن اسحاق الکلینی[4] الرازی[5] آپ کو السلسلی[6] البغدادی[7] بھی کہا جاتا ہے۔اس کے علاوہ ابو جعفر اور الاعور[8] کے ناموں سے بھی مشہور ہیں۔

شیخ کلینیؒ کا گھرانہ "کلین" شہر میں بہت معزز گھرانہ تصور ہوتا تھا۔[9] شیخ کلینیؒ نے فقہ اور حدیث کے افاضل سے روایات کی ہیں اور ان کے شیوخ میں ان کے خالو علان بھی شامل ہیں۔[10]

آپ اپنے وقت میں "رے" کے شیخ الشيعة سمجھے جاتے تھے اور لوگ آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔[11] اس کے بعد آپؒ نے بغداد میں سکونت اختیار کی۔[12] آپ نے درب السلسلة[13] میں باب کوفہ[1] کے

---

1 طاؤس، سید، رضی الدین، علی بن موسی، کشف المحجة لثمرة المهجة ، ص159-

2 اہل سنت کے نزدیک امام مہدی علیہ السلام ابھی پیدا نہیں ہوئے وہ قرب قیامت پیدا ہوں گے، جبکہ اہل تشیع کے نزدیک امام مہدی علیہ السلام پیدا ہو چکے ہیں۔

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، مقدمہ الکافی (قم: دار الحدیث، 1429ھ) ص31-

4 نجاشی، ابو العباس، احمد بن علی، رجال نجاشی (ایران: مؤسسة النشر الاسلامی، س ن) ص377-

5 طوسی، ابو جعفر، محمد بن الحسن، الاستبصار (تہران: دار الکتب الاسلامیہ، 1390ھ) ج4، ص308-

6 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، مقدمہ الکافی، ص34-

7 طوسی، ابو جعفر، محمد بن الحسن، الاستبصار، ج4، ص306-

8 ابن شہر آشوب، ابو جعفر، محمد بن علی، معالم العلماء (تہران: مطبعۃ فردین، 1353ھ) ص88-

9 موسوی، محمد باقر، روضات الجنات فی احوال العلماء و السادات، ج6، ص111-

10 مامقانی، الشیخ، عبد اللہ، تنقيح المقال في علم الرجال (قم: مؤسسۃ آل البیت (علیہم السلام) لاحیاء التراث، س ن) ج1، ص48-

11 نجاشی، ابو العباس، احمد بن علی، رجال نجاشی (ایران: مؤسسة النشر الاسلامی، س ن) ص377-

12 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، لسان المیزان (بیروت: مکتب المطبوعات الاسلامیہ، 2002ء) ج7، ص594-

13 طوسی، ابو جعفر، محمد بن الحسن، الاستبصار، ج4، ص310-

[1]کے پاس نزول اجلال فرمایا اور یہاں 237ھ تک حدیث کا درس دیتے رہے۔[2]مقیدرہ باللہ کے زمانے میں آپ پر فقہاء امامیہ کی ریاست ختم ہوگئی۔ آپ نے امام مہدی کے سفیروں کا زمانہ پایا اور ان سے احادیث کا اخراج بھی کیا اور انہیں سفیروں کے زمانے میں اپنی کتاب "الکافی" مکمل کی۔[3]آپ کے حلقہ درس میں بڑے بڑے علماء شرکت کرتے تھے جو دور دراز سے طلب علم کی غرض سے سفر کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ شیخ کلینیؒ ایک وسیع النظر عالم، ثقہ، محدث، عادل، سدید القول تھے۔ آپ کا مقام علماء، فقہاء اور محدثین میں بہت بلند ہے، آپ کا شمار اکابر زہاد وعباد میں ہوتا ہے۔

شیخ کلینیؒ کے شیوخ:

شیخ کلینیؒ نے لاتعداد شیوخ سے علم حاصل کیا ہے۔ ان میں سے چند شیوخ کے نام ذیل میں پیش خدمت ہیں:

أبو عليّ، أحمد بن إدريس بن أحمد الأشعري، القميّ، المتوفّى سنة 306 هـ، أحمد بن عبد الله بن أميّة،أبو العبّاس، أحمد بن محمّد بن سعيد بن عبد الرّحمن الهمداني؛ المعروف بابن عقدة؛ المتوفّى سنة 333 هـ،أبو عبد الله، أحمد بن عاصم؛ العاصميّ، الكوفيّ، أبو جعفر، أحمد بن محمّد بن عيسى بن عبد الله بن سعد بن مالك بن الأحوص بن السائب بن مالك بن عامر؛ الأشعريّ، القميّ، أحمد بن مهران،إسحاق بن يعقوب، الحسن بن خفيف، الحسن بن الفضل بن يزيد اليمانيّ، الحسين بن الحسن؛ الحسيني، الأسود، الحسين بن الحسن؛ الهاشمي، الحسني، العلويّ[4]

شیخ کلینیؒ کے شاگرد اور رواۃ:

آپ سے علماء کی ایک کثیر تعداد نے استفادہ کیا اور آپ کی روایات نقل کیں۔ ان میں چند مشہور حضرات یہ ہیں:

أبو عبد الله أحمد بن إبراهيم، المعروف بابن أبي رافع الصيمري، أبو الحسين أحمد بن أحمد الكاتب الكوفي، أبو الحسين أحمد بن عليّ بن سعيد الكوفي،أبو الحسين أحمد بن محمّد بن عليّ الكوفي، أبو غالب أحمد بن محمّد بن محمّد بن سليمان بن الحسن بن الجهم بن بكير بن أعين بن سنسن الزراري (285- 368 هـ)، أبو القاسم جعفر بن محمّد بن جعفر بن موسى بن قولويه، المتوفّى سنة 368 هـ، أبو الحسن عبد الكريم بن عبد الله بن نصر البزّاز التنيسي، عليّ بن أحمد بن موسى، الدقّاق.[5]

---

1 ایضاً

2 ایضاً

3 طاؤس، سید، رضی الدین، علی بن موسیٰ، کشف المحجة لثمرة المهجة، ص159-

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، مقدمه الکافی، ص18-19-

5 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، مقدمه الکافی، ص15-

أبو عبد الله محمّد بن إبراهيم بن جعفر، الكاتب، النعمانيّ، المعروف بابن زينب«كان خصيصا به، يكتب كتابه الكافي»[1]

(ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم، آپ خاص شاگرد تھے اور شیخ کلینیؒ سے سن کر الکافی لکھا کرتے تھے۔)

" أبو عبد الله محمّد بن أحمد بن عبد الله بن قضاعة بن صفوان بن مهران الجمّال الصفواني، نزيل بغداد. «كان تلميذه الخاصّ به، يكتب كتابه الكافي و أخذ عنه العلم و الأدب، و أجاز [الكلينيّ] له، في قراءة الحديث"[2]

(ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عبداللہ، آپ بغداد تشریف لے آئے تھے اور شیخ کلینیؒ کے شاگرد خاص تھے ، آپ شیخ سے کافی لکھتے تھے۔ انہوں نے شیخ کلینیؒ سے علم وادب حاصل کیا اور شیخ کلینیؒ نے انہیں " قراءۃ الحدیث " کی بھی اجازت دی۔)

شیخ کلینیؒ کے بارے میں اہل علم کی آراء

علماء کرام نے ہر دور میں آپ کی مدح وستائش کی ہے اور بڑے دقیع الفاظ میں آپ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

نجاشیؒ[3] کہتے ہیں: " اپنے وقت میں وہ "رے" میں ہمارے اصحاب کے شیخ تھے اور آپ حدیث میں تمام علماء سے "اوثق واثبت" تھے۔ "[4](یعنی سب سے زیادہ قابل اعتماد اور احادیث کو ثبت کرنے والے تھے۔)

ان الفاظ کو علامہ حلی اور علامہ ابن داؤد نے بھی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ شیخ طوسیؒ کہتے ہیں: "ثقة ، عارف بالاخبار "[5](یعنی ثقہ ہیں اور احادیث کے عارف ہیں۔) اور دوسری جگہ فرماتے ہیں: "جلیل القدر عالم بالاخبار "[6](جلیل القدر ہیں اور احادیث کے عالم ہیں۔)

ابن شہر آشوب[7] فرماتے ہیں: "عالم با لاخبار "[1](احادیث کے عالم تھے۔)

---

1 ایضاً، ص19-

2 ایضاً

3 ابو العباس احمد بن علی المعروف نجاشی، پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں علم اسمائے رجال کے ایک بہت بڑے اور جیّد شیعہ عالم ہو گذرے ہیں۔ وہ 372 ہجری کو بغداد میں پیدا ہوئے اور 450 ہجری کو 90 سال کی عمر میں مطر (سامراء میں نہر فرات کے قریب ایک گاؤں) میں وفات پائی۔

4 نجاشی، ابو العباس، احمد بن علی، رجال نجاشی ، ص377-

5 طوسی، ابو جعفر، محمد بن الحسن، الفهرست (ایران: مؤسسۃ نشر الفقاھۃ، 1422ھ) ص210-

6 ایضاً

7 محمد بن علی بن شہر آشوب (488-588)، ابن شہر آشوب کے نام سے معروف چھٹی صدی ہجری کے شیعہ امامیہ فقیہ، مفسّر، مورخ، محدّث اور مناقب آل ابی طالب و معالم العلماء جیسی کتابوں کے مؤلف ہیں۔

سید رضی الدین ابن طاؤس[2] کہتے ہیں:

"الشیخ المتفق علی ثقة و امانة محمد بن یعقوب الکلینی"[3]

(یعنی شیخ محمد بن یعقوب کی ثقاہت اور امانت پر علماء متفق ہیں۔)

مزید فرماتے ہیں:

"محمد بن یعقوب ، ابلغ فیما یرویه و اصدق فی الدرایه "[4]

(محمد بن یعقوب روایت میں ابلغ تھے اور درایت میں اصدق تھے۔)

ابن اثیر کہتے ہیں:

"و هو من آئمة الامامیة و علمائهم"[5]

(یعنی آپ امامیہ فرقہ کے ائمہ اور علماء میں سے ہیں۔)

لوگوں نے انہیں تیسری صدی کا مجدد شمار کیا ہے، چنانچہ ان کے بارے میں بعض علماء نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

"ابو جعفر محمد بن یعقوب الرازی الامام علی مذهب اهل البیت،عالم فی مذهبهم "کبیر فاضل عندهم مشهور"[6]

(ابو جعفر محمد بن یعقوب الرازی مذہب اہل بیت کے امام ہیں اور ان کے مذہب کے بڑے عالم و فاضل ہیں اور فرقہ امامیہ میں مشہور ہیں۔)

علامہ ابن حجر[7] کہتے ہیں:

"و کان من فقهاء الشیعة و المصنفین علی مذهبهم"[1]

---

1 ابن شہر آشوب، ابو جعفر، محمد بن علی، **معالم العلماء** (تہران: مطبعۃ فردین، 1353ھ) ص 88-

2 سید ابن طاووس یا سید رضی الدین علی بن موسیٰ بن جعفر بن طاؤس (پیدائش: 21 جنوری 1193ء — وفات: 9 اگست 1266ء) اہل تشیع کے معروف عالم دین اور محدث تھے۔ شیعہ مسلمانوں کے ہاں ایک قابل احترام، متقی اور پرہیزگار شخصیت معروف تھے۔ ان کے بڑے بھائی سید احمد بن موسیٰ بن طاووس بھی مشہور فقیہ اور محدث تھے۔ ان کی بہت سی کتابیں مشہور ہیں۔ جن میں سے ایک کتاب منقولہ دعاؤں پر مشتمل ہے۔ اس کا نام اقبال الاعمال ہے جو بہت سی دعاؤں کا بنیادی منبع و ماخذ ہے۔

3 طاؤس، سید، رضی الدین، علی بن موسیٰ، **کشف المحجة لثمرة المهجة**، ص 158-

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، **مقدمه الکافی**، ص 20-

5 ایضاً، ص 31-

6 الحائری، ابو علی، محمد بن اسماعیل، **منتهی المقال فی احوال الرجال** (قم: مؤسسة آل البیت (علیهم السلام) لإحیاء التراث، س ن) ج 6، ص 237-

7 علامہ ابن حجر عسقلانی کی ولادت قاہرہ میں بدھ 12 شعبان 773ھ بمطابق 18 فروری 1372ء کو ہوئی، ابن حجر عسقلانی مشہور محدث تھے جنھوں نے صحیح بخاری کی شرح لکھی۔ آپ کا عہد چودھویں صدی عیسوی کے نصفِ اول کے آخر سے لے کر پندرہویں صدی عیسوی کے نصفِ اول تک کا ہے۔ آپ نامور مؤرخ اور شافعی مذہب فقیہ تھے۔

(آپ فرقہ شیعہ کے فقہاء اور اس مذہب کے مصنفین میں سے ہیں۔)

علامہ ابن حجر نے لکھا ہے:

"من رؤسا فضلاء الشیعة فی ایام المقتدر"[2]

(مقتدر باللہ کے زمانے میں آپ فضلائے شیعہ کے سرداروں میں سے تھے۔)

علامہ مجد الدین الفیروزآبادی نے اپنی کتاب میں تحریر فرمایا ہے کہ "آپ شیعہ فقہاء میں سے تھے۔"[3]

حسین بن عبد الصمد الحارثی الھمدانی[4] نے آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"محمد بن یعقوب الکلینی شیخ عصره فی وقته و وجه العلماء و النبلاء ،کان اوثق الناس فی الحدیث و انقدهم له واعرفهم به"[5]

(محمد بن یعقوب الکلینیؒ اپنے عہد اور وقت کے شیخ تھے، آپ کی طرف علماء اور شرفاء رجوع کرتے تھے۔ آپ حدیث میں اوثق سب سے زیادہ ناقد اور سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔)

قاضی نور اللہ الشوشتری[6] نے آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ الفاظ سپرد قلم کیے ہیں:

"رئیس المحدثین ،الشیخ الحافظ"[7]

(آپ محدثین کے سردار، شیخ اور حافظ تھے۔)

المولی خلیل بن الغازی القروینی فرماتے ہیں:

" اعترف الموالف و المخالف بفضله قال اصحابنا ، و کان اوثق الناس فی الحدیث و اثبتهم و اغورهم فی العلوم"[8]

1عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، **لسان المیزان** (بیروت: مکتب المطبوعات الاسلامیہ، 2002ء) ج7، ص594-

2عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، **تبصیر المنتبه بتحریر المشتبه** (لبنان: المکتبة العلمیة، س ن) ج3، ص1219-

3فیروز آبادی، علام، مجد الدین، **القاموس المحیط**، ج4، ص265-

4آپ کا نام حسین اور والد کا نام عبد الصمد ہے جبکہ سلسلہ نسب حارث بن عبد اللہ ہمدانی سے ملتا ہے جس کی نسبت حارثی کہلاتے ہیں، شیخ حسین کی پیدائش 1512ء میں ایران کے صوبہ خوزستان کے شہر صیدون کے ایک گاؤں جبع میں ہوئی۔ آپ ایران کے شیخ الاسلام، شیعہ عالم اور مصنف تھے۔ آپ کی وفات 5 جون 1576ء میں ہوئی۔

5ہمدانی، حسین بن عبد الصمد، **وصول الاخیار الی اصول الاخبار** (ایران: مجمع الذخائر الإسلامیة ، س ن) ص69-

6 قاضی نور اللہ شوشتری کی ولادت 956ھ /1549ء میں ہوئی۔ ان کے والد سید شریف حسینی مرعشی اور چچا سید صدر حسینی فقہ، اصول، تفسیر، حدیث کے استاد تھے۔ نور اللہ 976ھ میں مشہد گئے اور ملا عبد الواحد مشہدی کے درس میں شرکت کی۔ درجہ فضل و کمال پر فائز ہو کر اساتذہ سے اجازے حاصل کیے۔ قاضی نور اللہ شوشتری اکبر دور کے بہت معروف شیعی عالم تھے۔

7خمینی، سید، روح اللہ، **أنوار الهدایة فی التعلیقة علی الکفایة** (ایران: مؤسسة تنظیم ونشر تراث الإمام الخمینی 1427ھ) ج1، ص244-

8 قزوینی، خلیل بن غازی، **الشافی فی شرح اصول الکافی** (ایران: دار الحدیث، 1429ھ) ج1، ص80-

(آپ کے حامی اور مخالف دونوں نے ان کے فضل کا اعتراف کیا ہے، ہمارے اصحاب نے کہا کہ آپ حدیث میں لوگوں میں سب سے زیادہ قابل اعتماد اور ثبت کرنے والے ہیں اور علوم پر گہرائی رکھتے تھے۔)

علامہ محمد تقی مجلسیؒ[1] نے فرمایا:

"والحق أنه لم يكن مثله، فيما رأيناه في علمائنا، وكل من يتدبر في أخباره، وترتيب كتابه، يعرف أنه كان مؤيدا من عند الله"[2]

(حق تو یہ ہے کہ آپ اپنے مثل آپ تھے، ان باتوں میں جو ہم اپنے علماء میں پاتے ہیں اور جو کوئی بھی ان کی اخذ کردہ احادیث پر اور ان کی کتاب کی ترتیب پر تدبر کرتا ہے، اس کو پتہ چلتا ہے کہ آپ کو اللہ کی تائید حاصل تھی۔)

علامہ محمد باقر مجلسیؒ[3] نے ان الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے:

"الشيخ ،الصدوق،ثقة الاسلام، مقبول طوائف الانام،ممدوح الخاص و العام، محمد بن يعقوب الكلينى "[4]

(سچے ترین شیخ، ثقۃ الاسلام، علماء کے گروہ میں مقبول، سنی و شیعہ ممدوح محمد بن یعقوب الکلینیؒ)

مرزا عبد اللہ الافندیؒ کہتے ہیں:

"ثقة الاسلام ، هو فى الاغلب يراد منه ابو جعفر محمد بن يعقوب بن اسحاق الكلينى، الرازى ،صاحب الكافى و غيره، الشيخ الاقدام المسلم بين العامة و الخاصة و المفتى لكلا الفريقين"[5]

(ثقۃ الاسلام کے الفاظ عموماً ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق الکلینیؒ الرازی مراد ہوتے ہیں، جو صاحب "الکافی" وغیرہ ہیں۔ آپ شیخ الاقدم تھے اور اہل سنت اور اہل تشیع میں آپ کی حیثیت مسلم ہے، آپ دونوں فرقوں کے مفتی تھے۔)

---

1 علامہ محمد تقی مجلسی جن کا نام محمد تقی بن مقصود علی اصفہانی ہے اور شہرت مجلسی اول ہے۔ گیارہویں صدی ہجری کے معروف شیعہ عالم اور فقیہ تھے اور معروف عالم و محدث علامہ محمد باقر مجلسی کے والد تھے۔

2 مجلسی، محمد تقی، **روضة المتقين في شرح من لا يحضره الفقيه**، (کوشانپور: بنیاد فرہنگ اسلامی حاج محمد حسین، س ن) ج14، ص260-

3 محمد باقر بن محمد تقی (1037-1110ھ) علامہ مجلسی و مجلسی ثانی کے نام سے معروف، عالم اسلام کے مشہور ترین فقہاء، محدثین اور صفویہ دور حکومت کے با اثر شیعہ علما میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کی تصنیفات میں مرآة العقول، حق اليقين، زاد المعاد، تحفة الزائر، عين الحيات، حيات القلوب، جلاء العيون، حلية المتقين وغیرہ شامل ہیں۔

4 مجلسی، محمد باقر، **مراة العقول فى شرح اخبار آل الرسول** (تہران: دار الکتب الاسلامیہ، 1375ھ) ج1، ص3-

5 الاصبہانی، آفندی، عبد اللہ، **رياض العلماء** (قم: مکتبہ آیۃ اللہ العظمی، 1415ھ) باب الثاء، ج7، ص45-

شیخ الکلینیؒ کی تالیفات:

آپ کی تالیفات میں جن کتابوں کے نام ملتے ہیں وہ یہ ہیں:

الکافی(فی الاصول و الفروع)[1]،کتاب الرجال[2]،تفسیر الرویا[3]،کتاب الرد علی القرامطه[4]،کتاب الرسائل[5]،کتاب رسائل الائمة علیهم الاسلام[6]،کتاب ما قیل فی الائمة علیهم السلام،من الشعر[7]

یوں تو آپ کی تمام تالیفات علماء کرام میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی گئی ہیں، لیکن جس کتاب نے آپ کو ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا ہے وہ "کتاب الکافی" ہے۔

شیخ کلینیؒ کی وفات:

شیخ محمد بن یعقوب الکلینیؒ کے سن وفات کے بارے میں اہل علم نے مختلف آراء کو بیان کیا ہے۔

نجاشیؒ کہتے ہیں:

"ومات أبو جعفر الكليني رحمه‌الله ببغداد ، سنة تسع وعشرين وثلاثمائة ، سنة"[8]

(ابو جعفر کلینیؒ کی وفات بغداد میں سن 329ھ میں ہوئی۔)

شیخ طوسیؒ نے پہلے تو وفات کا سن 328ھ لکھا ہے۔ لیکن بعد میں النجاشی کے قول ہی کی تائید کی ہے۔

علامہ طوسی لکھتے ہیں:"توفی فی بغداد سنة 328ھ و دفن بباب الکوفة"[9]

(آپ نے بغداد میں وفات پائی اور 328ھ میں باب کوفہ میں دفن ہوئے۔)

رضی الدین بن طاؤس نے لکھا ہے:

"و هذا الشیخ محمد بن یعقوب الکلینی کان حیاته فی زمن و کلاء المهدی علیه السلام عثمان بن سعید العمری وولده ابی جعفر محمد و ابی القاسم حسین بن روح و علی بن محمد السمری ،

---

1 نجاشی، ابوالعباس، احمد بن علی، رجال نجاشی ، ص377-

2 ایضاً

3 ابن شہر آشوب، ابو جعفر، محمد بن علی، معالم العلماء (تہران: مطبعۃ فردین، 1353ھ) ص88- پر اس کتاب کا نام تعبیر الرویا لکھا ہے۔

4 ابن شہر اشوب، ابو جعفر، محمد بن علی، معالم العلماء، ص88-

5 ایضاً

6 نجاشی، ابوالعباس، احمد بن علی، رجال نجاشی ، ص377-

7 ایضاً

8 ایضاً

9 طوسی، ابو جعفر، محمد بن الحسن، الفهرست، ص211-

وتوفی محمد بن یعقوب قبل و فاة علی بن محمد المسری ، لان علی بن محمد السمری توفی فی شعبان سنة329ھ و هذا محمد بن یعقوب الکلینی توفی ببغداد سنة 328ھ"[1]

(شیخ محمد بن یعقوب الکلینیؒ امام مہدی علیہ السلام کے وکلاء عثمان بن سعید العمری اور ان کے صاحبزادے ابی جعفرؒ محمد اور ابی القاسم حسین بن روح اور علی بن محمد المسری کے زمانے میں زندہ تھے، اور محمد بن یعقوب کی وفات علی بن محمد السمری کی وفات سے پہلے ہوئی ہے، جن کا انتقال شعبان 329ھ میں ہوا اور محمد بن یعقوب الکلینیؒ کی وفات 328ھ میں ہوئی۔)

ہمارے خیال میں صحیح تاریخ وفات شعبان 329ھ ہے، نجاشیؒ کا عہد کلینیؒ سے قریب تر ہے اور ان کی بیان کردہ تاریخ وفات کی تائید شیخ طوسیؒ، علامہ حلی نے بھی کی ہے۔ اور علی بن محمد السمریؒ کی وفات شعبان سن 329ھ میں ہوئی، اگر کلینیؒ کی وفات سے چند روز قبل بھی ہوئی ہو تو سید رضی الدین ابن طاؤس سے مطابقت ہو جائے گی۔

"وصلى عليه محمد بن جعفر الحسني أبو قيراط ، ودفن بباب الكوفة."[2]

ان کی نماز جنازہ ابو قیراط محمد بن جعفر الحسینیؒ نے پڑھائی۔ اور آپ کو کوفہ میں دفن کیا گیا۔

---

1 ابن طاؤس، علی بن موسی، کشف المحجة لثمرة المهجة ، ص159-

2 نجاشی، ابو العباس، احمد بن علی، رجال نجاشی، ص378-

مبحث چہارم:

تفسیر آیات میں الکافی کے اسالیب و مناہج

اہل تشیع کے نزدیک امام کلینی کی الکافی کو دیگر کتب احادیث پر برتری حاصل ہے، اسی طرح تفسیری احادیث و آثار میں بھی کئی پہلوؤں سے دیگر کتب احادیث پر برتری حاصل ہے، جن میں سے بعض کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

"الکافی" کا اجمالی تعارف

امام محمد بن یعقوب الکلینیؒ نے بیس سال محنت کر کے یہ کتاب تالیف کی تھی۔[1] اس کتاب کو شروع میں "الکلینی" کہا جاتا تھا۔[2] بعد میں اسے "الکافی" کہا جانے لگا۔[3] اس کی جامعیت کا اندازہ ان الفاظ سے لگایئے، جو خود شیخ الکلینیؒ نے فرمائے ہیں:

" إِنَّكَ تُحِبُّ أَنْ يَكُونَ عِندَكَ كِتَابٌ كَافٍ يُجْمَعُ فِيهِ مِنْ جَمِيعِ فُنُونِ عِلْمِ الدِّينِ ، مَايَكْتَفِي بِهِ الْمُتَعَلِّمُ ، وَيَرْجِعُ إِلَيْهِ الْمُسْتَرْشِدُ ، وَيَأْخُذُ مِنْهُ مَنْ يُرِيدُ عِلْمَ الدِّينِ وَالْعَمَلَ بِهِ بِالْآثَارِ الصَّحِيحَةِ عَنِ الصَّادِقِينَ عليهم السلام "[4]

(آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک کافی کتاب ہو جس میں علم دین کے تمام فنون جمع ہوں جو متعلم کو بھی کفایت کرے اور ہدایت کا طالب بھی اس کی طرف رجوع کرے اور جو علم دین حاصل کرنا چاہے وہ اس سے اخذ کرے اور صادقینؑ کے آثار صحیحہ پر اس کے ذریعہ عمل کیا جائے۔)

"الکافی" کو شیخ کلینیؒ نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصہ کو "الاصول" کہا جاتا ہے اور دوسرے حصے کو "الفروع" کہا ہے۔ بعض اہل علم کے نزدیک الکافی کے تین حصے ہیں:

1)اصول الکافی　　2)فروع الکافی　　3)روضہ الکافی

1)اصول کافی:

اصول کافی اعتقادی احادیث آٹھ کتابوں پر مشتمل ہے اور اس میں مندرجہ احادیث کا تعلق اعتقادی مسائل سے ہے:

---

1 نجاشی، ابو العباس، احمد بن علی، رجال نجاشی، ص377-

2 نجاشی، ابو العباس، احمد بن علی، رجال نجاشی، ص377-

3 نجاشی، ابو العباس، احمد بن علی، رجال نجاشی، ص377-

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی (قم: دار الحدیث، 1392) ج1، ص16-

"كتاب العقل و الجهل،كتاب فضل العلم، كتاب التوحيد، كتاب الحجة، كتاب الايمان والكفر، كتاب الدعاء، كتاب فضل القرآن، كتاب العشرة"

اب ان کتابوں کی مختصر تفصیل پیش کی جارہی ہے:

1) **"الاصول" میں سب سے پہلے شیخ کلینیؒ نے "كتاب العقل و الجهل" لکھی ہے۔ اس سے غالباً اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ کائنات میں جس چیز کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے، وہ عقل ہے۔ مسلمان فرقوں میں صرف فرقہ امامیہ اثناء عشریہ ہی وہ فرقہ ہے جس میں عقل کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ شیخ کلینیؒ نے سب سے پہلے "كتاب العقل و الجهل" لکھ کر مذہب شیعہ میں عقل کی حیثیت کو واضح کیا ہے کیونکہ دین کے اصول اور فروعی مسائل کو بغیر عقل کے نہیں سمجھا جا سکتا ہے۔ اس لیے عقل کے استعمال کی ترغیب کو تمام مسائل سے پہلے ہی ہونا چاہیے۔**

2) **شیخ محمد بن یعقوب الکلینیؒ نے دوسری کتاب "فضل العلم" قرار دی ہے، جوں جوں ہم علم حاصل کرتے جائیں گے زندگی اور کائنات کے حقائق ہم پر منکشف ہوتے جاتے ہیں، کائنات کا نظم وضبط، کائناتی اصول وضوابط سے ہمیں آگہی نصیب ہوتی جاتی ہے اور عقل سوچنے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ جو علم ہم نے حاصل کیا ہے جو حقائق ہم پر منکشف ہوئے ہیں جس کائناتی نظم وضبط کا ہم پر انکشاف ہوا ہے، وہ کسی کے پیدا کردہ اور جاری کردہ ہیں۔ یہاں سے لازمی طور پر ایک ایسی ہستی کے وجود کی معرفت حاصل ہوتی ہے، جس نے نہ صرف یہ کہ کائنات کو خلق کیا ہے بلکہ اس کی ترتیب کرنے والی اور اسے باقی رکھنے والی بھی ہے، اس ہستی کو ہم اللہ، خدا یا گاڈ کے الفاظ سے ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ گویا استعمال عقل وعلم کا لازمی نتیجہ معرفت الٰہی ہے۔**

3) **شیخ محمد بن یعقوب الکلینیؒ نے تیسری "كتاب التوحيد" قرار دی ہے۔ شیخ کلینیؒ نے اس کتاب میں توحید سے متعلق احادیث و آثار کو جمع کیا ہے۔ اس میں بھی درج ذیل موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے: کائنات کا حدوث اور اس کا خالق، معرفت خدا کا معمولی درجہ، اس کی ذات کے بارے میں گفتگو سے ممانعت، نظریہ رویت خدا کا بطلان، خدا کے ذاتی صفات، ارادہ اور اس کے دیگر صفات افعالی، اسمائے الٰہی کے معانی، مشیت اور ارادہ، بدبختی اور خوش بختی، جبر و قدر اور امر بین الامرین۔**

4) **شیخ محمد بن یعقوب الکلینیؒ نے چوتھی "كتاب الحجة" قرار دی ہے۔ کافی کے حصہ اصول کے عنوان، ایمان وکفر، کے بعد سب سے وسیع و عریض عنوان یہی ہے اس میں بہت زیادہ روایات اور ایک سو سے زیادہ ابواب میں ذکر ہوئی ہیں کہ ہم ان کی سرخیوں کو یہاں پر ذکر کر رہے ہیں۔**

حجت خدا کی ضرورت، انبیاء و مرسلین اور ائمہ کے طبقات، رسول، نبی اور محدث میں فرق، معرفت امام اور اس کی اطاعت کا لزوم، ائمہ کے صفات (صاحبان امر، خزان علم، انوار الٰہی، ارکان زمین وغیرہ)، ائمہ کے سامنے اعمال کا پیش ہونا، ائمہ کا وارث علوم انبیاء ہونا، ائمہ کے پاس چیزیں (قرآن کا مکمل علم، کتب انبیاء، صحیفہ فاطمہ وغیرہ)، علم ائمہ اور اس میں اضافے کی مختلف جہتیں، ائمہ اثنا عشر میں ہر ایک پر دلالت کرنے والے نصوص، تاریخ ائمہ کے چیدہ اوراق

5) کتاب الایمان والکفر: "**الکافی**" کے حصہ اصول کا سب سے وسیع و گسترده عنوان بھی ہے جو دو سو سے زیادہ عناوین پر مشتمل ہے۔ اس عنوان کے اصلی مباحث اس طرح ہیں: خلقت مومن و کافر، اسلام و ایمان کا معنی، مومن کے صفات اور ایمان کے حقائق، اصول و فروع کفر، گناہ اور اس کے آثار و اقسام، کفر کے اقسام

6) کتاب الدعاء: یہ عنوان دو حصوں میں ہے: **پہلا حصہ**: دعا کی فضیلت اور آداب کے باب میں ہے اس حصے میں پہلے آثار دعا، دعا کے وسیلہ سے قضاو قدر الٰہی کی تبدیلی، تمام بیماریوں کی شفا، اور اس کا استحباب بیان کیا گیا ہے پھر اس کے بعد آداب دعا جیسے دعا میں سبقت، قبلہ رخ بیٹھنا، اور دعا کے قوت یاد خدا میں رہنا، پنہانی دعا، دعا کے مناسب اوقات، دعا میں اجتماعی شرکت کا بیان ہے۔

دوسرا حصہ: اس حصہ میں بعض دعائیں اور چھوٹے چھوٹے اذکار یا بعض خاص حالات کی دعائیں جمع کی گئی ہیں جیسے خواب سے بیدار ہونے کے وقت کی دعا، گھر سے باہر نکلتے وقت کی دعا، نماز کی تعقیبات، بیماریوں کے وقت کی دعا، قرائت قرآن کرتے وقت کی دعا وغیرہ۔

7) کتاب فضل القرآن: اس میں تیرہ ابواب ہیں جیسے حاملین قرآن کی فضیلت، قرائت قرآن، ترتیل و حفظ قرآن وغیرہ کی فضیلت بیان ہوئی ہے اسی طرح ہر روز کس مقدار میں قرآن کی تلاوت کرنی چاہیے وغیرہ کا بیان موجود ہے۔

8) کتاب المعیشۃ: کافی کے حصہ اصول کا آخری عنوان یہی ہے جس میں درج ذیل مضامین ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں: ہم نشین کا لازمی ہونا، اچھی معاشرت، اچھے اور برے ہم نشین، آداب و وظائف معاشرت، سماجی تعلقات، ایک دوسرے کو سلام کرنا، بڑوں کا احترام، کریموں کا احترام، بزم کی باتوں کو امانت سمجھنا، پڑوسی کا حق، میاں بیوی کا حق، نامہ نگاری وغیرہ۔

2) فروع الکافی:

کتاب الکافی کا دوسرا حصہ فروع الکافی ہے، جس میں فقہی مسائل سے متعلق روایات ہیں۔ فروع الکافی کے اہم ابواب درج ذیل ہیں:

كتاب الطهارة، كتاب الحيض، كتاب الجنائز، كتاب الصلوة، كتاب الزكاة والصدقه، كتاب الصيام، كتاب الحج، كتاب الجهاد، كتاب المعيشة، كتاب النكاح، كتاب العقيقه، كتاب الطلاق، كتاب العتق والتدبير والمكانته، كتاب الصيد، كتاب الذبائح، كتاب الاطعمة، كتاب الاشربه، كتاب الرى والتجمل، كتاب الدواحى، كتاب الوصايا، كتاب المواريث، كتاب الحدود، كتاب الديات، كتاب الشهادات، كتاب القضاء والاحكام، كتاب الايمان والنذور والكفارات

یہ یاد دہانی ضروری ہے کہ فروع الکافی کے بعض ابواب، فقہی کتابوں میں مستقل طور پر لائے جاتے ہیں جبکہ اجارہ، بیع، رہن، عاریہ، ودیعہ وغیرہ کافی کے عنوان المعیشہ میں اورامر بالمعروف عنوان الجہاد میں نیز زیارات باب الحج میں ذکر ہوئے ہیں۔ فروع الکافی، کتاب الکافی کا سب سے بڑا حصہ ہے۔

3)روضۃ الکافی:

بعض لوگ روضۃ الکافی کو کلینی کے آثار میں شمار نہیں کرتے بلکہ اسے جناب ابن ادریس کی طرف نسبت دیتے ہیں، اس لیے اسے کافی کا حصہ تسلیم نہیں کرتے اس کے مقابلے میں بہت سے علماء اسے کافی کا جز اور کلینی کی تالیف مانتے ہیں۔

الکافی کا تیسرا حصہ روضة الكافى کے نام سے معروف ہے جس میں مختلف موضوعات سے متعلق روایات بغیر کسی خاص نظم وترتیب کے ذکر کی گئی ہیں۔ نمونہ کے طور پر ذیل کے عناوین ملاحظہ کریں:

بعض آیات قرآن کی تفسیر وتاویل، ائمہ معصومین کے وصایا ومواعظ، بیماریاں اور اس کا علاج، خواب اوراس کی قسمیں، تخلیق کائنات کی کیفیت اور بعض موجودات، بعض بزرگ انبیاء کی تاریخ، شیعوں کے فضائل ووظائف، صدر اسلام کی تاریخ اور خلافت امیر المؤمنین سے متعلق بیانات، حضرت مہدیؑ اوران کے اصحاب کے صفات اورزمانہ ظہور کے حالات، بعض اصحاب واشخاص جیسے ابوذر، سلمان، جعفر طیار، زید بن علی وغیرہ کی تاریخ زندگی

الکافی کی کتاب العقل والجہل سے ابتداء:

امام کلینی کا یہ امتیاز ہے کہ انہوں نے الکافی کی ابتداء" كِتَابُ الْعَقْلِ وَالْجَهْلِ "سے کی ہے، جس سے امام کلینیؒ بتانا چاہتے ہیں، کہ اس دنیا میں جس چیز کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے وہ عقل ہے۔ کیونکہ دین کے اصول

و قواعد کو عقل و تدبر کے بغیر سمجھنا ممکن نہیں۔ قرآن مجید نے بھی غور و فکر اور تدبر کا درس دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ﴾[1] (تو کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے؟)

دینی امور پر غور و فکر کی وجہ سے امام کلینی نے الکافی کی ابتداء کتاب العقل والجھل سے کی ہے۔

امام کلینیؒ کا الکافی میں تفسیری مناہج

امام کلینیؒ نے الکافی میں دو طرح سے قرآنی تفسیر کی ہے۔ (الف) عمومی ابواب میں تفسیر قرآن (ب) کتاب فضل القرآن

(الف) عمومی ابواب میں تفسیر قرآن:

1. امام کلینیؒ الکافی میں کسی موضوع کے بارے میں جب کتاب قائم کرتے ہیں، تو اس کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کے طور پر قرآنی آیات کو پیش کرتے ہیں: مثلاً کتاب الصلاۃ میں " بَابُ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ "قائم کیا ہے۔ یہ باب قائم کرنے کے بعد بطور وضاحت چند روایات پیش کرتے ہیں۔ مثلاً معاویہ بن عمار کہتے ہیں میں نے امام جعفر علیہ السلام سے کہا: ((إِذَا قُمْتُ لِلصَّلَاةِ أَقْرَأُ﴿بِسْمِ اللهِ الرَّحْمنِ الرَّحِيمِ ﴾ فِي فَاتِحَةِ الْقُرْآنِ ؟ قَالَ:« نَعَمْ ».قُلْتُ:فَإِذَا قَرَأْتُ فَاتِحَةَ الْقُرْآنِ أَقْرَأُ ﴿ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمنِ الرَّحِيمِ ﴾ مَعَ السُّورَةِ؟ قَالَ:« نَعَمْ ».))[2] (جب میں نماز پڑھتا ہوں تو سورۃ الفاتحہ کے ساتھ بسم اللہ پڑھتا ہوں، فرمایا ٹھیک ہے میں نے کہا جب قرآن میں سورۃ الفاتحہ پڑھتا ہوں تو بسم اللہ پڑھتا ہوں۔)

2. قرآن مجید میں اگر کوئی لفظ استعمال ہوا ہے، اور وہ لفظ حدیث میں بھی استعمال شدہ ہو تو اس کی وضاحت کے لیے روایت پیش کرتے ہیں: مثلاً سورۃ الفاتحہ کی فضیلت میں مثانی کے الفاظ قرآن مجید نے بیان کیے ہیں، تو اس کی وضاحت کے لیے روایت پیش کرتے ہیں: وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ[3] (اور بلاشبہ یقینا ہم نے تجھے بار بار دہرائی جانے والی سات آیتیں اور بہت عظمت والا قرآن عطا کیا ہے۔)

اس آیت کریمہ میں مثانی کے الفاظ پیش کیے گئے ہیں تو اس کی وضاحت کے لیے حدیث پیش کی ہے۔

((أُعْطِيتُ السُّوَرَ الطِّوَالَ مَكَانَ التَّوْرَاةِ ، وَأُعْطِيتُ الْمِئِينَ مَكَانَ الْإِنْجِيلِ ، وَأُعْطِيتُ الْمَثَانِيَ مَكَانَ الزَّبُورِ))[4]

---

1 محمد:24

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصلاۃ، بَابُ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ، باب 21، حدیث 4979/1-

3 الحجر:87

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی (ایران: دار الحدیث، 1392ھ) كِتَابُ فَضْلِ الْقُرْآنِ، حدیث 3482/10-

(مجھے تورات کے بدلے میں لمبی سورتیں عطا ہوئیں ہیں، اور انجیل کے مقابلے میں سو آیات والی سورتیں عطا ہوئیں ہیں، اور زبور کے مقابلے میں سبع مثانی عطا ہوئی ہے۔)

(ب) کتاب فضل القرآن:

امام کلینیؒ نے اپنی الکافی میں کتاب فضل القرآن قائم کی ہے، اور اس میں 13 ابواب قائم کر کے فضائل قرآن کے متعلق 125 احادیث ذکر کی ہیں۔ جن میں پہلی اور آخری حدیث بطور نمونہ پیش کی جاتی ہے۔

امام کلینیؒ نے کتاب فضل القرآن میں پہلا باب: " بَابُ فَضْلِ حَامِلِ الْقُرْآنِ" قائم کیا ہے، اور اس باب کے تحت پہلی حدیث یہ لے کر آئے ہیں۔ حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّ أَهْلَ الْقُرْآنِ فِي أَعْلَى دَرَجَةٍ مِنَ الْآدَمِيِّينَ مَا خَلَا النَّبِيِّينَ وَالْمُرْسَلِينَ ؛ فَلَا تَسْتَضْعِفُوا أَهْلَ الْقُرْآنِ حُقُوقَهُمْ ؛ فَإِنَّ لَهُمْ مِنَ اللهِ الْعَزِيزِ الْجَبَّارِ لَمَكَاناً عَلِيّاً».))[1] (تحقیق اہل قرآن قیامت کے دن سوائے انبیاء کرام و مرسلین کے باقی تمام لوگوں سے بلند درجہ پر ہوں گے، پس اہل قرآن کے حقوق کو کم شمار نہ کیا کرو، کیونکہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ عزیز و جبار کے نزدیک بلند ترین مقام ہے۔)

اسی طرح امام کلینیؒ نے کتاب فضائل القرآن میں آخری باب: " بَابُ النَّوَادِرِ " قائم کیا ہے، اور اس باب کے تحت یہ آخری حدیث لے کر آئے ہیں: ((إِنَّ الْقُرْآنَ الَّذِي جَاءَ بِهِ جَبْرَئِيلُ علیہ السلام إِلى مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ سَبْعَةَ آلَافِ آيَةٍ))[2] (تحقیق وہ قرآن جس کو جبرائیل علیہ السلام حضرت محمد ﷺ پر لے کر نازل ہوا تھا تو اس کی ستر ہزار آیات تھیں۔)

امام کلینیؒ نے الکافی میں یہ روایت قرآن مجید کی فضیلت پر بیان کی ہے، البتہ بعض اہل علم اس روایت سے مسئلہ تحریف قرآن نکالتے ہیں۔ کیونکہ موجودہ قرآن میں قرآنی آیات کی تعداد 6236[3] ہیں، جبکہ اس روایت میں قرآنی آیات کی تعداد ستر ہزار بیان ہوئی ہے۔

کتاب التفسیر کا عدم اہتمام:

امام کلینیؒ نے الکافی میں کتاب التفسیر کو قائم نہیں کیا ہے۔ بلکہ دیگر ابواب میں ہی تفسیری روایات کو جمع کیا ہے۔ مثلاً، نماز سے متعلق تفسیری روایات کو کتاب الصلاۃ میں جمع کیا، اور روزہ سے متعلق تفسیری روایات کو کتاب الصیام میں بیان کیا ہے۔ اور اسی دیگر ابواب میں بھی متعلقہ موضوعات سے متعلق تفسیری روایات پیش کی ہیں۔ مثلاً:

---

1 ایضاً ، بَابُ فَضْلِ حَامِلِ الْقُرْآنِ، حدیث 3487/1-

2 ایضاً بَابُ النَّوَادِرِ، حدیث 3597/29-

3 مقدسی، قاضی، مجیر الدین بن محمد، فتح الرحمن فی تفسیر آن (قطر: مکتبہ الاسلامیہ، 2009ء)، ج 1، ص 22-

نماز سے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾[1]
(اپنے رب کے نام کی تسبیح کر جو سب سے بلند ہے۔)

اس آیت کا موضوع نماز ہے تو اس سے متعلق تفسیری احادیث کو کتاب الصلاۃ میں بیان کیا۔

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام ، قَالَ « اقْرَأْ فِي لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ بِالْجُمُعَةِ و﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ ، وَفِي الْفَجْرِ بِسُورَةِ الْجُمُعَةِ و﴿ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ﴾ ، وَفِي الْجُمُعَةِ بِالْجُمُعَةِ وَالْمُنَافِقِينَ ».))[2](ابو عبد اللہ علیہ السلام کہتے ہیں جمعہ کی رات نماز میں سورۃ جمعہ اور﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ اور فجر کی نماز میں سورۃ جمعہ اور﴿ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ﴾ پڑھے اور جمعہ کی نماز میں سورۃ جمعہ اور منافقون پڑھے۔)

اسی طرح روزہ سے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا﴾[3](میں نے تو رحمان کے لیے روزے کی نذر مانی ہے۔)

اس آیت کریمہ کا موضوع روزہ ہے تو اس سے متعلق تفسیری روایت کو کتاب الصیام میں بیان کیا ہے۔

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام ، قَالَ : « إِنَّ الصِّيَامَ لَيْسَ مِنَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ وَحْدَهُ ». ثُمَّ قَالَ: « قَالَتْ مَرْيَمُ : ﴿ إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمنِ صَوْماً ﴾ أَيْ صَوْماً صَمْتاً – وَفِي نُسْخَةٍ أُخْرى : أَيْ صَمْتاً – فَإِذَا صُمْتُمْ فَاحْفَظُوا أَلْسِنَتَكُمْ ، وَغُضُّوا أَبْصَارَكُمْ ، وَلَا تَنَازَعُوا وَلَا تَحَاسَدُوا ».))[4](ابو عبد اللہ علیہ السلام فرماتے ہیں:روزہ صرف کھانے پینے سے رک جانے کا نام نہیں، پھر فرمایا، مریم علیہ السلام نے کہا:"میں نے تو رحمان کے لیے روزے کی نذر مانی ہے۔"یعنی خاموشی، مطلب یہ ہے کہ بد گوئی سے زبان کو روکا جائے۔ صمت کا مطلب یہ ہے کہ اپنی زبانوں کی حفاظت کرو۔ اپنی آنکھوں کو نیچا رکھو، جھگڑا نہ کرو اور ایک دوسرے سے حسد نہ کرو۔)

ان دو مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ امام کلینی نے الکافی میں کتاب التفسیر کو قائم نہیں کیا بلکہ انہوں نے دیگر ابواب کو قائم کر کے متعلقہ موضوع پر مبنی تفسیری احادیث کو بیان کیا ہے۔ الکافی کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آئی کہ یہ کتاب درج ذیل تفسیری مناہج کی حامل ہے۔

1. بعض قرآنی آیات سے ابواب بندی:

امام کلینیؒ نے الکافی میں بعض مقامات پر قرآنی آیات کو بنیاد بنا کر ابواب قائم کیے ہیں، اس میں متعلقہ قرآنی آیت کی تفسیر بیان کی ہے۔ مثلاً:

---

1 الاعلیٰ:1

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصلاۃ، بَابُ الْقِرَاءَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَيْلَتَهَا فِي الصَّلَوَاتِ، باب 71، حدیث 5476/2-

3 مریم:25

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصیام، بَابُ أَدَبِ الصَّائِمِ، ج7، حدیث 6322/3-

امام کلینیؒ نے الکافی کی کتاب النکاح میں قرآنی آیت سے باب " بَابٌ فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ﴿ وَلكِنْ لا تُواعِدُوهُنَّ سِرًّا ﴾ الْآيَةَ[1]" قائم کیا ہے۔اور اس باب میں چار تفسیری احادیث پیش کی ہیں۔

اسی طرح الکافی کی کتاب الطلاق میں بھی قرآنی آیت سے باب" بَابٌ فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ وَلا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ﴾[2] " قائم کیا ہے۔اس باب میں ایک تفسیری حدیث بیان ہوئی ہے۔

2. کتب احادیث میں سے جامع تفسیر:

محدثین میں سے امام کلینیؒ کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے، اسی طرح انہوں نے الکافی میں جو تفسیری روایات پیش کی ہیں ان کا مقام و مرتبہ بھی بالا تر ہے۔امام کلینی نے الکافی میں تفسیر بالماثور کا اہتمام کیا ہے۔اور قرآنی آیات کی تفسیر میں احادیث کو پیش کیا ہے، اور ائمہ معصومین کے اقوال کو پیش کیا ہے۔

﴿الَّذِينَ هُمْ فِي صَلاتِهِمْ خاشِعُونَ﴾[3]

(وہی جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام ، قَالَ : « إِذَا كُنْتَ دَخَلْتَ فِي صَلَاتِكَ ، فَعَلَيْكَ بِالتَّخَشُّعِ وَالْإِقْبَالِ عَلى صَلَاتِكَ ؛ فَإِنَّ اللهَ - عَزَّ وَجَلَّ - يَقُولُ : ﴿ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلاتِهِمْ خاشِعُونَ﴾ ».))[4]

(ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا جب تم نماز پڑھو تو خضوع و خشوع اور پوری توجہ سے پڑھو۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ لوگ اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں۔)

3. الکافی کی تعداد روایات:

الکافی کی روایات کے بارے میں مختلف اہل علم کی آراء پائی جاتی ہیں۔صاحب لؤلؤة البحرین لکھتے ہیں:

" أما الكافي فجميع أحاديثه حصرت في ستة عشر ألف حديث ومائة وتسعة وتسعين حديثا"[5]

(ہمارے بعض مشائخ کے مطابق الکافی کی کل احادیث سولہ ہزار ایک سو نوے ہے)

---

1 کلینی ، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی،کتاب النکاح، بَابٌ فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ ﴿ وَلكِنْ لا تُواعِدُوهُنَّ سِرًّا ﴾ الْآيَةَ ، باب 85،ج10،ص858-

2 ایضاً،کتاب الطلاق، بَابٌ فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ وَلا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ﴾ ،باب50،ج11،ص650-

3 المومنون:2

4 کلینی،ابو جعفر،محمد بن یعقوب،الکافی،کتاب الصلاۃ، بَابُ الْخُشُوعِ فِي الصَّلَاةِ وَكَرَاهِيَةِ الْعَبَثِ،باب15،حدیث4920/3-

5 عبد الرسول الغفار،کلینی و الکافی(قم:موسسة النشر الاسلامی ،1416ھ)ص402-

ان میں صحیح روایات اصطلاح متاخرین میں 5072 ہیں اور مؤثق 1118 احادیث اور قوی 302 حدیثیں اور ضعیف 7485 احادیث ہیں۔ڈاکٹر حسین علی محفوظ نے مقدمہ کافی میں 15176 احادیث، علامہ مجلسی نے 16121 احادیث اور عبد الرسول الغفار نے 15503 احادیث شمار کی ہیں۔[1]

البتہ یہ اختلاف روایات کے شمار کرنے کی نوعیت سے تعلق رکھتا ہے، اس طرح سے کہ بعض نے روایات دو اسانید سے ذکر ہوئی ہیں، انہیں دو روایات اور بعض نے ایک روایت ہی تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح بعض نے مرسل روایات کو جو "فی روایة اخری" کے ساتھ ذکر ہوئی ہیں انہیں ایک الگ حدیث سمجھا ہے جبکہ بعض نے انہیں علیحدہ حدیث نہیں سمجھا۔ البتہ بعض جگہوں پر روایات کی تعداد کا اختلاف نسخوں میں اختلاف کی وجہ سے ہے۔[2]

4. سورتوں کے فضائل کا بیان:

امام کلینیؒ نے الکافی میں سورتوں کی فضیلت کو بیان کیا ہے اور پر مختلف روایات پیش کیں۔ مثلاً:((أعَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ علیہ‌السلام ، قَالَ : « كَانَ أَبِي – صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ – يَقُولُ ﴿ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ﴾ ثُلُثُ الْقُرْآنِ ، وَ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكافِرُونَ ﴾ رُبُعُ الْقُرْآنِ ».))[3](ابو عبد اللہ علیہ السلام سے بیان کرتے ہیں کہ میرے والد فرمایا کرتے تھے کہ ﴿قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ﴾ ایک ثلث قرآن ہے اور ﴿ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكافِرُونَ ﴾ ایک چوتھائی قرآن ہے۔)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ قرآنی سورتوں کی بہت زیادہ فضیلت ہے سورۃ الاخلاص کا اجر ثلث قرآن کے برابر ہے اور سورۃ الکافروں کا اجر چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔

5. مکی ومدنی سورتوں کا بیان:

مکی ومدنی سورتوں کا علم بھی علوم القرآن کی ایک اہم شاخ ہے، امام کلینیؒ نے الکافی میں مکی ومدنی سورتوں اور آیات کے بارے میں بیان کیا ہے۔((فَقَالَ لَهُ أَبُو جَعْفَرٍ : يَا أَبَا حَنِيفَةَ ، إِنَّ سُورَةَ ﴿سَأَلَ سَائِلٌ ﴾ مَكِّيَّةٌ ، وَآيَةَ الْمُتْعَةِ مَدَنِيَّةٌ))[4](ابو جعفر نے ابو حنیفہ سے کہا! بے شک سورۃ المعارج ﴿ سَأَلَ سَائِلٌ﴾[5] مکی ہے اور آیت متعہ[6] مدنی ہے۔)

---

1 ایضاً

2 ایضاً، ص 399-

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، **الکافی**، كِتَابُ فَضْلِ الْقُرْآنِ، بَابُ فَضْلِ الْقُرْآنِ، حدیث 3551/7-

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، **الکافی**، كِتَابُ النِّكَاحِ، أَبْوَابُ الْمُتْعَةِ، حدیث 9928/8-

5 المعارج: 1

6 اہل تشیع مسلک کے نزدیک آیت متعہ سورہ النساء: 24 ہے۔ جبکہ اہل سنت کے نزدیک متعہ کا حکم سنت کی وجہ منسوخ ہو گیا ہے۔

6. ناسخ و منسوخ:

قرآن مجید میں کچھ آیات ایسی ہیں جو ناسخ ہیں اور کچھ آیات منسوخ ہیں، امام کلینیؒ نے الکافی میں اس کی وضاحت کی ہے اور کون سی آیت ناسخ ہے اور کون سی آیت منسوخ ہے۔مثلاً:((قَالَ أَبُو الْحَسَنِ الرِّضَا عليه‌السلام : ...« فَمَا تَقُولُ فِي هذِهِ الْآيَةِ: ﴿ وَالْمُحْصَناتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ ؟ ».قُلْتُ : فَقَوْلُهُ: ﴿ وَلا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكاتِ ﴾ نَسَخَتْ هذِهِ الْآيَةَ فَتَبَسَّمَ ، ثُمَّ سَكَتَ.))[1](ابوالحسن رضا علیہ السلام نے فرمایا: اے ابو محمد! اس آیت کے بارے میں کیا کہتے ہو؟﴿ وَالْمُحْصَناتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾[2](اور وہ بے شوہر عورتیں کہ جو ان میں سے ہیں کہ جن پر تم سے پہلے کتاب اتاری گئی۔) میں نے عرض کی: اللہ عزوجل نے قول:﴿وَلا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكاتِ﴾[3](اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو۔) نے اس آیت کو منسوخ کر دیا ہے"پس آپ علیہ السلام مسکرائے! پھر خاموشی اختیار فرمالی۔)

7. قرآنی آیات و سورتوں کا اسباب نزول:

قرآن مجید میں کا اکثر حصہ عقائد وعبادات اور احکام سے متعلق ہے، تاہم قرآن مجید کا کچھ حصہ کسی خاص واقعہ کے جواب پر نازل ہوا ہے۔ اہل علم نے ان واقعات کو اسباب کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ اسباب نزول سے آیت کریمہ کا پس منظر سمجھ میں آجاتا ہے۔ جس کے بغیر قرآنی تفسیر کرنا ممکن نہیں ہے۔ امام کلینی نے بھی الکافی میں اسباب نزول سے متعلق مرویات کو بیان کیا ہے۔مثلاً:((عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عليه‌السلام ، قَالَ : « إِنَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عليه‌السلام قَالَ : إِنَّ امْرَأَةً مِنَ الْمُسْلِمِينَ أَتَتْ رَسُولَ اللهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله ، فَقَالَتْ : يَا رَسُولَ اللهِ ، إِنَّ فُلَاناً زَوْجِي قَدْ نَثَرْتُ لَهُ بَطْنِي ، وَأَعَنْتُهُ عَلى دُنْيَاهُ وَآخِرَتِهِ ، فَلَمْ يَرَ مِنِّي مَكْرُوهاً ، وَأَنَا أَشْكُوهُ إِلَى اللهِ - عَزَّ وَجَلَّ - وَإِلَيْكَ. قَالَ : مِمَّا تَشْتَكِينَهُ؟ قَالَتْ لَهُ: إِنَّهُ قَالَ لِيَ الْيَوْمَ : أَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ كَظَهْرِ أُمِّي ، وَقَدْ أَخْرَجَنِي مِنْ مَنْزِلِي ، فَانْظُرْ فِي أَمْرِي. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله : مَا أَنْزَلَ اللهُ عَلَيَّ كِتَاباً أَقْضِي بِهِ بَيْنَكِ وَبَيْنَ زَوْجِكِ ، وَأَنَا أَكْرَهُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ، فَجَعَلَتْ تَبْكِي وَتَشْتَكِي مَا بِهَا إِلَى اللهِ وَإِلى رَسُولِهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله ، وَانْصَرَفَتْ ، فَسَمِعَ اللهُ - عَزَّ وَجَلَّ - مُحَاوَرَتَهَا لِرَسُولِهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله فِي زَوْجِهَا وَمَا شَكَتْ إِلَيْهِ ، فَأَنْزَلَ اللهُ - عَزَّ وَجَلَّ - بِذلِكَ قُرْآناً : ﴿ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمنِ الرَّحِيمِ * قَدْ سَمِعَ اللهُ قَوْلَ الَّتِي تُجادِلُكَ فِي زَوْجِها وَتَشْتَكِي إِلَى اللهِ وَاللهُ يَسْمَعُ تَحاوُرَكُما ﴾يَعْنِي مُحَاوَرَتَهَا

---

1 کلینی، ابوجعفر، محمد بن یعقوب، الکافی ،كِتَابُ النِّكَاحِ، بَابُ نِكَاحِ الذِّمِّيَّةِ، حدیث9568/6-

2 المائدہ:5

3 البقرہ:221

لِرَسُولِ اللهِ صلی اللهعلیهوآله فِي زَوْجِهَا ﴿ إِنَّ اللهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ الَّذِينَ يُظاهِرُونَ مِنْكُمْ مِنْ نِسائِهِمْ ما هُنَّ أُمَّهاتِهِمْ إِنْ أُمَّهاتُهُمْ إِلَّا اللاّئِي وَلَدْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنْكَراً مِنَ الْقَوْلِ وَزُوراً وَإِنَّ اللهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ﴾))[1]

(ابو جعفر علیہ السلام نے فرمایا: کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا! مسلمانوں کی ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی، اور عرض کی، اے اللہ کے رسول ﷺ! فلاں میرا شوہر ہے، میرے پیٹ سے اس کے بہت سے بچے ہیں، اور میں نے اس کی دنیا اور آخرت میں اس کی اعانت کی ہے اس نے مجھ سے کبھی ناپسندیدہ (کام) نہیں دیکھا اور میں اس کی اللہ تعالیٰ اور آپ کے حضور شکایت کرتی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: تو مجھ سے اس کی کس چیز سے شکایت کرتی ہو؟ تو اس عورت نے آپ ﷺ سے عرض کی، اس نے آج مجھے کہا! تو مجھے پر حرام ہے جیسے میری ماں کی پشت ہے، اور اس نے مجھے میرے گھر سے باہر نکال دیا ہے پس آپ ﷺ میرے معاملہ میں غور فرمائیں۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے (اس بارے میں) مجھ پر کتاب نازل نہیں کی کہ میں تیرے اور تیرے شوہر کے درمیان فیصلہ کروں اور میں متکلفین (یعنی کسی کو تکلیف دینے والوں) میں سے ہونا پسند نہیں کرتا، پس وہ عورت رونے لگی، اور جو اس کے ساتھ ہوا اس کی شکایت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حضور کرتی ہوئی چلی گئی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس عورت کا اپنے رسول ﷺ سے اس کے شوہر کے بارے میں سماعت فرمائی اور جس کی اس عورت نے شکایت کی تھی، پس اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں قرآن نازل فرمایا: ﴿بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ * قَدْ سَمِعَ اللهُ قَوْلَ الَّتِي تُجادِلُكَ فِي زَوْجِها وَتَشْتَكِي إِلَى اللهِ وَاللهُ يَسْمَعُ تَحاوُرَكُما إِنَّ اللهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ * الَّذِينَ يُظاهِرُونَ مِنْكُمْ مِنْ نِسائِهِمْ ما هُنَّ أُمَّهاتِهِمْ إِنْ أُمَّهاتُهُمْ إِلَّا اللاّئِي وَلَدْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنْكَراً مِنَ الْقَوْلِ وَزُوراً وَإِنَّ اللهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ﴾[2] (بسم اللہ الرحمن الرحیم، یقیناً اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو تجھ سے اپنے خاوند کے بارے میں جھگڑ رہی تھی اور اللہ کی طرف شکایت کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ بے شک اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ وہ لوگ جو تم میں سے اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں ان کے سوا کوئی نہیں جنھوں نے انھیں جنم دیا اور بلاشبہ وہ یقیناً ایک بری بات اور جھوٹ کہتے ہیں اور بلاشبہ اللہ یقیناً بے حد معاف کرنے والا، نہایت بخشنے والا ہے۔) اللہ تعالیٰ نے تم دونوں کا محاورہ سنا یقیناً اللہ سمیع و بصیر ہے، تم میں سے جو اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں ہیں یقیناً ان کی مائیں صرف وہ ہیں کہ جنہوں نے انہیں پیدا کیا یقیناً وہ باطل اور فضول گفتگو کرتے ہیں اور اللہ یقیناً عفو درگزر کرنے اور بخشنے والا ہے۔)

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الطَّلَاقِ، بَابُ الظِّهَارِ، حدیث 11040/1-

2 المجادلۃ: 1-2

مذکورۃ بالا مثال سے واضح ہوا کہ امام کلینیؒ نے تفسیری احادیث وآثار میں اسباب نزول کو بھی بیان کیا ہے۔ اور اسباب نزول کے بغیر قرآنی تفسیر کو سمجھنا ناممکن ہے۔

8. قرآن اور احادیث میں لفظی موافقت:

الکافی میں امام کلینیؒ نے یہ اسلوب اپنایا کہ قرآن مجید اور حدیث میں لفظی موافقت ذکر کرتے ہیں، اس سے مراد اگر قرآن کریم کوئی لفظ بیان ہوا ہے اور حدیث میں بھی وہی لفظ بیان ہوا ہے تو قرآنی لفظ کی وضاحت کے لیے حدیث پیش کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث قرآن مجید کی تفسیر و توضیح بیان کرتی ہے۔ مثلاً: ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾[1] (وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو بڑے ظلم کے ساتھ نہیں ملایا۔)

امام کلینیؒ نے اس آیت کریمہ میں لفظ "ظلم" کی موافقت میں یہ روایت پیش کی ہے: ((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام ، قَالَ :مِمَّنْ لَمْ يُشْرِكْ بِاللهِ قَطُّ ، وَلَمْ يَلْبِسْ إِيمَانَهُ بِظُلْمٍ وَهُوَ الشِّرْكُ.))[2] (ابوعبداللہ علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے شرک نہیں کیا، اور اپنے ایمان کو ظلم سے نہیں ملایا، اور ظلم سے مراد شرک ہے۔)

مذکورہ بالا مثال سے واضح ہوا کہ امام کلینیؒ نے الکافی میں قرآن مجید اور احادیث میں لفظی موافقت کو ذکر کیا ہے اور سورۃ الانعام کی آیت 82 میں ظلم کا لفظ استعمال ہوا ہے اور یہ لفظ حدیث میں بھی استعمال ہوا ہے، اور حدیث میں اس کی وضاحت بھی موجود ہے کہ ظلم سے مراد شرک ہے۔ نیز قرآن مجید نے بھی ظلم سے مراد شرک کو قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾[3] (بے شک شرک کرنا بڑا بھاری ظلم ہے۔)

9. سورتوں کی آیات کی تعداد کا علم:

علوم القرآن میں ایک اہم علم آیات کی تعداد کا علم ہے، اہل علم نے جس کا اہتمام کیا اور اس پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، الکافی سے ہمیں اس طرف بھی رہنمائی ملتی ہے۔ مثلاً" السبع المثاني "[4] سے سورۃ الفاتحہ کی سات آیات مراد ہیں۔

---

1 الانعام:82

2 کلینی، ابوجعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، بَابُ فَضْلِ الْجِهَادِ، بَابُ مَنْ يَجِبُ عَلَيْهِ الْجِهَادُ وَمَنْ لَا يَجِبُ، حدیث8220/1-

3 لقمان:13

4 کلینی، ابوجعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، ج4، ص600-

10. الکافی میں قرات کا بیان:

امام کلینیؒ نے الکافی میں کتاب فضائل القرآن کو قائم کیا اس میں قراءت سے متعلق ابواب قائم کئے ہیں۔ مثلاً: "بَابٌ فِي قِرَاءَتِهِ"[1] (قرآن کی قراءت کا باب) " بَابُ الْبُيُوتِ الَّتِي يُقْرَأُ فِيهَا الْقُرْآنُ"[2] (وہ گھر جن میں قرآن کی قراءت کی جاتی ہے کا باب)" بَابُ ثَوَابِ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ"[3] (تلاوت قرآن کے ثواب کا باب)" بَابُ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ فِي الْمُصْحَفِ"[4] (قرآن کو دیکھ کر قراءت کرنے کا باب)" بَابُ تَرْتِيلِ الْقُرْآنِ بِالصَّوْتِ الْحَسَنِ "[5] (اچھی وخوب صورت آواز کے ساتھ قرآن کی ترتیل سے قراءت کرنے کا باب)

امام کلینیؒ نے قراءت سے سے متعلق پانچ ابواب قائم کیے ہیں اور ان ابواب میں تیس احادیث کو بیان کیا ہے۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ امام کلینی نے الکافی میں قراءت کو بہت عمدہ انداز سے پیش کیا ہے۔

11. الکافی میں فقہی مباحث کا بیان:

قرآن مجید میں اعمال کے بارے میں احکامات بیان ہوئے ہیں،عام مفسرین فقہی مباحث پیش نہیں کرتے، لیکن امام کلینیؒ نے تفسیر میں یہ اسلوب اپنایا کہ فقہی مسئلہ کی دلیل پیش کرتے ہیں۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾ [6] (اور جو لوگ اسے مشکل سے برداشت کر سکیں ان کے ذمہ فدیہ ہے جو ایک مسکین کا کھانا ہے)

امام کلینیؒ نے اس فقہی مسئلہ کی تفسیر کو پیش کیا ہے،اور بطور دلیل یہ روایت پیش کی ہے:((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾ قَالَ : « الَّذِينَ كَانُوا يُطِيقُونَ الصَّوْمَ ، فَأَصَابَهُمْ كِبَرٌ أَوْ عُطَاشٌ أَوْ شِبْهُ ذلِكَ ، فَعَلَيْهِمْ لِكُلِّ يَوْمٍ مُدٌّ ».))[7] (ابو عبداللہ علیہ السلام سے مروی ہے، کہ آپ نے اس آیت﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾کے متعلق فرمایا: جو مشقت کی وجہ سے روزہ رکھ پاتے ہوں وہ بدلے میں مسکین کو کھانا کھلائیں یا جو زیادہ بوڑھے ہو گئے ہوں یا پیاس کی وجہ سے بیمار ہوں تو ہر روز ایک مد کسی مسکین کو دیں۔)

---

1 ایضاً،ص617-

2 ایضاً،ص618-

3 ایضاً،ص620-

4 ایضاً،ص626-

5 ایضاً4،ص628-

6 البقرہ:184

7 کلینی،ابو جعفر،محمد بن یعقوب،الکافی،کتاب الصیام، بَابُ الشَّيْخِ وَالْعَجُوزِ يَضْعُفَانِ عَنِ الصَّوْمِ،ج7،حدیث 6451-

خلاصہ بحث

امام کلینیؒ نے الکافی میں تفسیری احادیث و آثار کو بیان کیا ہے، انہوں نے قرآنی تفسیر کے لیے دو طرح سے احادیث و آثار پیش کیے۔ عمومی ابواب بندی کے ذریعے اور کتاب فضل القرآن کے ذریعے، امام کلینیؒ نے الکافی میں کتاب التفسیر کے نام سے کوئی باب قائم نہیں کی بلکہ ان کو اسلوب یہ ہے کہ انہوں عمومی ابواب بندی قائم کرنے کے بعد متعلقہ موضوع کے بارے میں تفسیری احادیث و آثار بیان کیے ہیں۔ مثلاً: کتاب الصلاۃ میں نماز سے متعلق تفسیری احادیث و آثار کو بیان کیا ہے۔ اور روزہ سے متعلق تفسیری احادیث و آثار کتاب الصیام میں بیان کی ہیں۔ اسی طرح کتاب فضل القرآن میں بھی انہوں نے قرآنی فضیلت اور تفسیری احادیث کو بیان کیا ہے۔ امام کلینیؒ نے الکافی میں علوم القرآن کی مباحث سے متعلق احادیث و آثار بھی پیش کیے ہیں مثلاً: ناسخ و منسوخ، اسباب نزول، مکی و مدنی سورتوں کا بیان، قرآنی آیات کی تعداد کا بیان وغیرہ، امام کلینیؒ نے قرآن و حدیث کی موافقیت کے بارے میں بھی روایات بیان کی ہیں، یعنی اگر ایک لفظ قرآن مجید میں ہے اور وہی لفظ احادیث میں بھی ہے تو ان کی موافقیت کو بیان کیا ہے۔ امام کلینیؒ نے الکافی میں قرآن مجید کی قراءت اور فقہی مباحث سے متعلق احادیث و آثار بیان کیے ہیں۔

باب دوم

صحیح بخاری اور الکافی کی عقائد سے متعلق تفسیری احادیث و آثار کا مطالعہ

فصل اول: توحید سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

فصل دوم: رسالت سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

فصل سوم: کتب اور ملائکہ سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

فصل چہارم: آخرت سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

عقیدہ کے لغوی معنی:

"عقیدہ" عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کا مادہ "ع ق د" ہیں۔ یہ عقد سے مشتق ہے۔ ثلاثی مجرد کے "ضَرَبَ" اور "سَمِعَ" دو ابواب سے آتا ہے۔[1] اور یہ گرہ لگانا، پکا کرنا، معاہدہ کرنا، ضامن ہونا، گاڑھا ہونا، غضب ناک ہونا، رئیس بنانا، گرہ دار زبان والا ہونا، زبان کے رکنے[2] مضبوطی اور قوت کے ساتھ کسی چیز سے منسلک ہو جانا، کسی چیز کو مضبوط اور پختہ کرنا، مضبوطی سے پکڑنا، مرتب کرنا ایسے مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے، "عقد الحبل" کا مطلب "رسی کا گرہ لگانا اور مضبوط کرنا"، "عقد العهد و البيع" کا مطلب "اس نے عہد اور بیع کو مضبوط کیا" اور "عقد الازار" کا مطلب "ازار کو مضبوطی سے باندھنا" ہے۔[3]

عقیدہ کے اصطلاحی معنی:

اصطلاح میں عقائد انسان کے دل میں پختہ اور اٹل نظریات کو عقائد کہتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ وہ نظریات جو انسان کے دل میں مضبوطی سے جمے ہوں ان کو عقائد کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کا ہر کام انہی نظریات کا عکس ہوتا ہے یہ عقائد اس کے دل و دماغ پر حکمرانی کرتے ہیں۔ یہی اس کے اعمال کے محرک ہوتے ہیں۔ عقیدہ کو ایمان اور عقائد کو ایمانیات کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔

دین اسلام کے بنیادی عقائد:

اللہ تعالیٰ نے اسلام کے بنیادی عقائد کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:﴿وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ﴾[4] (اور لیکن اصل نیکی اس کی ہے جو اللہ، یوم آخرت، فرشتوں، کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے۔)

عقائد اسلام کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا:((أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ))[5] (ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان لاؤ۔)

اس قرآنی آیت سے اور حدیث مبارکہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اسلام کے بنیادی عقائد پانچ ہیں، اور وہ یہ ہیں: توحید، رسالت، ملائکہ پر ایمان، آسمانی کتب پر ایمان، اور آخرت

---

1 افریقی، ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب (بیروت: دار صادر، س ن) 3/296-299

2 ایضاً

3 ایضاً

4 البقرہ: 177

5 قشیری، ابو الحسین، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب بَيَانِ الْإِيمَانِ وَالْإِسْلَامِ وَالْإِحْسَانِ، حدیث 93-

خلاصہ کلام:

عقیدہ عربی زبان کا لفظ ہے، جس کا مادہ ع ق د ہے، اس کا معانی گرہ لگانا، پختہ کرنا، مضبوطی سے تھامنا کے ہیں ، بالفاظ دیگر عقیدہ انسانی دل میں پختہ نظریات و افکارات کو کہتے ہیں، قرآن مجید میں اسلام کے بنیادی عقائد کو پانچ حصوں میں منقسم کیا ہے، اور اس کی مزید تفصیل احادیث رسول نے بیان کی ہے، اسی طرح قرآن مجید اور احادیث کے مطالعہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اسلام کے بنیادی عقائد پانچ ہیں: توحید، رسالت، آسمانی کتب پر ایمان، ملائکہ پر ایمان، اور آخرت پر ایمان ہے۔

فصل اول:

توحید سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

توحید کے لغوی معنی:

توحید عربی زبان کے لفظ وحد سے نکلا ہے اور وحد کے لغوی معنی اکیلا، یکتا، تنہا، واحد اور ایک کے ہیں۔ اس طرح توحید کے لغوی معنی ایک ماننا، اکیلا اور یکتا سمجھنا ہوں گے۔

"التوحيد: في اللغة: الحكم بأن الشيء واحد، والعلم بأنه واحد."(1)

(توحید کے لغوی معانی کسی چیز کے ایک ہونے کا حکم، اور یہ علم کہ وہ ایک ہے۔)

توحید کے اصطلاحی معنی:

اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات، صفات اور عبادت میں یکتا تسلیم کرنے کو توحید کہتے ہیں۔

"التوحيد: ثلاثة أشياء معرفة الله تعالى بالربوبية، والإقرار بالوحدانية، ونفي الأنداد عنه جملة."(2)

(توحید تین چیزیں ہیں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا علم، وحدانیت کا اقرار، اور مجموعی طور پر اس کے برابر ہونے کا انکار ہے)

توحید کی تعریف اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں بیان کی ہے: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَد﴾(3)

(اے پیغمبر کہہ دو کہ اللہ ایک ہے۔)

کتنے آسان الفاظ میں اللہ نے عقیدہ توحید بیان کیا ہے کہ اللہ کی ذات ہو صفات ہو یا صفات کے تقاضے ہوں اللہ صرف ایک ہے۔

توحید قرآن مجید کی روشنی میں:

عقائد اسلام میں سے پہلا اور بنیادی عقیدہ توحید ہے مسلمان ہونے کی پہلی شرط ہی یہ ہے کہ اللہ کو ایک تسلیم کیا جائے یہی عقیدہ توحید ہے قرآن مجید میں اسے یوں بیان کیا گیا ہے:

1) ﴿وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ﴾(4)

---

1 الجرجانی، شریف، علی بن محمد، **التعریفات** (بیروت: دار الكتب العلمية، 1983ء) ص 69-

2 ایضاً

3 الاخلاص: 1

4 البقرہ: 163

(تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں بہت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔)

2) ﴿اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾[1] (اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔)

ان آیات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔

توحید احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں:

1) نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:((مَا مِنْ عَبْدٍ يَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ إِلاَّ حَرَّمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ))[2](جو کوئی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دی۔)

2) نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا((أَفْضَلُ الذِّكْرِ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَأَفْضَلُ الدُّعَاءِ الْحَمْدُ لِلَّهِ))[3]

(افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے اور بہترین دعا الحمد للہ ہے۔))

3) نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:((مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ))[4]

(جو شخص اس یقین کے ساتھ فوت ہوا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ضرور جنت میں جائے گا۔)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے، افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے اور بہترین دعا الحمد للہ ہے اور جو شخص توحید پر فوت ہوا وہ جنت میں داخل ہو گا۔

خلاصہ کلام

توحید عربی زبان کا لفظ ہے جو وحد سے نکلا ہے، جس کا معانی، اکیلا، تنہا، واحد اور ایک کے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاخلاص میں بیان کیا ہے، کہہ دیجئے! اللہ ایک ہے، قرآن مجید اور احادیث رسول ﷺ کی تعلیمات میں بے شمار مثالیں ہیں جو عقیدہ توحید کا درس دیتی ہیں اور شرک کی نفی کرتی ہیں۔

---

1 الرعد:16

2 قشیری، ابو الحسین، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب الدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ مَنْ مَاتَ عَلَى التَّوْحِيدِ دَخَلَ الْجَنَّةَ قَطْعًا، حدیث148-

3 ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، السنن، کتاب الدعوات عن نبی کریم ﷺ، باب مَا جَاءَ أَنَّ دَعْوَةَ الْمُسْلِمِ مُسْتَجَابَةٌ، حدیث3383- علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت "حسن" ہے۔

4 قشیری، ابو الحسین، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب الدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ مَنْ مَاتَ عَلَى التَّوْحِيدِ دَخَلَ الْجَنَّةَ قَطْعًا، حدیث -136

مبحث اول:

صحیح بخاری کی توحید سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں کتاب التوحید کو قائم کیا ہے، اس میں انہوں نے 58 ابواب قائم کیے ہیں، پہلا باب "بَابُ مَا جَاءَ فِي دُعَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَّتَهُ إِلَى تَوْحِيدِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى"(باب: نبی کریم ﷺ کا اپنی امت کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دینا) ہے اور آخری بات "بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ﴾"(باب: اللہ تعالیٰ کا (سورۃ انبیاء میں) فرمان اور قیامت کے دن ہم ٹھیک ترازوئیں رکھیں گے) ہے۔ امام بخاری نے کتاب التوحید میں 7371 سے 7563 تک احادیث جمع کی ہیں۔ ذیل میں صحیح بخاری کی توحید سے متعلق تفسیری احادیث و آثار کو پیش کیا جارہا ہے۔

1. ﴿ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾[1]

(پس اللہ کے لیے کسی قسم کے شریک نہ بناؤ، جب کہ تم جانتے ہو۔)

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللَّهِ قَالَ " أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهْوَ خَلَقَكَ ". قُلْتُ إِنَّ ذَلِكَ لَعَظِيمٌ، قُلْتُ ثُمَّ أَيُّ قَالَ " وَأَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ تَخَافُ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ ". قُلْتُ ثُمَّ أَيُّ قَالَ " أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ ")).[2]

(عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا، اللہ کے نزدیک کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو برابر ٹھہراؤ حالانکہ اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا ہے۔ میں نے عرض کیا یہ تو واقعی سب سے بڑا گناہ ہے، پھر اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائیں گے۔ میں نے پوچھا اور اس کے بعد؟ فرمایا یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی عورت سے زنا کرو۔)

ندا ہمسر اور برابر والے کو کہتے ہیں انداد اس کی جمع ہے۔ مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ ہی کو خالق ارض و سما مانتے تھے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں مشرک قرار دیا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفات، مثلاً محیط، سمیع، علیم، قدیر کو اللہ کے ماسوا میں مانتے تھے لہٰذا کوئی اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرتا ہے اس کے نام پر ذبح کرتا ہے یا اس کی نذر مانتا ہے یا اس کی قبر پر نذر و نیاز چڑھاتا ہے یا اس کے نام کا وظیفہ پڑھتا ہے تو گویا وہ اسے اللہ کا ہمسر (ند)

---

1 البقرہ:22

2 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾، حدیث -4477

مانتا ہے۔ یہ توحید کے منافی ہے توحید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کرے بلکہ یہ عقیدہ رکھے کہ نفع ونقصان صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اولاد دینا، بارش برسانا، رزق میں فراخی کرنا، زندگی دینا اور مارنا صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ الغرض توحید کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کو خالق ومالک تسلیم کیا جائے اسے توحید ربوبیت کہتے ہیں۔ اس توحید کے مشرکین بھی قائل تھے یہ توحید نجات کے لئے کافی نہیں۔ دوسری قسم یہ ہے کہ معبود حقیقی صرف اللہ کو مانا جائے، عبادت کی جملہ اقسام صرف ایک اللہ کے لئے بجالائی جائیں، اسے توحید الوہیت کہتے ہیں۔ تمام انبیاء علیہ السلام اسی توحید کے علمبردار تھے اور اسی کی دعوت دیتے تھے اسی پر قیامت کے دن نجات کا دارومدار ہے۔ مشرکین مکہ اس توحید کے منکر تھے اسی بنا پر انہیں ابدی جہنمی کہا گیا ہے۔ دور جاہلیت میں لوگ مفلسی کے ڈر سے اپنے بچوں کو پیدا ہوتے ہی مار دیتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس پر انہیں تنبیہ فرمائی:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا﴾(1)

(مفلسی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، انہیں اور تمہیں ہم ہی رزق دیتے ہیں یقیناً ان کا قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے۔)

صحیح بخاری کی ایک روایت میں صحابی کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کی تصدیق ان الفاظ میں نازل فرمائی ہے:

((عَنْ عَمْرِو بْنِ شُرَحْبِيلَ، قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَىُّ الذَّنْبِ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ قَالَ " أَنْ تَدْعُوَ لِلَّهِ نِدًّا، وَهْوَ خَلَقَكَ ". قَالَ ثُمَّ أَىّ قَالَ " ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ، أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ ". قَالَ ثُمَّ أَىّ قَالَ " أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ ". فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَصْدِيقَهَا ﴿وَالَّذِينَ لاَ يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلاَ يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلاَّ بِالْحَقِّ وَلاَ يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ﴾ الآيَةَ.))(2)

(عمرو بن شرجیل نے بیان کیا اور ان سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ایک صاحب نے عرض کیا یا نبی کریم! کون سا گناہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا ہے؟ فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت میں کسی کو بھی ساجھی بناؤ حالانکہ تمہیں اللہ نے پیدا کیا ہے۔ پوچھا پھر کون سا؟ فرمایا یہ کہ تم اپنے بچے کو اس خوف سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گا۔ پوچھا پھر کون سا؟ فرمایا یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان میں اس کی تصدیق میں قرآن نازل فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ لاَ يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلاَ يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ

1.بنی اسرائیل:31

2.بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التوحید، بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالاَتِهِ﴾، حدیث7532۔

اللَّهُ إِلاَّ بِالْحَقِّ وَلاَ يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ﴾[1](اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود باطل کو نہیں پکارتے اور جو کسی ایسے کی جان نہیں لیتے جسے اللہ نے حرام کیا ہے سوا حق کے اور جو زنا نہیں کرتے اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ گناہ سے بھڑ جائے گا۔)

2. ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ﴾[2]

(اور انھوں نے کہا اللہ نے کوئی اولاد بنا رکھی ہے، وہ پاک ہے۔)

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله عنهما. عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ" قَالَ اللَّهُ كَذَّبَنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ، وَشَتَمَنِي وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ، فَأَمَّا تَكْذِيبُهُ إِيَّاىَ فَزَعَمَ أَنِّي لاَ أَقْدِرُ أَنْ أُعِيدَهُ كَمَا كَانَ، وَأَمَّا شَتْمُهُ إِيَّاىَ فَقَوْلُهُ لِي وَلَدٌ، فَسُبْحَانِي أَنْ أَتَّخِذَ صَاحِبَةً أَوْ وَلَدًا")).[3]

(ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:"اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، ابن آدم نے مجھے جھٹلایا حالانکہ اس کے لیے یہ مناسب نہ تھا۔ اس نے مجھے گالی دی، حالانکہ اس کے لیے یہ مناسب نہ تھا۔ اس کا مجھے جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں اسے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں ہوں اور اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ میرے لیے اولاد بتاتا ہے، میری ذات اس سے پاک ہے کہ میں اپنے لیے بیوی یا اولاد بناؤں۔)

خیبر کے یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا، نجران کے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فرزند الٰہی اور مکہ کے کافر و مشرک فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ ان کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل فرمائی۔[4]

3. ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا﴾[5]

(اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو غیر اللہ میں سے کچھ شریک بنا لیتے ہیں۔)

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم كَلِمَةً وَقُلْتُ أُخْرَى قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم " مَنْ مَاتَ وَهْوَ يَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ نِدًّا دَخَلَ النَّارَ ". وَقُلْتُ أَنَا مَنْ مَاتَ وَهْوَ لاَ يَدْعُو لِلَّهِ نِدًّا دَخَلَ الْجَنَّةَ.))[6]

---

1 الفرقان:68-69

2 البقرہ:116

3 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ﴾، حدیث4482۔

4 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، 8/210۔

5 البقرہ:165

6 بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا﴾، حدیث4497۔

(عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک کلمہ ارشاد فرمایا اور میں نے ایک اور بات کہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ وہ اللہ کے سوا اوروں کو بھی اس کا شریک ٹھہراتا رہا ہو تو وہ جہنم میں جاتا ہے اور میں نے یوں کہا کہ جو شخص اس حالت میں مرے کہ اللہ کا کسی کو شریک نہ ٹھہراتا رہا تو وہ جنت میں جاتا ہے۔)

اسی طرح صحیح مسلم میں ایک روایت ہے:

((مَنْ مَاتَ لاَ يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ مَاتَ يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ.))[1]

(جو شخص مر جائے اور وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو وہ جنت میں جائیگا اور جو شخص مر جائے اور وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہو وہ جہنم میں جائیگا۔)

جب دونوں جملے نبی کریم ﷺ سے ثابت ہیں تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آخری جملے کی نسبت اپنی طرف کیوں کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شاید حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے صرف پہلا جملہ ہی سنا ہو یا سنا ہو تو بھول گئے ہوں، دونوں صورتوں میں انہوں نے خود قرآن وحدیث سے استنباط فرمایا ہو کہ سبب کی نفی سے مسبب کی نفی ہو جائے گی کیونکہ جب دوزخ میں جانے کا سبب نہ ہو گا تو جنت کے علاوہ اور کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں اسے داخل کیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں یوں ہے کہ مشرک کا جہنم میں داخل ہونا مومن کے جنت میں جانے کو مستلزم ہے۔ یہ مفہوم مخالف نہیں بلکہ لازم معنی ہیں۔ بہر حال دونوں باتوں کا مطلب یہی ہے کہ توحید پر مرنے والے ضرور جنت میں داخل ہوں گے اور شرک پر مرنے والے ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ لہٰذا مسلمان کو چاہیے کہ وہ خود کو توحید پر کاربند رکھے اور شرک سے اپنے آپ کو دور رکھے۔

4. ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾[2]

(اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں، انھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔)

((عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ " مَفَاتِحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ، وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ، وَيَعْلَمُ مَا فِي الأَرْحَامِ، وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا، وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ، إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ".))[3]

---

1 قشیری، ابو الحسین، مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، کتاب الایمان، باب مَنْ مَاتَ لاَ يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ مَاتَ مُشْرِكًا دَخَلَ النَّارَ، حدیث:269(93)

2 الانعام:59

3 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿ وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لاَ يَعْلَمُهَا إِلاَّ هُوَ ﴾، حدیث 4627-

(سالم بن عبد اللہ نے اور ان سے ان کے والد (عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) نے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ غیب کے خزانے پانچ ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔" بے شک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے اور وہی جانتا ہے کہ رحموں میں کیا ہے اور کوئی بھی نہیں جان سکتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا اور نہ کوئی یہ جان سکتا ہے کہ وہ کس زمین پر مرے گا، بیشک اللہ ہی علم والا ہے، خبر رکھنے والا ہے۔)

نبی کریم ﷺ نے قرب قیامت کی علامات تو بیان فرمائی ہیں لیکن قیامت کے واقع کا یقینی علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ ماں کے پیٹ میں مشینی ذرائع سے بچے کے نر یا مادہ ہونے کا ناقص اندازہ تو شاید ممکن ہو لیکن وہ بچہ نیک ہے یا بد، ناقص ہے یا کامل، خوبصورت ہے یا بدصورت، کالا ہے یا گورا ان باتوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ بارش کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے آثار و قرائن سے اندازہ تو لگایا جا سکتا ہے لیکن یہ اندازے کبھی غلط نکلتے اور کبھی صحیح بھی ہو جاتے ہیں حتی کہ محکمہ موسمیات کے اعلانات بھی بعض دفعہ صحیح ثابت نہیں ہوتے۔ انسان کل کیا کرے گا؟ کسی کو آنے والے کل کے متعلق کوئی علم نہیں کہ وہ اس کی زندگی میں آئے گا بھی یا نہیں، اگر آئے گا تو وہ اس میں کیا کچھ کرے گا؟ موت کا معاملہ بھی اسی طرح ہے وہ گھر میں آئے گی یا گھر سے باہر، اپنے وطن میں یا دیار غیر میں، جوانی میں آئے گی یا بڑھاپے میں، اپنی خواہشات کی تکمیل کے بعد آئے گی یا تمنائیں دھری کی دھری رہ جائیں گی اس کے متعلق اللہ کے سوا کسی کو علم نہیں ہے۔ ان تمام باتوں کے متعلق وہ تفصیلی علم رکھتا ہے۔ گویا کتاب مبین یا لوح محفوظ ایک ایسا نورانی تختہ ہے جس میں ازل سے کائنات کا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے پھر اسی کے مطابق اس جہان میں واقعات ظاہر ہو رہے ہیں اسی کے مطابق اس جہان کا خاتمہ ہو گا پھر روز آخرت قائم ہو گا۔

5. ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ﴾[1]

(وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو بڑے ظلم کے ساتھ نہیں ملایا، یہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔)

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ۔ رضی الله عنه ۔ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ ﴿وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ قَالَ أَصْحَابُهُ وَأَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ فَنَزَلَتْ ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾))[2]

(عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب آیت: ﴿وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ نازل ہوئی صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا، ہم میں کون ہو گا جس کا دامن ظلم سے پاک ہو۔ اس پہ آیت اتری: ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾(بے شک شرک ظلم عظیم ہے۔)

---

1 الانعام:82

2 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾، حدیث 4629-

اس مقام پر یہ حدیث مختصر بیان ہوئی ہے جبکہ دوسرے مقام پر امام بخاریؒ نے اسے تفصیل سے بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بہت گراں گزری اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی کہ ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے کبھی ظلم نہ کیا ہو؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((" لَيْسَ ذَلِكَ، إِنَّمَا هُوَ الشِّرْكُ، أَلَمْ تَسْمَعُوا مَا قَالَ لُقْمَانُ لاِبْنِهِ وَهْوَ يَعِظُهُ ﴿يَا بُنَيَّ لاَ تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ ".))[1]

(ایسا نہیں جیسا تم نے سمجھا ہے بلکہ اس ظلم سے مراد شرک ہے۔ کیا تم نے نہیں سنا جو حضرت لقمان نے اپنے لخت جگر کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا: اے بیٹے! شرک نہ کرنا کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان اگرچہ عربی تھی اور قرآن بھی عربی زبان میں نازل ہوا تھا تاہم بعض دفعہ انہیں آیت کا مفہوم سمجھنے میں مشکل پیش آجاتی تھی۔

6. ﴿ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا ﴾[2]

(کسی شخص کو اس کا ایمان فائدہ نہ دے گا۔)

((حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، رضى الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم " لاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا، فَإِذَا رَآهَا النَّاسُ آمَنَ مَنْ عَلَيْهَا، فَذَاكَ حِينَ لاَ يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا، لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ ".))[3]

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ اس وقت تک قیامت قائم نہ ہو گی، جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہولے۔ جب لوگ اسے دیکھیں گے تو ایمان لائیں گے لیکن یہ وہ وقت ہو گا جب کسی ایسے شخص کو اس کا ایمان کوئی نفع نہ دے گا جو پہلے سے ایمان نہ رکھتا ہو۔)

7. ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ﴾[4]

(نبی اور ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے، کبھی جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش کی دعا کریں۔)

((عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ دَخَلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَعِنْدَهُ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم " أَىْ عَمِّ قُلْ لاَ إِلَهَ

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب احادیث الانبیاء، باب قَوْلُ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنِ اشْكُرْ لِلَّهِ ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿إِنَّ اللَّهَ لاَ يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴾، حدیث 3429-

2 الانعام: 158

3 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب: ﴿لاَ يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا ﴾، حدیث 4635-

4 التوبہ: 113

إِلاَّ اللَّهُ. أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللَّهِ ". فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ يَا أَبَا طَالِبٍ، أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ. فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم " لأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ". فَنَزَلَتْ ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾))(1)

(سعید بن مسیب نے اور ان سے ان کے والد مسیب بن حزن نے کہ جب ابو طالب کے انتقال کا وقت ہوا تو نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے، اس وقت وہاں ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ (آپ ایک بار زبان سے کلمہ) لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ کہہ دیں میں اسی کو (آپ کی نجات کے لیے وسیلہ بنا کر) اللہ کی بارگاہ میں پیش کر لوں گا۔ اس پر ابو جہل اور عبد اللہ ابی امیہ کہنے لگے: ابو طالب! کیا آپ عبد المطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟ آپ ﷺ نے کہا کہ اب میں آپ کے لیے برابر مغفرت کی دعا مانگتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے روک نہ دیا جائے، تو یہ آیت نازل ہوئی﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ (نبی اور ایمان والوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش کی دعا کریں۔ اگرچہ وہ (مشرکین) رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ جب ان پر یہ ظاہر ہو چکے کہ وہ (یقیناً) اہل دوزخ سے ہیں۔))

اسی طرح صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے:

((سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ، لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ جَاءَهُ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَوَجَدَ عِنْدَهُ أَبَا جَهْلِ بْنَ هِشَامٍ، وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ أَبِي أُمَيَّةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم لأَبِي طَالِبٍ " يَا عَمِّ، قُلْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ، كَلِمَةً أَشْهَدُ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللَّهِ ". فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ يَا أَبَا طَالِبٍ، أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَعْرِضُهَا عَلَيْهِ، وَيَعُودَانِ بِتِلْكَ الْمَقَالَةِ، حَتَّى قَالَ أَبُو طَالِبٍ آخِرَ مَا كَلَّمَهُمْ هُوَ عَلَى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَأَبَى أَنْ يَقُولَ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم " أَمَا وَاللَّهِ لأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ، مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ ". فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى فِيهِ ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ﴾ الآيَةَ.))(2)

(سعید بن مسیب نے اپنے باپ (مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ) سے خبر دی' ان کے باپ نے انہیں یہ خبر دی کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے۔ دیکھا تو ان کے پاس

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ﴾، حدیث 4675۔

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الجنائز، بَابُ إِذَا قَالَ الْمُشْرِكُ عِنْدَ الْمَوْتِ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ، حدیث 1360۔

اس وقت ابو جہل بن ہشام اور عبد اللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ موجود تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ چچا! آپ ایک کلمہ « لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ » (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں کوئی معبود نہیں) کہہ دیجیے تاکہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کلمہ کی وجہ سے آپ کے حق میں گواہی دے سکوں۔ اس پر ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ مغیرہ نے کہا ابو طالب ! کیا تم اپنے باپ عبد المطلب کے دین سے پھر جاؤ گے ؟ نبی کریم ﷺ برابر کلمہ اسلام ان پر پیش کرتے رہے۔ ابو جہل اور ابن ابی امیہ بھی اپنی بات دہراتے رہے۔ آخر ابو طالب کی آخری بات یہ تھی کہ وہ عبد المطلب کے دین پر ہیں۔ انہوں نے « لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ » کہنے سے انکار کر دیا پھر بھی رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں آپ کے لیے استغفار کرتا رہوں گا۔ تا آنکہ مجھے منع نہ کر دیا جائے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ﴾ الآيَةَ. نازل فرمائی)۔

مندرجہ ذیل آیت کریمہ بھی اسی سلسلے میں نازل ہوئی:

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾(1)

(آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ ہدایت والوں سے وہی خوب واقف ہے۔)

چونکہ نبی ﷺ کو چچا کے غیر مسلم مرنے کا بہت زیادہ افسوس تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا کہ آپ کا کام صرف دعوت و تبلیغ ہے لیکن ہدایت کے راستے پر چلانا یہ ہمارا کام ہے۔ آپ اپنی ذمہ داری پوری کریں ہم اپنا کام کریں گے۔

بہر حال مشرکین کے لئے دعائے مغفرت کرنے کی اجازت نہیں، البتہ ان کی ہدایت کے لئے دعا کی جا سکتی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے دوس قبیلے کے لئے دعا کی تھی: ((اللَّهُمَّ اهْدِ دَوْسًا وَأْتِ بِهِمْ))(2) (اے اللہ! انہیں ہدایت دے اور انہیں میرے پاس بھیج دے۔)

8. ﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ مَبْعُوثُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴾(3)

---

1 القصص:56

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب الدعوات، بَابُ الدُّعَاءِ لِلْمُشْرِكِينَ، حدیث 6397-

3 ھود:7

(اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا، تاکہ وہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ اچھا ہے۔ اور یقیناً اگر تو کہے کہ بے شک تم موت کے بعد اٹھائے جانے والے ہو تو وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، ضرور ہی کہیں گے یہ تو کھلے جادو کے سوا کچھ نہیں۔)

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ـ رضى الله عنه ـ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ " قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيْكَ ـ وَقَالَ ـ يَدُ اللَّهِ مَلأَى لاَ تَغِيضُهَا نَفَقَةٌ، سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ـ وَقَالَ ـ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمَاءَ وَالأَرْضَ فَإِنَّهُ لَمْ يَغِضْ مَا فِي يَدِهِ، وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ، وَبِيَدِهِ الْمِيزَانُ يَخْفِضُ وَيَرْفَعُ ".))[1]

(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندو! (میری راہ میں) خرچ کرو تو میں بھی تم پر خرچ کروں گا اور فرمایا، اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ رات اور دن مسلسل کے خرچ سے بھی اس میں کم نہیں ہوتا اور فرمایا تم نے دیکھا نہیں جب سے اللہ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے، مسلسل خرچ کئے جا رہا ہے لیکن اس کے ہاتھ میں کوئی کمی نہیں ہوئی، اس کا عرش پانی پر تھا اور اس کے ہاتھ میں میزان عدل ہے جسے وہ جھکاتا اور اٹھاتا رہتا ہے۔)

امام بخاریؒ نے اسی طرح کا ایک عنوان کتاب التوحید میں بھی قائم کیا ہے۔ وہاں مقصود عرش باری تعالیٰ کا اثبات اور اللہ تعالیٰ کے اس پر مستوی ہونے کو ثابت کرنا ہے، نیز ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش ایک مخلوق اور اس کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اس مقام پر امام بخاریؒ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ زمین و آسمان کی تخلیق کے وقت بھی اس کا عرش پانی پر تھا۔ یہ پانی کہا تھا؟ کیا یہ پانی وہی معروف ہے، جسے ہم استعمال کرتے ہیں یا کوئی اور مائع قسم کا مادہ تھا؟ یہ ایسے سوالات ہیں جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں اور انہیں سمجھنے کے ہم مکلف بھی نہیں ہیں، البتہ یہ بات یقینی ہے کہ زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے اللہ کا عرش پانی پر تھا۔ عرش اس تخت کو کہتے ہیں جس پر بادشاہ بیٹھتا ہے، نیز عربی زبان میں گھر کی چھت کے لئے بھی لفظ عرش استعمال ہوا ہے اس اعتبار سے اللہ کا عرش اپنے اندر دو معانی رکھتا ہے: ایک معانی یہ ہے کہ وہ اللہ ذوالجلال کا محل استواء ہے جس کی کیفیت ہم نہیں جانتے۔ دوسرا معانی یہ ہے کہ وہ تمام مخلوقات کے لئے چھت ہے۔

9. ﴿اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَى وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ﴾[2]

(اللہ کو علم ہے اس کا جو کچھ کسی مادہ کے حمل میں ہوتا ہے اور جو کچھ ان کے رحم میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔)

---

1 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل ،الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَى وَمَا تَغِيضُ الأَرْحَامُ﴾، حدیث 4684-

2 الرعد: 8

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ . رضى الله عنهما . أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ" مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لاَ يَعْلَمُهَا إِلاَّ اللَّهُ لاَ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ إِلاَّ اللَّهُ، وَلاَ يَعْلَمُ مَا تَغِيضُ الأَرْحَامُ إِلاَّ اللَّهُ وَلاَ يَعْلَمُ مَتَى يَأْتِي الْمَطَرُ أَحَدٌ إِلاَّ اللَّهُ، وَلاَ تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ، وَلاَ يَعْلَمُ مَتَى تَقُومُ السَّاعَةُ إِلاَّ اللَّهُ".))[1]

(عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: غیب کی پانچ کنجیاں ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہونے والا ہے، اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ عورتوں کے رحم میں کیا کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب برسے گی، کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کی موت کہاں ہو گی اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب قائم ہو گی۔)

درج ذیل آیت میں بھی حدیث کا مضمون بیان ہوا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾[2]

(بے شک اللہ تعالی کے پاس قیامت کا علم ہے، وہی بارش نازل کرتا ہے اور وہی جانتا ہے جو ماں کے پیٹ میں ہے کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور نہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی پورے علم والا اور صحیح خبروں والا ہے۔)

اس حدیث میں جن پانچ چیزوں کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ ان کا علم کسی مخلوق کو نہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی انہیں جانتا ہے یہ کوئی تخصیص نہیں ہے بصورت دیگر درج ذیل آیت سے تعارض ہو جائے گا:

﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾[3]

(کہہ دیجیے! آسمان والوں میں سے، زمین والوں میں سے اللہ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔)

یعنی اللہ تعالیٰ علم غیب کے متعلق یکتا و تنہا ہے اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔

10. ﴿الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَى رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ﴾ [4]

(وہ لوگ جنھیں یہ پکارتے ہیں، وہ (خود) اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔)

---

1 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَى وَمَا تَغِيضُ الأَرْحَامُ﴾، حدیث 4697-

2 لقمان: 34

3 النمل: 65

4 بنی اسرائیل: 57

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ۔ رضی اللہ عنہ ۔ فِي هَذِهِ الآيَةِ ﴿الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَى رَبِّهِمِ الْوَسِيلَةَ﴾ قَالَ نَاسٌ مِنَ الْجِنِّ ﴿ كَانُوا ﴾يُعْبَدُونَ فَأَسْلَمُوا.))(1)

(عبداللہ بن مسعودؓ نے آیت: ﴿الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَى رَبِّهِمِ الْوَسِيلَةَ﴾ کی تفسیر میں کہا کہ کچھ جن ایسے تھے جن کی آدمی پرستش کیا کرتے تھے پھر وہ جن مسلمان ہو گئے۔)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیت بالا میں انہی جنات کا بیان ہے جو مسلمان ہو چکے تھے لیکن ان کی پوجا کرنے والے بدستور ان کی عبادت کرتے رہے۔ وہ بزرگان اسلام بھی اسی ذیل میں آتے ہیں جو خود تو موحد، دین دار، متبع سنت اور پرہیز گار تھے، مگر عوام نے اب ان کی قبروں کو قبلہ حاجات بنالیاہے وہاں نذر و نیاز چڑھاتے ہیں اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں ایسے نام نہاد مسلمانوں نے اسلام اور حقیقی اہل اسلام کو بدنام کر رکھاہے۔ واضح رہے کہ مذکورہ بالا آیت میں ایسے معبودوں کا ذکر ہے جو جاندار ہیں، پتھر کی مورتیاں اس میں شامل نہیں ہیں فرشتے، جن یا فوت شدہ انبیاء اور صالحین ہی اس سے مراد لئے جاسکتے ہیں۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے نیک اعمال کو وسیلہ بناکر آپ اپنے حق میں دعا کر سکتا ہے۔ احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ غار میں پھنس جانے والے تین آدمیوں کے واقعے سے یہی معلوم ہوتا ہے۔(2)

11. ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴾(3)

(بے شک تو ہدایت نہیں دیتا جسے تو دوست رکھے اور لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو زیادہ جاننے والا ہے۔)

((سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ جَاءَهُ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَوَجَدَ عِنْدَهِ أَبَا جَهْلٍ وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ أَبِي أُمَيَّةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ، فَقَالَ " أَىْ عَمِّ قُلْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ، كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللَّهِ ". فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَعْرِضُهَا عَلَيْهِ، وَيُعِيدَانِهِ بِتِلْكَ الْمَقَالَةِ حَتَّى قَالَ أَبُو طَالِبٍ آخِرَ مَا كَلَّمَهُمْ عَلَى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَأَبَى أَنْ يَقُولُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ. قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم " وَاللَّهِ لأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ ". فَأَنْزَلَ اللَّهُ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ ﴾

1 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل ،الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب قَوْلِهِ: ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَى رَبِّهِمِ الْوَسِيلَةَ﴾ الآيَةَ، حدیث4715-

2 الحماد، حافظ، عبدالستار، ہدایۃ القاری شرح صحیح البخاری (الریاض: دارالسلام، س ن) ج7، ص375-

3 القصص:56

وَأَنْزَلَ اللَّهُ فِي أَبِي طَالِبٍ، فَقَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم ﴿ إِنَّكَ لاَ تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ﴾.))[1]

(سعید بن مسیب نے خبر دی اور ان سے ان کے والد (مسیب بن حزن) نے بیان کیا کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت قریب ہوا تو نبی کریم ﷺ ان کے پاس آئے، ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ وہاں پہلے ہی سے موجود تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ چچا! آپ صرف کلمہ « لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ» پڑھ دیجئیے تاکہ اس کلمہ کے ذریعہ اللہ کی بارگاہ میں آپ کی شفاعت کروں۔ اس پر ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بولے کیا تم عبد المطلب کے مذہب سے پھر جاؤ گے؟ نبی کریم ﷺ بار بار ان سے یہی کہتے رہے (کہ آپ صرف ایک کلمہ پڑھ لیں) اور یہ دونوں بھی اپنی بات ان کے سامنے بار بار دہراتے رہے (کہ کیا تم عبد المطلب کے مذہب سے پھر جاؤ گے؟) آخر ابو طالب کی زبان سے جو آخری کلمہ نکلا وہ یہی تھا کہ وہ عبد المطلب کے مذہب پر ہی قائم ہیں۔ انہوں نے لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ راوی نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں آپ کے لیے طلب مغفرت کرتا رہوں گا تا آنکہ مجھے اس سے روک نہ دیا جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ﴾ (نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ مشرکین کیلئے دعائے مغفرت کریں۔) اور خاص ابو طالب کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی نبی کریم ﷺ سے کہا گیا ﴿إِنَّكَ لاَ تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ﴾ کہ (جس کو تم چاہو ہدایت نہیں کر سکتے، البتہ اللہ ہدایت دیتا ہے اسے جس کے لیے وہ ہدایت چاہتا ہے۔)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ابو طالب نے نبی کریم ﷺ کو یہ جواب دیا:

((لَوْلاَ أَنْ تُعَيِّرَنِي بِهَا قُرَيْشٌ أَنَّمَا يَحْمِلُهُ عَلَيْهِ الْجَزَعُ لأَقْرَرْتُ بِهَا عَيْنَكَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿إِنَّكَ لاَ تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ﴾.))[2]

(اگر قریش مجھے یہ عار نہ دلائیں کہ موت کی گھبراہٹ نے اسے کلمہ توحید کہنے پر مجبور کر دیا تو میرے بھتیجے! میں یہ کلمہ پڑھ کر تیری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔)

اس میں کوئی شک نہیں کہ ابو طالب نے مکی دور میں اپنے آخری دم تک رسول اللہ ﷺ کی حمایت اور سرپرستی کی، نیز ہر مشکل وقت میں آپ کا ساتھ دیا لیکن وہ ہدایت سے محروم رہا تاہم حمایت کی وجہ سے اسے عذاب

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب قَوْلِهِ ﴿ إِنَّكَ لاَ تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ﴾، حدیث 4772۔

2 ترمذی، ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، السنن، کتاب تفسیر القرآن، باب وَمِنْ سُورَةِ الْقَصَصِ، حدیث 3188۔ علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت "صحیح" ہے۔

میں ضرور تخفیف ہو گی جیسا کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: اللہ کے رسول! ابو طالب آپ کی حفاظت کرتا تھا اور اس نے آپ کی خاطر سب کی ناراضی مول لی تھی، کیا آپ کی ذات سے اسے کوئی فائدہ پہنچے گا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((هُوَ فِي ضَحْضَاحٍ مِنْ نَارٍ، وَلَوْلاَ أَنَا لَكَانَ فِي الدَّرَكِ الأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ))[1] (اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتا۔)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آپ کے چچا ابو طالب کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا: ((لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُجْعَلُ فِي ضَحْضَاحٍ مِنَ النَّارِ، يَبْلُغُ كَعْبَيْهِ، يَغْلِي مِنْهُ أُمُّ دِمَاغِهِ))[2] (قیامت کے دن شاید انہیں میری سفارش سے کچھ فائدہ پہنچے اور وہ ہلکی آگ میں رکھے جائیں جو ان کے ٹخنوں تک ہو جس کی وجہ سے اس کا بھیجا ابلتا رہے گا۔)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((أَهْوَنُ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا أَبُو طَالِبٍ وَهُوَ مُنْتَعِلٌ بِنَعْلَيْنِ يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ))[3] (جہنم میں سب سے ہلکا عذاب ابو طالب کو ہو گا۔ وہ آگ کی دو جوتیاں پہنے ہو گا جس سے اس کا بھیجا کھول رہا ہو گا۔)

12. ﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾[4]

(پس تو ایک طرف کا ہو کر اپنا چہرہ اس دین کیلئے سیدھا رکھ، اللہ کی اس فطرت کے مطابق، جس پر اس نے سب لوگوں کو پیدا کیا، اللہ کی پیدائش کو کسی طرح بدلنا (جائز) نہیں، یہی سیدھا دین ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔)

((أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ ۔ رضى الله عنه ۔ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم " مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلاَّ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ، كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيمَةُ بَهِيمَةً جَمْعَاءَ، هَلْ تُحِسُّونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ " ثُمَّ يَقُولُ﴿ فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لاَ تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ﴾))[5]

(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر پیدا ہونے والا بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسی جانور کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے کیا تم نے انہیں ناک کان کٹا ہوا کوئی بچہ دیکھا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب مناقب الانصار، بَابُ قِصَّةُ أَبِي طَالِبٍ، حدیث 3883-

2 ایضاً، کتاب الرقاق، بَابُ صِفَةِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، حدیث 6564-

3 قشیری، ابو الحسین، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب أَهْوَنِ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا، حدیث 515(212)-

4 الروم: 30

5 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿لاَ تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ﴾ لِدِينِ اللَّهِ، حدیث 4775-

کی: ﴿فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لاَ تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ﴾ (اللہ کی اس فطرت کی اتباع کرو جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں، یہی سیدھا دین ہے۔))

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انسان فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اگر اس سے چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے تو وہ بڑا ہو کر اسلام پر کاربند ہو گا لیکن انسان کی اس فطرت اصلی پر والدین یا ماحول کا گہرا اثر ہوتا ہے اور غلط ماحول میں وہ فطرت اصلیہ دب جاتی ہے اس دبی ہوئی فطرت سے ماحول کے دباؤ کا اثر ختم کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ انبیاء بھیجتا اور آسمان سے کتابیں نازل کرتا ہے۔ بہر حال ہر انسان کی فطرت میں قبول حق کی قوت رکھ دی گئی ہے اور اسی لئے اسے حق قبول کرنے کا پابند ٹھہرایا گیا، مثلاً: اگر فرعون اور ابوجہل میں قبول حق کی یہ صلاحیت نہ ہوتی تو انہیں حق کی طرف دعوت دینا ہی فضول ہوتا، اس لئے انسان کو ایسے اسباب ووسائل سے پرہیز کرنا چاہیے جو اس کو قبول حق کی استعداد ختم یا کمزور کردے اور وہ اسباب اکثر غلط ماحول اور بری صحبت ہیں اسی طرح اہل باطل کی کتابیں پڑھنا جبکہ خود اپنے مذہب اسلام کا پورا عالم نہ ہو۔

13. ﴿يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾[1]

(اے میرے چھوٹے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا، بے شک شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے۔)

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ـ رضى الله عنه ـ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ شَقَّ ذَلِكَ عَلَى أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَقَالُوا أَيُّنَا لَمْ يَلْبِسْ إِيمَانَهُ بِظُلْمٍ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم " إِنَّهُ لَيْسَ بِذَاكَ، أَلاَ تَسْمَعُ إِلَى قَوْلِ لُقْمَانَ لاِبْنِهِ ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾"))[2]

(عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب آیت ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ (جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کی آمیزش نہیں کی۔) نازل ہوئی تو اصحاب رسول ﷺ بہت گھبر ائے اور کہنے لگے کہ ہم میں کون ایسا ہو گا جس نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کی ملاوٹ نہیں کی ہو گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آیت میں ظلم سے یہ مراد نہیں ہے۔ تم نے لقمان علیہ السلام کی وہ نصیحت نہیں سنی جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھی ﴿ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴾ (بیشک شرک کرنا بڑا بھاری ظلم ہے۔)

اللہ تعالی کا اپنے بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ خالص اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور اگر وہ اس حق کو ادا نہیں کریں گے تو وہ ظلم کے مرتکب ہوں گے یہ ایک ایسا جرم ہے جو ناقابل معافی ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

---

1 لقمان:13

2 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿لاَ تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾، حدیث 4776-

((فَإِنَّ حَقَّ اللَّهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلاَ يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَحَقَّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ أَنْ لاَ يُعَذِّبَ مَنْ لاَ يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا))[1]

(اللہ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ جو بندہ شرک نہ کرتا ہو اللہ اسے عذاب نہ دے۔)

14. ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾[2]

(اور انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جو اس کی قدر کا حق ہے)

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ۔ رضى الله عنه ۔ قَالَ جَاءَ حَبْرٌ مِنَ الأَحْبَارِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ، إِنَّا نَجِدُ أَنَّ اللَّهَ يَجْعَلُ السَّمَوَاتِ عَلَى إِصْبَعٍ وَالأَرَضِينَ عَلَى إِصْبَعٍ، وَالشَّجَرَ عَلَى إِصْبَعٍ، وَالْمَاءَ وَالثَّرَى عَلَى إِصْبَعٍ، وَسَائِرَ الْخَلاَئِقِ عَلَى إِصْبَعٍ، فَيَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ. فَضَحِكَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ تَصْدِيقًا لِقَوْلِ الْحَبْرِ ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾))[3]

(عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہ علماء یہود میں سے ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے محمد! ہم تورات میں پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو ایک انگلی پر رکھ لے گا اس طرح زمین کو ایک انگلی پر، درختوں کو ایک انگلی پر، پانی اور مٹی کو ایک انگلی پر اور تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر، پھر فرمائے گا کہ میں ہی بادشاہ ہوں۔ نبی کریم ﷺ اس پر ہنس دیئے اور آپ کے سامنے کے دانت دکھائی دینے لگے۔ آپ کا یہ ہنسنا اس یہودی عالم کی تصدیق میں تھا۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (اور ان لوگوں نے اللہ کی عظمت نہ کی جیسی عظمت کرنا چاہیئے تھی اور حال یہ کہ ساری زمین اسی کی مٹھی میں ہو گی قیامت کے دن اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے، وہ ان لوگوں کے شرک سے بالکل پاک اور بلند تر ہے۔))

محدثین اور سلف کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جن صفات کا ذکر قرآن وحدیث میں ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں ہاتھ اور حدیث میں انگلیوں کا اثبات ہے ان پر بلا کیف و تشبیہ اور بغیر تاویل و تحریف، ایمان رکھنا ضروری ہے اس لئے یہاں بیان کردہ حقیقت کو محض غلبہ و قوت میں لینا صحیح نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے مسکرا کر اس یہودی عالم کی بیان کردہ حقیقت پر مہر تصدیق ثبت فرمائی اس لئے اس بیان کو حقیقت پر محمول کرنا چاہیے۔

---

1 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، بَابُ اسْمِ الْفَرَسِ وَالْحِمَارِ، حدیث 2856-

2 الزمر: 67

3 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿ وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ﴾، حدیث 4811-

15. ﴿وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ﴾[1]

(اور ہمیں زمانے کے سوا کوئی ہلاک نہیں کرتا)

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ . رضی الله عنه . قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی الله علیه وسلم " قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ يُؤْذِينِي ابْنُ آدَمَ، يَسُبُّ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ، بِيَدِي الأَمْرُ، أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ".))[2]

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم مجھے تکلیف پہنچاتا ہے وہ زمانہ کو گالی دیتا ہے حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں، میرے ہی ہاتھ میں سب کچھ ہے۔ میں رات اور دن کو ادلتا بدلتا رہتا ہوں۔)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ أَنَا الدَّهْرُ کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ دہر کا خالق اور مالک ہے۔ جو لوگ زمانے کو موثر حقیقی مانتے ہیں اور خالق دہر پر اعتقاد نہیں رکھتے انہیں دہریہ کہا جاتا ہے یہ لوگ جملہ مصائب و حوادث کو دہر کی طرف منسوب کر کے زمانے کو برا بھلا کہتے ہیں۔ اس حدیث کے ذریعے سے یہ بتایا گیا ہے کہ زمانہ خود مختار نہیں۔ اس میں جو کچھ ہوتا ہے سب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم اور امر سے ہوتا ہے وہ جو چاہتا ہے اسے کر گزرتا ہے۔

16. ﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّى ﴾[3]

(پھر کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا۔)

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، رضی الله عنهما فِي قَوْلِهِ﴿اللاَّتَ وَالْعُزَّى ﴾ كَانَ اللاَّتُ رَجُلاً يَلُتُّ سَوِيقَ الْحَاجِّ.))[4]

(ابن عباس رضی اللہ عنہما نے لات اور عزیٰ کے حال میں کہا کہ لات ایک شخص کو کہتے تھے وہ حاجیوں کے لیے ستو گھولتا تھا۔)

لات کے متعلق مختلف توجیہات ہیں: ایک یہ ہے کہ اسے لفظ "اللہ" سے ماخوذ مانا جائے۔ بعض اہل علم کے نزدیک لات یلیت سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں: گردن موڑنا، چونکہ اس کی پوجا کرنے والے اس کی طرف اپنی گردنیں موڑتے اور اس کی عبادت کرتے تھے اس بنا پر اس کا نام لات رکھ دیا گیا۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں: یہ ایک نیک سیرت انسان تھا جو حج کے موسم میں حجاج کرام کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی قبر کو عبادت گاہ بنالیا پھر اس کے مجسمے بنا کر مختلف مقامات پر نصب کر دیئے گئے۔

---

1 الجاثیہ:24

2 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿وَمَا يُهْلِكُنَا إِلاَّ الدَّهْرُ ﴾الآيَةَ، حدیث4826-

3 النجم:19

4 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللاَّتَ وَالْعُزَّى ﴾، حدیث4859-

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ـ رضى الله عنه ـ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم" مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِي حَلِفِهِ وَاللاَّتِ وَالْعُزَّى. فَلْيَقُلْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ. وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ تَعَالَ أُقَامِرْكَ. فَلْيَتَصَدَّقْ".))[1]

(ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص قسم کھائے اور کہے کہ قسم ہے لات اور عزیٰ کی تو اسے تجدید ایمان کے لیے کہنا چاہئے لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ اور جو شخص اپنے ساتھی سے یہ کہے کہ آؤ جوا کھیلیں تو اسے صدقہ دینا چاہیے۔)

اگر کوئی شخص لات و منات کی قسم اٹھائے اور قسم اٹھانے میں ان کی تعظیم مقصود ہو تو وہ ایمان سے خالی ہو جاتا ہے اس لئے اسے تجدید ایمان کے لئے لا اله الا الله محمد رسول الله پڑھنا چاہیے۔ اگر ان کی قسم اٹھاتے وقت ان کی تعظیم مقصود نہ تھی بلکہ سہواً یا غفلت کے طور پر زبان پر جاری ہو گیا تو بھی چونکہ بت کا نام لیا ہے اس لئے دل میں کچھ نہ کچھ ظلمت تو ضرور آئے گی اس کے ازالے کے لئے بھی کلمہ توحید پڑھ لینا چاہیے۔ بہر حال معبودان باطلہ کا نام دانستہ یا سہواً زبان پر آجانا خطرے سے خالی نہیں ہے اس لئے کلمہ اخلاص سے اس کی تلافی کر لی جائے۔

17. ﴿ فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ﴾[2]

(تو اللہ کو سجدہ کرو اور (اس کی) بندگی کرو۔)

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ـ رضى الله عنهما ـ قَالَ سَجَدَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِالنَّجْمِ وَسَجَدَ مَعَهُ الْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ وَالْجِنُّ وَالإِنْسُ.))[3]

(ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے سورۃ النجم میں سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں نے اور تمام مشرکوں اور جنات و انسانوں نے بھی سجدہ کیا۔)

قرآن کی تاثیر سے کافروں اور مشرکوں سب نے سجدہ کیا۔ مشرکین کو غیبی تصرف کی وجہ سے طوعاً و کرہاً سربسجود ہونا پڑا۔ صرف ایک بدبخت نے سجدہ نہ کیا کیونکہ اس کے دل پر مہر لگی ہوئی تھی جیسا کہ درج ذیل روایت میں اس کی صراحت ہے۔

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ـ رضى الله عنه ـ قَالَ أَوَّلُ سُورَةٍ أُنْزِلَتْ فِيهَا سَجْدَةٌ ﴿وَالنَّجْمِ﴾. قَالَ فَسَجَدَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَسَجَدَ مَنْ خَلْفَهُ، إِلاَّ رَجُلاً رَأَيْتُهُ أَخَذَ كَفًّا مِنْ تُرَابٍ فَسَجَدَ عَلَيْهِ، فَرَأَيْتُهُ بَعْدَ ذَلِكَ قُتِلَ كَافِرًا، وَهْوَ أُمَيَّةُ بْنُ خَلَفٍ.))[4]

---

1 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿ أَفَرَأَيْتُمُ اللاَّتَ وَالْعُزَّى ﴾، حدیث 4860-

2 النجم: 62

3 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿ فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ﴾، حدیث 4862-

4 ایضاً، حدیث 4863-

(عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ سب سے پہلے نازل ہونے والی سجدہ والی سورت سورۃ النجم ہے۔ بیان کیا کہ پھر نبی کریم ﷺ نے (اس کی تلاوت کے بعد) سجدہ کیا اور جتنے لوگ آپ کے پیچھے تھے سب ہی نے آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کیا، سوا ایک شخص کے، میں نے دیکھا کہ اس نے اپنی ہتھیلی میں مٹی اٹھائی اور اسی پر سجدہ کر لیا۔ بعد میں (بدر کی لڑائی میں) میں نے اسے دیکھا کہ کفر کی حالت میں وہ قتل کیا ہوا پڑا ہے۔ وہ شخص امیہ بن خلف تھا۔)

ایک روایت میں ہے:

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ۔ رضى الله عنه ۔ قَالَ قَرَأَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم النَّجْمَ بِمَكَّةَ فَسَجَدَ فِيهَا، وَسَجَدَ مَنْ مَعَهُ، غَيْرَ شَيْخٍ أَخَذَ كَفًّا مِنْ حَصًى أَوْ تُرَابٍ فَرَفَعَهُ إِلَى جَبْهَتِهِ وَقَالَ يَكْفِينِي هَذَا. فَرَأَيْتُهُ بَعْدَ ذَلِكَ قُتِلَ كَافِرًا.))[1]

(عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے کہ مکہ میں نبی کریم ﷺ نے سورۃ النجم کی تلاوت کی اور سجدہ تلاوت کیا آپ ﷺ کے پاس جتنے آدمی تھے (مسلمان اور کافر) ان سب نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کیا البتہ ایک بوڑھا شخص (امیہ بن خلف) اپنے ہاتھ میں کنکری یا مٹی اٹھا کر اپنی پیشانی تک لے گیا اور کہا میرے لیے یہی کافی ہے میں نے دیکھا کہ بعد میں وہ بوڑھا حالت کفر میں ہی مارا گیا۔)

چنانچہ وہ غزوہ بدر میں بحالت کفر قتل ہوا۔ اگر وہ بدبخت سجدہ کر لیتا تو ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے ایمان قبول کرنے کی توفیق عطا فرماتا۔

18. ﴿اللَّهُ الصَّمَدُ ﴾[2]

(اللہ ہی بے نیاز ہے۔)

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم" قَالَ اللَّهُ كَذَّبَنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ، وَشَتَمَنِي وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ، أَمَّا تَكْذِيبُهُ إِيَّاىَ أَنْ يَقُولَ إِنِّي لَنْ أُعِيدَهُ كَمَا بَدَأْتُهُ، وَأَمَّا شَتْمُهُ إِيَّاىَ أَنْ يَقُولَ اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا، وَأَنَا الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ أَلِدْ وَلَمْ أُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لِي كُفُؤًا أَحَدٌ ".﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ*وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُؤًا أَحَدٌ ﴾.))[3]

(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ (اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ) ابن آدم نے مجھے جھٹلایا حالانکہ اس کے لیے یہ مناسب نہ تھا۔ اس نے مجھے گالی دی حالانکہ یہ اس کا حق نہیں تھا۔ مجھے جھٹلانا یہ

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كِتَاب سُجُودِ الْقُرْآنِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي سُجُودِ الْقُرْآنِ وَسُنَّتِهَا، حدیث 1067-

2 الاخلاص:2

3 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿ اللَّهُ الصَّمَدُ ﴾، حدیث 4975-

ہے کہ (ابن آدم) کہتا ہے کہ میں اسے دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا جیسا کہ میں نے اسے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔ اس کا گالی دینا یہ ہے کہ کہتا ہے اللہ نے بیٹا بنالیا ہے حالانکہ میں بے پرواہ ہوں، میرے ہاں نہ کوئی اولاد ہے اور نہ میں کسی کی اولاد اور نہ کوئی میرے برابر کا ہے۔)

سورۃ اخلاص میں توحید خالص کا بیان ہے اور مشرکین کی تردید ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں مجوس دو خداؤں کے قائل ہیں کچھ لوگ اللہ کے لئے اولاد ثابت کرتے ہیں اس سورۃ میں ان سب کی تردید ہے۔ قرآن کریم میں ہے:﴿وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ﴾[1](جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل تنگ پڑ جاتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور جب اس کے سوا کا ذکر کیا جائے تو اچانک وہ بہت خوش ہو جاتے ہیں۔)

خلاصہ بحث

توحید عربی زبان کے لفظ وحد سے نکلا ہے۔ جس کا معانی ایک ، اکیلا کے ہیں ، اللہ تعالیٰ اپنی ذات ، صفات اور افعال میں اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے ۔ اس کی کوئی اولاد نہیں ، اور وہ کسی کی اولاد نہیں ہے۔ یہ تمام تعلیمات سورۃ الاخلاص میں وارد ہوئی ہیں ۔امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کے آخر میں کتاب التوحید کو قائم کیا ہے ۔اس میں آپ نے توحید پر مبنی عقائد کو بہت بڑی وضاحت و صراحت سے بیان کیا ہے، نیز آپ نے شرک اور مشرکین کا رد بھی کیا ہے۔ آپ نے کتاب التوحید میں (58)ابواب قائم کیے ہیں اور (193)احادیث و آثار بیان کیے ہیں ۔ توحید کو عمومی طور تین اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ربوبیت، الوہیت اور اسماء صفات، ربوبیت سے مراد پوری کائنات کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ، اس کے علاوہ کوئی اور پیدا کرنے والا نہیں ہے ۔ الوہیت سے مراد عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے ،اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت جائز نہیں ہے۔ عبادت چاہے قولی ہو ، یا فعلی ، یا مالی ،یہ سب عبادات کے لائق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اسماء والصفات سے مراد جو صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں وہ صفات کسی اور میں تسلیم نہیں کی جا سکتی ۔ امام بخاریؒ نے ان تمام اقسام پر روایات پیش کی ہیں اور ان کو ثابت کیا ہے ۔ مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کو مانتے تھے ، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس کو مشرک قرار دیا ، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات ، مثلاً سمیع، علیم ،قدیر کو اللہ کے علاوہ بھی مانتے تھے ۔ توحید کے مقابلے میں شرک کا لفظ استعمال ہوتا ہے ۔ شرک کرنا جائز نہیں ہے ۔ شرک کو بہت بڑا ظلم قرار دیا ہے۔ یہ بہت بڑا گناہ

1 الزمر:45

ہے، اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کر دے گا لیکن شرک کو معاف نہیں گا۔اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں جو یہ بات کہے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے ،گویا اس نے اللہ تعالیٰ کو گالی دی ہے ۔ اور یہ شرک ہے ، لہذا ایسے امور سے بچنا چاہیے۔امام بخاریؒ نے ایسی روایات بھی بیان کی جس میں توحید پر قائم رہنے والے کے لیے جنت کی بشارت دی اور شرک کرنے والے کو جہنم کی وعید سنائی ہے۔امام بخاریؒ کے نزدیک عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے ، اللہ کے علاوہ کوئی بھی عالم الغیب نہیں ہے۔ اس پر روایت پیش کی ہے کہ قیامت کی خبر اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے ، ماں کے رحم میں کیا ہے کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے ، اسی طرح بارش کب آئے گی ؟ یہ سب علوم اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

مبحث دوم:

الکافی کی توحید سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

امام کلینی نے الکافی میں کتاب التوحید کو قائم کیا ہے، آپ نے اس میں 35 ابواب قائم کیے ہیں، پہلا باب "بَابُ حُدُوثِ الْعَالَمِ وَإِثْبَاتِ الْمُحْدِثِ" ہے اور آخری باب "بابُ الْهِدَايَةِ أَنَّهَا مِنَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ" ہے، آپ نے کتاب التوحید میں 215 سے 433 تک روایات جمع کی ہیں۔ ذیل میں الکافی کی توحید سے متعلق تفسیری احادیث و آثار پیش کیے جارہے ہیں:

امام کلینیؒ نے الکافی میں بہت سے مقامات پر آیات قرآنی کی تشریح اور تفسیر بیان فرمائی ہے، ان سے منقول تفسیری روایات میں قرآن کی معنوی تفسیر پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور ان میں لفظی تفسیر کے متعلق بہت ہی کم روایات ہیں۔

1. ﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ﴾[1]

(اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔)

((عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سِنَانٍ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ (عَلَيْهِ السَّلام) عَنْ تَفْسِيرِ﴿بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾قَالَ الْبَاءُ بَهَاءُ اللهِ وَالسِّينُ سَنَاءُ اللهِ وَالْمِيمُ مَجْدُ اللهِ وَرَوَى بَعْضُهُمُ الْمِيمُ مُلْكُ اللهِ وَاللهُ إِلَهُ كُلِّ شَيْءٍ الرَّحْمٰنُ بِجَمِيعِ خَلْقِهِ وَالرَّحِيمُ بِالْمُؤْمِنِينَ خَاصَّةً.))[2]

(عبد اللہ بن سنان سے نقل کیا کہ ابو عبد اللہ امام صادق علیہ السلام سے﴿بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا: با سے مراد بہاء اللہ یعنی اللہ کی خوبصورتی ہے سین سے مراد سناء اللہ یعنی روشنی یا رفعت و بلندی ہے میم سے مراد اللہ کی عظمت اور بزرگی ہے بعض نے روایت کی ہے کہ میم سے مراد خدا کا ملک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا معبود ہے اپنی تمام مخلوق پر مہربان ہے اور مومنین پر بطور خاص رحمت کرنے والا ہے۔)

اس روایت سے بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تفسیر کو بیان کیا گیا ہے کہ با سے مراد اللہ تعالیٰ کی خوبصورتی، سین سے مراد رفعت و بلندی، میم سے مراد مالک یعنی بزرگی و عظمت ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق خواہ وہ انسان و جن ہوں یا چرند و پرند ہوں سب پر بہت مہربان ہے۔

---

[1] الفاتحہ: 1، قرآن مجید میں بسم اللہ الرحمن الرحیم 114 مرتبہ آیا ہے۔ سورۃ التوبہ کے علاوہ ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے، اور سورۃ النمل میں یہ دو مرتبہ آیا ہے۔

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی (بیروت: منشورات الفجر، 2008ء) کتاب التوحید، بَابُ مَعَانِي الْأَسْمَاءِ وَاشْتِقَاقِهَا، باب 16، حدیث 312-

2. ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾[1]

(اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔)

((عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَعْيَنَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ (عَلَيْهِ السَّلام) يَقُولُ إِنَّ اللهَ خِلْوٌ مِنْ خَلْقِهِ وَخَلْقُهُ خِلْوٌ مِنْهُ وَكُلُّ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ اسْمُ شَيْءٍ مَا خَلا اللهَ فَهُوَ مَخْلُوقٌ وَاللهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ﴿تَبَارَكَ الَّذِي لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾))[2]

(زرارۃ بن اعین بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ امام صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا: بے شک اللہ تعالیٰ مخلوق سے اخلی اور مبرا ہے اور مخلوق اس سے خالی ہے ہر وہ چیز جس پر لفظ شی کا اطلاق ہوتا ہے اور اللہ سے خالی ہے پس وہ مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے بابرکت ہے وہ ذات جس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سمیع بھی ہے اور بصیر بھی ہے۔)

اس روایت سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی خالق ہے، اس کے علاوہ کوئی خالق کائنات نہیں ہے، نیز اس روایت میں اللہ تعالیٰ اور صفات کا بھی ذکر ہوا ہے۔ یعنی اللہ سمیع ہے، اللہ تعالیٰ ہی انسانوں اور دیگر مخلوقات کی پکار کو سنتا ہے، اور وہ بصیر بھی ہے۔

3. ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾[3]

(اسے نگاہیں نہیں پاتیں اور وہ سب نگاہوں کو پاتا ہے اور وہی نہایت باریک بین، سب خبر رکھنے والا ہے۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ (عَلَيْهِ السَّلام) فِي قَوْلِهِ﴿لا تُدْرِكُهُ الابْصارُ﴾ قَالَ إِحَاطَةُ الْوَهْمِ أَ لا تَرَى إِلَى قَوْلِهِ ﴿قَدْ جاءَكُمْ بَصائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ لَيْسَ يَعْنِي بَصَرَ الْعُيُونِ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ لَيْسَ يَعْنِي مِنَ الْبَصَرِ بِعَيْنِهِ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْها لَيْسَ يَعْنِي عَمَى الْعُيُونِ إِنَّمَا عَنَى إِحَاطَةَ الْوَهْمِ كَمَا يُقَالُ فُلانٌ بَصِيرٌ بِالشِّعْرِ وَفُلانٌ بَصِيرٌ بِالْفِقْهِ وَفُلانٌ بَصِيرٌ بِالدَّرَاهِمِ وَفُلانٌ بَصِيرٌ بِالثِّيَابِ اللهُ أَعْظَمُ مِنْ أَنْ يُرَى بِالْعَيْنِ.))[4]

(ابو عبداللہ علیہ السلام کے اس قول میں ہے کہ مجھے نظر کا ادراک نہیں ہے، یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شاعری میں محسوس کرتا ہے، فلاں کو فقہ میں، فلاں کو درہم میں محسوس ہوتا ہے، اور فلاں کو کپڑوں میں نظر آتا ہے، اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ طاقتور ہے۔)

---

[1] الشوریٰ:11

[2] کلینی، ابوجعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب التوحید، بَابُ إِطْلَاقِ الْقَوْلِ بِأَنَّهُ شَيْءٌ، باب2، حدیث225/4-

[3] الانعام:103

[4] کلینی، ابوجعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب التوحید، بَابٌ فِي إِبْطَالِ الرُّؤْيَةِ، باب9، حدیث:269/9-

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے طاقتور ہے، اور کوئی آنکھ اللہ تعالیٰ کا ادراک نہیں کر سکتی، البتہ قیامت والے دن اہل توحید کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گا۔

4. ﴿ وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ﴾[1]

(اور انھوں نے اللہ کی قدر نہیں کی، جو اس کی قدر کا حق تھا۔)

((عَنِ الْفُضَيْلِ بْنِ يَسَارٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام يَقُولُ: «إِنَّ اللهَ لَايُوصَفُ، وَكَيْفَ يُوصَفُ وَقَدْ قَالَ فِي كِتَابِهِ: ﴿وَما قَدَرُوا اللهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾؟! فَلَا يُوصَفُ بِقَدَرٍ إِلَّا كَانَ أَعْظَمَ مِنْ ذلِكَ ».))[2]

(فضیل بن یسار سے روایت کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے سنا، انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی توصیف بیان نہیں کی جا سکتی اور اس کی توصیف کیسے کی جا سکتی ہے حالانکہ خود اس نے فرمایا ہے "اور انہوں نے اللہ کو ایسے نہیں پہچانا جیسے پہچاننے کا حق ہے" اللہ تعالیٰ کی جتنی بھی توصیف کی جائے پھر بھی وہ ذات اس سے بھی اعلیٰ اور بلند تر ہے۔)

5. ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾[3]

(وہی سب سے پہلے ہے اور سب سے پیچھے ہے اور ظاہر ہے اور چھپا ہوا ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔)

((عَنِ ابْنِ أَبِي يَعْفُورٍ ، قَالَ :سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ ﴾وَقُلْتُ: أَمَّا « الْأَوَّلُ » فَقَدْ عَرَفْنَاهُ ، وَأَمَّا « الْآخِرُ » فَبَيِّنْ لَنَا تَفْسِيرَهُ. فَقَالَ : « إِنَّهُ لَيْسَ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يَبِيدَ أَوْ يَتَغَيَّرَ ، أَوْ يَدْخُلَهُ التَّغَيُّرُ وَالزَّوَالُ ، أَوْ يَنْتَقِلَ مِنْ لَوْنٍ إِلى لَوْنٍ ، وَمِنْ هَيْئَةٍ إِلى هَيْئَةٍ ، وَمِنْ صِفَةٍ إِلى صِفَةٍ ، وَمِنْ زِيَادَةٍ إِلى نُقْصَانٍ ، وَمِنْ نُقْصَانٍ إِلى زِيَادَةٍ إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ؛ فَإِنَّهُ لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ بِحَالَةٍ وَاحِدَةٍ ، هُوَ الْأَوَّلُ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ ، وَهُوَ الْآخِرُ عَلى مَا لَمْ يَزَلْ ، وَلَا تَخْتَلِفُ عَلَيْهِ الصِّفَاتُ وَالْأَسْمَاءُ كَمَا تَخْتَلِفُ عَلى غَيْرِهِ ، مِثْلُ الْإِنْسَانِ الَّذِي يَكُونُ تُرَاباً مَرَّةً ، وَمَرَّةً لَحْماً وَ دَماً ، وَمَرَّةً رُفَاتاً وَرَمِيماً ، وَكَالْبُسْرِ الَّذِي يَكُونُ مَرَّةً بَلَحاً ، وَمَرَّةً بُسْراً ، وَمَرَّةً رُطَباً ، وَمَرَّةً تَمْراً ، فَتَتَبَدَّلُ عَلَيْهِ الْأَسْمَاءُ وَالصِّفَاتُ ، وَاللهُ – جَلَّ وَعَزَّ – بِخِلَافِ ذلِكَ »))[4]

---

[1] الانعام:91

[2] کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب التوحید، بَابُ النَّهْيِ عَنِ الصِّفَةِ بِغَيْرِ مَا وَصَفَ بِهِ نَفْسَهُ تَعَالى، باب10، حدیث283/11-

[3] الحدید:3

[4] کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب التوحید، بَابُ مَعَانِي الْأَسْمَاءِ وَاشْتِقَاقِهَا، باب16، حدیث316/5-

(احمد بن ادریس نے محمد بن عبد الجبار سے، انہوں نے صفوان بن یحیی سے، انہوں نے فضیل بن عثمان سے، انہوں نے ابن ابی یعفور روایت کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس ارشاد الٰہی ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ﴾ کی تفسیر پوچھی میں نے عرض کیا کہ اول کو تو ہم جانتے ہیں لیکن الاخر کی تفسیر ہمارے لئے بیان کریں، انہوں نے فرمایا: اس کا مطلب یہ کہ خدا کے سوا ہر چیز نابود یا دگرگوں ہو جائے گی یا اس میں تغیر و تبدل یا زوال وقوع پذیر ہو گا یا وہ رنگ بدلے گی یا ایک شکل سے دوسری شکل اختیار کرے گی یا ایک صفت سے دوسری صفت میں تبدیل ہو گی یا پھر زیادتی سے کمی میں منتقل ہو گی یا کمی سے اضافے میں بدلے گی صرف عالمین کا رب ہے جو ازل سے ابد تک ایک حالت میں ہے وہ ذات ہر چیز سے پہلے اول ہے اور وہی سب سے آخر ہے اور ہمیشہ سے ہے اس کی صفات نہیں بدلتیں اور اس کے اسماء میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا، جیسا کہ اس کے علاوہ چیزوں میں ہوتا ہے مثلاً انسان کبھی مٹی ہوتا ہے کبھی گوشت اور خون ہوتا ہے اور کبھی بوسیدہ ہڈی اور خاک ہوتا ہے اسی طرح کھجور کی مثال ہے کبھی وہ کچھی کھجور ہوتی پھر پک جاتی ہے اور خشک ہو جاتی ہے اس کے نام اور صفات بدلتی رہتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں کے برعکس ہے۔)

6. ﴿مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ﴾[1]

(کوئی تین آدمیوں کی کوئی سرگوشی نہیں ہوتی مگر وہ (اللہ) ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ کوئی پانچ آدمیوں کی مگر وہ (اللہ) ان کا چھٹا ہوتا ہے۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام فِي قَوْلِهِ تَعَالى : ﴿ما يَكُونُ مِنْ نَجْوى ثَلاثَةٍ إِلّا هُوَ رابِعُهُمْ وَلا خَمْسَةٍ إِلّا هُوَ سادِسُهُمْ ﴾فَقَالَ: « هُوَ وَاحِدٌ وَاحِدِيُّ الذَّاتِ ، بَائِنٌ مِنْ خَلْقِهِ ، وَبِذَاكَ وَصَفَ نَفْسَهُ ، وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطٌ بِالْإِشْرَافِ وَالْإِحَاطَةِ وَالْقُدْرَةِ ﴿ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقالُ ذَرَّةٍ فِي السَّماواتِ وَلا فِي الْأَرْضِ وَلا أَصْغَرُ مِنْ ذلِكَ وَلا أَكْبَرُ ﴾ بِالْإِحَاطَةِ وَالْعِلْمِ ، لَابِالذَّاتِ ؛ لِأَنَّ الْأَمَاكِنَ مَحْدُودَةٌ تَحْوِيهَا حُدُودٌ أَرْبَعَةٌ ، فَإِذَا كَانَ بِالذَّاتِ لَزِمَهَا الْحَوَايَةُ ».))[2]

(اس آیت کریمہ ﴿ما يَكُونُ مِنْ نَجْوى ثَلاثَةٍ إِلّا هُوَ رابِعُهُمْ وَلا خَمْسَةٍ إِلّا هُوَ سادِسُهُمْ ﴾ کی تفسیر میں ابو عبد اللہ جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ یکتا ہے اور یکتا حقیقت ہے اپنی مخلوق سے الگ اور جدا ہے اس نے اپنے آپ کا تعارف یوں کرایا ہے، کہ وہ ہر چیز پر اپنی قدرت و طاقت نگرانی اور قبضے کے ساتھ محیط ہے ذرے کے برابر بھی کوئی چیز آسمانوں اور زمین میں اس کے علم سے خارج نہیں ہے نہ ہی اس سے چھوٹی اور نہ ہی اس سے بڑی چیز، ان پر احاطہ علم کے لحاظ سے ہے نہ ذات کے اعتبار سے، کیونکہ مکان اپنی ذات میں محدود ہوتے ہیں اور ان

[1] المجادلۃ:7

[2] کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب التوحید، بَابُ الْحَرَكَةِ وَالِانْتِقَالِ، باب 19، حدیث 332/5-

کی چار حدود ہوتی ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لحاظ سے ان کو گھیرے ہوئے ہو تو پھر وہ محدود ہو جائے گا اور احاطہ میں آجائے گا۔)

7. ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾[1]

(وہ بے حد رحم والا عرش پر بلند ہوا۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾فَقَالَ:«اسْتَوى عَلى كُلِّ شَيْءٍ؛ فَلَيْسَ شَيْءٌ أَقْرَبَ إِلَيْهِ مِنْ شَيْءٍ»))[2]

(حضرت ابو عبد اللہ امام صادق علیہ السلام سے جب اس آیت﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے فرمایا: ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے وہ ہر چیز پر مسلط اور حاوی ہے کوئی بھی چیز کسی دوسری کی نسبت اس کے قریب تر نہیں ہے۔)

8. ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾[3]

(اس کی کرسی آسمانوں اور زمین کو سمائے ہوئے ہے۔)

((عَنِ الْفُضَيْلِ بْنِ يَسَارٍ ، قَالَ :سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾ فَقَالَ : « يَا فُضَيْلُ ، كُلُّ شَيْءٍ فِي الْكُرْسِيِّ ؛ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَكُلُّ شَيْءٍ فِي الْكُرْسِيِّ »))[4]

(فضیل بن یسار سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾ (کرسی) کے بارے میں سوال کیا؟ تو انہوں نے فرمایا: اے فضیل! ہر چیز کرسی میں ہے آسمان، زمین اور ہر چیز سب کرسی کے اندر ہے۔)

9. ﴿ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ ﴾[5]

(اور اس کا عرش پانی پر تھا۔)

((عَنْ دَاوُدَ الرَّقِّيِّ ، قَالَ :سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَآءِ ﴾ فَقَالَ : « مَا يَقُولُونَ ؟» قُلْتُ : يَقُولُونَ : إِنَّ الْعَرْشَ كَانَ عَلَى الْمَاءِ ، وَالرَّبُّ فَوْقَهُ ،

---

[1] طہ:5

[2] کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب التوحید، بَابُ الْحَرَكَةِ وَالِانْتِقَالِ، باب 19، حدیث 333/6-

[3] البقرۃ:255

[4] کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب التوحید، بَابُ الْعَرْشِ وَالْكُرْسِيِّ، باب 20، حدیث 341/3-

[5] ھود:7

فَقَالَ : « كَذَبُوا ، مَنْ زَعَمَ هذَا ، فَقَدْ صَيَّرَ اللهَ مَحْمُولاً ، وَوَصَفَهُ بِصِفَةِ الْمَخْلُوقِ ، وَلَزِمَهُ أَنَّ الشَّيْءَ الَّذِي يَحْمِلُهُ أَقْوى مِنْهُ »))[1]

(داؤد رقی سے روایت نقل کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام صادق سے اس آیت ﴿وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ﴾ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے پوچھا کہ دوسرے لوگ اس آیت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ میں نے جواب دیا، دوسرے کہتے ہیں کہ عرش پانی پر ہے اور رب اس کے اوپر ہے امام نے فرمایا: وہ جھوٹ بولتے ہیں جس کا بھی یہ نظریہ ہے اس نے اللہ کو محمول (اٹھایا ہوا) شمار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت سے توصیف کی ہے جو اس کی مخلوق سے مختص ہے اور اس کا لازمہ ہے کہ جس چیز نے اسے اٹھایا ہوا ہے وہ اس سے قوی اور مضبوط ہو۔)

10. ﴿فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي﴾[2]

(توجب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح سے پھونک دوں۔)

((عَنِ الْأَحْوَلِ، قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنِ الرُّوحِ الَّتِي فِي آدَمَ، قَوْلِهِ: ﴿فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي﴾ قَالَ:«هذِهِ رُوحٌ مَخْلُوقَةٌ ، وَالرُّوحُ الَّتِي فِي عِيسى مَخْلُوقَةٌ»))[3]

(احوال کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے اس روح کے بارے میں پوچھا جو حضرت آدم علیہ السلام میں پھونکی گئی اور جس کا تذکرہ اس آیت ﴿فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي﴾ میں ہوا ہے تو انہوں نے فرمایا: یہ روح مخلوق ہے اور وہ روح جو حضرت عیسی علیہ السلام میں تھی وہ بھی مخلوق ہے۔)

11. ﴿وَلَا تَدْعُ مَعَ اللهِ إِلَهًا آخَرَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾[4]

(اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو مت پکار، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے، مگر اس کا چہرہ، اسی کے لیے حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔)

((سُئِلَ أَبُو عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالى: (كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ) فَقَالَ : « مَا يَقُولُونَ فِيهِ؟ » قُلْتُ: يَقُولُونَ : يَهْلِكُ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا وَجْهَ اللهِ ، فَقَالَ : « سُبْحَانَ اللهِ! لَقَدْ قَالُوا قَوْلاً عَظِيماً ، إِنَّمَا عَنى بِذلِكَ وَجْهَ اللهِ الَّذِي يُؤْتى مِنْهُ »))[5]

---

[1] کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب التوحید، بَابُ الْعَرْشِ وَالْكُرْسِيِّ، باب 20، حدیث 345/7-

[2] الحجر: 29

[3] کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب التوحید، بَابُ الرُّوحِ، باب 21، حدیث 346/1-

[4] القصص: 88

[5] کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب التوحید، بَابُ النَّوَادِرِ، باب 23، حدیث: 357/1-

(حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس قول﴿ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: اس بارے میں وہ لوگ کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا: وہ کہتے ہیں کہ ﴿يَهْلِكُ كُلُّ شَيْءٍ إِلا وَجْهَهُ ﴾ (اللہ کے چہرے کے سوا ہر چیز نابود ہو جائے گی۔) انہوں نے فرمایا: سبحان اللہ ان لوگوں نے بہت بڑی بات کہی ہے اس آیت میں "وجہ اللہ" سے مراد وہ ہے جس کے ذریعے سے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں حاضر ہوا جاتا ہے۔)

12. ﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾[1]

(اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں، سو اسے ان کے ساتھ پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں کے بارے میں سیدھے راستے سے ہٹتے ہیں، انھیں جلد ہی اس کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا ﴾ قَالَ : « نَحْنُ –وَاللهِ–الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى الَّتِي لَايَقْبَلُ اللهُ مِنَ الْعِبَادِ عَمَلاً إِلَّا بِمَعْرِفَتِنَا».))[2]

(حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام نے اس آیت﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا ﴾ کے بارے میں فرمایا: اللہ کی قسم! اسماء حسنیٰ ہم ہیں وہ اسماء کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے کسی عمل کو قبول نہیں کرتا مگر ہماری معرفت کے ساتھ قبول کرتا ہے۔)

13. ﴿ يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ﴾[3]

(اللہ مٹا دیتا ہے جو چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے۔)

اس آیت کے بارے میں حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام، قَالَ فِي هذِهِ الْآيَةِ: ﴿يَمْحُواْ اللهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ﴾ قَالَ: فَقَالَ : « وَهَلْ يُمْحى إِلَّا مَا كَانَ ثَابِتاً ؟ وَهَلْ يُثْبَتُ إِلَّا مَا لَمْ يَكُنْ؟»))[4]

(ابو عبد اللہ علیہ السلام سے، وہ اس آیت﴿يَمْحُواْ اللهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں: کیا وہ چیز جو ثابت اور موجود ہے اس کے علاوہ کوئی محو ہوتی ہے یا مٹائی جاتی ہے؟ اور جو موجود نہ ہوا اس کے علاوہ کوئی وجود میں آتی ہے؟)

14. ﴿أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا﴾[1]

---

[1] اعراف:180

[2] کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب التوحید، بَابُ النَّوَادِرِ، باب 23، حدیث 360/4-

[3] الرعد:39

[4] کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب التوحید، بَابُ الْبَدَاءِ ، باب 24، حدیث 370/3-

(اور کیا انسان یاد نہیں کرتا کہ ہم نے ہی اسے اس سے پہلے پیدا کیا، جب کہ وہ کوئی چیز نہ تھا۔)

مالک جہنی نے اس آیت کے بارے میں حضرت امام صادق سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

((لَا مُقَدَّراً وَلَا مُكَوَّناً.قَالَ : وَسَأَلْتُهُ عَنْ قَوْلِهِ: ﴿ هَلْ أَتى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا ﴾ فَقَالَ : كَانَ مُقَدَّراً غَيْرَ مَذْكُورٍ.))[2]

(نہ ہی وہ تقدیر میں تھا اور نہ ہی وجود میں آیا ہوا تھا۔" پھر اس نے آیت: ﴿هَلْ أَتى عَلَى الانْسانِ حِينٌ مِنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئاً مَذْكُوراً ﴾[3] **(کیا انسان پر ایسا وقت نہیں گزرا جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔) کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا:** كَانَ مُقَدَّراً غَيْرَ مَذْكُورٍ. **(وہ مقدر شدہ ہوتا ہے لیکن قابل ذکر اور اس کا نام نہیں ہوتا۔)**

15. ﴿وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ﴾[4]

(اور ہم نے اسے دو واضح راستے دکھا دیئے۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام ، قَالَ : سَأَلْتُهُ عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ﴾ قَالَ : « نَجْدَ الْخَيْرِ وَالشَّرِّ »))[5]

(ابو عبد اللہؑ سے اس قول اللہ عزوجل ﴿ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ﴾ **(اور ہم نے اسے دو راستے دکھائے) کے بارے میں سوال ہوا؟ تو انہوں نے فرمایا: اس سے مراد خیر اور شر کے راستے ہیں۔)**

16. ﴿فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ كَذَلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴾[6]

(تو وہ شخص جسے اللہ چاہتا ہے کہ اسے ہدایت دے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ اسے گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ، نہایت گھٹا ہوا کر دیتا ہے، گویا وہ مشکل سے آسمان میں چڑھ رہا ہے، اسی طرح اللہ ان لوگوں پر گندگی ڈال دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔)

---

[1] مریم:67

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب التوحید، بَابُ الْبَدَاءِ، باب 24، حدیث 6/373-

[3] الدھر:1

[4] البلد:10

[5] کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب التوحید، بَابُ الْبَيَانِ وَالتَّعْرِيفِ وَلُزُومِ الْحُجَّةِ، باب 32، حدیث 4/422-

[6] الانعام:125

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام ، قَالَ : قَالَ : « إِنَّ اللهَ –عَزَّ وَجَلَّ – إِذَا أَرَادَ بِعَبْدٍ خَيْراً ، نَكَتَ فِي قَلْبِهِ نُكْتَةً مِنْ نُورٍ ، وَفَتَحَ مَسَامِعَ قَلْبِهِ ، وَوَكَّلَ بِهِ مَلَكاً يُسَدِّدُهُ ، وَإِذَا أَرَادَ بِعَبْدٍ سُوءاً ، نَكَتَ فِي قَلْبِهِ نُكْتَةً سَوْدَاءَ ، وَسَدَّ مَسَامِعَ قَلْبِهِ ، وَوَكَّلَ بِهِ شَيْطَاناً يُضِلُّهُ ».ثُمَّ تَلَا هذِهِ الْآيَةَ : ﴿فَمَنْ يُرِدِ اللّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقاً حَرَجاً كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ﴾))[1]

(ابو عبد اللہ علیہ السلام سے، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے بارے میں خیر و بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک نورانی نکتہ پیدا کر دیتا ہے اور اس کے دل کے کان کھول دیتا ہے اور ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جو اس کی مدد کرتا ہے اور جب کسی بندے کے بارے میں برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ نکتہ پیدا کر دیتا ہے اور اس کے دل کے کان بند کر دیتا ہے اور اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتا ہے جو اسے گمراہ کرتا ہے اس کے بعد انہوں نے یہ آیت کی تلاوت فرمائی۔)﴿فَمَنْ يُرِدِ اللّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقاً حَرَجاً كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ﴾(تو وہ شخص جسے اللہ چاہتا ہے کہ اسے ہدایت دے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ اسے گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ، نہایت گھٹا ہوا کر دیتا ہے، گویا وہ مشکل سے آسمان میں چڑھ رہا ہے۔)

17. ﴿وَمَا كَانَ اللّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ إِنَّ اللّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾[2]

(اور اللہ کبھی ایسا نہیں کہ کسی قوم کو اس کے بعد گمراہ کر دے کہ انھیں ہدایت دے چکا ہو، یہاں تک کہ ان کے لیے وہ چیزیں واضح کر دے جن سے وہ بچیں۔ بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿وَمَا كَانَ اللّهُ لِيُضِلَّ قَوْماً بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُونَ﴾ ، قَالَ : « حَتّى يُعَرِّفَهُمْ مَا يُرْضِيهِ وَمَا يُسْخِطُهُ ».وَقَالَ : ﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾ ، قَالَ : « بَيَّنَ لَهَا مَا تَأْتِي وَمَا تَتْرُكُ ».وَقَالَ : ﴿ إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِراً وَإِمَّا كَفُوراً ﴾ ، قَالَ : « عَرَّفْنَاهُ ، إِمَّا آخِذٌ وَإِمَّا تَارِكٌ ». وَعَنْ قَوْلِهِ : ﴿وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمى عَلَى الْهُدى﴾، قَالَ:« عَرَّفْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمى عَلَى الْهُدى وَهُمْ يَعْرِفُونَ ».* وَفِي رِوَايَةٍ : « بَيَّنَّا لَهُمْ ».))[3]

---

[1] کلینی، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب التوحید، بَابُ الْهِدَايَةِ أَنَّهَا مِنَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، باب35، حدیث2/431-

[2] توبہ:115

[3] کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب التوحید، بَابُ الْبَيَانِ وَالتَّعْرِيفِ وَلُزُومِ الْحُجَّةِ، باب32، حدیث3/421-

(ابو عبد اللہ علیہ السلام سے، وہ اس قول الٰہی﴿وَمَا كَانَ اللهُ لِيُضِلَّ قَوْماً بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُونَ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: یہاں تک کہ وہ ان چیزوں کی جو اس کی رضا و خوشنودی اور ناراضگی کا باعث ہیں"بندو کو پہچان کراتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ﴾[1](پھر اس نے نفس کو بدی اور تقویٰ کی ہدایت کی۔)اس کی تفسیر میں انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا کہ وہ کیا کام انجام دے اور کون سے اعمال ترک کر دے، اور ایک دوسری جگہ فرمایا: ﴿ إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِراً وَإِمَّا كَفُوراً ﴾ [2](ہم نے اسے راستے کی ہدایت کر دی ہے خواہ شکر گزار بنے اور خواہ ناشکرا بنے۔)اس آیت کے متعلق انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اسے پہچان کرا دی ہے خواہ وہ عمل کرے یا ترک کرے اور قران کی اس آیت: ﴿ وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَى عَلَى الْهُدَى ﴾ [3](ثمود کو ہم نے راہ راست دکھادی تھی مگر انہوں نے ہدایت کی جگہ اندھا رہنے کو پسند کیا۔) کے متعلق فرمایا: ہم نے انہیں متعارف کرا دیا اور پہچان کرا دی پھر انہوں نے ہدایت پر گمراہی کو پسند کیا۔ ایک اور روایت میں ہے ہم نے ان کے لئے واضح بیان کر دیا۔)

خلاصہ بحث

امام کلینیؒ نے الکافی میں کتاب التوحید کو قائم کیا ہے، اس میں (35) ابواب قائم کیے ہیں، اور (218) احادیث و آثار بیان کیے ہیں۔ امام کلینیؒ نے کتاب التوحید میں تفسیری احادیث و آثار کو بھی ذکر کیا ہے۔ آپ نے بھی توحید ربوبیت، الوہیت اور اسماء وصفات پر روایات پیش کی ہیں۔ امام کلینیؒ نے روایت پیش کی جن سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس کی کوئی مثل نہیں ہے۔ اور وہ سمیع بھی ہے اور بصیر بھی ہے۔ اس طرح کی روایات کو امام کلینیؒ نے پیش کر کے واضح کر دیا، ربوبیت کے لائق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی پوری کائنات ارض وسماں کو پیدا کیا ہے، اس کے علاوہ کوئی بھی خالق نہیں ہے۔ اس کے ساتھ توحید اسماء وصفات کو بھی پیش کیا ہے، سمیع اور بصیر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے، اس کے علاوہ کوئی بھی ان صفات کے لائق نہیں، کیونکہ اس کی مثل کوئی بھی چیز نہیں ہے۔ امام کلینیؒ نے بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ اپنے بندے کے ساتھ ہے، کوئی بھی شخص جب سر گوشی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی سر گوشی سنتا ہے، کیونکہ اللہ سمیع ہے۔ وہ ہر چیر پر اپنی قدرت و طاقت اور قبضے کے ساتھ محیط ہے۔ ذرے کے برابر بھی کوئی چیز ارض وسماں میں اس کے علم سے خارج نہیں ہے۔ امام کلینیؒ نے اللہ کی ایک اور صفت کا

---

[1] الشمس:8

[2] الدھر:3

[3] فصلت:17

ذکر بھی کیا کہ وہ عرش پر بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر چیز پر حاوی ہے کوئی بھی چیز کسی دوسری کی نسبت اس کے قریب تر نہیں ہے۔ ان تمام امور کو امام کلینیؒ نے الکافی کی کتاب التوحید میں بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر امور پر بھی بحث کی ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ کو کوئی بھی آنکھ نہیں دیکھ سکتی، اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے کہ انسانی آنکھ اسے دیکھ سکے، ارض وسماں میں کوئی بھی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے، وہ تمام مخلوق کے لیے رحمنٰ ہے وغیرہ۔

فصل دوم:

رسالت سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

رسالت کا مفہوم:

رسول کے حروف اصلی "ر، س، ل" ہیں جس کے معنی "بالوں کا سیاہ لٹکا ہوا ہونا اور اونٹ کا نرم چال والا ہونا" ہیں، جب اس کو باب افعال پر لے جایا جائے گا تو اس وقت یہ " بھیجنا، چھوڑنا، بلا قید بولنا، مسلط کرنا، پیغام کے ساتھ بھیجنا اور اپنے قول کو ضرب المثل بنانا" کے معانی میں استعمال ہو گا۔ اسی سے ایک لفظ "رسالت" آتا ہے۔ جس کے معان پیغام اور پیغامبری خط کے آتے ہیں۔ لفظ رسول "بھیجا ہوا، پیغام بر اور پیغامبری" کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔(1)

"الرسول: في اللغة: هو الذي أمره المرسل بأداء الرسالة بالتسليم أو بالقبض."(2)

(رسول کا لغوی معانی وہ شخص ہے جسے بھیجنے والے نے پیغام پہنچانے یا وصول کرنے کا حکم دیا ہو۔)

"الرسول: إنسان بعثه الله إلى الخلق لتبليغ الأحكام"(3)

(اصطلاح میں رسول ایسا انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے احکام کی تبلیغ کے لیے مخلوق کی طرف بھیجا ہو۔)

رسالت کی ضرورت واہمیت

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہماری زندگی کا ایک ہی مقصد ہے کہ ہم اللہ کی بندگی اور اس کی فرمانبرداری کریں۔ ارشاد ربانی ہے:﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُون ﴾(4)

(اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا۔)

لہذا اس سے ثابت ہوا کہ ہماری زندگی کا ایک ہی مقصد ہے اور ہماری کامیابی بھی اسی میں ہے کہ ہم اپنی زندگی کا مقصد پورا کریں اور اللہ کی عبادت کریں۔ لہذا ہمیں اپنی پوری زندگی اور زندگی کے ہر پہلو میں اللہ کی اطاعت کرنی ہے۔ اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ہمیں پتہ ہو اللہ کن کاموں کو پسند کرتا ہے اور کن کو ناپسند، اللہ کن کاموں کی اجازت دیتا ہے اور کن کی اجازت نہیں دیتا، اللہ نے کن چیزوں کو حلال کیا اور کن کو حرام، ان سب ضروریات کے

---

1 افریقی، ابن منظور، محمد بن مکرم، **لسان العرب**، 6/355۔

2 الجرجانی، شریف، علی بن محمد، **التعریفات** (بیروت: دار الكتب العلمية، 1983ء) ص110۔

3 ایضاً

4 الذاریات: 56

مد نظر اللہ تعالیٰ نے رسالت و نبوت کا سلسلہ قائم فرمایا۔ اور ہر قوم کی طرف ایک نبی بھیجا تاکہ وہ اللہ کے احکامات لوگوں تک پہنچائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾[1](اور ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا کہ اللہ کی ہی عبادت کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔)

لہٰذا لوگوں کی ہدایت کے لیے اور انہیں سیدھے راستے پر لانے اور اللہ کے احکامات ان تک پہنچانے کے لیے رسولوں کا آنا لازم و ملزم تھا۔

خلاصہ کلام

رسول عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے حروف اصلی ر س ل ہے، جس کا معانی پیغام پہنچانے والا، اور قاصد کے ہیں، اصطلاح میں رسول ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام اپنے بندوں تک پہنچانے کے لیے مبعوث کیا ہو۔ رسول کے لیے نبی کو لفظ بھی مستعمل ہے، بعض اہل علم ان میں فرق کرتے ہیں اور بعض ان میں فرق کے قائل نہیں ہیں، بہر حال رسول کے لیے نبی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ انبیاء کرام کا سلسلہ سیدنا آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور اس سلسلے کا اختتام سیدنا محمد ﷺ پر ہوا، اس لیے آپ ﷺ کو خاتم النبیین کہا جاتا ہے۔، انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کا پیغام بندوں تک پہنچاتے ہیں، یعنی انسان و جن کا اس دنیا میں آنے کا مقصد عبادت الٰہی ہے، اب عبادت کیسے کرنی ہے، اس کو طریقہ کار کیا ہے، یہ طریقہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کے ذریعے اپنے بندوں کو سکھایا ہے۔

---

1 النحل:36

مبحث اول:

صحیح بخاری کی رسالت سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

رسالت کا سلسلہ سیدنا آدم علیہ السلام سے شروع ہوا، اور اس کا اختتام نبی کریم ﷺ پر ہوا ہے، اب نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی بھی نبی یا رسول نہیں آئے گا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ لہذا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ رسالت پر ایمان لائے، یعنی وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے مبعوث ہونے پر ایمان لائے، لیکن جب آپ ﷺ پر آئے لائے تو یہ لازم ہے کہ آخری نبی ہونے پر بھی ایمان لائے۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں رسالت سے متعلق تفسیری احادیث و آثار بیان کیے ہیں، جن کو ذیل میں پیش کیا جارہا ہے:

1. ﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ﴾[1]

(کہہ دے جو کوئی جبریل کا دشمن ہو تو بے شک اس نے اسے تیرے دل پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے، اس کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے ہے اور مومنوں کے لیے سراسر ہدایت اور خوش خبری ہے۔)

((عَنْ أَنَسٍ، قَالَ سَمِعَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلاَمٍ، بِقُدُومِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَهْوَ فِي أَرْضٍ يَخْتَرِفُ، فَأَتَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ إِنِّي سَائِلُكَ عَنْ ثَلاَثٍ لاَ يَعْلَمُهُنَّ إِلاَّ نَبِيٌّ فَمَا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ وَمَا أَوَّلُ طَعَامِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَا يَنْزِعُ الْوَلَدُ إِلَى أَبِيهِ أَوْ إِلَى أُمِّهِ قَالَ " أَخْبَرَنِي بِهِنَّ جِبْرِيلُ آنِفًا ". قَالَ جِبْرِيلُ قَالَ " نَعَمْ ". قَالَ ذَاكَ عَدُوُّ الْيَهُودِ مِنَ الْمَلاَئِكَةِ. فَقَرَأَ هَذِهِ الآيَةَ ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ﴾ أَمَّا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ، وَأَمَّا أَوَّلُ طَعَامِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَزِيَادَةُ كَبِدِ حُوتٍ، وَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْأَةِ نَزَعَ الْوَلَدَ، وَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْأَةِ نَزَعَتْ ". قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ. يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ الْيَهُودَ قَوْمٌ بُهُتٌ، وَإِنَّهُمْ إِنْ يَعْلَمُوا بِإِسْلاَمِي قَبْلَ أَنْ تَسْأَلَهُمْ يَبْهَتُونِي. فَجَاءَتِ الْيَهُودُ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم " أَىُّ رَجُلٍ عَبْدُ اللَّهِ فِيكُمْ ". قَالُوا خَيْرُنَا وَابْنُ خَيْرِنَا، وَسَيِّدُنَا وَابْنُ سَيِّدِنَا. قَالَ " أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْلَمَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلاَمٍ ". فَقَالُوا أَعَاذَهُ اللَّهُ مِنْ ذَلِكَ. فَخَرَجَ عَبْدُ اللَّهِ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ. فَقَالُوا شَرُّنَا وَابْنُ شَرِّنَا. وَانْتَقَصُوهُ. قَالَ فَهَذَا الَّذِي كُنْتُ أَخَافُ يَا رَسُولَ اللَّهِ.))[2]

(انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (جو یہود کے بڑے عالم تھے) نے نبی کریم ﷺ کی (مدینہ) تشریف لانے کی خبر سنی تو وہ اپنے باغ میں پھل توڑ رہے تھے۔ وہ اسی وقت نبی کریم ﷺ کی

---

1 البقرہ:97

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب قَوْلُهُ﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ ﴾ ، حدیث 4480-

خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں آپ سے ایسی تین چیزوں کے متعلق پوچھتا ہوں، جنہیں نبی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ بتلایئے! قیامت کی نشانیوں میں سب سے پہلی نشانی کیا ہے؟ اہل جنت کی دعوت کے لیے سب سے پہلے کیا چیز پیش کی جائے گی؟ بچہ کب اپنے باپ کی صورت میں ہو گا اور کب اپنی ماں کی صورت پر؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ابھی جبرائیل نے آکر ان کے متعلق بتایا ہے۔ عبد اللہ بن سلام بولے جبرائیل علیہ السلام نے! فرمایا: ہاں، عبد اللہ بن سلام نے کہا کہ وہ تو یہودیوں کے دشمن ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی: ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ ﴾ اور ان کے سوالات کے جواب میں فرمایا، قیامت کی سب سے پہلی نشانی ایک آگ ہو گی جو انسانوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کر لائے گی۔ اہل جنت کی دعوت میں جو کھانا سب سے پہلے پیش کیا جائے گا وہ مچھلی کے جگر کا بڑھا ہوا حصہ ہو گا اور جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غلبہ کر جاتا ہے تو بچہ باپ کی شکل پر ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غلبہ کر جاتا ہے تو بچہ ماں کی شکل پر ہوتا ہے۔ عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بول اٹھے: ((أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ)) (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔) (پھر عرض کیا) یا نبی کریم! یہودی بڑی بہتان باز قوم ہے، اگر اس سے پہلے کہ آپ میرے متعلق ان سے کچھ پوچھیں، انہیں میرے اسلام کا پتہ چل گیا تو مجھ پر بہتان تراشیاں شروع کر دیں گے۔ بعد میں جب یہودی آئے تو نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ عبد اللہ تمہارے یہاں کیسے آدمی سمجھے جاتے ہیں؟ وہ کہنے لگے، ہم میں سب سے بہتر اور ہم میں سب سے بہتر کے بیٹے! ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ اسلام لے آئیں پھر تمہارا کیا خیال ہو گا؟ کہنے لگے، اللہ تعالیٰ اس سے انہیں پناہ میں رکھے۔ اتنے میں عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے ظاہر ہو کر کہا((أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ)) کہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے سچے رسول ہیں۔) اب وہی یہودی ان کے بارے میں کہنے لگے کہ یہ ہم میں سب سے بدتر ہے اور سب سے بدتر شخص کا بیٹا ہے اور ان کی توہین شروع کر دی۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا نبی کریم! یہی وہ چیز تھی جس سے میں ڈرتا تھا۔)

اس حدیث میں حضرت جبریل علیہ السلام کا ذکر آیا ہے یہی اس حدیث اور مذکورہ عنوان میں مطابقت ہے یہ یہودیوں کی حماقت تھی کہ وہ جبریل فرشتے کو اپنا دشمن سمجھتے تھے حالانکہ فرشتے تو حکم الٰہی کے تابع ہوتے ہیں جو حکم انہیں ملتا ہے وہ اسے بجالاتے ہیں۔ یہودیوں کی حضرت جبریل سے دشمنی درج ذیل وجوہات سے تھی: * ان کا خیال تھا کہ جبریل اپنی طرف سے ہمارے خلاف وحی لے کر آتا ہے۔ اس آیت کریمہ سے ان کا رد ہو گیا کہ حضرت جبریل علیہ السلام تو اللہ کی طرف سے سچی بات لاتا ہے اپنی طرف سے کچھ کہنے کی اس میں ہمت نہیں ہے۔ * ان کا یہ

بھی خیال تھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام ہمارے راز دان ہیں اور ہمارے راز نبی کریم ﷺ کو بتاتے ہیں۔ * ان کے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ نے تو انہیں حکم دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں نبوت جاری رکھے لیکن اس نے نبوت کو بنی اسماعیل میں جاری کر دیا۔ * یہود کے ایک نبی نے انہیں کہا تھا کہ بخت نصر، بیت المقدس کو ویران کر دے گا۔ پیش بندی کے طور پر یہود نے ایک آدمی کو بھیجا کہ بخت نصر کو قتل کر دے۔ ان کے خیال کے مطابق حضرت جبریل علیہ السلام نے اس آدمی کو قتل کرنے سے روک دیا۔[1]

بعض روایات میں ہے کہ خود یہودیوں نے نبی کریم ﷺ سے ان پانچ چیزوں کے متعلق سوال کیا تو آپ نے اس پس منظر میں مذکورہ آیت تلاوت فرمائی۔ وہ پانچ چیزیں درج ذیل ہیں: * حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے آپ پر کیا چیز حرام کی تھی؟ * نبوت کی علامتیں کیا ہیں؟ * رعد اور اس کی آواز کی کیا حقیقت ہے؟ * بچہ نر اور مادہ کیوں ہوتا ہے؟ * آسمان سے وحی کون لاتا ہے؟۔ بچے کا ننھیال یا ددھیال کی شکل وصورت اختیار کرنا رحم مادر میں پانی کے پہلے پہنچنے پر موقوف ہے اور اس کا نر یا مادہ ہونا پانی کے رحم میں پہنچ کر ایک دوسرے پر غالب آنے پر موقوف ہے اگر مرد کا پانی غالب آگیا تو نر بصورت دیگر مادہ ہو گا۔ اس کی حسب ذیل عام چار صورتیں ہیں:

(ا) رحم مادر میں آدمی کا پانی پہلے پہنچے اور غلبہ بھی اسی کے پانی کو ہو تو اس صورت میں بچہ نر اور ددھیال کی شکل اختیار کرے گا۔ (ب) رحم مادر میں عورت کا بیضہ پہلے پہنچ جائے اور غلبہ بھی اسی کو ہو تو اس صورت میں بچہ مادہ اور ننھیال اور صورت اختیار کرے گا۔ (ج) رحم مادر میں آدمی کا پانی پہلے پہنچ جائے لیکن غلبہ عورت کے پانی کو ہو تو اس صورت میں بچہ مادہ اور ددھیال کی شکل پر ہو گا۔ (د) رحم مادر میں عورت کا پانی پہلے پہنچ جائے لیکن غلبہ مرد کے پانی کو ہو تو اس صورت میں بچہ نر لیکن شکل ننھیال کی ہو گی۔

2. ﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ﴾[2]

(پس نہیں! تیرے رب کی قسم ہے! وہ مومن نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ تجھے اس میں فیصلہ کرنے والا مان لیں جو ان کے درمیان جھگڑا پڑ جائے۔)

((عَنْ عُرْوَةَ، قَالَ خَاصَمَ الزُّبَيْرُ رَجُلاً مِنَ الأَنْصَارِ فِي شَرِيجٍ مِنَ الْحَرَّةِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم " اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ ". فَقَالَ الأَنْصَارِيُّ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ فَتَلَوَّنَ وَجْهُهُ ثُمَّ قَالَ " اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ، ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ ". وَاسْتَوْعَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لِلزُّبَيْرِ حَقَّهُ فِي صَرِيحِ الْحُكْمِ حِينَ أَحْفَظَهُ الأَنْصَارِيُّ، كَانَ أَشَارَ عَلَيْهِمَا بِأَمْرٍ

---

1 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، 8/290۔

2 النساء: 65

لَهُمَا فِيهِ سَعَةٌ. قَالَ الزُّبَيْرُ فَمَا أَحْسِبُ هَذِهِ الآيَاتِ إِلاَّ نَزَلَتْ فِي ذَلِكَ ﴿فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾))[1]

(عروہ بن زبیر نے بیان کیا کہ زبیر رضی اللہ عنہ کا ایک انصاری صحابی سے مقام حرہ کی ایک نالی کے بارے میں جھگڑا ہو گیا (کہ اس سے کون اپنے باغ کو پہلے سینچنے کا حق رکھتا ہے) نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ زبیر! پہلے تم اپنے باغ سینچ لو پھر اپنے پڑوسی کو جلد پانی دے دینا۔ اس پر اس انصاری صحابی نے کہا: یا نبی کریم! اس لیے کہ یہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں؟ یہ سن کر نبی کریم ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا: زبیر! اپنے باغ کو سینچو اور پانی اس وقت تک روکے رکھو کہ منڈیر تک بھر جائے، پھر اپنے پڑوسی کے لیے اسے چھوڑو۔ (پہلے نبی کریم ﷺ نے انصاری کے ساتھ اپنے فیصلے میں رعایت رکھی تھی) لیکن اس مرتبہ آپ ﷺ نے زبیر رضی اللہ عنہ کو صاف طور پر ان کا پورا حق دے دیا کیونکہ انصاری نے ایسی بات کہی تھی۔ جس سے آپ کا غصہ ہونا قدرتی تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے پہلے فیصلہ میں دونوں کیلئے رعایت رکھی تھی۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میرا خیال ہے، یہ آیات اسی سلسلے میں نازل ہوئی تھیں ﴿فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (تیرے پروردگار کی قسم ہے کہ یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ اس جھگڑے میں جو ان کے آپس میں ہوں آپ کو حکم نہ بنالیں اور آپ کے فیصلے کو کھلے دل کے ساتھ برضا و رغبت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہوں۔)

مذکورہ قانون صرف منافق کے لئے نہیں بلکہ ساری امت کے لئے اور قیامت تک کے لئے ہے۔ قانون یہ ہے کہ جو مسلمان نبی کریم ﷺ کے ارشاد، حکم یا فیصلے کو دل وجان سے قبول کر لینے اور اس کے آگے سر تسلیم خم کر دینے پر آمادہ نہیں ہوتا وہ سرے سے مسلمان ہی نہیں ہے۔ رسول ﷺ کے ارشادات اور فیصلے کتب حدیث میں موجود ہیں اب جو شخص ان کے مقابلے میں کسی اور حاکم، عالم، پیر یا امام کی بات کو ترجیح دیتا ہے وہ بھی اسی وعید میں داخل ہو گا۔ یہ آیت کریمہ امت کے تمام اختلافات اور جھگڑوں میں فیصلہ کرنے میں ہمارے لئے رہنما اور کسوٹی ہے۔ مومن کی یہی نشانی ہے کہ جس مسئلے میں اسے صحیح حدیث مل جائے وہ خوشی خوشی اس پر عمل شروع کر دے۔ بظاہر آیت کریمہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص دوسرے کسی قانون کو باطل سمجھنے کے باوجود اس کی طرف رجوع کرے گا وہ مسلمان نہیں یا اگر کوئی شرعی فیصلے کو برحق سمجھنے کے باوجود دل میں تنگی محسوس کرتا ہے تو وہ بھی مسلمان نہیں، حالانکہ تنگی پر انسان کا اختیار نہیں ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ تحکیم، عدم حرج اور تسلیم کے تین درجے حسب ذیل ہیں: اعتقاد: اس کا نام ایمان ہے، اگر یہ نہیں تو عند اللہ کفر ہے اور اس کا مرتکب بھی کافر ہے۔ زبان: اس

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿ فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ﴾، حدیث 4585۔

کا نام اقرار ہے اگر اقرار نہیں تو عند الناس کافر ہے۔ عمل: اس کا نام تقویٰ اور اصلاح ہے اگر یہ نہیں تو فسق پایا جائے گا۔ آیت کریمہ میں چونکہ منافقین کا ذکر ہے اس لئے اس سے مراد پہلا مرتبہ ہے یعنی اس کے متعلق دل میں ایمان اور اس کی حقانیت کی تصدیق نہ ہو۔ اس سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ واضح رہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو جو پہلا حکم دیا تھا وہ صلح و آشتی پر مبنی تھا اور دوسرا حکم جس میں حضرت زبیر کو پورا پورا حق دیا گیا وہ عدل وانصاف کے تقاضے کے مطابق تھا۔ دراصل انصاری نے آپ پر سنگین الزام عائد کیا کہ نبی کریم ﷺ مروت ورواداری میں کبھی عدل نہیں کر سکتے، اس بنا پر آیت کریمہ میں سخت وعید ذکر کی گئی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ انصاری مخلص ہو لیکن اسے اس بات کا علم نہ ہو کہ ان پر ہر چھوٹے بڑے معاملے میں نبی کریم ﷺ کی اطاعت واجب ہے، اس لئے آیت کریمہ میں تنبیہ کر دی گئی۔

3. ﴿وَلَمَّا جَاءَ مُوسَى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرَانِي وَلَكِنِ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ﴾(1)

(اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر آیا اور اس کے رب نے اس سے کلام کیا تو اس نے کہا اے میرے رب! مجھے دکھا کہ میں تجھے دیکھوں۔ فرمایا تو مجھے ہرگز نہ دیکھے گا اور لیکن اس پہاڑ کی طرف دیکھ، سو اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا۔ تو جب اس کا رب پہاڑ کے سامنے ظاہر ہوا تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑا، پھر جب اسے ہوش آیا تو اس نے کہا تو پاک ہے، میں نے تیری طرف توبہ کی اور میں ایمان لانے والوں میں سب سے پہلا ہوں۔)

((عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ . رضى الله عنه . قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْيَهُودِ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَدْ لُطِمَ وَجْهُهُ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ رَجُلاً مِنْ أَصْحَابِكَ مِنَ الأَنْصَارِ لَطَمَ وَجْهِي. قَالَ " ادْعُوهُ ". فَدَعَوْهُ قَالَ " لِمَ لَطَمْتَ وَجْهَهُ ". قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي مَرَرْتُ بِالْيَهُودِ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ وَالَّذِي اصْطَفَى مُوسَى عَلَى الْبَشَرِ. فَقُلْتُ وَعَلَى مُحَمَّدٍ وَأَخَذَتْنِي غَضْبَةٌ فَلَطَمْتُهُ. قَالَ " لاَ تُخَيِّرُونِي مِنْ بَيْنِ الأَنْبِيَاءِ، فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيقُ، فَإِذَا أَنَا بِمُوسَى آخِذٌ بِقَائِمَةٍ مِنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ، فَلاَ أَدْرِي أَفَاقَ قَبْلِي أَمْ جُزِيَ بِصَعْقَةِ الطُّورِ "))(2)

---

1 الاعراف:143

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب ﴿وَلَمَّا جَاءَ مُوسَى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرَانِي وَلَكِنِ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ﴾، حدیث 4638-

(ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک یہودی نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس کے منہ پر کسی نے طمانچہ مارا تھا۔ اس نے کہا: اے محمد! آپ کے انصاری صحابہ میں سے ایک شخص نے مجھے طمانچہ مارا ہے۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ انہیں بلاؤ۔ لوگوں نے انہیں بلایا، پھر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان سے پوچھا تم نے اسے طمانچہ کیوں مارا ہے؟ اس نے عرض کیا: یا نبی کریم! میں یہودیوں کی طرف سے گزرا تو میں نے سنا کہ یہ کہہ رہا تھا۔ اس ذات کی قسم! جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی۔ میں نے کہا اور محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر بھی۔ مجھے اس کی بات پر غصہ آگیا اور میں نے اسے طمانچہ مار دیا۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس پر فرمایا کہ مجھے انبیاء پر فضیلت نہ دیا کرو۔ قیامت کے دن تمام لوگ بیہوش کر دیئے جائیں گے۔ سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا لیکن میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھوں گا کہ وہ عرش کا ایک پایہ پکڑے کھڑے ہوں گے اب مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے یا طور کی بے ہوشی کا انہیں بدلہ دیا گیا۔)

اس حدیث میں موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر بے ہوش ہونے کا ذکر ہے۔ اس کی تفصیل آیت بالا میں بیان ہو چکی ہے۔ اس آیت سے معتزلہ استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ دنیا میں ممکن ہے اور نہ آخرت ہی میں ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿لَنْ تَرَانِي﴾ (تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا)۔ اس میں ہمیشہ کی نفی ہے لیکن معتزلہ کا یہ موقف صحیح احادیث کے خلاف ہے۔ متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن اہل ایمان اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور جنت میں بھی دیدار الٰہی ہو گا۔ اس نفی رؤیت کا تعلق صرف دنیا سے ہے کہ دنیا میں کوئی آنکھ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے پر قادر نہیں ہے لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان آنکھوں میں اتنی قوت پیدا فرما دے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے جلوے کو برداشت کر سکیں گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ ☆ إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾(1)

(اس روز بہت سے چہرے خوش و خرم ہونگے اور اپنے رب سے محو دیدار ہونگے۔)

اللہ تعالیٰ کے موسیٰ علیہ السلام سے محو کلام ہونے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بغیر کسی واسطے کے سب زبانوں میں، ان کے لب و لہجے اور الفاظ و حروف میں کلام کر سکتا ہے۔

4. ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾(2)

---

1 القیامہ:22،23

2 الاعراف:158

(کہہ دے اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، وہ (اللہ) کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اس کی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، پس تم اللہ پر اور اس کے رسول نبی امی پر ایمان لاؤ، جو اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی پیروی کرو، تاکہ تم ہدایت پاؤ۔)

((حَدَّثَنِي أَبُو إِدْرِيسَ الْخَوْلاَنِيُّ، قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ، يَقُولُ كَانَتْ بَيْنَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ مُحَاوَرَةٌ، فَأَغْضَبَ أَبُو بَكْرٍ عُمَرَ، فَانْصَرَفَ عَنْهُ عُمَرُ مُغْضَبًا، فَاتَّبَعَهُ أَبُو بَكْرٍ يَسْأَلُهُ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لَهُ، فَلَمْ يَفْعَلْ حَتَّى أَغْلَقَ بَابَهُ فِي وَجْهِهِ، فَأَقْبَلَ أَبُو بَكْرٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ وَنَحْنُ عِنْدَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم " أَمَّا صَاحِبُكُمْ هَذَا فَقَدْ غَامَرَ ". قَالَ وَنَدِمَ عُمَرُ عَلَى مَا كَانَ مِنْهُ فَأَقْبَلَ حَتَّى سَلَّمَ وَجَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَقَصَّ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم الْخَبَرَ. قَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ وَغَضِبَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَجَعَلَ أَبُو بَكْرٍ يَقُولُ وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ لأَنَا كُنْتُ أَظْلَمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم " هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُو لِي صَاحِبِي هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُو لِي صَاحِبِي إِنِّي قُلْتُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا فَقُلْتُمْ كَذَبْتَ. وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ صَدَقْتَ قَالَ أَبُو عَبْد اللَّهِ غَامَرَ سَبَقَ بِالْخَيْرِ"))[1]

(ابو ادریس خولانی نے بیان کیا، کہا کہ میں نے ابو درداء رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان کچھ بحث سی ہو گئی تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ ابو بکر رضی اللہ عنہ پر غصہ ہو گئے اور ان کے پاس سے آنے لگے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی ان کے پیچھے پیچھے ہو گئے، معافی مانگتے ہوئے۔ لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں معاف نہیں کیا اور (گھر پہنچ کر) اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ اب ابو بکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ابو درداء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم لوگ اس وقت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے یہ صاحب (یعنی ابو بکر رضی اللہ عنہ) لڑ آئے ہیں۔ راوی نے بیان کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے طرز عمل پر نادم ہوئے اور نبی کریم ﷺ کی طرف چلے اور سلام کر کے آپ ﷺ کے قریب بیٹھ گئے۔ پھر نبی کریم ﷺ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ ابو درداء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آپ بہت ناراض ہوئے۔ ادھر ابو بکر رضی اللہ عنہ بار بار یہ عرض کرتے کہ یا نبی کریم! واقعی میری ہی زیادتی تھی۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ کیا تم لوگ مجھے میرے ساتھی سے جدا کرنا چاہتے ہو؟ کیا تم لوگ میرے ساتھی کو مجھ سے جدا کرنا چاہتے ہو؟ جب میں نے کہا تھا کہ اے انسانو! بیشک میں اللہ کا رسول ہوں، تم سب کی طرف، تو تم لوگوں نے کہا

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب: ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ لاَ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾، حدیث -4640

کہ تم جھوٹ بولتے ہو، اس وقت ابو بکر نے کہا تھا کہ آپ سچے ہیں۔ ابو عبد اللہ نے کہا «غامر » کے معنی حدیث میں یہ ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھلائی میں سبقت کی ہے۔)

اگرچہ لغوی طور پر غامر کے معنی جھگڑے میں داخل ہونا ہے لیکن امام بخاری ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی بھلائی میں سبقت کرنے والا ہے۔ چونکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا جھگڑا خیر وبھلائی سے متعلق تھا اس لئے امام بخاریؒ نے اس کے معنی سابق بالخیر سے کیے ہیں یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے معافی مانگنے میں سبقت کی ہے اس اعتبار سے وہ عمر فاروق پر سبقت لے گئے۔ بہر حال امام بخاریؒ یہ کا مقصد یہ ہے کہ غامر کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں اگرچہ جمہور محدثین سے یہ معنی منقول نہیں ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص بہت سے کمالات وفضائل کا مالک ہو اگر اس سے کوئی لغزش ہو جائے تو اسے نظر انداز کر دینا چاہیے چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی زیادتی کا اقرار بھی کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود نبی کریم ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اپنی ناراضی کا اظہار کر رہے ہیں اس بنا پر اگر بزرگوں سے کوئی غلطی ہو جائے تو خواہ مخواہ ان کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے ممکن ہے کہ بزرگوں کی بہت ساری نیکیاں بھی ہوں اور ان نیکیوں کی بدولت اللہ کے ہاں ان کا بہت بڑا مقام ہو کہ لغزش کی طرف اللہ تعالیٰ توجہ ہی نہ دے بلکہ طعن وتشنیع کرنے والوں کا مواخذہ ہو جائے۔ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اپنے متعلق وہی الفاظ استعمال کئے ہیں جو الفاظ آیت کریمہ میں آپ کے متعلق استعمال ہوئے ہیں اس لئے امام بخاریؒ نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔

5. ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴾[1]

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی اور رسول کی دعوت خوشی سے قبول کرو، جب وہ تمھیں اس چیز کے لیے دعوت دے جو تمھیں زندگی بخشتی ہے اور جان لو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان رکاوٹ بن جاتا ہے اور یہ کہ حقیقت یہ ہے کہ تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔)

((عَنْ أَبِي سَعِيدِ بْنِ الْمُعَلَّى ۔ رضى الله عنه ۔ قَالَ كُنْتُ أُصَلِّي فَمَرَّ بِي رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَدَعَانِي فَلَمْ آتِهِ حَتَّى صَلَّيْتُ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَقَالَ " مَا مَنَعَكَ أَنْ تَأْتِيَ أَلَمْ يَقُلِ اللَّهُ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾ ثُمَّ قَالَ لأُعَلِّمَنَّكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ أَخْرُجَ ". فَذَهَبَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم لِيَخْرُجَ فَذَكَرْتُ لَهُ. وَقَالَ مُعَاذٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ خُبَيْبٍ، سَمِعَ حَفْصًا،

1 الانفال:24

سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ، رَجُلاً مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِهَذَا، وَقَالَ هِيَ﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ السَّبْعُ الْمَثَانِي))[1]

(ابوسعید بن معلیؓ نے بیان کیا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے پکارا۔ میں آپ ﷺ کی خدمت میں نہ پہنچ سکا بلکہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ آنے میں دیر کیوں ہوئی؟ کیااللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم نہیں دیاہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ ﴾ کہ (اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی آواز پر لبیک کہو، جبکہ وہ (یعنی رسول) تم کو بلائیں۔) پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسجد سے نکلنے سے پہلے میں تمہیں قرآن کی عظیم ترین سورۃ سکھاؤں گا۔ تھوڑی دیر بعد آپ باہر تشریف لے جانے لگے تو میں نے آپ کو یاد دلایا اور معاذ بن معاذ عنبری نے اس حدیث کو یوں روایت کیا کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا، ان سے خبیب نے، انہوں نے حفص سے سنا اور انہوں نے ابوسعید بن معلی رضی اللہ عنہ جو نبی کریم ﷺ کے صحابی تھے، سنا اور انہوں نے بیان کیا وہ (سورۃ الفاتحہ) ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ہے جس میں سات آیتیں ہیں جو ہر نماز میں مکرر پڑھی جاتی ہیں۔)

مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ "السبع المثانی" سے مراد سورۃ الفاتحہ ہے جسے دوسری حدیث میں ام الکتاب بھی کہا گیا ہے یہی وہ سورت ہے جسے ہر نمازی اپنی نماز میں پڑھتا ہے۔ تمام قرآن میں کوئی دوسری سورت اس کا بدل نہیں اس کے بہت سے نام ہیں اور صلاۃ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اس سورت کا ہر نماز، خواہ نفل ہو یا سنت یا فرض، اکیلا ہو یا مقتدی ہو یا امام، اس کا پڑھنا ضروری ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ بہر حال سورۃ الفاتحہ بڑی شان و عظمت والی ہے۔ اس کی ہر ہر آیت معرفت اور توحید الٰہی کا عظیم دفتر اور عقائد و اعمال کا خزینہ ہے۔ واضح رہے کہ دوران نماز میں مطلق طور پر کلام حرام ہے لیکن نبی کریم ﷺ کی زندگی میں اگر آپ بلاتے تو جواب دینا لازمی تھا۔ علمائے حدیث نے حدیث جریج سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ والدین میں سے کسی ایک کے بلانے پر نفلی نماز کو توڑ کر فوراً حاضر خدمت ہو جانا چاہیے۔[2]

6. ﴿ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴾[3]

(اور اپنے سب سے قریب رشتہ داروں کو ڈرا۔)

---

1 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴾، حدیث 4647-

2 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، كتاب العمل في الصلاة، بَابُ إِذَا دَعَتِ الأُمُّ وَلَدَهَا فِي الصَّلاَةِ، حدیث 1206-

3 الشعراء: 214

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ـ رضى الله عنهما ـ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ صَعِدَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَلَى الصَّفَا فَجَعَلَ يُنَادِي " يَا بَنِي فِهْرٍ، يَا بَنِي عَدِيٍّ ". لِبُطُونِ قُرَيْشٍ حَتَّى اجْتَمَعُوا، فَجَعَلَ الرَّجُلُ إِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يَخْرُجَ أَرْسَلَ رَسُولاً لِيَنْظُرَ مَا هُوَ، فَجَاءَ أَبُو لَهَبٍ وَقُرَيْشٌ فَقَالَ " أَرَأَيْتَكُمْ لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلاً بِالْوَادِي تُرِيدُ أَنْ تُغِيرَ عَلَيْكُمْ، أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ ". قَالُوا نَعَمْ، مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلاَّ صِدْقًا. قَالَ " فَإِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَىْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ". فَقَالَ أَبُو لَهَبٍ تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ، أَلِهَذَا جَمَعْتَنَا فَنَزَلَتْ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ * مَا أَغْنَى عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ﴾))[1]

(ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب آیت ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الأَقْرَبِينَ ﴾(اور آپ اپنے خاندانی قرابت داروں کوڈراتے رہیں۔)نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور پکارنے لگے۔ اے بنی فہر!اور اے بنی عدی!اور قریش کے دوسرے خاندان والو!اس آواز پر سب جمع ہو گئے اگر کوئی کسی وجہ سے نہ آسکا تو اس نے اپنا کوئی چودھری بھیج دیا، تاکہ معلوم ہو کہ کیا بات ہے۔ ابولہب قریش کے دوسرے لوگوں کے ساتھ مجمع میں تھا۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں خطاب کر کے فرمایا کہ تمہارا کیا خیال ہے، اگر میں تم سے کہوں کہ وادی میں (پہاڑی کے پیچھے)ایک لشکر ہے اور وہ تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات سچ مانو گے؟سب نے کہا کہ ہاں، ہم آپ کی تصدیق کریں گے ہم نے ہمیشہ آپ کو سچا ہی پایا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پھر سنو، میں تمہیں اس سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو بالکل سامنے ہے۔ اس پر ابولہب بولا، تجھ پر سارے دن تباہی نازل ہو، کیا تو نے ہمیں اسی لیے اکٹھا کیا تھا۔ اسی واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ * مَا أَغْنَى عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ﴾[2] (ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ برباد ہو گیا، نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی ہی اس کے آڑے آئی۔)

7. ﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾[3]

(یہ نبی مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھنے والا ہے اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔)

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ـ رضى الله عنه ـ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ " مَا مِنْ مُؤْمِنٍ إِلاَّ وَأَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِهِ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، اقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ ﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ ﴾ فَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ تَرَكَ مَالاً فَلْيَرِثْهُ عَصَبَتُهُ مَنْ كَانُوا، فَإِنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضَيَاعًا فَلْيَأْتِنِي وَأَنَا مَوْلاَهُ"))[4]

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب ﴿ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الأَقْرَبِينَ * وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ ﴾ أَلِنْ جَانِبَكَ ، حدیث4770-

2 اللھب:1-2

3 الاحزاب:6

4 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، بَابُ: ﴿ النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ ،حدیث 4781-

(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کوئی مومن ایسا نہیں کہ میں خود اس کے نفس سے بھی زیادہ اس سے اور آخرت میں تعلق نہ رکھتا ہوں، اگر تمہارا جی چاہے تو یہ آیت پڑھ لو: ﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ ﴾ کہ (نبی مؤمنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہے۔) پس جو مومن بھی (مرنے کے بعد) ترکہ مال واسباب چھوڑے اور کوئی ان کا ولی وارث نہیں ہے اس کے عزیز و اقارب جو بھی ہوں، اس کے مال کے وارث ہوں گے، لیکن اگر کسی مومن نے کوئی قرض چھوڑا ہے یا اولاد چھوڑی ہے تو وہ میرے پاس آجائیں ان کا ذمہ دار میں ہوں۔)

دینی اعتبار سے بھی نبی کریم ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ اہل ایمان کے خیر خواہ ہیں کیونکہ انہیں آپ ﷺ ہی کے ذریعے سے ہدایت کا راستہ ملا ہے جس میں ہماری دنیوی اور اخروی کامیابی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی اس حد درجہ خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ تمام مسلمان بھی آپ کا دوسرے سب لوگوں سے بڑھ کر احترام کریں اور آپ کی اطاعت کو بجالائیں تاکہ آپ کی تعلیم وتربیت سے پوری طرح فیض یاب ہوا جاسکے جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ))[1] (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اسے میرے ساتھ، اپنی اولاد، اپنے والدین اور سب لوگوں سے زیادہ محبت نہ ہو۔)

8. ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴾[2]

(اے نبی! بے شک ہم نے تجھے گواہی دینے والا اور خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔)

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ ۔ رضی الله عنهما ۔ أَنَّ هَذِهِ، الآيَةَ الَّتِي فِي الْقُرْآنِ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾ قَالَ فِي التَّوْرَاةِ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَحِرْزًا لِلأُمِّيِّينَ، أَنْتَ عَبْدِي وَرَسُولِي سَمَّيْتُكَ الْمُتَوَكِّلَ لَيْسَ بِفَظٍّ وَلاَ غَلِيظٍ وَلاَ سَخَّابٍ بِالأَسْوَاقِ وَلاَ يَدْفَعُ السَّيِّئَةَ بِالسَّيِّئَةِ وَلَكِنْ يَعْفُو وَيَصْفَحُ وَلَنْ يَقْبِضَهُ اللَّهُ حَتَّى يُقِيمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ بِأَنْ يَقُولُوا لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ فَيَفْتَحَ بِهَا أَعْيُنًا عُمْيًا وَآذَانًا صُمًّا وَقُلُوبًا غُلْفًا.))[3]

(عبداللہ بن عمرو بن عاص نے کہ یہ آیت جو قرآن میں ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴾ (اے نبی! بیشک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔) تو نبی کریم ﷺ کے متعلق یہی اللہ تعالیٰ نے توریت میں بھی فرمایا تھا "اے نبی! بیشک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا

---

1 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، الایمان، بَابُ حُبُّ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الإِيمَانِ، حدیث 15-

2 الاحزاب: 45

3 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، بَابُ: ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴾، حدیث 4838-

اور ان پڑھوں (عربوں) کی حفاظت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ آپ میرے بندے ہیں اور میرے رسول ہیں۔ میں نے آپ کا نام متوکل رکھا، آپ نہ بد خو ہیں اور نہ سخت دل اور نہ بازاروں میں شور کرنے والے اور نہ وہ برائی کا بدلہ برائی سے دیں گے بلکہ معافی اور درگزر سے کام لیں گے اور اللہ ان کی روح اس وقت تک قبض نہیں کرے گا جب تک کہ وہ کج قوم (عربی) کو سیدھا نہ کرلیں یعنی جب تک وہ ان سے ﴿لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ ﴾ کا اقرار نہ کرالیں پس اس کلمہ توحید کے ذریعہ وہ اندھی آنکھوں کو اور بہرے کانوں کو اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کو کھول دیں گے۔)

حضرت کعبؓ سے مروی حدیث میں یہ الفاظ زائد ہیں: ((مَوْلِدُهُ بِمَكَّةَ ، وَمُهَاجِرُهُ بِطَيْبَةَ ، وَمُلْكُهُ بِالشَّامِ))[1] اس کی جائے پیدائش مکہ مکرمہ میں اور ہجرت گاہ مدینہ طیبہ ہو گا اور اس کا ملک شام ہو گا۔ دوسری سطر میں یہ ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اس کی امت کا لقب "الحمادون"[2] ہے جو خوشی اور پریشان میں اللہ کی حمد کرنے والے بلکہ ہر جگہ میں اس کی تعریف کے گیت گانے والے ہوں گے۔ اس کی بادشاہت شام تک ہو گی اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کا دائرہ دن بدن وسیع ہوتا جائے گا۔

9. ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾[3]

(بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اس پر صلوٰۃ بھیجو اور سلام بھیجو، خوب سلام بھیجنا۔)

((عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ . رضى الله عنه . قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَمَّا السَّلاَمُ عَلَيْكَ فَقَدْ عَرَفْنَاهُ فَكَيْفَ الصَّلاَةُ قَالَ " قُولُوا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ "))[4]

(سیدنا کعب بن عجرہؓ نے کہ عرض کیا گیا: یا نبی کریم! آپ پر سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو گیا ہے، لیکن آپ پر ((صلاۃ)) کا کیا طریقہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یوں پڑھا کرو:

((اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ))

اسی طرح امام بخاریؒ ایک اور روایت میں بیان کرتے ہیں:

---

1 دارمی، ابو محمد، عبداللہ بن عبدالرحمٰن، سنن الدارمی (لاہور: انصار السنۃ پبلیکیشنز، س ن) مقدمہ، ج 1 حدیث 5-

2 دارمی، ابو محمد، عبداللہ بن عبدالرحمٰن، سنن الدارمی، مقدمہ، ج 1 حدیث 5-

3 الاحزاب: 56

4 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب قَوْلِهِ ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلاَئِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾ ، حدیث 4797-

((عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذَا التَّسْلِيمُ فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ قَالَ " قُولُوا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ ".))[1]

(ہم سے عبد اللہ بن یوسف نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے لیث بن سعد نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھ سے ابن الہاد نے بیان کیا، ان سے عبد اللہ بن خباب نے اور ان سے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے عرض کیا: یا نبی کریم! آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو گیا ہے۔ لیکن صلاۃ (درود) بھیجنے کا کیا طریقہ ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یوں کہا کرو((اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ)))

ایک روایت میں نبی کریم ﷺ کی ازواج اور آپ کی ذریت کے الفاظ بھی ہیں۔ مثلا:

((اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ ".))[2]

(اے اللہ! محمد اور آپ کی ازواج اور آپ کی اولاد پر اپنی رحمت نازل کر جیسا کہ تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحمت نازل کی اور محمد اور ان کی ازواج اور ان کی اولاد پر برکت نازل کر، جیسا کہ تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر برکت نازل کی۔ بلاشبہ تو تعریف کیا گیا شان و عظمت والا ہے۔)

بہر حال درود کے مختلف الفاظ کتب حدیث میں آئے ہیں اس لئے درود ضرور پڑھنا چاہیے لیکن مسنون الفاظ کے ساتھ پڑھا جائے۔ ہمارے ہاں جو مسنون درود پڑھا جاتا ہے اس کے الفاظ صحیح بخاری میں ہیں۔

((اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ، وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ ".))[3]

(اے اللہ! اپنی رحمت نازل فرما محمد ﷺ پر اور آل محمد ﷺ پر جیسا کہ تو نے اپنی رحمت نازل فرمائی ابراہیم پر اور آل ابراہیم علیہ السلام پر۔ بیشک تو بڑی خوبیوں والا اور بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! برکت نازل فرما محمد پر

---

1 بخاری، ابوعبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب قَوْلِهِ ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلاَئِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾، حدیث 4798-

2 ایضاً، کتاب الدعوات، بَابُ هَلْ يُصَلَّى عَلَى غَيْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حدیث 6360-

3 ایضاً ، كِتَاب أَحَادِيثِ الْأَنْبِيَاءِ، حدیث 3370-

اور آل محمد پر جیسا کہ تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیم پر اور آل ابراہیم پر۔ بیشک تو بڑی خوبیوں والا اور بڑی عظمت والا ہے۔)

مسنون درود پڑھنے کے بہت فضائل ہیں جیسا کہ درج ذیل احادیث سے معلوم ہوتا ہے: نبی کریم ﷺ وسلم نے فرمایا:((مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا))[1](جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمایا ہے۔)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلاَةً وَاحِدَةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحُطَّتْ عَنْهُ عَشْرُ خَطِيئَاتٍ وَرُفِعَتْ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ))[2](جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے، اس کے دس گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور اس کے دس درجات بلند ہو جاتے ہیں۔)

آپ ﷺ نے فرمایا:((أَوْلَى النَّاسِ بِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلاَةً))[3](مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجنے والا شخص قیامت کے دن میرے سب سے زیادہ قریب ہو گا۔)

نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا:((الْبَخِيلُ الَّذِي مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ))[4](جس شخص کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے تو وہ انتہائی کنجوس اور بخیل ہے۔)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ((إِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ لاَ يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتَّى تُصَلِّيَ عَلَى نَبِيِّكَ صلى الله عليه وسلم))[5](جب تک تم اپنے نبی ﷺ پر درود نہ بھیجو تو تمہاری دعا آسمان وزمین کے درمیان موقوف رہتی ہے وہ اوپر نہیں چڑھتی۔)

10. ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ﴾[6]

(وہ تو ایک شدید عذاب سے پہلے محض تمھیں ڈرانے والا ہی ہے۔)

---

1 قشیری، ابو الحسین، مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، كِتَاب الصَّلاَةِ، باب الصَّلاَةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ التَّشَهُّدِ، حدیث 912(408)۔

2 نسائی، ابو عبد الرحمن، احمد بن شعیب، **السنن**، کتاب السهو، بَابُ الْفَضْلِ فِي الصَّلاَةِ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، حدیث 1298- علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت "صحیح" ہے۔

3 ترمذی، ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، **السنن**، أبواب الوتر، باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّلاَةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حدیث 484- علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت "حسن" ہے۔

4 ایضاً، کتاب الدعوات عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب قَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ، حدیث 3546- علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت "صحیح" ہے۔

5 ایضاً، أبواب الوتر، باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّلاَةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حدیث 486- علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت "حسن" ہے۔

6 سباء:46

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ـ رضى الله عنهما ـ قَالَ صَعِدَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الصَّفَا ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ " يَا صَبَاحَاهْ " فَاجْتَمَعَتْ إِلَيْهِ قُرَيْشٌ قَالُوا مَا لَكَ قَالَ " أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ الْعَدُوَّ يُصَبِّحُكُمْ أَوْ يُمَسِّيكُمْ أَمَا كُنْتُمْ تُصَدِّقُونِي". قَالُوا بَلَى. قَالَ " فَإِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَىْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ". فَقَالَ أَبُو لَهَبٍ تَبًّا لَكَ أَلِهَذَا جَمَعْتَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ ﴾))[1]

(ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ایک دن نبی کریم ﷺ صفا پہاڑی پر چڑھے اور پکارا: یاصباحاہ! (لوگو دوڑو) اس آواز پر قریش جمع ہو گئے اور پوچھا کیا بات ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری کیا رائے ہے اگر میں تمہیں بتاؤں کہ دشمن صبح کے وقت یا شام کے وقت تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری بات کی تصدیق نہیں کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کی تصدیق کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر میں تم کو سخت ترین عذاب (دوزخ) سے پہلے ڈرانے والا ہوں۔ ابولہب (مردود) بولا تو ہلاک ہو جا، کیا تو نے اسی لیے ہمیں بلایا تھا۔ اس پر اللہ پاک نے آیت﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ﴾نازل فرمائی۔)

قریش مکہ نبی کریم ﷺ کو دیوانہ کہتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمہارے خیال کے مطابق میں اس لئے دیوانہ ہوں کہ میں تمہیں اس بات سے آگاہ کر رہا ہوں کہ جو طریق زندگی تم نے اختیار کیا ہے وہ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے اور اس کے برے انجام سے میں تمہیں ڈرا رہا ہوں اور اگر میں اس کے برعکس یہ کہہ دیتا کہ تم لوگ بہت ٹھیک جا رہے ہو تب تم مجھے فرزانہ قرار دیتے اور اگر میں تمہیں چند ٹھوس حقائق کی اطلاع دیتا ہوں تو تم مجھے دیوانہ کہنے لگے ہو۔ خدارا! کچھ غور و فکر کرو اور عقل کے ناخن لو۔

11. ﴿ وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴾[2]

(اور بلاشبہ یونس یقیناً رسولوں میں سے تھا۔)

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، رضى الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم "مَا يَنْبَغِي لأَحَدٍ أَنْ يَكُونَ خَيْرًا مِنِ ابْنِ مَتَّى"))[3]

(عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کسی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ یونس بن متی علیہ السلام سے بہتر ہونے کا دعویٰ کرے۔)

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿إِنْ هُوَ إِلاَّ نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ﴾، حدیث 4801-

2 الصافات: 139

3 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴾، حدیث 4804-

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:((مَنْ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى فَقَدْ كَذَبَ))[1]

(جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں یونس بن متی علیہ السلام سے بہتر ہوں وہ جھوٹا ہے۔)

مذکورہ بالا حدیث میں ہے کہ "میں یونس بن متی سے بہتر ہوں" اس میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ اس سے مراد خود نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ہیں، دوسرا یہ کہ اس سے مراد خود متکلم ہے دیگر احادیث سے دوسرے احتمال کی تائید ہوتی ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ((وَلاَ أَقُولُ إِنَّ أَحَدًا أَفْضَلُ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى عَلَيْهِ السَّلاَمُ))[2](میں یہ نہیں کہتا کہ کوئی یونس بن متی سے افضل ہے۔)

ایک حدیث قدسی کے الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ((لاَ يَنْبَغِي لِعَبْدٍ لِي أَنْ يَقُولَ أَنَا خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى عَلَيْهِ السَّلاَمُ))[3](میرے کسی بندے کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ یوں کہے: میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔)

دراصل یہ حضرت یونس علیہ السلام کی اجتہادی غلطی تھی جس کی وجہ سے وہ مچھلی کے پیٹ میں گئے تھے، اور یہ ہر انسان بلکہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی ممکن ہے لیکن مقربین کی چھوٹی سی غلطی اور لغزش بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی اور قابل مواخذہ ہوتی ہے اس بنا پر ان کی گرفت ہو گئی تاہم ایسی لغزشوں کو سامنے رکھ کر کسی کے لئے کردار کشی کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

12. ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾[4]

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔)

((أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ، أَخْبَرَهُمْ أَنَّهُ، قَدِمَ رَكْبٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ أَمِّرِ الْقَعْقَاعَ بْنَ مَعْبَدٍ. وَقَالَ عُمَرُ بَلْ أَمِّرِ الأَقْرَعَ بْنَ حَابِسٍ. فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ مَا أَرَدْتَ إِلَى .

---

1 ایضاً، حدیث 4805-

2 قشیری، ابو الحسین، مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، كِتَاب الْفَضَائِلِ، باب مِنْ فَضَائِلِ مُوسَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حدیث 6151(2373)-

3 ایضاً، باب فِي ذِكْرِ يُونُسَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ وَقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لاَ يَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَقُولَ أَنَا خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى»، حدیث 6159(2376)-

4 الحجرات:1

أَوْ إِلاَّ . خِلاَفِي. فَقَالَ عُمَرُ مَا أَرَدْتُ خِلاَفَكَ. فَتَمَارَيَا حَتَّى ارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا، فَنَزَلَ فِي ذَلِكَ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ﴾حَتَّى انْقَضَتِ الآيَةُ.))[1]

(عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ قبیلہ بنی تمیم کے سواروں کا وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کا امیر آپ قعقاع بن معبد کو بنا دیں اور عمر رضی اللہ عنہ نے کہا بلکہ اقرع بن حابس کو امیر بنائیں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس پر کہا کہ مقصد تو صرف میری مخالفت ہی کرنا ہے۔ عمر نے کہا کہ میں نے آپ کے خلاف کرنے کی غرض سے یہ نہیں کہا ہے۔ اس پر دونوں میں بحث چلی گئی اور آواز بھی بلند ہو گئی۔ اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ (اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول سے پہلے کسی کام میں جلدی مت کیا کرو۔)

مذکورہ ادب اگرچہ نبی کریم ﷺ کی مجلس کے لئے سکھایا گیا ہے اور اس کے مخاطب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں یا وہ لوگ جو آپ کے زمانے میں موجود تھے اور یہ ادب اس لئے سکھایا گیا کہ نبی کریم ﷺ کی شخصیت کو ایک عام اور معمولی آدمی خیال نہ کریں بلکہ وہ یہ سمجھیں کہ اللہ کے رسول کی مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ اللہ کے رسول اور اس کے مستند نمائندے ہیں جن کی شان دنیا کے افسروں اور بادشاہوں سے بہت ارفع اور اعلیٰ ہے تاہم اس حکم کا اطلاق ایسے مواقع پر بھی ہوتا ہے جہاں آپ کے ارشادات، معمولات اور آپ کا اخلاق و کردار بیان ہو رہا ہو، یا آپ کی احادیث پڑھی، پڑھائی جارہی ہوں۔

13. ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ ﴾[2]

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنی آوازیں نبی کی آواز کے اوپر بلند نہ کرو۔)

((عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، قَالَ كَادَ الْخَيِّرَانِ أَنْ يَهْلِكَا أَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، لَمَّا قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَفْدُ بَنِي تَمِيمٍ، أَشَارَ أَحَدُهُمَا بِالأَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ الْحَنْظَلِيِّ أَخِي بَنِي مُجَاشِعٍ، وَأَشَارَ الآخَرُ بِغَيْرِهِ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ لِعُمَرَ إِنَّمَا أَرَدْتَ خِلاَفِي. فَقَالَ عُمَرُ مَا أَرَدْتُ خِلاَفَكَ. فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَنَزَلَتْ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿عَظِيمٌ ﴾.))[3]

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب التفسیر، باب: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لاَ يَعْقِلُونَ ﴾، حدیث -4847

2 الحجرات:2

3 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّعَمُّقِ وَالتَّنَازُعِ فِي الْعِلْمِ وَالْغُلُوِّ فِي الدِّينِ وَالْبِدَعِ ، حدیث 7302-

(ابن ابی ملکیہ نے بیان کیا کہ امت کے دو بہترین انسان قریب تھا کہ ہلاک ہو جاتے (یعنی ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) جس وقت نبی کریم ﷺ کے پاس بنی تمیم کا وفد آیا تو ان میں سے ایک صاحب (عمر رضی اللہ عنہ) نے بنی مجاشع میں سے اقرع بن حابس حنظلی رضی اللہ عنہ کو ان کا سردار بنائے جانے کا مشورہ دیا (تو انہوں نے یہ درخواست کی کہ کسی کو ہمارا سردار بنا دیجئے) اور دوسرے صاحب (ابو بکر رضی اللہ عنہ) نے دوسرے (قعقاع بن سعید بن زرارہ) کو بنائے جانے کا مشورہ دیا۔ اس پر ابو بکر نے عمر سے کہا کہ آپ کا مقصد صرف میری مخالفت کرنا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری نیت آپ کی مخالفت کرنا نہیں ہے اور نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں دونوں بزرگوں کی آواز بلند ہو گئی۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿عَظِيمٌ﴾ (اے لوگوں! جو ایمان لے آئے ہو اپنی آواز کو بلند نہ کرو) ارشاد خداوندی (عظیم) تک۔)

امام بخاریؒ کا قائم کیا ہوا عنوان کئی اجزا پر مشتمل ہے، ان میں سے ایک "بلاوجہ جھگڑا" کرنا ہے، چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر کا حدیث میں مذکور جھگڑا اور اختلاف نبی کریم ﷺ کے سامنے ہوا جب حضرت عمر فاروق نے اقرع بن حابس کو امیر بنانے کا مشورہ دیا اور حضرت ابو بکر صدیق نے کہا کہ قعقاع بن معبد کو امیر بنایا جائے۔ اس دوران میں ان دونوں بزرگوں کی آوازیں بلند ہوئیں تو فرشتہ وحی خدمت میں آیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیات نازل ہوئیں کہ نبی کریم کی موجودگی میں کسی کو از خود مشورہ دینے کی اجازت نہیں اور نہ ہی آپ ﷺ کے سامنے اونچی آواز سے گفتگو کرنا ہی دوست ہے۔ بہر حال یہ حدیث اپنے عنوان سے اس طرح مطابقت رکھتی ہے کہ اس میں تنازع کا ذکر ہے کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اس بات پر جھگڑ رہے تھے کہ اقرع بن حابس اور قطاع بن معبد بن زرارہ میں سے کس کو امیر بنایا جائے۔

14. ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾[1]

(اور رسول تمھیں جو کچھ دے تو وہ لے لو اور جس سے تمھیں روک دے تو رک جاؤ)

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ لَعَنَ اللَّهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُوتَشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللَّهِ. فَبَلَغَ ذَلِكَ امْرَأَةً مِنْ بَنِي أَسَدٍ يُقَالُ لَهَا أُمُّ يَعْقُوبَ، فَجَاءَتْ فَقَالَتْ إِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّكَ لَعَنْتَ كَيْتَ وَكَيْتَ. فَقَالَ وَمَا لِي لاَ أَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَمَنْ هُوَ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَقَالَتْ لَقَدْ قَرَأْتُ مَا بَيْنَ اللَّوْحَيْنِ فَمَا وَجَدْتُ فِيهِ مَا تَقُولُ. قَالَ لَئِنْ كُنْتِ قَرَأْتِيهِ لَقَدْ وَجَدْتِيهِ، أَمَا قَرَأْتِ ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾. قَالَتْ بَلَى. قَالَ فَإِنَّهُ قَدْ نَهَى عَنْهُ. قَالَتْ فَإِنِّي أَرَى

---

1 الحشر:7

أَهْلَكَ يَفْعَلُونَهُ. قَالَ فَاذْهَبِي فَانْظُرِي. فَذَهَبَتْ فَنَظَرَتْ فَلَمْ تَرَ مِنْ حَاجَتِهَا شَيْئًا، فَقَالَ لَوْ كَانَتْ كَذَلِكَ مَا جَامَعْتُهَا))[1]

(عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے گودوانے والیوں اور گودنے والیوں پر لعنت بھیجی ہے چہرے کے بال اکھاڑنے والیوں اور حسن کے لیے آگے کے دانتوں میں کشادگی کرنے والیوں پر لعنت بھیجی ہے کہ یہ اللہ کی پیدا کی ہوئی صورت میں تبدیلی کرتی ہیں۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ کلام قبیلہ بنی اسد کی ایک عورت کو معلوم ہوا جو ام یعقوب کے نام سے معروف تھی وہ آئی اور کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے اس طرح کی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے؟ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا آخر کیوں نہ میں انہیں لعنت کروں جنہیں نبی کریم ﷺ نے لعنت کی ہے اور جو کتاب اللہ کے حکم کے مطابق ملعون ہے۔ اس عورت نے کہا کہ قرآن مجید تو میں نے بھی پڑھا ہے لیکن آپ جو کچھ کہتے ہیں میں نے تو اس میں کہیں یہ بات نہیں دیکھی۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم نے بغور پڑھا ہوتا تو تمہیں ضرور مل جاتا کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ کہ (رسول ﷺ تمہیں جو کچھ دیں لے لیا کرو اور جس سے تمہیں روک دیں، رک جایا کرو۔) اس نے کہا کہ پڑھی ہے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر نبی کریم ﷺ نے ان چیزوں سے روکا ہے۔ اس پر عورت نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ آپ کی بیوی بھی ایسا کرتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اچھا جاؤ اور دیکھ لو۔ وہ عورت گئی اور اس نے دیکھا لیکن اس طرح کی ان کے یہاں کوئی معیوب چیز اسے نہیں ملی۔ پھر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میری بیوی اسی طرح کرتی تو بھلا وہ میرے ساتھ رہ سکتی تھی؟ ہر گز نہیں۔)

ام یعقوب نامی عورت نے حضرت عبد اللہ بن مسعود کا استدلال سن کر اس بات کا اقرار کیا کہ واقعی نبی کریم ﷺ کا فرمان اللہ تعالی کا فرمان ہے اور نبی کریم ﷺ کی منع کردہ چیز اللہ تعالی کی منع کردہ چیز ہے۔ تمام صحابہ کرام) کا یہی فہم تھا جو انھوں نے نبی کریم ﷺ سے حاصل کیا تھا، یعنی سنت رسول سے بھی شریعت کا حصہ ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے ارشادات کو کتاب اللہ ہی کا حصہ شمار کرتے تھے، اس بناپر جو کوئی سنت یا حدیث کی حجیت کا منکر ہے وہ دراصل قرآن کا منکر ہے۔

15. ﴿وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ﴾[2]

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ﴾، حدیث 4886-

2 الصف: 6

(اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل! بلاشبہ میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں، اس کی تصدیق کرنے والا ہوں جو مجھ سے پہلے تورات کی صورت میں ہے اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں، جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہے۔ پھر جب وہ ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آیا تو انھوں نے کہا یہ کھلا جادو ہے۔)

((أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيهِ ـ رضى الله عنه ـ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ " إِنَّ لِي أَسْمَاءً، أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَنَا أَحْمَدُ، وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللَّهُ بِيَ الْكُفْرَ، وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدَمِي، وَأَنَا الْعَاقِبُ"))[1]

(محمد بن جبیر بن مطعم نے خبر دی اور ان سے ان کے والد جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرمارہے تھے کہ میرے کئی نام ہیں۔ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کفر کو مٹا دے گا اور میں حاشر ہوں کہ اللہ تعالیٰ سب کو حشر میں میرے بعد جمع کرے گا اور میں عاقب ہوں۔ یعنی سب پیغمبروں کے بعد دنیا میں آنے والا ہوں۔)

لفظ احمد کے دو معنی ہیں: ایک معنی اپنے پروردگار کی بہت زیادہ حمد کرنے والا۔ دوسرا معنی جس کی بندوں میں سب سے زیادہ تعریف کی گئی ہو۔ نبی کریم ﷺ ان دونوں معنوں کا مصداق ہیں اور یہ دونوں صفات آپ کی ذات اقدس میں پائی جاتی ہے لیکن موجودہ تورات وانجیل میں یہ نام نہیں ہیں کیونکہ ان میں تحریف کر دی گئی ہے۔ تحریف کے باوجود اس میں نبی کریم ﷺ کی ایسی واضح صفات اب بھی مذکور ہیں جن کے پیش نظر آپ کو پہچانا جا سکتا ہے۔ اہل کتاب میں بعض منصف مزاج لوگ انہی صفات کی بنا پر ایمان بھی لے آئے تھے جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن سلامؓ کا واقعہ مشہور ہے۔ شاہ حبشہ حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ نے بھی ان صفات کی تصدیق کی تھی۔ نیز اس حدیث میں آپ ﷺ کا ایک نام عاقب بھی بیان ہوا ہے۔ اور عاقب کا معانی سب نبیوں کے بعد آنے والا، یعنی اس حدیث میں آپ ﷺ کی ختم نبوت کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

خلاصہ بحث

عقائد اسلام میں توحید کے بعد رسالت ہے، رسالت کے بغیر اسلامی تعلیمات پر عمل ممکن نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کا سلسلہ سیدنا آدم علیہ السلام سے شروع کیا اور اس کا اختتام سیدنا محمد ﷺ پر کیا ہے۔ انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوتے ہیں اور ان کا مشن تبلیغ الہی ہے، تاکہ امت ہدایت کی راہ ر گامزن ہو سکے۔

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ﴾، حدیث 4896-

انبیاء کرام کا انداز تبلیغ کچھ یوں ہے کہ کبھی وہ جنت کی بشارت اور خوشخبری دیتے ہیں اور کبھی اللہ تعالیٰ کے عذاب اور گرفت سے ڈراتے ہیں۔

انبیاء کرام میں سے آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہیں، اور آپ ﷺ کے بعد کوئی اور نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ امت مسلمہ کے لیے لازم ہے کہ وہ تمام انبیاء کرام پر ایمان لائے اور آپ ﷺ پر ایمان بھی اور خاتم النبیین بھی تسلیم کرے۔ امت مسلمہ کے لیے لازم ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی عزت و تکریم کرے، کیونکہ ان سے اونچی آواز میں بات کرنے سے بھی منع کر دیا گیا ہے۔ عزت و تکریم کا انداز یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی اطاعت کی جائے، آپ پر درود بھیجا جائے، آپ کی ازواج کی عزت بھی لازم ہے کیونکہ آپ کی ازواج مومنوں کی مائیں ہیں، اور ماں کی عزت کرنا لازم ہے۔ آپ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور آپ ﷺ کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ لہذا امت مسلمہ کے لیے لازم ہے کہ آپ ﷺ کی فرماں برداری کرے، تاکہ وہ دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہو سکے۔ رسالت مآب ﷺ جس چیز سے منع کریں اس سے رک جانا چاہیے اور جس چیز کا حکم دیں اس کو اپنا لینا چاہیے۔ اور اگر کوئی بھی اختلاف ہو جائے تو فیصلہ نبی کریم ﷺ سے کروایا جائے، اور جس کو آپ کا فیصلہ منظور نہ ہو، گویا وہ مومن نہیں۔

مبحث دوم:

الکافی کی رسالت سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

رسالت پر ایمان لانے سے مراد انبیاء کرام علیہم السلام کے مبعوث ہونے پر ایمان لانا ہے، اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو مختلف امتوں کی طرف بھیجا تھا، کوئی نبی کسی ایک علاقے کے لیے مخصوص تھے اور کوئی کسی ایک بستی کی طرف مبعوث ہوئے، لیکن جب نبی کریم ﷺ کی باری آئی تو اللہ تعالیٰ یہ قانون و دستور ختم کر دیا، بلکہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک لے لوگوں کی رہنمائی اور رشد و ہدایت کے لیے منتخب کیا ہے۔ امام کلینیؒ نے الکافی میں رسالت سے متعلق تفسیری احادیث و آثار کو پیش کیا ہے، جن کو ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

1. ﴿ إِنِّي جاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِماماً ﴾[1]

(بے شک میں تجھے لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔)

((عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِنَانٍ ، عَنْ زَيْدٍ الشَّحَّامِ ، قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام يَقُولُ : « إِنَّ اللهَ - تَبَارَكَ وَتَعَالَى - اتَّخَذَ إِبْرَاهِيمَ عليه‌السلام عَبْداً قَبْلَ أَنْ يَتَّخِذَهُ نَبِيّاً ، وَإِنَّ اللهَ اتَّخَذَهُ نَبِيّاً قَبْلَ أَنْ يَتَّخِذَهُ رَسُولاً ، وَإِنَّ اللهَ اتَّخَذَهُ رَسُولاً قَبْلَ أَنْ يَتَّخِذَهُ خَلِيلاً ، وَإِنَّ اللهَ اتَّخَذَهُ خَلِيلاً قَبْلَ أَنْ يَجْعَلَهُ إِمَاماً ، فَلَمَّا جَمَعَ لَهُ الْأَشْيَاءَ ، قَالَ : ﴿ إِنِّي جاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِماماً ﴾ قَالَ : « فَمِنْ عِظَمِهَا فِي عَيْنِ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: ﴿ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قالَ لا يَنالُ عَهْدِي الظّالِمِينَ﴾» ، قَالَ : « لَا يَكُونُ السَّفِيهُ إِمَامَ التَّقِيِّ »))[2]

(محمد بن خالد نے محمد بن سنان سے انہوں نے زید بن الاشہام سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے سنا وہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو نبی بنانے سے پہلے اپنا عبد قرار دیا پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بنایا پھر آپ کو رسول قرار دیا پھر رسول کے بعد آپ کو اپنا خلیل بنایا پھر خلیل کے بعد آپ کو لوگوں کا امام قرار دیا جب سارے عہدے آپ کے پاس جمع ہو گئے تو اللہ نے فرمایا: اے ابراہیم میں نے تجھے لوگوں کا امام قرار دیا ہے چونکہ یہ مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نظر میں عظیم تھا اس لیے فرمایا: خدایا تو میری ذیت میں بھی امامت کو قرار دے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم ظالم میرے عہدے کو نہیں پا سکیں گے امام علیہ السلام نے فرمایا: لہذا بے وقوف کم عقل شخص متقین کا امام نہیں بن سکتا۔)

---

1 البقرہ:124

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، **الکافی**، كِتَابُ الْحُجَّةِ ، بَابُ طَبَقَاتِ الْأَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ وَالْأَئِمَّةِ عليهم‌السلام، باب 2، حدیث 440/2-

2. ﴿آمَنَّا بِاللّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا ﴾(1)

(ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف اتارا گیا۔)

((عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عليه‌السلام فِي قَوْلِهِ تَعَالَى : ﴿قُولُوا آمَنّا بِاللهِ وَما أُنْزِلَ إِلَيْنا﴾ قَالَ : « إِنَّمَا عَنى بِذلِكَ عَلِيّاً وفَاطِمَةَ والْحَسَنَ والْحُسَيْنَ عليهم‌السلام ، وجَرَتْ بَعْدَهُمْ فِي الْأَئِمَّةِ عليهم‌السلام ، ثُمَّ يَرْجِعُ الْقَوْلُ مِنَ اللهِ فِي النَّاسِ ، فَقَالَ : ﴿فَإِنْ آمَنُوا ﴾ يَعْنِي النَّاسَ ، ﴿ بِمِثْلِ ما آمَنْتُمْ بِهِ ﴾ يَعْنِي عَلِيّاً وفَاطِمَةَ والْحَسَنَ والْحُسَيْنَ والْأَئِمَّةَ عليهم‌السلام ﴿ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّما هُمْ فِي شِقاقٍ ﴾»))(2)

(حضرت ابو جعفر محمد باقر علیہ السلام نے خدا کے اس قول میں فرمایا کہ: جس میں اللہ نے فرمایا: "کہہ دو کہ ہم اللہ پر اور جو کچھ ہماری طرف نازل ہوا اس پر ایمان لائے ہیں" آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ خطاب علی وفاطمہ و حسن وحسین علیہ السلام اور وہ ائمہ جو ان کے بعد آنے والے ہیں ان سب میں جاری ہے اور اس کے بعد خدا کا خطاب لوگوں کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا: اگر وہ لوگ ایمان لے آئیں ان کی مثل جیسے کہ یہ ایمان لائے ہیں تو یہ سب ہدایت یافتہ ہیں اور اگر یہ روگردانی کریں تو یہ راہ مخالفت پر ہیں اور دشمنی پر ہیں۔)

3. ﴿ مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ﴾(3)

(جو رسول کی فرماں برداری کرے تو بے شک اس نے اللہ کی فرماں برداری کی اور جس نے منہ موڑا تو ہم نے تجھے ان پر کوئی نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔)

((عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عليه‌السلام، قَالَ: «ذِرْوَةُ الْأَمْرِ وَسَنَامُهُ وَمِفْتَاحُهُ وَبَابُ الْأَشْيَاءِ وَرِضَا الرَّحْمنِ- تَبَارَكَ وَتَعَالى- الطَّاعَةُ لِلْإِمَامِ بَعْدَ مَعْرِفَتِهِ». ثُمَّ قَالَ: « إِنَّ اللهَ-تَبَارَكَ وَتَعَالى- يَقُولُ: ﴿مَّنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطاعَ اللهَ وَمَنْ تَوَلّى فَمَآ أَرْسَلْناكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظاً﴾»))(4)

(حضرت ابو جعفر امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: دین کی بلندی اور اس کی شان وشوکت اور دین کی چابی، اور خدائے رحمن کی رضاء وخوشنودی اور امام کی معرفت حاصل کرنے کے بعد اس کی اطاعت کرنے میں ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا: جس نے ہمارے رسول کی اطاعت کی۔ اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے اطاعت رسول اور اطاعت الٰہی سے منہ پھیر لیا تو اے رسول ﷺ آپ پریشان نہ ہو آپ کوئی ان پر نگہبان و محافظ تھوڑے ہیں۔)

4. ﴿ إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ ﴾(1)

---

1 البقرہ:136

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، **الکافی**، كِتَابُ الْحُجَّةِ ، بَابٌ فِيهِ نُكَتٌ ونُتَفٌ مِنَ التَّنْزِيلِ فِي الْوَلَايَةِ، **باب** 108، **حدیث** 1106/19-

3 النساء:80

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، **الکافی**، كِتَابُ الْحُجَّةِ ، بَابُ فَرْضِ طَاعَةِ الْأَئِمَّةِ عليهم‌السلام، **باب** 8، **حدیث** 483/1-

(بلاشبہ ہم نے تیری طرف وحی کی، جیسے ہم نے نوح اور اس کے بعد (دوسرے) نبیوں کی طرف وحی کی۔)

((عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عليه‌السلام ، قَالَ: قَالَ اللهُ لِمُحَمَّدٍ صلى‌الله‌عليه‌وآله: ﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ﴾وَأَمَرَ كُلَّ نَبِيٍّ بِالْأَخْذِ بِالسَّبِيلِ وَالسُّنَّةِ))[2]

(ابو جعفر علیہ السلام نے فرمایا کہ محمد ﷺ نے فرمایا: ﴿إِنّا أَوْحَيْنا إِلَيْكَ كَما أَوْحَيْنا إِلى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ﴾(ہم نے آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں جیسے آپ سے قبل نوح اور دوسرے نبیوں پر وحی فرمائی تھی۔) اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو حکم دیا کہ وہ سبیل (راہ) سنت کو اخذ کرے، اللہ کی سبیل سنت میں سے ہے۔)

5. ﴿ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ﴾[3]

(اور بہت سے رسولوں کی طرف (وحی کی) جنھیں ہم اس سے پہلے تجھ سے بیان کر چکے ہیں اور بہت سے ایسے رسولوں کی طرف جنھیں ہم نے تجھ سے بیان نہیں کیا۔)

((عن أبي جعفر عليه‌السلام ، مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مُسْتَخْفِينَ ، وَلِذلِكَ خَفِيَ ذِكْرُهُمْ فِي الْقُرْآنِ ، فَلَمْ يُسَمَّوْا كَمَا سُمِّيَ مَنِ اسْتَعْلَنَ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ . صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ . وَهُوَ قَوْلُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿وَرُسُلاً قَدْ قَصَصْناهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلاً لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ﴾ يعني لم أسم المستخفين كما سميت المستعلنين من الأنبياء عليهم‌السلام.))[4]

(ابو جعفر سے روایت کی کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنے آپ کو پوشیدہ رکھا اور اس وجہ سے قرآن میں بھی ان کے نام مخفی ہوئے اور تمام پیغمبروں کی طرح کہ جنہوں نے خود کو ظاہر کیا اور ان کے ناموں کا ذکر قرآن میں موجود ہے اور وہ جن کے نام نہ لیے گئے اور یہ اس کلام خدا کے معنی ہیں کہ وہ فرماتا ہے: ﴿وَرُسُلاً قَدْ قَصَصْنا هُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلاً لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ﴾اور وہ پیغمبر کہ جن کی حکایت کو تم سے بیان کیا ہے اور وہ پیغمبر کہ جن کے قصہ تو تم سے بیان نہیں کیا، یعنی وہ جو پوشیدہ رہے ان کا نام ذکر نہیں کیا اور جو ظاہر ہوئے ان کا نام لیا گیا۔)

6. ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ﴾[5]

---

1 النساء:163

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الْإِيمَانِ وَالْكُفْرِ، بَابُ ، باب 17، حدیث 1518/1-

3 النساء:164

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كتاب الروضة ، حديث آدم عليه‌السلام مع الشجرة ، حدیث 14907/92-

5 النساء:171

(اے اہل کتاب! اپنے دین میں حد سے نہ گزرو اور اللہ پر مت کہو مگر حق۔ نہیں ہے مسیح عیسیٰ ابن مریم مگر اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ، جو اس نے مریم کی طرف بھیجا اور اس کی طرف سے ایک روح ہے۔)

((عَنْ حُمْرَانَ ، قَالَ : سَأَلْتُ أَبَا جَعْفَرٍ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ وَرُوحٌ مِّنْهُ ﴾ قَالَ : « هِيَ رُوحُ اللهِ مَخْلُوقَةٌ ، خَلَقَهَا اللهُ فِي آدَمَ وَعِيسى»))[1]

(حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان﴿ وَرُوحٌ مِّنْهُ ﴾سے کیا مراد ہے؟۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: یہ روح اللہ کی مخلوق ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام میں خلق کیا تھا۔)

7. ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴾[2]

(بلاشبہ یقینا تمھارے پاس تمھی سے ایک رسول آیا ہے، اس پر بہت شاق ہے کہ تم مشقت میں پڑو، تم پر بہت حرص رکھنے والا ہے، مومنوں پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔)

((عن أبي عبد الله عليه‌السلام ، قال : «هكذا أنزل الله عزوجل : ﴿ لقد جاءنا رسول من أنفسنا عزيز عليه ما عنتنا حريص علينا بالمؤمنين رءوف رحيم﴾.))[3]

(ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو اس طرح نازل کیا﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴾(بلاشبہ یقینا تمھارے پاس تمھی سے ایک رسول آیا ہے، اس پر بہت شاق ہے کہ تم مشقت میں پڑو، تم پر بہت حرص رکھنے والا ہے، مومنوں پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔) اصل آیت میں (جاءنا) کی بجائے (جَاءَكُمْ) ہے۔)

8. ﴿وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ الْكَافِرُونَ إِنَّ هَذَا لَسَاحِرٌ مُبِينٌ ﴾[4]

(اور جو لوگ ایمان لائے انھیں بشارت دے کہ ان کے لیے ان کے رب کے ہاں سچا مرتبہ ہے۔ کافروں نے کہا بے شک یہ تو کھلا جادو گر ہے۔)

((عن أبي عبد الله عليه‌السلام في قول الله تبارك وتعالى : ﴿ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ فَقَالَ : «هُوَ رَسُولُ اللهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله»))[1]

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ التَّوْحِيدِ ، بَابُ الرُّوحِ، باب 21، حدیث 347/2-

2 التوبہ: 128

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كتاب الروضة ، خطبة لأمير المؤمنين عليه‌السلام، حدیث 15386/571-

4 یونس: 2

(ابو عبد اللہ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ سے متعلق فرمایا: اس سے مراد (سابقہ نیک صدق) رسول ﷺ ہیں، کہ آپ ﷺ ہی ان کی شفاعت کریں گے۔)

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے:

((أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام فِي قَوْلِهِ تَعَالى: ﴿وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ قَالَ : « وَلَايَةُ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عليه‌السلام »))[2]

(ابو عبد اللہ علیہ السلام نے اس اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں فرمایا: وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں ، آپ ان کو خوشخبری دے دیں کہ وہ اپنے رب کے نزدیک صدق پر ثابت قدم ہیں، یعنی وہ ولایت امیر المؤمنین علیہ السلام پر ثابت قدم ہیں۔)

9. ﴿ وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ﴾[3]

(اور نشانیاں اور ڈرانے والی چیزیں ان لوگوں کے کام نہیں آتیں جو ایمان نہیں لاتے۔)

((عَنْ دَاوُدَ الرَّقِّيِّ ، قَالَ :سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالى : ﴿وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ ﴾ قَالَ : « الْآيَاتُ هُمُ الْأَئِمَّةُ ، وَالنُّذُرُ هُمُ الْأَنْبِيَاءُ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ ».))[4]

(داؤد رقی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ ﴾ کے بارے میں سوال کیا؟ یہ آیات اور ڈرانے والے اس گروہ کے لیے جو ایمان نہیں لانے والے اس کے لیے سود مند نہیں ہوتے، اور آپ علیہ السلام نے فرمایا: آیات سے مراد ائمہ ہیں، اور ڈرانے والوں سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں۔)

10. ﴿أَفَمَنْ كَانَ عَلَى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِنْهُ ﴾[5]

(تو کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہو اور اس کی طرف سے ایک گواہ اس کی تائید کر رہا ہو؟)

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الروضة، خطبة لأمير المؤمنين عليه‌السلام، حدیث 15369/554-

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كتاب الحجّة ، بَابٌ فِيهِ نُكَتٌ ونُتَفٌ مِنَ التَّنْزِيلِ فِي الْوَلَايَةِ، باب 108، حدیث 1137/50-

3 یونس: 101

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الْحُجَّةِ ، بَابُ أَنَّ الْآيَاتِ الَّتِي ذَكَرَهَا اللهُ – عَزَّ وَجَلَّ – فِي كِتَابِهِ هُمُ الْأَئِمَّةُ عليهم‌السلام، باب 18، حدیث 537/1-

5 هود: 17

((عَنْ أَحْمَدَ بْنِ عُمَرَ الْحَلَّالِ ، قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا الْحَسَنِ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ أَفَمَنْ كانَ عَلى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّهِ وَيَتْلُوهُ شاهِدٌ مِنْهُ ﴾فَقَالَ : « أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ–صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ–الشَّاهِدُ عَلى رَسُولِ اللهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله ، وَرَسُولُ اللهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله عَلى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّهِ »))[1]

(احمد بن عمر الحلال سے روایت کیا کہ میں نے حضرت ابو الحسن علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں سوال کیا کہ﴿أَفَمَنْ كانَ عَلى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّهِ وَيَتْلُوهُ شاهِدٌ مِنْهُ﴾ پس وہ جو اپنے رب کی طرف سے بینہ پر ہیں اور اس کا گواہ اس کے پیچھے ہے آپ نے فرمایا: علی علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے گواہ ہیں اور خود رسول خدا اپنے رب کی طرف سے نشانی پر ہیں۔)

11. ﴿فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ﴾[2]

(تو جب میں اسے (آدم علیہ السلام کو) پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح سے پھونک دوں تو تم اس کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے گر جاؤ۔)

((عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ ، قَالَ :سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي ﴾: كَيْفَ هذَا النَّفْخُ؟فَقَالَ : « إِنَّ الرُّوحَ مُتَحَرِّكٌ كَالرِّيحِ ، وَإِنَّمَا سُمِّيَ رُوحاً لِأَنَّهُ اشْتَقَّ اسْمَهُ مِنَ الرِّيحِ، وَإِنَّمَا أَخْرَجَهُ عَنْ لَفْظَةِ الرِّيحِ لِأَنَّ الْأَرْوَاحَ مُجَانِسَةٌ لِلرِّيحِ ، وَإِنَّمَا أَضَافَهُ إِلى نَفْسِهِ لِأَنَّهُ اصْطَفَاهُ عَلى سَائِرِ الْأَرْوَاحِ ، كَمَا قَالَ لِبَيْتٍ مِنَ الْبُيُوتِ: بَيْتِي ، وَلِرَسُولٍ مِنَ الرُّسُلِ : خَلِيلِي ، وَأَشْبَاهِ ذلِكَ ، وَكُلُّ ذلِكَ مَخْلُوقٌ ، مَصْنُوعٌ ، مُحْدَثٌ ، مَرْبُوبٌ ، مُدَبَّرٌ»))[3]

(محمد بن مسلم نے روایت کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں سوال کیا۔﴿وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي ﴾ کہ روح کیسے پھونکا گیا؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا :روح ہوا کی طرح متحرک ہے اور روح کو روح اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس کو ریح سے مشتق کیا گیا ہے اور اس کو ریح کے لفظ سے بنایا گیا ہے کیونکہ ارواح ریح کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے روح کی نسبت اپنی طرف اس لیے دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ساری مخلوق میں سے اسے چن لیا ہے۔ لہذا فرمایا: میری روح کیا ایسے ہی جیسے گھروں میں سے کعبہ کو چن لیا، اور فرمایا: بیتی: "میرا گھر" رسولوں میں سے ایک رسول کے بارے میں فرمایا: خلیلی:

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، **الکافی**، كتاب الحجّة ، بَابٌ فِي أَنَّ الْأَئِمَّةَ عليهم‌السلام شُهَدَاءُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلى خَلْقِهِ، باب 9، حدیث3/502

2 الحجر:29

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، **الکافی**، كِتَابُ التَّوْحِيدِ ، بَابُ الرُّوحِ، باب 21، حدیث348/3-

میرا خلیل یا اس طرح کی اور نسبتیں جو خدا نے اپنی طرف دی ہیں۔ یہ ساری چیزیں اللہ کی مخلوق و مصنوع میں جن کو خدا نے ایجاد فرمایا ہے وہ خدا کی پروردہ اور تدبیر شدہ ہیں۔)

12. ﴿وَعَلَامَاتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ﴾[1]

(اور علامتیں (بنائیں) اور ستاروں کے ساتھ وہ راستہ معلوم کرتے ہیں۔)

((حَدَّثَنَا دَاوُدُ الْجَصَّاصُ ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام يَقُولُ :﴿وَعَلَامَاتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ﴾قَالَ:« النَّجْمُ رَسُولُ اللهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله ، وَالْعَلَامَاتُ هُمُ الْأَئِمَّةُ عليهم‌السلام »))[2]

(داؤد نے روایت کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو عبداللہ علیہ السلام سے اس ارشاد ﴿وَعَلَامَاتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ﴾ کے بارے میں سنا ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا: نجم سے مراد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور علامات سے مراد ائمہ علیہم السلام ہیں۔)

13. ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَى إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا﴾[3]

(اور کتاب میں موسیٰ کا ذکر کر، یقیناوہ خالص کیا ہوا تھا اور ایسا رسول جو نبی تھا۔)

((عَنْ زُرَارَةَ ، قَالَ : سَأَلْتُ أَبَا جَعْفَرٍ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿وَكَانَ رَسُولاً نَبِيًّا﴾: مَا الرَّسُولُ؟ وَمَا النَّبِيُّ؟ قَالَ : « النَّبِيُّ : الَّذِي يَرى فِي مَنَامِهِ ، وَيَسْمَعُ الصَّوْتَ ، وَلَايُعَايِنُ الْمَلَكَ. وَالرَّسُولُ : الَّذِي يَسْمَعُ الصَّوْتَ ، وَيَرى فِي الْمَنَامِ، وَيُعَايِنُ الْمَلَكَ». قُلْتُ : الْإِمَامُ مَا مَنْزِلَتُهُ؟ قَالَ : « يَسْمَعُ الصَّوْتَ ، وَلَايَرى ، وَلَايُعَايِنُ الْمَلَكَ ». ثُمَّ تَلَا هذِهِ الْآيَةَ ﴿وَمآ أَرْسَلْنا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلا نَبِيٍّ﴾ وَلَا مُحَدَّثٍ »))[4]

(جناب زراۃ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو جعفر امام باقر سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں سوال کیا؟ جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿ وَكَانَ رَسُولاً نَبِيًّا ﴾وہ رسول اور نبی تھے، رسول اور نبی کون ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: نبی وہ ہے جو فرشتے خواب میں دیکھتا ہے، اس کی آواز کو سنتا ہے لیکن بالمشافہ فرشتوں سے ملاقات نہیں کرتا۔ اور رسول وہ ہوتا ہے جو خواب میں فرشتے کو دیکھتا ہے اور ان کی آواز کو سنتا ہے اور فرشتوں کا مشاہدہ بھی کرتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ امام کون ہے؟ اور امام کا مقام و منزلت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ آواز کو

1 النحل:16

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الْحُجَّةِ ، بَابُ أَنَّ الْأَئِمَّةَ عليهم‌السلام هُمُ الْعَلَامَاتُ الَّتِي ذَكَرَهَا اللهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي كِتَابِهِ، باب 17، حدیث 1/534-

3 مریم:51

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الْحُجَّةِ ، بَابُ الْفَرْقِ بَيْنَ الرَّسُولِ وَالنَّبِيِّ وَالْمُحَدَّثِ، باب 3، حدیث 1/443-

سنتا ہے لیکن نہ وہ خواب میں اور بالمشافہ فرشتوں کو دیکھتا ہے۔ اور آپ نے پھر یہ آیت پڑی﴿وَمآ أَرْسَلْنا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ ﴾ (آپ سے قبل ہم نے کوئی نبی ورسول اور محدث مبعوث نہیں کیا۔)

14. ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ ﴾[1]

(اور ہم نے تجھ سے پہلے نہ کوئی رسول اور نہ کوئی نبی بھیجا۔)

((عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ وَأَبِي عَبْدِ اللهِ عليهماالسلام فِي قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ ﴾ (وَلَا مُحَدَّثٍ)» قُلْتُ : جُعِلْتُ فِدَاكَ ، لَيْسَتْ هذِهِ قِرَاءَتَنَا ، فَمَا الرَّسُولُ وَالنَّبِيُّ وَالْمُحَدَّثُ؟ قَالَ : « الرَّسُولُ : الَّذِي يَظْهَرُ لَهُ الْمَلَكُ ، فَيُكَلِّمُهُ. وَالنَّبِيُّ هُوَ الَّذِي يَرى فِي مَنَامِهِ ، وَرُبَّمَا اجْتَمَعَتِ النُّبُوَّةُ وَالرِّسَالَةُ لِوَاحِدٍ. وَالْمُحَدَّثُ : الَّذِي يَسْمَعُ الصَّوْتَ، وَلَايَرى الصُّورَةَ».قَالَ : قُلْتُ : أَصْلَحَكَ اللهُ ، كَيْفَ يَعْلَمُ أَنَّ الَّذِي رَأى فِي النَّوْمِ حَقٌّ ، وَأَنَّهُ مِنَ الْمَلَكِ؟قَالَ: «يُوَفَّقُ لِذلِكَ حَتّى يَعْرِفَهُ ، لَقَدْ خَتَمَ اللهُ بِكِتَابِكُمُ الْكُتُبَ، وَخَتَمَ بِنَبِيِّكُمُ الْأَنْبِيَاءَ»))[2]

(ابو جعفر امام باقر علیہ السلام اور ابو عبد اللہ امام صادق علیہ السلام دونوں سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں سوال کیا ہے۔﴿وَمآ أَرْسَلْنا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلا نَبِيٍّ ﴾ عرض کیا کہ رسول نبی اور محدث کیا ہیں؟ رسول وہ ہے جس کے سامنے فرشتہ ظاہر بظاہر آتا ہے۔ وہ ان سے باتیں کرتے ہیں۔ نبی وہ ہے جو فرشتہ کو خواب میں دیکھتا ہے بعض اوقات نبوت ورسالت ایک میں اللہ تعالیٰ جمع کر دیتا ہے محدث وہ ہے جو آواز سنتا ہے لیکن فرشتے کی صورت کو نہیں دیکھتا۔ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ کے امور اصلاح فرمائے، نبی جو خواب میں دیکھتا ہے اس کو کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟ کہ وہ جو کچھ دیکھ رہا ہے وہ حق ہے اور وہ نظر آنے والا فرشتہ ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی توفیق سے وہ اس کی معرفت حاصل کرتا ہے ،اللہ تعالیٰ نے تمہاری کتاب کو آخری کتاب اور تمہارے نبی کو آخری نبی قرار دیا ہے۔)

15. ﴿وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَى مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ﴾[3]

(اور اسے ایک لاکھ کی طرف بھیجا، بلکہ وہ زیادہ ہوں گے۔)

(أَبُو عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام قال: « الْأَنْبِيَاءُ وَالْمُرْسَلُونَ عَلى أَرْبَعِ طَبَقَاتٍ : فَنَبِيٌّ مُنَبَّأٌ فِي نَفْسِهِ لَايَعْدُو غَيْرَهَا ؛ وَنَبِيٌّ يَرى فِي النَّوْمِ ، وَيَسْمَعُ الصَّوْتَ ، وَلَا يُعَايِنُهُ فِي الْيَقْظَةِ ، وَلَمْ يُبْعَثْ إِلى أَحَدٍ ، وَعَلَيْهِ إِمَامٌ مِثْلُ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ عَلى لُوطٍ عليهماالسلام ؛ وَنَبِيٌّ يَرى فِي مَنَامِهِ ، وَيَسْمَعُ الصَّوْتَ ، وَيُعَايِنُ

---

1 الحج:52

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الْحُجَّةِ ، بَابُ الْفَرْقِ بَيْنَ الرَّسُولِ وَالنَّبِيِّ وَالْمُحَدَّثِ، باب 3، حدیث 446/4-

3 الصافات:147

الْمَلَكَ وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَى طَائِفَةٍ قَلُّوا أَوْ كَثُرُوا كَيُونُسَ – قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ – لِيُونُسَ : ﴿ وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَى مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ﴾ قَالَ : يَزِيدُونَ ثَلَاثِينَ أَلْفاً ، وَعَلَيْهِ إِمَامٌ ؛ وَالَّذِي يَرى فِي نَوْمِهِ ، وَيَسْمَعُ الصَّوْتَ ، وَيُعَايِنُ فِي الْيَقَظَةِ ، وَهُوَ إِمَامٌ مِثْلُ أُولِي الْعَزْمِ ، وَقَدْ كَانَ إِبْرَاهِيمُ عليه‌السلام نَبِيّاً ، وَلَيْسَ بِإِمَامٍ حَتّى قَالَ اللهُ : ﴿ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِماماً قالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ﴾ فَقَالَ اللهُ: ﴿لا يَنالُ عَهْدِي الظّٰالِمِينَ﴾ مَنْ عَبَدَ صَنَماً أَوْ وَثَناً ، لَايَكُونُ إِمَاماً ».))[1]

(حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا انبیاء و مرسلین کے چار طبقات ہیں۔ ایک بنی وہ ہے جو فقط اپنی ذات کا نبی ہے اور اس کی نبوت دوسروں تک تجاوز نہیں کرتی (یعنی خدا نے اس کا وظیفہ شخصیہ کیا ہے وہ اسے بیان کر دیا ہے)۔ وہ نبی جو فرشتے کو خواب میں دیکھتا ہے اور اس کی آواز بھی سنتا ہے لیکن بیداری کی حالت میں وہ فرشتے کو نہیں دیکھتا اور وہ بھی کسی پر مبعوث نہیں ہے لیکن اس کا ایک امام وھادی ہے جو اس سے اعلیٰ و ارفع ہے جیسا کہ لوط علیہ السلام کہ ان پر جناب ابراہیم علیہ السلام امام تھے۔ وہ نبی ہے جو خواب میں فرشے کو دیکھتا ہے اور اس کی آواز سنتا ہے اور فرشتوں سے اس کی ملاقات ہوتی ہے اور وہ دوسروں پر مبعوث ہوگا خواہ وہ زیادہ ہو یا کم جیسا کہ جناب یونس علیہ السلام۔ جس کے بارے میں خدا فرماتا ہے کہ ہم نے یونس کو ایک لاکھ یا اس سے زیادہ افراد کی طرف مبعوث فرمایا یا تیس ہزار زیادہ تھے اور ان پر ایک امام تھا۔ وہ نبی ہے جو خواب میں فرشتے کو بھی دیکھتا ہے اوت اس کی آواز کو بھی سنتا ہے اور بیداری کی خالت میں فرشتے سے ملاقات بھی کرتے ہیں یہ الوالعزم نبی کی مانند ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام میں ابراہیم نبی تھے یہاں تک کہ خدا نے فرمایا میں آپ کو لوگوں کا امام بنارہاہوں تو آپ نے عرض کیا کیا یہ امامت میں ذریت میں ہوگی تو خدا نے فرمایا: یہ عہد ظالموں کو نہیں ملے گا پس جو بت پرست ہو وہ امام نہیں ہو سکتا۔)

16. ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾[2]

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، وہ تمھیں اپنی رحمت سے دوہرا حصہ دے گا اور تمھارے لیے ایسی روشنی کر دے گا جس کے ذریعے تم چلتے رہو گے اور تمھیں بخش دے گا اور اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔)

((عَنْ أَبِي الْجَارُودِ ، قَالَ : قُلْتُ لِأَبِي جَعْفَرٍ عليه‌السلام : لَقَدْ آتَى اللهُ أَهْلَ الْكِتَابِ خَيْراً كَثِيراً ، قَالَ: « وَمَا ذَاكَ؟ » قُلْتُ : قَوْلُ اللهِ تَعَالَى : ﴿ الَّذِينَ ءَاتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ } إِلَى قَوْلِهِ : ﴿ أُولَئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِما صَبَرُوا ﴾ قَالَ : فَقَالَ: «قَدْ آتَاكُمُ اللهُ كَمَا آتَاهُمْ » ثُمَّ تَلَا : ﴿

---

1 کلینی، ابوجعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الْحُجَّةِ ، بَابُ طَبَقَاتِ الْأَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ وَالْأَئِمَّةِ عليهم‌السلام، باب 2، حدیث 439/1-

2 الحدید: 28

يَأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَءَامِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوراً تَمْشُونَ بِهِ ﴾ « يَعْنِي إِماماً تَأْتَمُّونَ بِهِ ».))[1]

(ابو الجارود روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو جعفر محمد باقر علیہ السلام کی خدمت اقدس میں قرآن کی اس آیت کو پیش کیا۔﴿لَقَدْ آتَى اللهُ أَهْلَ الْكِتَابِ خَيْراً كَثِيراً ﴾ یقیناً اہل کتاب کو بہت زیادہ خیر عطاء کیا گیا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: یہ کون ہیں؟ جن کو خیر کثیر عطا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿الَّذِينَ ءَاتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ﴾ وہ لوگ جن کو ہم نے آپ سے قبل کتاب عطا فرمائی اور وہ اس کتاب پر ایمان لانے والے ہیں۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أُولَئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِما صَبَرُوا ﴾ (یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے صبر کی وجہ سے دو مرتبہ اجر حاصل کیا۔) پھر ان کے بارے میں فرمایا:﴿ قَدْ آتَاكُمُ اللهُ كَمَا آتَاهُمْ ﴾ اور خدا نے تم لوگوں کو ایسے ہی اجر دیا ہے جیسے ان کو دیا تھا۔ پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی:﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَءَامِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوراً تَمْشُونَ بِهِ﴾(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لے کر آؤ تو اللہ تمہیں اپنی رحمت کا دوہرہ حصہ عطاء فرمائے گا۔) اور وہ نور عطاء فرمائے گا جس سے تم راہ طے کروگے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اس نور سے مراد وہ امام ہے جس کی اقتدار میں وہ زندگی بسر کریں گے۔)

17. ﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ ﴾[2]

(وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں کے ساتھ بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے۔)

((عَنْ أَبِي الْحَسَنِ الْمَاضِي عليه‌السلام ، قَالَ : سَأَلْتُهُ عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وجَلَّ : ﴿ يُرِيدُونَ لِيُطْفِؤُا نُورَ اللهِ بِأَفْواهِهِمْ﴾ قَالَ : « يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا ولَايَةَ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عليه‌السلام بِأَفْوَاهِهِمْ ». قُلْتُ: ﴿وَاللهُ مُتِمُّ نُورِهِ ﴾ ؟ قَالَ : « وَاللهُ مُتِمُّ الْإِمَامَةِ ؛ لِقَوْلِهِ عَزَّ وجَلَّ : « الَّذِينَ ﴿ فَآمِنُوا ﴾ ﴿ بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنا ﴾ فَالنُّورُ هُوَ الْإِمَامُ ». قُلْتُ: ﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدى وَدِينِ الْحَقِّ ﴾؟ قَالَ : « هُوَ الَّذِي أَمَرَ رَسُولَهُ بِالْوَلَايَةِ لِوَصِيِّهِ ، والْوَلَايَةُ هِيَ دِينُ الْحَقِّ ». قُلْتُ: ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ﴾ ؟ قَالَ: « يُظْهِرُهُ عَلى جَمِيعِ الْأَدْيَانِ عِنْدَ قِيَامِ الْقَائِمِ». قَالَ : « يَقُولُ اللهُ: ﴿ وَاللهُ مُتِمُّ نُورِهِ ﴾: وَلَايَةِ الْقَائِمِ ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْكافِرُونَ ﴾ بِوَلَايَةِ عَلِيٍّ ». قُلْتُ : هذَا تَنْزِيلٌ ؟ قَالَ : « نَعَمْ ، أَمَّا هذَا الْحَرْفُ فَتَنْزِيلٌ ؛ وأَمَّا غَيْرُهُ فَتَأْوِيلٌ ».))[3]

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الْحُجَّةِ ، بَابُ أَنَّ الْأَئِمَّةَ عليهم‌السلام نُورُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ ، باب 13، حدیث 520/3-

2 الصف:8

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الْحُجَّةِ ، بَابٌ فِيهِ نُكَتٌ ونُتَفٌ مِنَ التَّنْزِيلِ فِي الْوَلَايَةِ ، باب 108، حدیث 1178/91-

(حضرت امام ابو الحسن علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں دریافت کیا: ﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِؤُا نُورَ اللهِ بِأَفْواهِهِمْ ﴾ (یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں۔) آپ علیہ السلام نے فرمایا: یعنی وہ چاہتے ہیں کہ امیر المؤمنین کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجا دیں (حالانکہ یہ ان کے لیے ممکن نہیں ہے) میں نے عرض کیا اس سے کیا مراد ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے امامت کو نور قرار دیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَامِنُوا بِاللهِ وَرَسُوْلِهِ وَالنُّوْرِ الَّذِي أَنْزَلْنَا ، وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴾ (وہ لوگ اللہ اور اس کے رسول اور اس نور پر ایمان رکھتے ہیں جس کو ہم نے نازل کیا ہے۔) آپ نے فرمایا: اس سے مراد وہی امامت کا نور ہے۔ پھر میں نے عرض کی: اس سے کیا مراد ہے؟ ﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدى وَدِينِ الْحَقِّ ﴾ (وہ اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔) آپ علیہ السلام نے فرمایا: یعنی وہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے اپنے رسول کو اپنے وصی کی ولایت کا حکم دیا اور یہ ولایت ہی وہ دین حق ہے۔ میں نے پھر عرض کیا اس سے کیا مراد ہے؟ ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ (تاکہ وہ اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب کرے۔) آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قائم کے ظہور کے وقت اپنے دین کو تمام باطل اوران پر غالب کرے گا۔) پھر آپ نے فرمایا: اللہ فرماتا ہے: ﴿وَاللهُ مُتِمُّ نُورِهِ ﴾ (اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے۔) آپ علیہ السلام نے فرمایا: اس سے مراد قائم کی ولایت ہے یہ کہ قائم کا ظہور لازمی کرے گا۔ ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْكافِرُونَ ﴾ خواہ کافر اس کو ناپسند ہی کریں۔) اس سے مراد یہ ہے خواہ کفار ولایت علی کو ناپسند کریں تب بھی اس کو قائم کے ظہور کے ساتھ پورا کرے گا۔ میں نے عرض کیا۔ کیا ولایت علی مراد لینا تنزیل ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: یہ حروف (ولایت علی) یہ تنزیل قرآن سے اور اس کے علاوہ وہ جو میں بیان کیا ہے وہ تاویل و تفسیر ہے۔)

18. ﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ﴾[1]

(وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے۔)

((عَنْ أَبِي الْحَسَنِ الْمَاضِي عليه‌السلام ، قُلْتُ: ﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدى وَدِينِ الْحَقِ ﴾؟ قَالَ : « هُوَ الَّذِي أَمَرَ رَسُولَهُ بِالْوَلَايَةِ لِوَصِيِّهِ ، والْوَلَايَةُ هِيَ دِينُ الْحَقِّ ». قُلْتُ : ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ ؟ قَالَ : « يُظْهِرُهُ عَلى جَمِيعِ الْأَدْيَانِ عِنْدَ قِيَامِ الْقَائِمِ».))[2]

---

1 الصف:9

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، **الکافی**، كِتَابُ الْحُجَّةِ ، بَابٌ فِيهِ نُكَتٌ ونُتَفٌ مِنَ التَّنْزِيلِ فِي الْوَلَايَةِ ، **باب**108، **حدیث**1178/91-

(حضرت امام ابو الحسن علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں دریافت کیا کہ اس سے کیا مراد ہے؟﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ ﴾ (وہ اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔) آپ علیہ السلام نے فرمایا: یعنی وہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے اپنے رسول کو اپنے وصی کی ولایت کا حکم دیا اور یہ ولایت ہی وہ دین حق ہے۔ میں نے پھر عرض کیا اس سے کیا مراد ہے؟﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾(تاکہ وہ اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب کرے۔) آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قائم کے ظہور کے وقت اپنے دین کو تمام باطل اوران پر غالب کرے گا۔)

19. ﴿ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴾[1]

(سو تم اللہ اور اس کے رسول اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو، خوب باخبر ہے۔)

((عَنْ أَبِي خَالِدٍ الْكَابُلِيِّ[2] ، قَالَ : سَأَلْتُ أَبَا جَعْفَرٍ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ تَعَالى : ﴿فَأَمِنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنا ﴾فَقَالَ : « يَا أَبَا خَالِدٍ ، النُّورُ وَاللهِ الْأَئِمَّةُ عليهم‌السلام ؛ يَا أَبَا خَالِدٍ ، لَنُورُ الْإِمَامِ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ أَنْوَرُ مِنَ الشَّمْسِ الْمُضِيئَةِ بِالنَّهَارِ ، وَهُمُ الَّذِينَ يُنَوِّرُونَ قُلُوبَ الْمُؤْمِنِينَ ، وَيَحْجُبُ اللهُ نُورَهُمْ عَمَّنْ يَشَاءُ ، فَتُظْلِمُ قُلُوبُهُمْ ، وَيَغْشَاهُمْ بِهَا »))[3]

(ابو خالد کابلی روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام ابو جعفر محمد باقر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں سوال کیا؟ جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَأَمِنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنا﴾ (پس ایمان لے آؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جس کو ہم نے نازل کیا ہے۔) اس نور سے کیا مراد ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم اس نور سے مراد ائمہ کا نور ہے۔ اے ابو الخالد امام کا نور مومن کے دل میں روش و چمکتے ہوئے سورج سے زیادہ روشن ہوتا ہے، یہ وہ نور ہے، جس کے ذریعے اللہ مومنین کے دلوں کو منور و روشن کرتا ہے اور جس سے چاہے اس کے دل اور اس نور کے درمیان پر وہ قرار دیتا ہے، جس کی وجہ سے وہ دل تاریک ہو جاتا ہے اور ظلمات میں غرق د کم ہو جاتا ہے۔)

---

1 التغابن:8

2 ابو خالد کابلی، شیعوں کے چوتھے امام علی ابن الحسین (سجاد) کے اصحاب میں سے ایک؛ اور ان کے قریب ترین شیعوں میں سے تھے۔ وہ کابل کا رہنے والا تھا جس نے حجاز کا سفر کیا اور اسے محمد ابن حنفیہ کا حامی سمجھا جاتا تھا لیکن یحییٰ بن ام تاویل کی رہنمائی سے وہ زین العابدین کی خدمت میں پہنچا اور ان سے پیار کیا اور ان کی امامت کا اقرار کیا۔

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الْحُجَّةِ ، بَابُ أَنَّ الْأَئِمَّةَ عليهم‌السلام نُورُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ ، باب13، حدیث 521/4-

خلاصہ بحث

دین اسلام نے عبادات اور اعمال سے پہلے جن عقائد کو درست کرنے پر زور دیا ہے، ان میں سے ایک عقیدہ رسالت ہے، عقیدہ رسالت کو دین اسلام میں مرکزی مقام حاصل ہے، اس کے بغیر کوئی بھی انسان مسلمان نہیں ہو سکتا۔ عقیدہ رسالت سے متعلق واضحیت اور اس پر مضبوطی اگرچہ تمام ادوار میں اشد ضروری ہے، لیکن دور حاضر میں اس پر پختگی سابقہ ادوار سے زیادہ اہم و ضروری ہے۔ دور حاضر میں امت مسلمہ کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ ایک ملک کے ایک ہی شہر کے لوگ بیسوں جماعتوں، گروہوں اور فرقوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ دور حاضر میں اختلافات کا دائرہ اس قدر وسیع ہو چکا ہے کہ بعض مسالک اور طبقات دوسروں کو نبی کریم ﷺ سے تعلق کی بنا پر نہ صرف کافر و مشرک قرار دیتے ہیں، بلکہ واجب القتل بھی سمجھتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عقیدہ رسالت سے متعلق لوگوں میں سوچ پیدا کی جائے اور عقیدہ رسالت کے عصری تقاضوں پر عمل کرنے کی رغبت دلائی جائے۔ تاکہ ہم دیناو آخرت میں کامیاب و کامران ہو سکیں۔

منصب رسالت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، کوئی بھی انسان اپنی محنت کے بل بوتے پر نبی نہیں بن سکتا، انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں کوئی بھی خطا ان سے سرزد نہیں ہوتی، انبیاء کرام اپنی امت کے لیے نمونہ ہوتے ہیں۔ انبیاء کرام کا مشن دعوت و تبلیغ ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی دعوت بندوں تک پہنچاتے ہیں۔ انبیاء کرام وحی سے ہی کلام کرتے ہیں، وحی کے علاوہ نہیں بولتے، یاد رہے کہ انبیاء کرام کی ناراضگی اللہ تعالیٰ کو غضب دار کرنے کے مترادف ہے، لہذا ایسے امور سے بچنا چاہیے جس سے اللہ اور اس کا رسول ناراض ہوتا ہے۔

امام کلینیؒ نے روح اللہ سے متعلق فرمایا کہ روح اللہ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر اٹھالیا ہے، اور قیامت کے قریب وہ دوبارہ آئیں گے۔

امام کلینیؒ نے نبی کریم ﷺ کی صفات پر بھی روایات پیش کی ہیں، مثلاً: نبی کریم ﷺ حریص ہیں، امت پر مشقت کے حوالے سے حریص ہیں۔ ہر نماز کے ساتھ مسواک کو کرنا نبی کریم ﷺ نے اس لیے ترک کیا کہ کہی میری امت کے لیے مشکل نہ ہو جائے۔ نیز آپ نے شفاعت رسول ﷺ سے متعلق بھی مرویات پیش کی ہیں۔ انبیاء کرام ہمیشہ اپنی امت کو عذاب الٰہی سے ڈاراتے ہیں۔ اور علامات قیامت کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔ نیز انہوں نے رسالت کے ساتھ امامت سے متعلق مرویات کو بیان کیا ہے۔ ان تمام امور کو امام کلینیؒ نے پیش کیا ہے، لہذا ہمیں بھی چاہیے کہ رسالت پر ایمان لائیں تاکہ ہماری دنیاوی اور اخروی زندگی کامیاب و کامران بن سکے۔

فصل سوم:

کتب اور ملائکہ سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

الہامی کتابوں کا مفہوم:

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے بہت سے صحیفے اور کتابیں نازل فرمائیں جنہیں آسمانی کتابیں یا الہامی کتابیں کہا جاتا ہے۔ یاد رہے! جب انبیاء کرام علیہم السلام کو جزوی ہدایت پر مبنی مجموعہ دیا جاتا تو اسے صحیفہ کہا جاتا ہے ،اور جب رسول کو جامع ہدایت پر مبنی مجموعہ دیا جاتا تو اسے کتاب کہتے ہیں۔ کوئی بھی مسلمان اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا، جب تک وہ آسمانی کتابوں پر ایمان نہ لائے۔ مسلمان ہوتے ہوئے ہمارے لیے لازمی ہے کہ ہم تمام الہامی کتابوں پر ایمان لائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ﴾[1]

(اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے آخری رسول پر نازل کی اور ہر اس کتاب پر جو اس سے پہلے نازل کی گئی۔)

ایمان بالکتب کی وضاحت:

ایمان بالکتب سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے جو بھی کتابیں اور صحیفے نازل کیے ہم اُن کے نزول کو اور اُن کے برحق ہونے کو تسلیم کریں۔ زمانہ نزول میں ان کتابوں پر عمل ضروری تھا لیکن اب قرآن مجید کے نازل ہونے کی وجہ سے وہ کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں۔ اب صرف قرآن مجید پر عمل کیا جائے گا۔ قرآن مجید کے علاوہ باقی تمام الہامی کتابوں کی صرف اُسی بات کو قبول کیا جائے گا جو قرآن مجید کے خلاف نہ ہو۔

الہامی کتابوں کی مشترکہ تعلیمات:

تمام الہامی کتابوں میں چند باتیں مشترک تھیں جو درج ذیل ہیں:

1) اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

2) اللہ کے رسولوں پر ایمان لانا ضروری تھا۔

3) عبادات کی ادائیگی کا حکم۔

4) مرنے کے بعد کی زندگی دوبارہ زندہ ہونا، اچھے اور بُرے اعمال کی جزا و سزا کا ملنا وغیرہ۔

---

1 النساء:136

خلاصہ کلام

اللہ تعالیٰ انسانی رشد وہدایت کے لیے انبیاء کرام کو مبعوث کیا، اور پھر ان پر کتابیں اور صحائف نازل فرمائے ہیں، جسے الہامی کتب بھی کہا جاتا ہے۔ آسمانی کتب اور صحائف بہت سے ہیں ان میں سے چار مشہور ہیں: تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید، تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی، انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، اور آخر میں قرآن مجید حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا۔ قرآن مجید ایسی کتاب ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی ہے اور یہ شک شبہ سے مبرا کتاب ہے، قرآن مجید سے پہلے جتنی بھی کتب نازل ہوئی وہ مخصوص وقت کے لیے تھیں اور یہ کتاب قیامت تک کے آنے انسانوں کی رشد وہدایت کے لیے ہے۔ کیونکہ قرآن مجید ایک مکمل کتاب ہے۔

ملائکہ کا مفہوم:

ملائکہ جمع کا لفظ ہے اس کا واحد ملک ہے۔ ملک کے لغوی معنی قاصد اور پیامبر کے ہیں۔ رسول کے لفظی معنی بھی قاصد کے ہیں، اس لیے قرآن مجید میں فرشتوں کے لیے رسول کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ اصطلاح میں ملائکہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ نورانی اور غیر مادی مخلوق ہے جو اللہ کا حکم اس کے بندوں تک پہنچانے اور اللہ کے حکم سے کائنات کا نظام چلانے کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔

ملائکہ کا اسلامی تصور:

اسلام سے پہلے فرشتوں کے بارے میں بہت غلط تصورات تھے۔ وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں تصور کرتے تھے، اور بعض لوگ انہیں دیوتا کہتے تھے۔ اسلام نے ان غلط عقائد کا رد کیا اور یہ درس دیا کہ فرشتے اللہ کی فرمانبردار مخلوق ہیں۔ اسی لیے اللہ نے فرشتوں کو ایمان کا حصہ بنادیا اور ان پر ایمان لانا ضروری قرار دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّين﴾[1]

(اور لیکن اصل نیکی اس کی ہے جو اللہ اور یوم آخرت اور فرشتوں اور کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے۔)

خلاصہ کلام

ملائکہ سے مراد فرشتے ہیں، یہ وہ مخلوق ہے جو اللہ کا پیغام انبیاء کرام تک پہنچاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے کائنات کا نظام چلاتے ہیں۔ ان کی تعداد کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، تاہم کچھ فرشتوں کے نام ہمیں قرآن وحدیث سے ملتے ہیں، مثلاً: جبرائیل، اسرافیل، عزرائیل، میکائیل، منکر نکیر، کراماکاتبین، رضوان اور مالک وغیرہ

---

1 البقرہ: 177

مبحث اول:

صحیح بخاری کی کتب اور ملائکہ سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی رشد وہدایت کے لیے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا، اور پھر ان پر ملائکہ کے ذریعے کتاب نازل کی، تاکہ وہ کتاب کو پڑھ کر سنائیں اور لوگوں ہدایت یافتہ بننے کی تلقین کریں، اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام پر مختلف کتابیں نازل کی ہیں مثلاً: تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید، ان کتب میں اب قرآن مجید کی تعلیمات باقی ہیں دیگر کتب قرآن مجید کے آنے وجہ سے منسوخ ہو چکی ہیں، اب صرف قرآن مجید کی تعلیمات پر ہی عمل ہو سکتا ہے۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں کتب اور ملائکہ سے متعلق تفسیری احادیث وآثار کو بیان کیا ہے، جن کو ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔

1. ﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا﴾[1]

(کہہ دو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف اتارا گیا۔)

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ . رضى الله عنه . قَالَ كَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَءُونَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ، وَيُفَسِّرُونَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لأَهْلِ الإِسْلاَمِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم " لاَ تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلاَ تُكَذِّبُوهُمْ، وَقُولُوا ﴿آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ﴾ الآيَةَ".))[2]

(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اہل کتاب (یہودی) توراۃ کو خود عبرانی زبان میں پڑھتے ہیں لیکن مسلمانوں کے لیے اس کی تفسیر عربی میں کرتے ہیں۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تم تکذیب کرو بلکہ یہ کہا کرو: ﴿ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا ﴾ یعنی ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس چیز پر جو ہماری طرف نازل کی گئی ہے۔)

قرآن مجید میں ہے کہ وہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اس لئے پہلی آسمانی کتابوں پر ایمان لانا ضروری ہے اور یہ ایمان اجمالی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے انبیاء علیہ السلام پر انہیں نازل فرمایا اور جو کچھ ان کتابوں میں تھا وہ حق تھا، اس بنا پر ان کے بیان کردہ جو حقائق قرآن کریم کے مطابق ہیں وہ قابل تصدیق ہیں اور جن کا رد قرآن کریم میں موجود ہے وہ قابل تکذیب ہیں اور جن باتوں کے متعلق قرآن کریم خاموش ہے ان کے متعلق وہی توقف کا اصول ہے جو حدیث بالا میں مذکور ہے کیونکہ اہل کتاب جو کچھ بیان کریں گے وہ دو حالتوں سے خالی نہیں: اگر ہم اس کی تصدیق کریں تو ممکن ہے کہ وہ در حقیقت صحیح نہ ہو بلکہ تحریف شدہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہم اس کی تکذیب

1البقرہ:136

2بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿ قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا ﴾، حدیث4485۔

کریں جبکہ وہ درحقیقت صحیح اور درست ہو۔ چونکہ انبیائے کرام علیہ السلام کے احکام و شرائع میں جزوی فرق رہا ہے اس لئے توقف ضروری ہے۔ موجودہ اہل کتاب تو بہت زیادہ گمراہی میں گرفتار ہیں، لہٰذا وہ اس حدیث کے زیادہ مصداق ہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشکل معاملات میں توقف کرنا چاہیے، تصدیق وانکار میں جلد بازی سے کام نہ لیا جائے۔

2. ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ﴾[1]

(پھر کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے۔)

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، ...قَالَ قَالَ لِي النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم " اقْرَأْ عَلَيَّ ". قُلْتُ آقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ قَالَ " فَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي ". فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ سُورَةَ النِّسَاءِ حَتَّى بَلَغْتُ ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلاَءِ شَهِيدًا﴾ قَالَ " أَمْسِكْ ". فَإِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ.))[2]

(عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مجھ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔ میں نے عرض کیا، نبی ﷺ کو میں پڑھ کے سناؤں؟ وہ تو آپ ﷺ پر ہی نازل ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں دوسرے سے سننا چاہتا ہوں۔ چنانچہ میں نے آپ کو سورۃ نساء سنانی شروع کی، جب میں ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلاَءِ شَهِيدًا﴾ پر پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ۔ میں نے دیکھا تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔)

محدثین نے نبی کریم ﷺ کے رونے کے تین اسباب بیان کئے ہیں: چونکہ نبی کریم ﷺ کو شہادت دینا ہو گی اور آپ کی شہادت پر ہی فیصلہ ہو گا آپ شافع بھی ہوں گے تو آپ اپنی امت کے گناہ گاروں کو یاد کر کے رو دیئے۔ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فضیلت پر انتہائی خوشی کی وجہ سے دوسرے اللہ تعالیٰ کی اس عطا پر انتہائی شکر گزاری کے طور پر آنسو بہہ پڑے۔ اس دن کی ہولناکی کے تصور سے رو پڑے جس کا اس آیت کریمہ میں تذکرہ ہے یعنی اس دن حضرات انبیاء علیہ السلام اپنی امتوں کے حق میں یا ان کے خلاف بطور گواہ پیش ہوں گے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسروں سے قرآن سننا تدبر کا زیادہ باعث ہے جبکہ خود پڑھنے سے اس قدر غور و فکر نہیں ہوتا۔ اس سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بھی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

3. ﴿مَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ﴾[3]

---

1 النساء:41

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلاَءِ شَهِيدًا﴾، حدیث 4582

3 الحجر:90

((ایسے عذاب سے) جیسا ہم نے ان تقسیم کرنے والوں پر اتارا۔)

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ۔ رضى الله عنهما ۔ ﴿كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ﴾ قَالَ آمَنُوا بِبَعْضٍ وَكَفَرُوا بِبَعْضٍ، الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى.))[1]

(ابن عباس رضی اللہ عنہمانے بیان کیا کہ آیت: ﴿كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ } میں سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں کچھ قرآن انہوں نے مانا کچھ نہ مانا۔)

اس حدیث میں ﴿الْمُقْتَسِمِينَ﴾ سے مراد یہود و نصاریٰ بیان کیا گیا ہے۔ واقعی انہوں نے اپنی مذہبی کتاب کے بعض حصوں کو مان کر اور بعض کا انکار کر کے، نیز بعض آیات کو چھپا کر اور بعض میں تحریف کر کے بیسیوں فرقے بنا ڈالے تھے۔ کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ اس سے مراد کفار مکہ ہیں جن کا قرآن کریم کے متعلق مطالبہ تھا کہ جن آیات میں ہمارے بتوں کی توہین ہے انہیں نکال دیا جائے باقی آیات ہم مان لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب پر اپنے عذاب کا کوڑا برسایا، وہ اہل کتاب ہوں یا اہل مکہ سے، اللہ تعالیٰ نے اس کردار کے حاملین کو معاف نہیں کیا۔

4. ﴿الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ﴾[2]

(جنھوں نے کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا (کوئی مان لیا، کوئی نہ مانا)۔)

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، رضى الله عنهما ﴿الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ﴾ قَالَ هُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ، جَزَّءُوهُ أَجْزَاءً، فَآمَنُوا بِبَعْضِهِ وَكَفَرُوا بِبَعْضِهِ.))[3]

(عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہمانے بیان کیا آیت ﴿الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ﴾ (جنہوں نے قرآن کے ٹکڑے کر رکھے ہیں) کے متعلق کہا کہ اس سے مراد اہل کتاب ہیں کہ انہوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔)

5. ﴿ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا ﴾[4]

(ہم نے داوٗد کو زبور عطا کی۔)

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ۔ رضى الله عنه ۔ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ " خُفِّفَ عَلَى دَاوُدَ الْقِرَاءَةُ، فَكَانَ يَأْمُرُ بِدَابَّتِهِ لِتُسْرَجَ، فَكَانَ يَقْرَأُ قَبْلَ أَنْ يَفْرُغَ ". يَعْنِي الْقُرْآنَ.))[5]

---

1 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب قَوْلِهِ ﴿ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ﴾، حدیث 4706-

2 الحجر:91

3 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب قَوْلِهِ ﴿ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ﴾، حدیث 4705-

4 بنی اسرائیل:55

5 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب قَوْلِهِ ﴿وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا﴾، حدیث 4713-

(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ داوٗد علیہ السلام پر زبور کی تلاوت آسان کر دی گئی تھی۔ آپ گھوڑے پر زین کسنے کا حکم دیتے اور اس سے پہلے کہ زین کسی جا چکے، تلاوت سے فارغ ہو جاتے تھے۔)

زبور میں کچھ مواعظ و نصائح اور دعائیں و تسبیحات وغیرہ تھیں احکام کے لئے تورات ہی پر اعتماد کیا جاتا تھا۔ حضرت داوٗد علیہ السلام کا زبور کو اتنی جلدی پڑھ لینا ایک معجزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے زمانہ لپیٹ دیتا ہے۔ بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ تھوڑے وقت میں برکت ڈال دیتا ہے کہ اس میں بہت سے کام سر انجام پا جاتے ہیں۔

6. ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ﴾[1]

(یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیات اور اس کی ملاقات کا انکار کیا، تو ان کے اعمال ضائع ہو گئے۔)

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ـ رضى الله عنه ـ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ "إِنَّهُ لَيَأْتِي الرَّجُلُ الْعَظِيمُ السَّمِينُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لاَ يَزِنُ عِنْدَ اللَّهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ وَقَالَ اقْرَءُوا ﴿فَلاَ نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا﴾ ".))[2]

(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ قیامت کے دن ایک بہت بھاری بھر کم موٹا تازہ شخص آئے گا لیکن وہ اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی کوئی قدر نہیں رکھے گا اور فرمایا کہ پڑھو: ﴿فَلاَ نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا﴾ (قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن نہ کریں گے۔))

قیامت کے دن ترازو میں کس چیز کو تولا جائے گا؟ اس کے متعلق اہل علم کا اختلاف ہے کچھ اہل علم کہتے ہیں کہ قیامت کے دن وزن اعمال کا ہو گا اور کچھ کہتے ہیں کہ اعمال کے صحیفوں کا وزن کیا جائے گا جبکہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وزن اشخاص کا ہو گا۔ ہر قول کی دلیل احادیث میں ملتی ہے جس کی تفصیل کتاب التوحید میں بیاہوئی ہے البتہ دو قسم کے لوگ ایسے ہوں گے جن کے وزن کرنے کا اہتمام نہیں کیا جائے گا: ایک اہل ایمان میں سے وہ خوش قسمت ستر ہزار جو بلا حساب جنت میں جائیں گے۔ دوسرا وہ کافر جن کے نامہ اعمال میں کوئی نیکی نہیں ہو گی ان کا وزن بھی نہیں ہو گا۔ ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے اعمال، صحائف اور خود عمل کرنے والوں کا وزن کیا جائے گا۔

7. ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ﴾[3]

(تو کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا مجھے ضرور ہی مال اور اولاد دی جائے گی۔)

---

1 الکھف:105

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ﴾، حدیث4729-

3 مریم:77

((عَنْ مَسْرُوقٍ، قَالَ سَمِعْتُ خَبَّابًا، قَالَ جِئْتُ الْعَاصِيَ بْنَ وَائِلٍ السَّهْمِيَّ أَتَقَاضَاهُ حَقًّا لِي عِنْدَهُ، فَقَالَ لاَ أُعْطِيكَ حَتَّى تَكْفُرَ بِمُحَمَّدٍ فَقُلْتُ لاَ حَتَّى تَمُوتَ ثُمَّ تُبْعَثَ. قَالَ وَإِنِّي لَمَيِّتٌ ثُمَّ مَبْعُوثٌ قُلْتُ نَعَمْ. قَالَ إِنَّ لِي هُنَاكَ مَالاً وَوَلَدًا فَأَقْضِيكَهُ، فَنَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ: ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لأُوتَيَنَّ مَالاً وَوَلَدًا﴾ رَوَاهُ الثَّوْرِيُّ وَشُعْبَةُ وَحَفْصٌ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ وَوَكِيعٌ عَنِ الأَعْمَشِ.))[1]

(مسروق بن اجدع نے بیان کیا کہ میں نے خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں عاص بن وائل سہمی کے پاس اپنا حق مانگنے گیا تو وہ کہنے لگا کہ جب تک تم محمد ﷺ سے کفر نہیں کروگے میں تمہیں مزدوری نہیں دوں گا۔ میں نے اس پر کہا کہ یہ کبھی نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ تم مرنے کے بعد پھر زندہ کئے جاؤ۔ اس پر وہ بولا، کیا مرنے کے بعد پھر مجھے زندہ کیا جائے گا؟ میں نے کہا ہاں، ضرور، کہنے لگا کہ پھر وہاں بھی میرے پاس مال اولاد ہوگی اور میں وہیں تمہاری مزدوری بھی دے دوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لأُوتَيَنَّ مَالاً وَوَلَدًا﴾ (بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جو ہماری آیات سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے مال اور اولاد مل کر رہیں گے۔) اس حدیث کو سفیان ثوری اور شعبہ اور حفص اور ابو معاویہ اور وکیع نے بھی اعمش سے روایت کیا ہے۔)

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ لوہار تھے۔ عاص بن وائل سہمی نے ان سے تلوار بنوائی تھی جس کی اجرت اس کے ذمے تھی اس اجرت کا مطالبہ کرنے کے لئے حضرت خباب رضی اللہ عنہ عاص بن وائل کے پاس گئے جس پر عاص نے یہ بات کہی۔ پھر اس بات کے پس منظر میں ان آیات کا نزول ہوا۔ یہ عاص بن وائل، جناب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا باپ ہے۔ یہ عاص کافر اور معزز سردار سمجھا جاتا تھا جب عمرو بن عاص مسلمان نہیں ہوئے تھے تو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی واپسی کا مطالبہ کرنے والے قریشی وفد کے نمائندہ تھے پھر جب مسلمان ہوئے تو اسلام کے لئے بہت زیادہ خدمات سرانجام دیں۔

((عَنْ خَبَّابٍ، قَالَ كُنْتُ قَيْنًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَكَانَ لِي دَيْنٌ عَلَى الْعَاصِي بْنِ وَائِلٍ قَالَ فَأَتَاهُ يَتَقَاضَاهُ، فَقَالَ لاَ أُعْطِيكَ حَتَّى تَكْفُرَ بِمُحَمَّدٍ فَقَالَ وَاللَّهِ لاَ أَكْفُرُ حَتَّى يُمِيتَكَ اللَّهُ ثُمَّ تُبْعَثَ. قَالَ فَذَرْنِي حَتَّى أَمُوتَ ثُمَّ أُبْعَثَ، فَسَوْفَ أُوتَى مَالاً وَوَلَدًا، فَأَقْضِيكَ فَنَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لأُوتَيَنَّ مَالاً وَوَلَدًا﴾))[2]

---

1 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿ أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لأُوتَيَنَّ مَالاً وَوَلَدًا ﴾، حدیث 4732-

2 ایضاً، بَابُ: ﴿كَلاَّ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا﴾، حدیث 4734-

(خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں زمانہ جاہلیت میں لوہاری کا کام کرتا تھا اور عاص بن وائل پر میرا کچھ قرض تھا۔ بیان کیا کہ میں اس کے پاس اپنا قرض مانگنے گیا تو وہ کہنے لگا کہ جب تک تم محمد ﷺ کا انکار نہیں کرتے، تمہاری مزدوری نہیں مل سکتی۔ میں نے اس پر جواب دیا کہ اللہ کی قسم! میں ہرگز نبی کریم ﷺ کا انکار نہیں کر سکتا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تجھے مار دے اور پھر تجھے دوبارہ زندہ کر دے۔ عاص کہنے لگا کہ پھر مرنے تک مجھ سے قرض نہ مانگو۔ مرنے کے بعد جب میں زندہ رہوں گا تو مجھے مال و اولاد بھی ملیں گے اور اس وقت تمہارا قرض ادا کر دوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلاَّ بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا ﴾)

عاص بن وائل نے مذاق اور استہزا کے طور پر یہ باتیں کی تھیں، دور حاضر میں اس قسم کے بے شمار ملحد اور بے دین موجود ہیں جو دین اسلام کا مذاق اڑانے اور اسے نیچا دکھانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ قیامت کے دن ان کا حال بھی عاص بن وائل جیسا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قسم کی ملحدانہ اور بے دینی والی باتوں سے محفوظ رکھے۔ آمین

8. ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴾[1]

(اور ہم نہیں اترتے مگر تیرے رب کے حکم کے ساتھ۔ اسی کا ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو اس کے درمیان ہے اور تیرا رب کبھی کسی طرح بھولنے والا نہیں۔)

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ـ رضى الله عنه ـ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم لِجِبْرِيلَ " مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَزُورَنَا أَكْثَرَ مِمَّا تَزُورُنَا فَنَزَلَتْ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلاَّ بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا ﴾"))[2]

(ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: "جیسا کہ اب آپ ہماری ملاقات کو آیا کرتے ہیں، اس سے زیادہ آپ ہم سے ملنے کیلئے کیوں نہیں آیا کرتے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلاَّ بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا ﴾ یعنی (ہم (فرشتے) نازل نہیں ہوتے بجز آپ کے پروردگار کے حکم کے، اسی کی ملک ہے جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے۔)

ہم فرشتے خود مختار مخلوق نہیں بلکہ آپ کے پروردگار کے ماتحت ہیں جب حکم ہوتا ہے اس وقت اترتے ہیں۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض تفسیری اجزاء ہیں جن کا علم صاحب وحی کے بتائے بغیر نہیں ہو سکتا کیونکہ بعض آیات سیاق و سباق کی محتاج ہوتی ہیں اور صرف حدیث ہی میں اس کا بیان ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ☆ وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ﴾[3]

---

1 مریم:64

2 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿ وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلاَّ بِأَمْرِ رَبِّكَ﴾، حدیث 4731-

3 مریم:63، 64

(اس جنت کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے انہیں بناتے ہیں جو پرہیز گار ہوتے ہیں اور ہم (فرشتے) نازل نہیں ہوتے جب تک آپ کے رب کا حکم نہ ہو۔)

پہلی آیت میں متکلم اللہ تعالیٰ ہے، دوسری آیت جو اس کے بالکل متصل ہے عبارت کے تسلسل کے پیش نظر دوسری آیت کا متکلم بھی اللہ تعالیٰ ہی ہونا چاہیے لیکن اس صورت میں لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی کسی دوسرے کے حکم سے نازل ہوتا ہے لیکن یہ مفہوم بالکل غیر اسلامی ہے اس کی وضاحت نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں فرمائی ہے کہ دوسری آیت فرشتوں کا جواب ہے جو انہوں نے نبی کریم ﷺ کو اس وقت دیا تھا جب آپ نے اس سے یہ پوچھا تھا کہ تم بار بار کیوں نہیں آتے؟ فرشتوں کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں۔ اللہ کے حکم کے بغیر پر بھی نہیں ہلا سکتے۔ ہمارا چڑھنا، اترنا اللہ کے حکم کے تابع ہے۔ وہی جانتا ہے کہ کس فرشتے کو کس پیغمبر کے پاس کس وقت بھیجنا ہے۔ مقرب ترین فرشتے اور معزز ترین پیغمبر کو یہ بھی اختیار نہیں کہ جب چاہے کہیں چلا جائے یا کسی کو اپنے پاس بلا لے۔ الغرض! ہمارا جلد یا دیر سے آنا اس کی حکمت کے تابع ہے۔

9. ﴿يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ* قُمْ فَأَنْذِرْ* وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ* وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ* وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ [1]

(اے کمبل میں لپٹنے والے! اٹھ کھڑا ہو، پس ڈرا۔ اور اپنے رب ہی کی پس بڑائی بیان کر۔ اور اپنے کپڑے پس پاک رکھ۔ اور پلیدگی کو پس چھوڑ دے۔)

((أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ الأَنْصَارِيَّ، قَالَ . وَهُوَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ، فَقَالَ . فِي حَدِيثِهِ " بَيْنَا أَنَا أَمْشِي، إِذْ سَمِعْتُ صَوْتًا، مِنَ السَّمَاءِ، فَرَفَعْتُ بَصَرِي فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحِرَاءٍ جَالِسٌ عَلَى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ، فَرُعِبْتُ مِنْهُ، فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ زَمِّلُونِي. فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ * قُمْ فَأَنْذِرْ﴾إِلَى قَوْلِهِ ﴿ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴾ فَحَمِيَ الْوَحْيُ وَتَتَابَعَ". تَابَعَهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ وَأَبُو صَالِحٍ. وَتَابَعَهُ هِلاَلُ بْنُ رَدَّادٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ. وَقَالَ يُونُسُ وَمَعْمَرٌ" بَوَادِرُهُ".))[2]

(حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ سے یہ روایت نقل کی کہ آپ ﷺ نے وحی کے رک جانے کے زمانے کے حالات بیان فرماتے ہوئے کہا کہ ایک روز میں چلا جا رہا تھا کہ اچانک میں نے آسمان کی طرف ایک آواز سنی اور میں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو میرے پاس غار حرا میں آیا تھا وہ آسمان و زمین کے بیچ میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ میں اس سے ڈر گیا اور گھر آنے پر میں نے پھر کمبل اوڑھنے کی خواہش ظاہر کی ۔ اس وقت اللہ پاک کی طرف سے یہ آیات نازل ہوئیں۔ اے لحاف اوڑھ کر لیٹنے والے! اٹھ کھڑا ہو اور لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑوں کو پاک صاف رکھ اور گندگی سے دور رہ۔ اس کے

---

1 المدثر:1-5

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب بدء الوحی، باب: 3، حدیث 4-

بعد وحی تیزی کے ساتھ پے در پے آنے لگی۔ اس حدیث کو یحییٰ بن بکیر کے علاوہ لیث بن سعد سے عبد اللہ بن یوسف اور ابو صالح نے بھی روایت کیا ہے۔ اور عقیل کے علاوہ زہری سے ہلال بن رواد نے بھی روایت کیا ہے۔ یونس اور معمر نے اپنی روایت میں لفظ "فوادہ" کی جگہ بَوَادِرُهُ نقل کیا ہے۔)

یہ روایت پہلی روایت ہی کا تتمہ ہے جسے ایک دوسری سند سے بیان کیا گیا ہے۔ پہلی سند حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک حضرت عروہ کے واسطے سے پہنچتی ہے جبکہ اس روایت کی سند حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن کے واسطے سے حضرت جابرؓ تک پہنچتی ہے۔ پہلی روایت میں ابن شہاب زہری سے بواسطہ عروہ بن عائشہ رضی اللہ عنہا بندش وحی تک کا واقعہ بیان کیا تھا اور اس روایت میں بواسطہ عن جابرؓ اس کا نتیجہ ذکر کیا ہے۔ امام بخاریؒ کی عادت ہے کہ جہاں تفرد یا خفا کی وجہ سے حدیث میں شک وشبہ یا تردد کا اندیشہ ہو وہاں الفاظ حدیث کی تائید میں مزید شواہد پیش کرتے ہیں۔ اسے محدثین کی اصطلاح میں متابعت کرتے وقت اسی استاد سے بیان کرے جس سے پہلا راوی بیان کر رہا ہے تو یہ متابعت تامہ ہو گی۔ * اور اگر دوران سند میں دادا استاد یا اس سے اوپر موافقت ہو تو وہ متابعت قاصرہ ہو گی۔ یہاں بھی امام بخاریؒ نے متابعت بیان فرمائی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ لیث بن سعد سے یحییٰ بن بکیر کے علاوہ عبد اللہ بن یوسف اور ابو صالح عبد اللہ بن صالح کا اس روایت کو بیان کرنا متابعت تامہ ہے اور ابن شہاب زہری سے عقیل کے علاوہ ہلال بن رداد کا اس روایت کی تخریج کرنا متابعت ناقصہ ہے۔ پھر آپ نے یونس اور معمر کے حوالے سے الفاظ حدیث کے اختلاف کو بیان کیا ہے کہ ان دونوں نے ابن شہاب زہری سے فؤادہ کے بجائے بوادرہ کا لفظ بیان کیا ہے۔[1]

بوادر، بادرۃ کی جمع ہے اس سے مراد گردن اور کندھے کا درمیانی حصہ ہے جو شدت خوف کے وقت اسی طرح پھڑکنے لگتا ہے جیسے دل کانپتا ہے۔ گویا دونوں روایتیں اصل معنی کے اعتبار سے برابر ہیں کیونکہ دونوں ہی گھبراہٹ پر دلالت کرتی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی وحی ﴿يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ ہے جبکہ حدیث سابق سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی وحی ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ ہے۔ دونوں ہی باتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ ﴿يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ اس اعتبار سے پہلی وحی ہے کہ بندش وحی کے بعد دوبارہ وحی کے نزول کا آغاز سورہ مدثر سے ہوا، یعنی پہلی وحی ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ کے بعد وحی کا سلسلہ عارضی طور پر منقطع ہو گیا تھا۔ اس حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کمبل اوڑھانے کا مطالبہ کیا۔ اس کی وجہ شاید آپ کی گھبراہٹ تھی جس کی وجہ سے آپ پر کپکپی طاری ہوئی اور آپ نے اہل خانہ سے کپڑا اوڑھا دینے کی فرمائش کی کیونکہ بسا اوقات گھبراہٹ کی وجہ سے بھی کپڑا

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، حدیث:4953، وکتاب التعبیر، بَابُ أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ، حدیث 6982-

اوڑھا جاتا ہے اور ایسا صرف پہلی بار ہوا۔ بعد ازاں جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو بوجھ پڑھنے سے آپ کو سخت پسینہ آ جاتا لیکن گھبراہٹ طاری نہیں ہوتی تھی اور نہ آپ کپڑا اوڑھانے ہی کا مطالبہ کرتے تھے۔(حمی الوحی) کے لغوی معنی ہیں:(وحی گرم ہو گئی)۔ جب کوئی چیز گرم ہو جائے تو کچھ دیر کے بعد ٹھنڈی ہو جاتی ہے تو(تواتر) کے لفظ سے یہ اشتباہ ختم ہو گیا یعنی وحی کا معاملہ ٹھنڈا نہیں ہوا بلکہ پہلے سے زیادہ تسلسل کے ساتھ اس کا آغاز ہو گیا۔

10. ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ* إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾ (1)

(تو اس کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دے، تاکہ اسے جلدی حاصل کرلے۔ بلاشبہ اس کو جمع کرنا اور (آپ کا) اس کو پڑھنا ہمارے ذمے ہے۔)

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ﴾ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يُعَالِجُ مِنَ التَّنْزِيلِ شِدَّةً، وَكَانَ مِمَّا يُحَرِّكُ شَفَتَيْهِ. فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَأَنَا أُحَرِّكُهُمَا لَكُمْ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يُحَرِّكُهُمَا. وَقَالَ سَعِيدٌ أَنَا أُحَرِّكُهُمَا كَمَا رَأَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يُحَرِّكُهُمَا. فَحَرَّكَ شَفَتَيْهِ. فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ* إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾ قَالَ جَمْعُهُ لَهُ فِي صَدْرِكَ، وَتَقْرَأَهُ ﴿فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ قَالَ فَاسْتَمِعْ لَهُ وَأَنْصِتْ ﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا أَنْ تَقْرَأَهُ. فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم بَعْدَ ذَلِكَ إِذَا أَتَاهُ جِبْرِيلُ اسْتَمَعَ، فَإِذَا انْطَلَقَ جِبْرِيلُ قَرَأَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم كَمَا قَرَأَهُ.))(2)

(ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کلام الٰہی ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ﴾ کی تفسیر کے سلسلہ میں سنا کہ نبی کریم ﷺ نزول قرآن کے وقت بہت سختی محسوس فرمایا کرتے تھے اور اس کی (علامتوں) میں سے ایک یہ تھی کہ یاد کرنے کے لیے آپ اپنے ہونٹوں کو ہلاتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا میں اپنے ہونٹ ہلاتا ہوں جس طرح آپ ہلاتے تھے۔ سعید کہتے ہیں میں بھی اپنے ہونٹ ہلاتا ہوں جس طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما کو میں نے ہلاتے دیکھا۔ پھر انھوں نے اپنے ہونٹ ہلائے۔ (ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا) پھر یہ آیت اتری کہ اے محمد! قرآن کو جلد جلد یاد کرنے کے لیے اپنی زبان نہ ہلاؤ۔ اس کا جمع کر دینا اور پڑھا دینا ہمارا ذمہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں یعنی قرآن آپ ﷺ کے دل میں جما دینا اور پڑھا دینا ہمارے ذمہ ہے۔ پھر جب ہم پڑھ چکیں تو اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں (اس کا مطلب یہ ہے) کہ آپ اس کو خاموشی کے ساتھ سنتے رہو۔ اس کے بعد مطلب سمجھا دینا ہمارے ذمہ ہے۔ پھر یقیناً یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ آپ اس کو پڑھو (یعنی اس کو محفوظ کر سکو) چنانچہ اس کے بعد جب آپ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام (وحی لے

---

1 القیامۃ:16-17

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب بدء الوحی، بَابُ: 3، حدیث 5-

کر) آتے تو آپ (توجہ سے) سنتے۔ جب وہ چلے جاتے تو نبی کریم ﷺ اس (وحی) کو اسی طرح پڑھتے جس طرح حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اسے پڑھا تھا۔)

وحی کی عظمت وجلالت کے پیش نظر نبی کریم ﷺ نزول وحی کے وقت ہی جلدی جلدی پڑھنے میں مشغول ہوجاتے تاکہ اس عظیم اور بابرکت کلام کا کچھ حصہ یاد کرنے سے رہ نہ جائے۔ اس بات سے بھی وحی کی عظمت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اگر وحی کی حفاظت کے لئے کسی انسان کو ذمے دار بنایا جاتا تو نسیان کا احتمال اور غلطی کا امکان باقی رہتا لیکن رب العالمین نے اس کی حفاظت، یعنی قراءات وحفظ اور بیان معانی کی ذمہ داری خود اٹھائی ہے۔ نزول وحی کے وقت آپ ﷺ تین طرح کی مشقتیں برداشت کرتے تھے: ایک یہ کہ آپ قول ثقیل سن رہے ہوتے۔ دوسرے زبان مبارک کو جلدی جلدی حرکت دیتے۔ تیسرے اس کے مطالب ومعانی بھی محفوظ فرمارہے ہوتے تھے۔ پھر محبوب اپنے محب کو اپنی صفت کلام عطا فرمارہا ہے گویا آپ فرط اشتیاق اور حفاظت کلام کے باعث یہ مشقتیں برداشت کرتے تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان تمام باتوں کی ذمہ داری قبول فرمائی تو آپ کا حافظہ اتنا قوی ہوگیا کہ حضرت جبریل علیہ السلام لمبی لمبی سورتیں پڑھتے، نبی کریم ﷺ انہیں اطمینان اور سکون سے سماعت فرماتے اور حضرت جبریل علیہ السلام کے رخصت ہونے کے بعد آپ انہیں اسی طرح پڑھ لیتے جس طرح حضرت جبریل علیہ السلام نے پڑھی ہوتیں۔ اس حدیث میں قرآن مجید کے متعلق تین مراحل کا ذکر ہے: پہلا مرحلہ ہے نبی کریم ﷺ کے سینہ مبارک میں محفوظ طریقے سے وحی کو اتارنا۔ دوسرا مرحلہ ہے قلب مبارک میں جمع شدہ قرآن کو زبان سے پڑھنے کی توفیق دینا۔ آخری مرحلہ قرآن کے مجملات کی تشریح اور مشکلات کی توضیح ہے جو احادیث صحیحہ کی شکل میں ہمارے پاس محفوظ ہے۔ ان تمام مراحل کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اٹھائی ہے۔ ﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ سے امام بخاریؒ ایک ناقابل تردید حقیقت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی تفسیر جو نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائی اور اپنے عمل سے سکھائی ہے سب اللہ کی وحی کے تحت ہے اس لئے جو لوگ حدیث نبوی کے متعلق شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں ان کی جملہ کوششیں مذموم اور تمام خیالات بے سروپا اور غلط ہیں۔ قرآنی آیات کا یہ کتنا بڑا اعجاز ہے کہ وہ ایک معصوم بچے کو بھی یاد ہوجاتی ہیں جبکہ دوسری طرف مذہبی کتابیں مختصر ہونے کے باوجود بڑا آدمی بھی انہیں یاد نہیں کرسکتا۔ آیت کریمہ میں زبان کو حرکت دینے کا ذکر ہے جب کہ حدیث شریف میں ہونٹ ہلانے کا تذکرہ ہے مناسب تھا کہ آیت کی مناسبت سے حدیث میں بھی زبان کا ذکر ہوتا لیکن راوی نے اس مقام پر اختصار سے کام لیا ہے چنانچہ صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں ہونٹوں کے ساتھ زبان کا بھی ذکر ہے۔[1]

1 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كِتَاب تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ﴾، حدیث 4929۔

مبحث دوم:

الکافی کی کتب اور ملائکہ سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

اسلام نے کتب و ملائکہ پر ایمان لانا ہر مسلمان کے لیے لازمی قرار دیا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہیں، ان پر ایمان لائے بغیر کوئی بھی شخص مسلمان نہیں بن سکتا۔ امام کلینیؒ نے الکافی میں کتب اور ملائکہ سے متعلق تفسیری احادیث و آثار بیان کیے ہیں، جن کو ذیل میں پیش کیا جارہا ہے:

1. ﴿بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ يَكْفُرُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ بَغْيًا﴾[1]

(بری ہے وہ چیز جس کے بدلے انھوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا کہ اس چیز کا انکار کر دیں جو اللہ نے نازل فرمائی۔)

((عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عليه‌السلام ،قَالَ:«نَزَلَ جَبْرَئِيلُ عليه‌السلام بِهذِهِ الْآيَةِ عَلى مُحَمَّدٍ صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم هكَذَا: ﴿بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ يَكْفُرُوا بِما أَنْزَلَ اللهُ ﴾ فِي عَلِيٍّ ﴿بَغْياً﴾))[2]

(حضرت ابو جعفر علیہ السلام فرماتے ہیں: جبرائیل علیہ السلام نے اس آیت کو رسول اللہ ﷺ پر یوں نازل کیا ہے۔﴿بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ يَكْفُرُوا بِما أَنْزَلَ اللهُ ﴾ فِي عَلِيٍّ ﴿بَغْياً﴾(بری ہے وہ چیز جس کے بدلے انھوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا کہ اس چیز کا انکار کر دیں جو اللہ نے (علی کے بارے میں) نازل فرمائی۔))

2. ﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولَئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ﴾[3]

(وہ لوگ جنھیں ہم نے کتاب دی ہے، اسے پڑھتے ہیں جیسے اسے پڑھنے کا حق ہے، یہ لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔)

((عَنْ أَبِي وَلَّادٍ ، قَالَ : سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ الَّذِينَ ءَاتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولَئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ﴾قَالَ: «هُمُ الْأَئِمَّةُ عليهم‌السلام ».))[4]

(ابو ولاد سے روایت کی کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿ الَّذِينَ ءَاتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولَئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ﴾ کے بارے میں سوال کیا؟ وہ جن کو کتاب ہم نے دی ہے وہ اس کی اس طرح تلاوت کرتے ہیں جیسے حق ہے اور یہ ہی اس پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: وہ ائمہ ھدی ہیں۔)

---

1 البقرہ:90

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كتاب الحجة ،بَابٌ فِيهِ نُكَتٌ ونُتَفٌ مِنَ التَّنْزِيلِ فِي الْوَلَايَةِ، باب108، حدیث1112(25)-

3 البقرہ:121

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الْحُجَّةِ ، بَابٌ فِي أَنَّ مَنِ اصْطَفَاهُ اللهُ مِنْ عِبَادِهِ وَأَوْرَثَهُمْ كِتَابَهُ هُمُ الْأَئِمَّةُ عليهم‌السلام، باب24، حدیث4/569-

3. ﴿نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنْزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ * مِنْ قَبْلُ هُدًى لِلنَّاسِ وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ﴾[1]

(اس نے تجھ پر یہ کتاب حق کے ساتھ اتاری، اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے ہے اور اس نے تورات اور انجیل نازل کیں۔ اس سے پہلے، لوگوں کی ہدایت کیلئے، اور اس نے (حق و باطل میں) فرق کرنے والی (کتاب) نازل کی۔)

((سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنِ الْقُرْآنِ وَالْفُرْقَانِ : أَهُمَا شَيْئَانِ ، أَوْ شَيْءٌ وَاحِدٌ؟ فَقَالَ عليه‌السلام : « الْقُرْآنُ جُمْلَةُ الْكِتَابِ ، وَالْفُرْقَانُ الْمُحْكَمُ الْوَاجِبُ الْعَمَلِ بِهِ ».))[2]

(حضرت امام صادق علیہ السلام سے سوال کیا، کیا قرآن اور فرقاں دو الگ الگ ہیں یا دونوں ایک ہی ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: قرآن وہ کتاب ہے اور فرقان اس کا وہ حصہ ہے جو محکم ہے کہ جس پر عمل کرنا واجب ہے۔)

4. ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ﴾[3]

(وہی ہے جس نے تجھ پر یہ کتاب اتاری، جس میں سے کچھ آیات محکم ہیں، وہی کتاب کی اصل ہیں اور کچھ دوسری کئی معنوں میں ملتی جلتی ہیں، پھر جن لوگوں کے دلوں میں تو کجی ہے وہ اس میں سے ان کی پیروی کرتے ہیں جو کئی معنوں میں ملتی جلتی ہیں، فتنے کی تلاش کے لیے اور ان کی اصل مراد کی تلاش کے لیے، حالانکہ ان کی اصل مراد اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔)

((عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عليه‌السلام ، قَالَ: « إِنَّ أُنَاساً تَكَلَّمُوا فِي هذَا الْقُرْآنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ، وَذلِكَ أَنَّ اللهَ - تَبَارَكَ وَتَعَالى - يَقُولُ : ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتابَ مِنْهُ آياتٌ مُحْكَماتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتابِ وَأُخَرُ مُتَشابِهاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ ما تَشابَهَ مِنْهُ ابْتِغاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغاءَ تَأْوِيلِهِ وَما يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللهُ﴾الْآيَةَ ، فَالْمَنْسُوخَاتُ مِنَ الْمُتَشَابِهَاتِ ، وَالْمُحْكَمَاتُ مِنَ النَّاسِخَاتِ.))[4]

(حضرت ابو جعفر علیہ السلام نے فرمایا: یہ لوگ قرآن کے بارے میں بغیر علم کے باتیں کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتابَ مِنْهُ آياتٌ مُحْكَماتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتابِ وَأُخَرُ

---

1 آل عمران:4-3

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کِتَابُ فَضْلِ الْقُرْآنِ، بَابُ النَّوَادِرِ، باب13، حدیث3579/11-

3 آل عمران:7

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کِتَابُ الْإِيمَانِ وَالْكُفْرِ، بَابٌ، باب17، حدیث1518/1-

مُتَشابِهاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ ما تَشابَهَ مِنْهُ ابْتِغاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغاءَ تَأْوِيلِهِ وَما يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللهُ ﴾(وہی ذات ہے جس نے آپ پر وہ کتاب نازل فرمائی جس کی بعض آیات محکم ہیں وہی اصل کتاب ہے اور کچھ متشابہ آیات ہیں جن کے دلوں میں کجی ہے۔ وہ فتنہ اور تاویل کی تلاش میں متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ جب ان کی تاویل سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔) آپ علیہ السلام نے فرمایا: جتنی آیات منسوخ ہوئی ہیں وہ سب متشابہات میں سے ہیں اور جو محکمات میں سے ہیں وہ ناسخات ہیں۔)

5. ﴿يا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتابَ آمِنُوا بِما نَزَّلْنا ﴾ [1]

(اے لوگو جنھیں کتاب دی گئی ہے! اس پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا ہے۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ علیه‌السلام ، قالَ : نَزَلَ جَبْرَئِيلُ علیه‌السلام عَلى مُحَمَّدٍ صلی‌الله‌علیه‌وآله بِهذِهِ الْآيَةِ هكَذا: ﴿يا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتابَ آمِنُوا بِما نَزَّلْنا﴾ فِي عَلِيٍّ (نُوراً مُبِيناً).)) [2]

(حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپ نے اس قول کے بارے میں فرمایا: ﴿ياأَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتابَ آمِنُوا بِما نَزَّلْنا فِي عَلِيٍّ نُوراً مُبِيناً﴾ (وہ جن کو کتاب دی گئی ہے وہ ایمان لے آؤ اس پر جو ہم نے (علی کے بارے) میں نازل کیا، وہ روشن آشکار نور ہے)، یعنی جو علی علیہ السلام کے بارے میں نازل کیا ہے وہ نور مبین ہے۔)

6. ﴿وَأُوحِيَ إِلَيَّ هذَا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ ﴾ [3]

(اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے، تاکہ میں تمھیں اس کے ساتھ ڈراؤں اور اسے بھی جس تک یہ پہنچے۔)

((عَنْ مالِكٍ الْجُهَنِيِّ ، قالَ :قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِ اللهِ علیه‌السلام : قَوْلُهُ عَزَّ وجَلَّ : ﴿وَأُوحِيَ إِلَيَّ هذَا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ ﴾؟ قالَ: مَنْ بَلَغَ أَنْ يَكُونَ إِماماً مِنْ آلِ مُحَمَّدٍ ، فَهُوَ يُنْذِرُ بِالْقُرْآنِ كَما أَنْذَرَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صلی‌الله‌علیه‌وآله)) [4]

(مالک جہنی نے روایت کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو عبد اللہ صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا، کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے کیا مراد ہے ؟﴿وَأُوحِيَ إِلَيَّ هذَا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ ﴾ یہ قرآن مجید میری طرف وحی کیا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعے تم کو ہر اس کو جس تک پہنچے، اس کو ڈراوں۔ آپ علیہ

1 النساء:47

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كتاب الحجّة ، بَابٌ فِيهِ نُكَتٌ ونُتَفٌ مِنَ التَّنْزِيلِ فِي الْوَلَايَةِ، باب108، حدیث1114/27-

3 الانعام:19

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كتاب الحجّة ، بَابٌ فِيهِ نُكَتٌ ونُتَفٌ مِنَ التَّنْزِيلِ فِي الْوَلَايَةِ، باب108، حدیث1108/21-

السلام نے فرمایا:﴿مَنْ بَلَغَ ﴾سے مراد آل محمد ﷺ کے وہ افراد ہیں جو امام ہوتے ہیں، وہ ایسے ہی اس قرآن مجید کے ذریعے ڈراتے ہیں، جیسے کہ رسول ﷺ اس کے ذریعے سے ذراتے ہیں۔)

7. ﴿فإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴾[1]

(تو بے شک وہ تجھے نہیں جھٹلاتے اور لیکن وہ ظالم اللہ کی آیات ہی کا انکار کرتے ہیں۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام ﴿فَإِنَّهُمْ لا يُكَذِّبُونَكَ وَلكِنَّ الظّالِمِينَ بِآياتِ اللهِ يَجْحَدُونَ﴾ لكِنَّهُمْ يَجْحَدُونَ بِغَيْرِ حُجَّةٍ لَهُمْ))[2]

(ابو عبد اللہ علیہ السلام نے اس آیت سے متعلق فرمایا:﴿فَإِنَّهُمْ لا يُكَذِّبُونَكَ وَلكِنَّ الظّالِمِينَ بِآياتِ اللهِ يَجْحَدُونَ﴾ (کیونکہ وہ آپ کا انکار نہیں کرتے بلکہ ظالم اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے ہیں) لیکن بغیر دلیل کے ان کا انکار کرتے ہیں۔)

8. ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِلْمُتَوَسِّمِينَ ﴾[3]

(بے شک اس میں گہری نظر سے دیکھنے والوں کے لیے یقینا بہت سی آیات ہیں۔)

((عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عليه‌السلام فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿إِنَّ فِي ذلِكَ لَآياتٍ لِلْمُتَوَسِّمِينَ ﴾قَالَ: « هُمُ الْأَئِمَّةُ عليهم‌السلام ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله: اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ ؛ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ ، فِي قَوْلِ اللهِ تَعَالى: ﴿إِنَّ فِي ذلِكَ لَآياتٍ لِلْمُتَوَسِّمِينَ ﴾))[4]

(ابو جعفر امام باقر علیہا السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں سوال کیا:﴿ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِلْمُتَوَسِّمِينَ ﴾ سے کیا مراد ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اس سے مراد ائمہ ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: یہ متوسمین و صاحبان فراست ائمہ ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مومن کی فراست سے بچو، کیونکہ مومن اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے، اور آپ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِلْمُتَوَسِّمِينَ ﴾)

9. ﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ﴾[5]

(وہ لوگ جنھیں ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔)

---

1 الانعام:33

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الْحُجَّةِ ، بَابُ الْإِشَارَةِ وَالنَّصِّ عَلى أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عليه‌السلام ، باب65، حدیث768/3-

3 الحجر:75

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الْحُجَّةِ ، بَابُ أَنَّ الْمُتَوَسِّمِينَ - الَّذِينَ ذَكَرَهُمُ اللهُ تَعَالى فِي كِتَابِهِ - هُمُ الْأَئِمَّةُ عليهم‌السلام وَالسَّبِيلُ فِيهِمْ مُقِيمٌ، باب28، حدیث580/3-

5 القصص:52

((عَنْ أَبِي الْجَارُودِ ، قَالَ :قُلْتُ لِأَبِي جَعْفَرٍ عليه‌السلام : لَقَدْ آتَى اللهُ أَهْلَ الْكِتَابِ خَيْراً كَثِيراً ، قَالَ: « وَمَا ذَاكَ ؟ » قُلْتُ : قَوْلُ اللهِ تَعَالى : ﴿ الَّذِينَ ءَاتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ﴾))[1]

(ابو الجارود سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں قرآن مجید کی اس آیت کو پیش کیا:﴿لَقَدْ آتَى اللهُ أَهْلَ الْكِتَابِ خَيْراً كَثِيراً ﴾(یقیناً اہل کتاب کو بہت زیادہ خیر کثیر عطا کیا) آپ علیہ السلام نے فرمایا: یہ کون ہیں جن کو خیر کثیر عطا کیا گیا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿الَّذِينَ ءَاتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ﴾(وہ لوگ جن کو ہم نے آپ سے قبل کتاب عطا فرمائی، وہ اس کتاب پر ایمان لانے والے ہیں۔)

خلاصہ بحث

انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد کتب اور ملائکہ پر ایمان لانا لازم ہے، انبیاء کرام پر ملائکہ وحی لے کر آیا کرتے تھے، جو فرشتہ وحی لے کر آیا کرتا تھا اس کو جبرائیل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بے شمار فرشتے ہیں، تاہم کچھ فرشتے ایسے جن کے نام قرآن مجید اور کتب احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ مثلاً: جبرائیل، اسرافیل، میکائیل، ملک الموت، رضوان، منکر نکیر، کراما کاتبین وغیرہ، ان ملائکہ کی مختلف ذمہ داریاں ہیں، کوئی وحی پہنچانے کے امور سرانجام دیتا ہے، تو کوئی زرق کے امور سرانجام دیتا ہے، کوئی موت کی ذمہ داری رکھتا ہے، اور کوئی قبر میں سوالات کرتا ہے، کوئی جنت کا فرشتہ ہے، ان تمام کے بارے میں وضاحت پہلے بیان ہو چکی ہے۔ جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آیا کرتے تھے، اور انبیاء کرام علیہ السلام ہر مختلف کتب نازل ہوئیں، مثلاً: توارت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی، زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی، انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، اور قرآن مجید حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا، اس کے علاوہ کچھ انبیاء کرام پر صحائف بھی نازل ہوئے ہیں۔ ان تمام کتب میں قرآن مجید پر عمل عصر حاضر میں ضروری ہے کیونکہ قرآن مجید کے آنے کے بعد باقی کتب منسوخ ہو چکی ہیں، اور یہ کتاب قیامت تک کے آنے والے لوگوں کے رشد و ہدایت کے لیے نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کے بعد کوئی نئی کتاب نہیں آئے گی۔ صحیح بخاری اور الکافی کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ان دونوں کتب میں کچھ مشترکات ہیں اور کچھ مختلفات ہیں۔ عقائد اسلام میں ملائکہ اور الہامی کتب پر ایمان لازم ہے، اور دنوں مسالک ان کو عقائد اسلام میں شمار کرتے ہیں۔ قرآن مجید کو الفرقان بھی کہا جاتا ہے۔ فرقان کا مطلب "فرق کرنے والی کتاب" کے ہیں، تاہم الکافی میں الفرقان کو قرآن مجید کا جز کہا گیا ہے اس سے مراد محکم آیات ہیں، جن پر عمل کرنا واجب ہے۔ صحیح بخاری میں تحریف قرآن پر کوئی روایت نہیں ملتی تاہم الکافی میں کچھ روایات ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تحریف قرآن مجید کے بھی قائل ہیں۔ لیکن اہل تشیع کے جدید مفسرین تحریف قرآن مجید کے قائل نہیں ہیں۔

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، **الکافی**، كِتَابُ الْحُجَّةِ ، بَابُ أَنَّ الْأَئِمَّةَ عليهم‌السلام نُورُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ ، باب 13، حدیث 520/3-

فصل چہارم:

آخرت سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

آخرت کا معنی و مفہوم

آخرت کا لفظ عربی زبان میں اخرۃ لکھا جاتا ہے جس کے معنی بعد میں آنے والی چیز کے ہیں۔ آخرت کے مقابلے میں دنیا کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جس کے معنی قریب کے ہیں۔ آخرت سے مراد موت کے بعد والی زندگی ہے یعنی اس دنیا کے فنا ہو جانے کے بعد پیدا ہونے والا ایک نیا جہان اور انسان کو ملنے والی ایک نئی زندگی ہے۔

عقیدہ آخرت کی وضاحت

آخرت اس عقیدے کا نام ہے کہ ایک دن یہ دنیا اور اس کی ہر شے فنا ہو جائے گی اس کے بعد ایک نئی زندگی شروع ہو گی انسانوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ انسانوں سے ان کی گزشتہ زندگی کے بارے میں سوال کرے گا اور پھر انسان دنیا میں کیے جانے والے ہر عمل کا حساب دے گا۔ دنیا میں نیک اعمال کرنے والے کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لیے جنت عطا کرے گا اور بُرے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ﴾[1](بیشک نیک لوگ یقیناً بڑی نعمت میں ہوں گے۔ اور بیشک نافرمان لوگ یقیناً بھڑکتی آگ میں ہوں گے۔)ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ﴿فَأَمَّا مَنْ طَغَى وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَى وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى﴾[2]

(پس جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا، اور دل کو خواہشوں سے روکتا رہا۔)

آخرت قرآن مجید کی روشنی میں

آخرت سے متعلق چند قرآنی آیات حسب ذیل ہیں:

1) ﴿زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَى وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ﴾[3]

---

1 الانفطار:13-14

2 النازعات:37-41

3 التغابن:7

(وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا انھوں نے گمان کیا کہ وہ ہر گز اٹھائے نہیں جائیں گے۔ کہہ دے کیوں نہیں؟ میرے رب کی قسم! تم ضرور بالضرور اٹھائے جاؤ گے، پھر تمھیں ضرور بالضرور بتایا جائے گا جو تم نے کیا اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔)

2) ﴿وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ﴾[1]

(آپ انہیں حشر کے دن سے ڈرائیں، اُس میں شک نہیں ہے، اُس دن ایک گروہ جنت میں جائے گا اور ایک جہنم میں جائے گا۔)

3) ﴿وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ﴾[2] (اور اہل ایمان) آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔)

4) ﴿أَلَا يَظُنُّ أُولَئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾[3]

(کیا یہ لوگ یقین نہیں رکھتے بے شک انہیں بڑے دن کے لیے اٹھایا جائے گا اس دن لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔)

آخرت احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں

آخرت سے متعلق ذیل میں چند احادیث پیش کی جارہی ہیں:

1) نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَذِهِ مِنْ هَذِهِ أَوْ كَهَاتَيْنِ ". وَقَرَنَ بَيْنَ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى))[4] (میں اور قیامت اس طرح ایک ساتھ بھیجے گئے ہیں پھر آپ ﷺ نے شہادت والی اور درمیانی انگلی کو اکٹھا کر لیا۔)

2) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((بَادِرُوا بِالأَعْمَالِ سِتًّا طُلُوعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا أَوِ الدُّخَانَ أَوِ الدَّجَّالَ أَوِ الدَّابَّةَ أَوْ خَاصَّةَ أَحَدِكُمْ أَوْ أَمْرَ الْعَامَّةِ))[5] (چھ نشانیاں ظاہر ہونے سے پہلے نیک اعمال کرو: (قیامت کے دن) سورج کا مغرب کی سمت سے طلوع ہونا، دجال کا ظاہر ہونا، دھویں کا نکلنا، زمین سے ایک جانور کا نکلنا، انفرادی عذاب، اجتماعی عذاب)

3) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((أَكْثِرُوا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ))[6] (لذتوں کو کاٹنے والی (موت) کو خوب یاد کیا کرو۔)

---

1 الشوریٰ:7

2 البقرہ:4

3 المطففین:4-6

4 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الطلاق، بَابُ اللِّعَانِ، حدیث 5301-

5 قشیری، ابوالحسین، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب الفتن واشراط الساعة، باب فِي بَقِيَّةٍ مِنْ أَحَادِيثِ الدَّجَّالِ، حدیث 7397-

6 نسائی، ابو عبدالرحمن، احمد بن شعیب، السنن، کتاب الجنائز، بَابُ كَثْرَةِ ذِكْرِ الْمَوْتِ، حدیث 1825-علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت "حسن" ہے۔

مبحث اول:

صحیح بخاری کی آخرت سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

آخرت پر ایمان لانا بھی ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، کیونکہ یہ بھی بنیادی عقائد میں سے ہے، آخرت سے مراد اس دنیا فانی کے بعد بھی ایک زندگی ہے جو نہ ختم ہونے والی ہے، لہذا اس دنیا فانی میں اس اخروی زندگی کی تیاری کے لیے انسان کو بھیجا گیا ہے، امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں آخرت سے متعلق تفسیر احادیث و آثار کو بیان کیا ہے، جن کو ذیل میں پیش کیا جارہا ہے

1. ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى﴾[1]

(اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب! مجھے دکھا تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟)

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ۔ رضى الله عنه ۔ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم " نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ ﴿رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَى وَلَكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي﴾))[2]

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "شک کرنے کا ہمیں ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ حق ہے، جب انہوں نے عرض کیا تھا کہ اے میرے رب! مجھے دکھا دے کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا، اللہ کی طرف سے ارشاد ہوا، کیا تجھ کو یقین نہیں ہے؟ عرض کی یقین ضرور ہے، لیکن میں نے یہ درخواست لیے کی ہے کہ میرے دل کو اور اطمینان حاصل ہو جائے۔)

یہاں پر ایک اشکال ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جلیل القدر پیغمبر ہیں انہوں نے احیائے موتی (مردوں کے زندہ ہونے کے بارے) میں اظہار شک کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے قطعاً شک کا اظہار نہیں کیا بلکہ وہ تو احیائے موتی کی کیفیت کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے وہ بھی اس لئے کہ جب انہوں نے نمرود سے کہا: میرا رب زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے تو خیال آیا کہ علم الیقین تک ارتقاء فرمائیں اور اس کا مشاہدہ کریں۔

علامہ کرمانیؒ لکھتے ہیں: اس حدیث سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شک کرنا ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کی نفی ہوتی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب شک کے حق دار ہونے کے باوجود ہمیں کوئی شک نہیں تو ابراہیم علیہ السلام بالاولیٰ شک و شبہ سے بالاتر ہیں۔[3]

---

1 البقرہ:260

2 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب: ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى﴾، حدیث 4537-

3 الکرمانی، شمس الدین، محمد بن یوسف، الکواکب الداری فی شرح الجامع الصحیح، (بیروت: دار إحياء التراث العربي، 1981ء)16/43-

دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف کیفیت احیا میں قلبی اطمینان کے لئے درخواست کی تھی شک کی بنا پر نہیں تھی اگر شک کی وجہ سے ایسا ہوتا تو ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کا حق ہمیں ہوتا۔ دونوں صورتوں میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد تواضع اور انکسار پر مبنی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے: ''ہم'' سے مراد آپ کی ذات گرامی نہیں بلکہ آپ کی امت ہو۔

2. ﴿وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (1)

(اور جو خیال تمہارے دلوں کے اندر چھپا ہوا ہے اگر تم اس کو ظاہر کر دو یا اسے چھپائے رکھو ہر حال میں اللہ اس کا حساب تم سے لے گا، پھر جسے چاہے بخش دے گا اور جسے چاہے عذاب کرے گا اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔)

((عَنْ مَرْوَانَ الأَصْفَرِ، عَنْ رَجُلٍ، مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَهْوَ ابْنُ عُمَرَ أَنَّهَا قَدْ نُسِخَتْ ﴿وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ﴾ الآيَةَ.)(2)

(مروان اصفر نے اور ان سے نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہ آیت ﴿وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ﴾ (اور جو کچھ تمہارے نفسوں کے اندر ہے اگر تم ان کو ظاہر کرو یا چھپائے رکھو۔) آخر تک منسوخ ہو گی تھی۔)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اس آیت کے منسوخ ہونے کا علم تھا جبکہ ایک روایت اس کے برعکس ہے چنانچہ حضرت مجاہد کہتے ہیں:

((مِنْ طَرِيقِ مُجَاهِدٍ قَالَ دخلت على بن عَبَّاس فَقلت كنت عِنْد بن عُمَرَ فَقَرَأَ وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ فبكى فَقَالَ بن عَبَّاسٍ إِنَّ هَذِهِ الْآيَةَ لَمَّا أُنْزِلَتْ غَمَّتْ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَمًّا شَدِيدًا وَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلَكْنَا فَإِنَّ قُلُوبَنَا لَيْسَتْ بِأَيْدِينَا فَقَالَ قُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا فَقَالُوا فَنَسَخَتْهَا هَذِهِ الْآيَةُ لَا يُكَلِّفُ الله نفسا إِلَّا وسعها))(3)

(میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تھا انہوں نے اس آیت کو تلاوت کیا اور رونے لگے اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ

---

1 البقرہ:284

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾، حدیث 4545-

3 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، 8/206-

عنہمانے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی تھی تو صحابہ کرامؓ انتہائی دل گرفتہ اور پریشان ہوئے اور عرض کرنے لگے: اللہ کے رسول! ہم تو ہلاک ہو گئے کیونکہ ہمارے دل ہمارے قبضے میں نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا: "تم کہو ہم نے سن لیا اور اطاعت گزار بن گئے"۔ انہوں نے ایسا ہی کہا۔ تب وہ آیت درج ذیل آیت سے منسوخ ہو گئی: "اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔")

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

" أَن بن عُمَرَ لَمْ يَكُنِ اطَّلَعَ عَلَى كَوْنِ هَذِهِ الْآيَةِ مَنْسُوخَةً "[1]

(ابتدا میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اس کے نسخ کا علم نہ ہو اور بعد میں اس کا علم ہوا ہو۔)

3. ﴿فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ﴾[2]

(تو یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، یہ انبیاء کرام کے ساتھ ہوں گے۔)

((عَنْ عَائِشَةَ ـ رضى الله عنها ـ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ " مَا مِنْ نَبِيٍّ يَمْرَضُ إِلاَّ خُيِّرَ بَيْنَ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ ". وَكَانَ فِي شَكْوَاهُ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ أَخَذَتْهُ بُحَّةٌ شَدِيدَةٌ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ ﴿مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ﴾ فَعَلِمْتُ أَنَّهُ خُيِّرَ))[3]

(عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو نبی مرض الموت میں بیمار ہوتا ہے تو اسے دنیا اور آخرت کا اختیار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کی مرض الموت میں جب آواز گلے میں پھنسنے لگی تو میں نے سنا کہ آپ ﷺ فرما رہے تھے: ﴿مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ﴾ (ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ۔) اس لیے میں سمجھ گئی کہ آپ کو بھی اختیار دیا گیا ہے (اور آپ ﷺ نے «اللهم بالرفيق الاعلي» کہہ کر آخرت کو پسند فرمایا)۔)

ایک دوسری روایت میں اس کی مزید وضاحت ہے۔

((عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ صَحِيحٌ يَقُولُ " إِنَّهُ لَمْ يُقْبَضْ نَبِيٌّ قَطُّ حَتَّى يَرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ ثُمَّ يُحَيَّا أَوْ يُخَيَّرَ ". فَلَمَّا اشْتَكَى وَحَضَرَهُ الْقَبْضُ وَرَأْسُهُ عَلَى فَخِذِ عَائِشَةَ غُشِيَ

---

1 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، **فتح الباری بشرح صحیح البخاری**، 8/206-

2 النساء: 69

3 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ ﴾، حدیث -4586

عَلَيْهِ، فَلَمَّا أَفَاقَ شَخَصَ بَصَرُهُ نَحْوَ سَقْفِ الْبَيْتِ ثُمَّ قَالَ " اللَّهُمَّ فِي الرَّفِيقِ الأَعْلَى ". فَقُلْتُ إِذًا لاَ يُجَاوِرُنَا. فَعَرَفْتُ أَنَّهُ حَدِيثُهُ الَّذِي كَانَ يُحَدِّثُنَا وَهْوَ صَحِيحٌ.))[1]

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی کریم ﷺ تندرستی کی حالت میں فرمایا کرتے تھے: "کسی نبی کو اس وقت تک موت نہیں آتی جب تک اسے جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھایا جائے، پھر اسے دنیا میں رہنے یا آخرت کی طرف سدھارنے کا اختیار دیا جاتا ہے"۔ آپ جب بیمار ہوئے اور آخری وقت آیا تو آپ کا سر مبارک میری ران پر رکھا ہوا تھا آپ بے ہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو چھت کی طرف دیکھنے لگے اور فرمایا: "اے اللہ! میں رفیق اعلی کی رفاقت چاہتا ہوں" میں نے (دل میں) کہا: اب نبی کریم ﷺ ہمارے پاس نہیں رہیں گے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ وہی حدیث ہے جو آپ تندرستی کی حالت میں بیان کیا کرتے تھے۔)

4. ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾[2]

(آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا۔)

((عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ، قَالَتِ الْيَهُودُ لِعُمَرَ إِنَّكُمْ تَقْرَءُونَ آيَةً لَوْ نَزَلَتْ فِينَا لاَتَّخَذْنَاهَا عِيدًا. فَقَالَ عُمَرُ إِنِّي لأَعْلَمُ حَيْثُ أُنْزِلَتْ، وَأَيْنَ أُنْزِلَتْ، وَأَيْنَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم حِينَ أُنْزِلَتْ يَوْمَ عَرَفَةَ، وَإِنَّا وَاللَّهِ بِعَرَفَةَ . قَالَ سُفْيَانُ وَأَشُكُّ كَانَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَمْ لاَ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾)) [3]

(طارق بن شہاب نے روایت کیا کہ یہودیوں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ لوگ ایک ایسی آیت کی تلاوت کرتے ہیں کہ اگر ہمارے یہاں وہ نازل ہوئی ہوتی تو ہم (جس دن وہ نازل ہوئی ہوتی) اس دن عید منایا کرتے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ آیت: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ کہاں اور کب نازل ہوئی تھی اور جب عرفات کے دن نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ کہاں تشریف رکھتے تھے۔ اللہ کی قسم! ہم اس وقت میدان عرفات میں تھے۔ سفیان ثوری نے کہا کہ مجھے شک ہے کہ وہ جمعہ کا دن تھا یا اور کوئی دوسرا دن تھا۔)

صحیح بخاری کی دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے: ((الَّذِي نَزَلَتْ فِيهِ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ قَائِمٌ بِعَرَفَةَ يَوْمَ جُمُعَةٍ.))[4] جس دن یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وہ جمعے کا دن تھا۔

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كِتَاب الْمَغَازِي ، بَابُ مَرَضِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَفَاتِهِ ، **حدیث** 4437-

2 المائدہ: 3

3 بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، **کتاب تفسیر القرآن**، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ ﴾، **حدیث** 4606-

4 **ایضاً**، كِتَاب الْإِيمَانِ ، بَابُ زِيَادَةِ الإِيمَانِ وَنُقْصَانِهِ ، **حدیث** 45-

سفیان ثوری کے شک کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات سوموار کے دن ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ہوئی جیسا کہ مشہور ہے اگر یوم عرفہ جمعے کا دن تھا تو پھر کسی صورت میں بارہ ربیع الاول کو سوموار کا دن نہیں پڑتا بہر حال اس بات پر اتفاق ہے کہ جس دن یہ آیت نازل ہوئی وہ جمعۃ المبارک کا دن تھا۔

حافظ ابن حجرؒ نے اسحاق کی روایت نقل کی ہے: ((يَوْمَ جُمُعَةٍ يَوْمَ عَرَفَةَ وَكِلاهُمَا بِحَمْدِ اللَّهِ لَنَا عِيدٌ))[1](اللہ کے فضل و کرم سے جمعہ اور عرفہ دونوں دن ہمارے لئے عید ہیں۔)

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جمعہ کا دن تو واقعی ہمارے لئے عید ہے لیکن عرفہ کے دن کو عید کس بنا پر کہا گیا ہے؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں: حج کرنے والوں کی اصل عید تو یوم عرفہ ہی ہوتی ہے کیونکہ اس دن حج کا رکن اعظم، یعنی وقوف عرفہ ادا ہوتا ہے۔ اصل عید تو دسویں تاریخ یوم النحر کو ہوتی ہے چونکہ یہ دن یوم عرفہ کے متصل ہوتا ہے اور کسی شے کے قرب کو بھی وہی حکم دیا جاتا ہے جو اصل چیز کا ہوتا ہے اس لئے یوم عرفہ کو عید کہا ہے کیونکہ اس کے متصل لیلۃ العید شروع ہو جاتی ہے۔

5. ﴿الَّذِينَ يُحْشَرُونَ عَلَى وُجُوهِهِمْ إِلَى جَهَنَّمَ أُولَئِكَ شَرٌّ مَكَانًا وَأَضَلُّ سَبِيلًا﴾[2]

(وہ لوگ جو اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے وہی ٹھکانے میں نہایت برے اور راستے کے اعتبار سے بہت زیادہ گمراہ ہیں۔)

((حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ . رضى الله عنه .. أَنَّ رَجُلاً، قَالَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ يُحْشَرُ الْكَافِرُ عَلَى وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ " أَلَيْسَ الَّذِي أَمْشَاهُ عَلَى الرِّجْلَيْنِ فِي الدُّنْيَا قَادِرًا عَلَى أَنْ يُمْشِيَهُ عَلَى وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ". قَالَ قَتَادَةُ بَلَى وَعِزَّةِ رَبِّنَا.))[3]

(ہم سے انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک صاحب نے پوچھا، اے اللہ کے نبی! کافر کو قیامت کے دن اس کے چہرے کے بل کس طرح چلایا جائے گا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ جس نے اسے اس دنیا میں دو پاؤں پر چلایا ہے اس پر قادر ہے کہ قیامت کے دن اس کو اس کے چہرے کے بل چلا دے۔ قتادہ نے کہا یقیناً ہمارے رب کی عزت کی قسم! یونہی ہو گا۔)

1عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، 1/105-

2الفرقان:34

3بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب قَوْلِهِ: ﴿الَّذِينَ يُحْشَرُونَ عَلَى وُجُوهِهِمْ إِلَى جَهَنَّمَ أُولَئِكَ شَرٌّ مَكَانًا وَأَضَلُّ سَبِيلاً﴾، حدیث4760-

وہ کافر جو دنیا میں اللہ کے حضور جھکتے نہیں تھے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل وخوار کرنے کے لئے اوندھے منہ چلنے پر مجبور کر دے گا۔ دنیا میں جس طرح انسان اپنے پاؤں کے ذریعے راستے کی اذیت سے بچتا ہے قیامت کے دن وہ منہ کے ذریعے سے بچنے کی کوشش کرے گا۔

قرآن کریم میں صراط مستقیم سے ہٹ کر دوسرا راستہ اختیار کرنا، اس کے لئے ان الفاظ کو بطور تمثیل بھی بیان کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:﴿أَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبًّا عَلَى وَجْهِهِ أَهْدَى أَمَّنْ يَمْشِي سَوِيًّا عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾[1](کیا وہ شخص زیادہ ہدایت والا ہے جو اپنے منہ کے بل اوندھا ہو کر چلتا ہے یا وہ جو سیدھا راہ راست پر چلتا ہے؟)

منہ کے بل اوندھا چلنے والے کو دائیں، بائیں اور آگے پیچھے کچھ نظر نہیں آتا نہ وہ ٹھوکروں ہی سے محفوظ ہوتا ہے کیا ایسا شخص اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے؟ یقیناً نہیں پہنچ سکتا۔

6. ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾[2]

(اللہ ایمان والوں کو اس کی پکی بات کی برکت سے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی مضبوط رکھتا ہے۔)

((عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ " الْمُسْلِمُ إِذَا سُئِلَ فِي الْقَبْرِ يَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، فَذَلِكَ قَوْلُهُ: ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الآخِرَةِ﴾))[3]

(براء بن عازبؓ سے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مسلمان سے جب قبر میں سوال ہوگا تو وہ گواہی دے گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿ يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الآخِرَةِ﴾ (اللہ ایمان والوں کی اس پکی بات (کی برکت) سے مضبوط رکھتا ہے، دنیوی زندگی میں (بھی) اور آخرت میں (بھی)) کا یہی مطلب ہے۔)

بندہ مومن کلمہ طیبہ کی برکت سے مرتے دم تک ایمان پر قائم رہتا ہے اور قبر میں بھی اللہ کی تائید سے اسی کلمے پر قائم رہے گا اور لا اله الا الله محمد رسول الله کی شہادت دے گا چنانچہ ایک روایت میں ہے:((نَزَلَتْ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ.))[4]مذکورہ آیت عذاب قبر کے متعلق نازل ہوئی۔

---

1 الملک:22

2 ابراھیم:27

3 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿ يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ ﴾، حدیث 4699-

4 ایضاً، كِتَاب الْجَنَائِزِ ، بَابُ مَا جَاءَ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ ،حدیث 1369-

بہر حال جب کلمہ توحید کسی مومن کے دل میں رچ بس جاتا ہے اور اس کی جڑ پیوست ہو جاتی ہے اور وہ اپنی پوری زندگی اس کلمے کے تقاضوں کے مطابق ڈھال لیتا ہے تو اس سے اعمال صالحہ صادر ہوتے ہیں پھر ان کا فائدہ صرف اس کی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ آس پاس کا معاشرہ بھی ان سے فائدہ اٹھاتا ہے پھر یہی اعمال صالحہ آسمان کی بلندیوں تک جا پہنچتے ہیں۔

7. ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴾[1]

(اور وہ تجھ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دے روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمھیں علم میں سے بہت تھوڑے کے سوا نہیں دیا گیا۔)

((عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ ـ رضى الله عنه ـ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي حَرْثٍ بِالْمَدِينَةِ، وَهْوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى عَسِيبٍ، فَمَرَّ بِنَفَرٍ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ سَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ لاَ تَسْأَلُوهُ لاَ يُسْمِعُكُمْ مَا تَكْرَهُونَ. فَقَامُوا إِلَيْهِ فَقَالُوا يَا أَبَا الْقَاسِمِ حَدِّثْنَا عَنِ الرُّوحِ. فَقَامَ سَاعَةً يَنْظُرُ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ يُوحَى إِلَيْهِ، فَتَأَخَّرْتُ عَنْهُ حَتَّى صَعِدَ الْوَحْىُ، ثُمَّ قَالَ ﴿ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي ﴾))[2]

(ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ مدینہ کے ایک کھیت میں تھا۔ آنحضرت ﷺ کھجور کی ایک شاخ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے کہ یہودی ادھر سے گزرے تو ان میں سے بعض نے کہا کہ ان سے روح کے بارے میں پوچھو۔ لیکن دوسروں نے کہا کہ ان سے نہ پوچھو۔ کہیں ایسی بات نہ سنادیں جو تمہیں ناپسند ہے۔ آخر آپ کے پاس وہ لوگ آئے اور کہا' ابوالقاسم! روح کے بارے میں ہمیں بتایئے؟ پھر آنحضرت ﷺ تھوڑی دیر کھڑے دیکھتے رہے میں سمجھ گیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ میں تھوڑی دور ہٹ گیا' یہاں تک کہ وحی کا نزول پورا ہو گیا' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی "اور آپ روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہیے کہ روح میرے رب کے حکم میں سے ہے۔)

یہودیوں نے باہمی مشورے سے یہ بات طے کی کہ نبی آخر الزمان (ﷺ) سے روح کے متعلق سوال کیا جائے، اگر روح کی حقیقت بیان کریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دانشور اور حکیم ہیں پیغمبر نہیں ہیں کیونکہ کسی پیغمبر نے روح کی حقیقت بیان نہیں کی۔ اگر روح کی حقیقت بیان نہ کریں تو پیغمبر ہیں۔ کچھ یہودیوں نے کہا: ان سے یہ سوال نہ کیا جائے کیونکہ اگر انہوں نے روح کی حقیقت بیان نہ کی تو یہ ان کے رسول ہونے کا ایک اور ثبوت مل جائے گا جو

---

1. بنی اسرائیل:85

2. بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب مَا يُكْرَهُ مِنْ كَثْرَةِ السُّؤَالِ وَتَكَلُّفِ مَا لاَ يَعْنِيهِ، حدیث 7297-

تمہیں ناگوار گزرے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس روح کی ماہیت کا علم کسی کو نہیں ہو سکا۔ مغربی دانشور اس کے متعلق تحقیق کر رہے ہیں لیکن ابھی تک انہیں کوئی سرا ہاتھ نہیں آ سکا بس اتنا ہی کہتے ہیں کہ روح ایک ایسا لطیف جوہر ہے جو ذی روح کی شکل وصورت جیسا ہوتا ہے اور اس کا ہر جز جسم حیوانی کے ہر جز میں سما جاتا ہے بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا راز ہے جس پر کوئی بھی مطلع نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:﴿قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾[1] (کہہ دیجیے! روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں تو بس تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔)

امام بخاریؒ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ اس قسم کے سوالات محض تکلفات ہیں جن کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ انسان کی عملی زندگی ہی سے اس کا کوئی تعلق ہے اس لئے ایسے سوالات پوچھنے سے بچنا چاہیے۔

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ۔ رضى الله عنه ۔ قَالَ بَيْنَا أَنَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي حَرْثٍ وَهْوَ مُتَّكِئٌ عَلَى عَسِيبٍ إِذْ مَرَّ الْيَهُودُ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ سَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ، فَقَالَ مَا رَابَكُمْ إِلَيْهِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ لاَ يَسْتَقْبِلُكُمْ بِشَىْءٍ تَكْرَهُونَهُ فَقَالُوا سَلُوهُ فَسَأَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ فَأَمْسَكَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِمْ شَيْئًا، فَعَلِمْتُ أَنَّهُ يُوحَى إِلَيْهِ، فَقُمْتُ مَقَامِي، فَلَمَّا نَزَلَ الْوَحْىُ قَالَ ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلاَّ قَلِيلاً﴾))[2]

(عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک کھیت میں حاضر تھا نبی کریم ﷺ اس وقت کھجور کے ایک تنے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے کہ کچھ یہودی اس طرف سے گزرے۔ کسی یہودی نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا کہ ان سے روح کے بارے میں پوچھو۔ ان میں سے کسی نے اس پر کہا ایسا کیوں کرتے ہو؟ دوسرا یہودی بولا۔ کہیں وہ کوئی ایسی بات نہ کہہ دیں، جو تم کو ناپسند ہو۔ رائے اس پر ٹھہری کہ روح کے بارے میں پوچھنا ہی چاہئے۔ چنانچہ انہوں نے آپ سے اس کے بارے میں سوال کیا۔ نبی کریم ﷺ تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گئے اور ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میں سمجھ گیا کہ اس وقت آپ ﷺ پر وحی اتر رہی ہے۔ اس لیے میں وہیں کھڑا رہا۔ جب وحی ختم ہوئی تو آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلاَّ قَلِيلاً ﴾ کہ "اور یہ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ روح میرے پروردگار کے حکم ہی سے ہے اور تمہیں علم تو تھوڑا ہی دیا گیا ہے۔)

کچھ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال قریش مکہ نے یہود مدینہ کے کہنے پر کیا تھا۔

1 بنی اسرائیل:85

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب ﴿ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ﴾، حدیث 4721۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: " قَالَتْ قُرَيْشٌ لِيَهُودَ: أَعْطُونَا شَيْئًا نَسْأَلُ هَذَا الرَّجُلَ، فَقَالَ: سَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ، قَالَ: فَسَأَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ))[1]

(عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ قریش نے یہود سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسا سوال دو جسے ہم اس شخص (یعنی محمد ﷺ) سے پوچھیں، انہوں نے کہا: اس شخص سے روح کے بارے میں سوال کرو، تو انہوں نے آپ سے روح کے بارے میں پوچھا یعنی روح کی حقیقت کیا ہے؟)

مگر صحیح بخاری کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال یہود مدینہ ہی نے کیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری کی ایک روایت میں((خَرِبِ الْمَدِينَةِ))[2](مدینہ کے کھنڈرات) کی تصریح ہے۔

ممکن ہے کہ ان آیات کا نزول مکرر ہو۔ ایک روایت میں صراحت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو یہودی کہنے لگے:((أُوتِينَا عِلْمًا كَثِيرًا التَّوْرَاةُ وَمَنْ أُوتِيَ التَّوْرَاةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا فَأُنْزِلَتْ:﴿ قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ ﴾ إِلَى آخِرِ الآيَةِ .))[3]

(ہمیں بہت علم دیا گیا ہے ہمیں تورات دی گئی ہے اور جسے تورات مل گئی تو اسے بہت بھلائی مل گئی پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ ﴾[4](آپ ان سے کہہ دیں! اگر میرے پروردگار کی باتیں لکھنے کے لئے سمندر سیاہی بن جائے تو سمندر ختم ہو جائے گا مگر میرے پروردگار کی باتیں ختم نہیں ہوں گی خواہ اتنی ہی اور بھی سیاہی لائی جائے۔)

جس روح کے متعلق یہود نے سوال کیا تھا اس سے کون سی روح مراد ہے اس سلسلے میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے اقوال نقل کیے ہیں:

"الْأَوَّلُ رُوحُ الْإِنْسَانِ الثَّانِي رُوحُ الْحَيَوَانِ الثَّالِثُ جِبْرِيلُ الرَّابِعُ عِيسَى الْخَامِسُ الْقُرْآنُ السَّادِسُ الْوَحْيُ"[5]

(٭روح انسان، ٭روح حیوان، ٭جبریل، ٭حضرت عیسیٰ، ٭قرآن، ٭فرشتہ، ٭وحی الٰہی) پھر انہوں نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد روح انسان ہے۔

1ترمذی، ابوعیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، السنن، کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ،باب وَمِنْ سُورَةِ بَنِي إِسْرَائِيلَ، حدیث3140- علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت " صحیح " ہے۔

2بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب العلم، بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلاَّ قَلِيلاً﴾، حدیث125-

3ترمذی، ابوعیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، السنن، کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ،باب وَمِنْ سُورَةِ بَنِي إِسْرَائِيلَ، حدیث3140- علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت " صحیح " ہے۔

4الکھف:109

5عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، 8/402-

8. ﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴾[1]

(کہہ دے کیا ہم تمھیں وہ لوگ بتائیں جو اعمال میں سب سے زیادہ خسارے والے ہیں۔)

((عَنْ مُصْعَبٍ، قَالَ سَأَلْتُ أَبِي ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالأَخْسَرِينَ أَعْمَالاً ﴾ هُمُ الْحَرُورِيَّةُ قَالَ لاَ، هُمُ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى، أَمَّا الْيَهُودُ فَكَذَّبُوا مُحَمَّدًا صلى الله عليه وسلم وَأَمَّا النَّصَارَى كَفَرُوا بِالْجَنَّةِ وَقَالُوا لاَ طَعَامَ فِيهَا وَلاَ شَرَابَ، وَالْحَرُورِيَّةُ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ، وَكَانَ سَعْدٌ يُسَمِّيهِمُ الْفَاسِقِينَ))[2]

(مصعب بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد (سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) سے آیت ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالأَخْسَرِينَ أَعْمَالاً ﴾ کے متعلق سوال کیا کہ ان سے کون لوگ مراد ہیں؟ کیا ان سے خوارج مراد ہیں؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ یہود نے تو محمد ﷺ کی تکذیب کی اور نصاریٰ نے جنت کا انکار کیا اور کہا کہ اس میں کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں ملے گی اور خوارج وہ ہیں جنہوں نے اللہ کے عہد و میثاق کو توڑا سعد رضی اللہ عنہ انہیں فاسق کہا کرتے تھے۔)

حروریہ کی نسبت حروراء کی طرف ہے اور وہ کوفے کے قریب ایک گاؤں کا نام ہے جہاں خارجی لوگ جمع ہوئے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ انہیں خوارج کہا جاتا ہے اور یہ اہل السنۃ کے انتہائی مخالف ہیں ان کا سرغنہ وہی شخص ہے جس نے نبی کریم ﷺ کی تقسیم پر اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا کہ آپ عدل و انصاف سے کام نہیں لیتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے دور حکومت میں قتل کیا تھا۔ اس کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا: اس کی نسل سے ایسے لوگ ہوں گے جو بڑی لمبی لمبی نمازیں پڑھیں گے بڑے خوبصورت روزے رکھیں گے لیکن ان کا دین میں کوئی حصہ نہیں ہو گا۔ ابن کواء جو خارجیوں کا سردار تھا اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ﴿الأَخْسَرِينَ أَعْمَالاً﴾ کون لوگ ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے جواب دیا: " وَيْلَكَ مِنْهُمْ أَهْلُ حَرُورَاءَ "[3] کہ یہ حروراء والے کم بخت بھی ان میں شامل ہیں۔

عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جنت میں صرف روحانی لذتیں ہوں گی۔ یہ عقیدہ سراسر باطل اور بے بنیاد ہے کیونکہ اہل جنت کو جنت کی تمام نعمتیں حاصل ہوں گی خواہ ان کا تعلق جسم سے ہو یا روح سے، ہاں عیسائی ضرور اس

---

1 الکھف:103

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالأَخْسَرِينَ أَعْمَالاً ﴾، حدیث 4728۔

3 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، 8/425۔

سے محروم ہوں گے۔ اہل جنت کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ﴾[1](اہل جنت کے دل جس چیز کی خواہش کریں گے اور جس سے ان کی آنکھیں لذت پائیں گی سب وہاں ہو گا۔)

9. ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا﴾[2]

(یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیات اور اس کی ملاقات کا انکار کیا، تو ان کے اعمال ضائع ہو گئے، سو ہم قیامت کے دن ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔)

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه . عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ" إِنَّهُ لَيَأْتِي الرَّجُلُ الْعَظِيمُ السَّمِينُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لاَ يَزِنُ عِنْدَ اللَّهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ وَقَالَ اقْرَءُوا ﴿ فَلاَ نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا﴾))[3]

(ہم سے محمد بن عبداللہ ذہلی نے بیان کیا، کہا ہم سے سعید بن ابی مریم نے بیان کیا، کہا ہم کو مغیرہ بن عبدالرحمٰن نے خبر دی، کہا کہ مجھ سے ابوالزناد نے بیان کیا، ان سے اعرج نے اور ان سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ قیامت کے دن ایک بہت بھاری بھر کم موٹا تازہ شخص آئے گا لیکن وہ اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی کوئی قدر نہیں رکھے گا اور فرمایا کہ پڑھو:﴿فَلاَ نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا﴾ (قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن نہ کریں گے۔)

قیامت کے دن ترازو میں کس چیز کو تولا جائے گا؟ اس کے متعلق اہل علم کا اختلاف ہے کچھ اہل علم کہتے ہیں کہ قیامت کے دن وزن اعمال کا ہو گا اور کچھ کہتے ہیں کہ اعمال کے صحیفوں کا وزن کیا جائے گا جبکہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وزن اشخاص کا ہو گا۔ ہر قول کی دلیل احادیث سے ملتی ہے جس کی تفصیل صحیح بخاری کی کتاب التوحید میں ہے، البتہ دو قسم کے لوگ ایسے ہوں گے جن کے وزن کرنے کا اہتمام نہیں کیا جائے گا: اہل ایمان میں سے وہ خوش قسمت ستر ہزار جو بلاحساب جنت میں جائیں گے۔ وہ کافر جن کے نامہ اعمال میں کوئی نیکی نہیں ہو گی ان کا وزن بھی نہیں ہو گا۔ ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے اعمال، صحائف اور خود عمل کرنے والوں کا وزن کیا جائے گا۔

10. ﴿ وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴾[4]

(اور انھیں پچھتاوے کے دن سے ڈرا جب (ہر) کام کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ سراسر غفلت میں ہیں اور وہ ایمان نہیں لاتے۔)

---

1 الزخرف:71

2 الکھف:105

3 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب تفسیر القرآن، باب ﴿ أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ﴾ الآيَةَ، حدیث 4729

4 مریم:39

((عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ ۔ رضی اللہ عنه ۔ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیه وسلم " يُؤْتَى بِالْمَوْتِ كَهَيْئَةِ كَبْشٍ أَمْلَحَ فَيُنَادِي مُنَادٍ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ، فَيَشْرَئِبُّونَ وَيَنْظُرُونَ فَيَقُولُ هَلْ تَعْرِفُونَ هَذَا فَيَقُولُونَ نَعَمْ هَذَا الْمَوْتُ، وَكُلُّهُمْ قَدْ رَآهُ، ثُمَّ يُنَادِي يَا أَهْلَ النَّارِ، فَيَشْرَئِبُّونَ وَيَنْظُرُونَ، فَيَقُولُ هَلْ تَعْرِفُونَ هَذَا فَيَقُولُونَ نَعَمْ هَذَا الْمَوْتُ، وَكُلُّهُمْ قَدْ رَآهُ، فَيُذْبَحُ ثُمَّ يَقُولُ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ، خُلُودٌ فَلاَ مَوْتَ، وَيَا أَهْلَ النَّارِ، خُلُودٌ فَلاَ مَوْتَ ثُمَّ قَرَأَ ﴿ وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ﴾ وَهَؤُلاَءِ فِي غَفْلَةٍ أَهْلُ الدُّنْيَا ﴿وَهُمْ لاَ يُؤْمِنُونَ﴾))[1]

(حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن موت ایک چتکبرے مینڈھے کی شکل میں لائی جائے گی۔ ایک آواز دینے والا فرشتہ آواز دے گا کہ اے جنت والو! تمام جنتی گردن اٹھا اٹھا کر دیکھیں گے، آواز دینے والا فرشتہ پوچھے گا۔ تم اس مینڈھے کو بھی پہچانتے ہو؟ وہ بولیں گے کہ ہاں، یہ موت ہے اور ان سے ہر شخص اس کا ذائقہ چکھ چکا ہو گا۔ پھر اسے ذبح کر دیا جائے گا اور آواز دینے والا جنتیوں سے کہے گا کہ اب تمہارے لیے ہمیشگی ہے، موت تم پر کبھی نہ آئے گی اور اے جہنم والو! تمہیں بھی ہمیشہ اسی طرح رہنا ہے، تم پر بھی موت کبھی نہیں آئے گی۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی: ﴿وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ﴾ **(اور انہیں حسرت کے دن سے ڈرادو۔ جبکہ اخیر فیصلہ کر دیا جائے گا اور یہ لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں (یعنی دنیادار لوگ) اور ایمان نہیں لاتے۔)**

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((يُؤْتَى بِالْمَوْتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُوقَفُ عَلَى الصِّرَاطِ فَيُقَالُ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ . فَيَطَّلِعُونَ خَائِفِينَ وَجِلِينَ أَنْ يُخْرَجُوا مِنْ مَكَانِهِمُ الَّذِي هُمْ فِيهِ ثُمَّ يُقَالُ يَا أَهْلَ النَّارِ فَيَطَّلِعُونَ مُسْتَبْشِرِينَ فَرِحِينَ أَنْ يُخْرَجُوا مِنْ مَكَانِهِمُ الَّذِي هُمْ فِيهِ فَيُقَالُ هَلْ تَعْرِفُونَ هَذَا قَالُوا نَعَمْ هَذَا الْمَوْتُ . قَالَ فَيُؤْمَرُ بِهِ فَيُذْبَحُ عَلَى الصِّرَاطِ ثُمَّ يُقَالُ لِلْفَرِيقَيْنِ كِلاَهُمَا خُلُودٌ فِيمَا تَجِدُونَ لاَ مَوْتَ فِيهِ أَبَدًا))[2]

(موت کو لایا جائے گا اور اسے پل صراط پر کھڑا کیا جائے گا پھر اہل جنت کو آواز دی جائے گی وہ اس طرح ڈرتے ہوئے دیکھیں گے کہ کہیں انہیں جنت سے نکال نہ دیا جائے، پھر اہل دوزخ کو آواز دی جائے گی۔ وہ بہت خوش ہوں گے اور خوشی سے اپنی گردنیں اٹھا کر دیکھیں گے کہ انہیں دوزخ سے نکالا جائے گا، پھر ان سب کو کہا جائے گا کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ سب کہیں گے، ہم اسے جانتے ہیں پھر اسے ذبح کر دینے کا حکم دیا جائے گا تو اسے پل صراط پر

---

1 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿ وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ ﴾، حدیث 4730-

2 ابن ماجہ، ابو عبداللہ، محمد بن یزید، **السنن**، کتاب الزھد، بَابُ صِفَةِ النَّارِ، حدیث 4327- علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت " صحیح " ہے۔

ذبح کیا جائے گا۔ پھر دونوں گروہوں سے کہا جائے گا، تم جہاں جہاں ہو اس میں ہمیشہ رہو گے اب موت نہیں آئے گی۔)

ایک روایت میں ہے:((أُتِيَ بِالْمَوْتِ مُلَبَّبًا فَيُوقَفُ عَلَى السُّورِ بَيْنَ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَهْلِ النَّارِ))[1](اسے جنت اور دوزخ کے درمیان ایک دیوار پر ذبح کیا جائے گا۔)

مقصد یہ ہے کہ اہل جنت کی خوشی کو دوبالا اور اہل جہنم کی پریشانی کو زیادہ کرنے کے لئے موت کو ذبح کر دیا جائے گا چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

((فَيَزْدَادُ أَهْلُ الْجَنَّةِ فَرَحًا إِلَى فَرَحِهِمْ. وَيَزْدَادُ أَهْلُ النَّارِ حُزْنًا إِلَى حُزْنِهِمْ))[2]

(موت کو اس لئے ذبح کیا جائے گا تا کہ اہل جنت کی خوشی میں اضافہ ہو اور اہل جہنم کا افسوس اور دکھ مزید بڑھ جائے۔)

ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار و مشرکین کے لئے جہنم میں ہمیشہ رہنا ہے انہیں موت نہیں آئے گی اور نہ ان کے لئے راحت و آرام ہی کی زندگی ہو گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَى عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا﴾[3]

(اور جو لوگ کافر ہیں ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے نہ تو ان پر موت آئے گی کہ وہ مر جائیں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جائے گا۔)

واضح رہے کہ یہ اعلان اس وقت کیا جائے گا جب شفاعت کی وجہ سے نجات پانے والے جنت میں جا چکے ہوں گے اور جہنم میں صرف وہی باقی رہ جائیں گے جن کے لئے وہاں ہمیشہ رہنے کا فیصلہ ہو چکا ہو گا۔ وہ وہاں سے بھاگ نکلنے کی کوشش بھی کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے فرشتے انہیں وہاں سے نکلنے نہیں دیں گے اور انہیں جسمانی سزا اور ذہنی کوفت پہنچانے کے لئے نت نئے نئے تجربے کریں گے۔

11. ﴿أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا﴾[4]

(کیا وہ غیب پر آگاہ ہوتا ہے یا اس نے خدائے رحمن سے کوئی عہد نامہ حاصل کر لیا ہے۔)

1ترمذی، ابوعیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، **السنن**، كتاب صفة الجنة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب مَا جَاءَ فِي خُلُودِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَهْلِ النَّارِ، حدیث2557- علامہ البانیؒ نے اس روایت کو "صحیح" قرار دیا ہے۔

2بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كِتَاب الرِّقَاقِ، بَابُ صِفَةِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، حدیث6548-

3فاطر:36

4مریم:87

((عَنْ خَبَّابٍ، قَالَ كُنْتُ قَيْنًا بِمَكَّةَ، فَعَمِلْتُ لِلْعَاصِي بْنِ وَائِلٍ السَّهْمِيِّ سَيْفًا، فَجِئْتُ أَتَقَاضَاهُ فَقَالَ لاَ أُعْطِيكَ حَتَّى تَكْفُرَ بِمُحَمَّدٍ. قُلْتُ لاَ أَكْفُرُ بِمُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم حَتَّى يُمِيتَكَ اللَّهُ، ثُمَّ يُحْيِيَكَ. قَالَ إِذَا أَمَاتَنِي اللَّهُ ثُمَّ بَعَثَنِي، وَلِي مَالٌ وَوَلَدٌ فَأَنْزَلَ اللَّهُ ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لأُوتَيَنَّ مَالاً وَوَلَدًا * أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا﴾ قَالَ مَوْثِقًا. لَمْ يَقُلِ الأَشْجَعِيُّ عَنْ سُفْيَانَ سَيْفًا وَلاَ مَوْثِقًا.))(1)

(خباب بن ارتؓ نے بیان کیا کہ میں مکہ میں لوہار تھا اور عاص بن وائل سہمی کے لیے میں نے ایک تلوار بنائی تھی۔ میری مزدوری باقی تھی اس لیے ایک دن میں اس کو مانگنے آیا تو کہنے لگا کہ اس وقت تک نہیں دوں گا جب تک تم محمد ﷺ سے پھر نہیں جاؤ گے۔ میں نے کہا کہ میں نبی کریم ﷺ سے ہر گز نہیں پھروں گا یہاں تک کہ اللہ تجھے مار دے اور پھر زندہ کر دے اور وہ کہنے لگا کہ جب اللہ تعالیٰ مجھے مار کر دوبارہ زندہ کر دے گا تو میرے پاس اس وقت بھی مال و اولاد ہو گی۔ اور اسی وقت تم اپنی مزدوری مجھ سے لے لینا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لأُوتَيَنَّ مَالاً وَوَلَدًا* أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا﴾ (بھلا تو نے اس شخص کو بھی دیکھا جو ہماری آیتوں کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے تو مال و اولاد مل کر ہی رہیں گے تو کیا یہ غیب پر مطلع ہو گیا ہے یا اس نے خدائے رحمن سے کوئی وعدہ لے لیا ہے۔) «عهد» کا معنی مضبوط اقرار۔ عبید اللہ اشجعی نے بھی اس حدیث کو سفیان ثوری سے روایت کیا ہے لیکن اس میں تلوار بنانے کا ذکر نہیں ہے نہ عہد کی تفسیر مذکور ہے۔)

اللہ تعالیٰ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ عاص بن وائل جو دعویٰ کر رہا ہے کہ اس کے پاس مال و دولت ہو گی کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہاں بھی اس کے ہاں روپے پیسے کی ریل پیل ہو گی؟ یا اللہ تعالیٰ سے اس کا کوئی عہد و پیمان ہو چکا ہے ایسا ہر گز نہیں ہے بلکہ یہ صرف غرور کا اظہار اور آیات الٰہی کا مذاق اڑایا جا رہا ہے یہ جس مال و اولاد کی بات کر رہا ہے اس کے وارث تو ہم ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے:

((عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ عَاشَ أَبِي خَمْسًا وَثَمَانِينَ وَإِنَّهُ لَيَرْكَبُ حِمَارًا إِلَى الطَّائِفِ فَيَمْشِي عَنْهُ أَكْثَرُ مِمَّا يَرْكَبُ وَيُقَالُ إِنَّ حِمَارَهُ رَمَاهُ عَلَى شَوْكَةٍ أَصَابَتْ رِجْلَهُ فَانْتَفَخَتْ فَمَاتَ))(2)

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ﴾، حدیث -4733

2 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، 8/430-

(عبد اللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں میں نے اپنے والد کو بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ میرے والد (عاص بن وائل) پچاسی سال کی عمر پا کر مکہ میں واصل جہنم ہوا۔ یہ اپنے گدھے پر سوار ہو کر طائف جا رہا تھا کہ گدھے نے اسے کانٹوں پر گرا دیا اس کے پاؤں میں کانٹے چبھے تو پاؤں میں ورم آ گیا جو اس کی موت کا باعث بنا۔)

12. ﴿يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ﴾[1]

(جس دن ہم آسمان کو کاتب کے کتابوں کو لپیٹنے کی طرح لپیٹ دیں گے۔ جس طرح ہم نے پہلی پیدائش کی ابتدا کی (اسی طرح) ہم اسے لوٹائیں گے۔ یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے، یقیناً ہم ہمیشہ (پورا) کرنے والے ہیں۔)

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ـ رضى الله عنهما ـ قَالَ خَطَبَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ " إِنَّكُمْ مَحْشُورُونَ إِلَى اللَّهِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلاً ﴿ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ﴾ ثُمَّ إِنَّ أَوَّلَ مَنْ يُكْسَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ، أَلاَ إِنَّهُ يُجَاءُ بِرِجَالٍ مِنْ أُمَّتِي، فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ، فَأَقُولُ يَا رَبِّ أَصْحَابِي فَيُقَالُ لاَ تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ ﴿ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿شَهِيدٌ﴾ فَيُقَالُ إِنَّ هَؤُلاَءِ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ "))[2]

(عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک دن خطبہ سنایا۔ فرمایا تم قیامت کے دن اللہ کے سامنے ننگے پاؤں ننگے بدن بے ختنہ حشر کئے جاؤ گے جیسا کہ ارشاد باری ہے: ﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ﴾ (پھر سب سے پہلے قیامت کے دن ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے)۔ سن لو! میری امت کے کچھ لوگ لائے جائیں گے فرشتے ان کو پکڑ کر بائیں طرف والے دوزخیوں میں لے جائیں گے۔ میں عرض کروں گا پروردگار! یہ تو میرے ساتھ والے ہیں۔ ارشاد ہو گا تم نہیں جانتے انہوں نے تمہاری وفات کے بعد کیا کیا کرتوت کئے ہیں؟ اس وقت میں وہی کہوں گا جو اللہ کے نیک بندے عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں جب تک ان لوگوں میں رہا ان کا حال دیکھتا رہا آخر آیت تک۔ ارشاد ہو گا یہ لوگ اپنی ایڑیوں کے بل اسلام سے پھر گئے جب تو ان سے جدا ہوا۔)

جو لوگ نبی کریم ﷺ کے بعد مرتد ہو گئے تھے وہ دور دراز کے رہنے والے بدو لوگ تھے جو ذاتی مفادات اور قتل و غارت کے ڈر سے مسلمان ہوئے تھے، اس لئے لفظ "رجال" کا اطلاق ہوا ہے جو ان کی تذلیل و تحقیر کی طرف اشارہ ہے اس سے قطعاً وہ لوگ مراد نہیں ہیں جو ہر وقت نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہتے تھے اور آپ کے

---

1 الانبیاء:104

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب ﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا﴾، حدیث 4740-

وفادار اور سچے جاں نثار تھے ان کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾[1] (اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے خوش ہوئے۔) خاص طور پر عشرہ مبشرہ جنہیں نبی کریم ﷺ نے ایک ہی مجلس میں جنتی ہونے کی بشارت دی ہے اسی طرح شیخین حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما جو نبی کریم ﷺ کے مشیر اور وزیر تھے اور مرنے کے بعد بھی آپ کے پہلو میں محو استراحت ہیں ان کی تکفیر تو کوئی بے دین ہی کر سکتا اہل ایمان کے لئے ایسا ممکن نہیں۔

13. ﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾[2]

(مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور عمل کیا، کچھ نیک عمل تو یہ لوگ ہیں جن کی برائیاں اللہ نیکیوں میں بدل دے گا اور اللہ ہمیشہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔)

((عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ أَمَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبْزَى أَنْ أَسْأَلَ ابْنَ عَبَّاسٍ، عَنْ هَاتَيْنِ الآيَتَيْنِ، ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا﴾، فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ لَمْ يَنْسَخْهَا شَيْءٌ. وَعَنْ ﴿وَالَّذِينَ لاَ يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ﴾ قَالَ نَزَلَتْ فِي أَهْلِ الشِّرْكِ))[3]

(حضرت سعید بن جبیر نے بیان کیا کہ مجھے عبد الرحمٰن بن ابزیٰ نے حکم دیا کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دو آیتوں کے بارے میں پوچھوں یعنی ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا﴾ (اور جس نے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا۔)، میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ آیت کسی چیز سے بھی منسوخ نہیں ہوئی ہے۔ (اور دوسری آیت جس کے) بارے میں مجھے انہوں نے پوچھنے کا حکم دیا وہ یہ تھی: ﴿وَالَّذِينَ لاَ يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ﴾ (اور جو لوگ کسی معبود کو اللہ کے ساتھ نہیں پکارتے) آپ نے اس کے متعلق فرمایا کہ یہ مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔)

قاتل کی توبہ کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ کبھی تو وہ دونوں آیات کو ایک محل پر محمول کرتے، ایک آیت کو دوسری آیت کے لئے ناسخ بتاتے ہیں اور کبھی وہ دو محلوں پر محمول کرتے ہیں کہ ایک آیت مشرکین کے بارے میں ہے اور دوسری اہل ایمان سے متعلق ہے۔ ان میں اتفاق کی

---

1 ایضاً

2 الفرقان:70

3 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿إِلاَّ مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحًا فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾، حدیث 4766-

صورت یہ ممکن ہے کہ سورۃ فرقان کی آیت میں جو توبہ کا عموم ہے اس سے اس مسلمان کو مخصوص کیا جائے جس نے جان بوجھ کر کسی کو قتل کیا ہے۔ بہت سے اسلاف اس قسم کی تخصیص پر نسخ کا اطلاق کرتے ہیں۔[1]

اس سلسلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مشہور قول یہ ہے کہ جب کوئی مومن دوسرے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو اس کی توبہ قبول نہیں لیکن جمہور علماء نے اس موقف سے اتفاق نہیں کیا بلکہ وہ قاتل کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا رکھتے ہیں اور اس کے لئے توبہ کو صحیح کہا ہے۔ اس کی تفصیل پچھلے اوراق میں دیکھی جا سکتی ہے۔

14. ﴿قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا﴾[2]

(کہہ میرا رب تمھاری پروا نہیں کرتا اگر تمھارا پکارنا نہ ہو، سو بے شک تم نے جھٹلا دیا، تو عنقریب (اس کا انجام) چمٹ جانے والا ہو گا۔)

((عَنْ مَسْرُوقٍ، قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ خَمْسٌ قَدْ مَضَيْنَ الدُّخَانُ وَالْقَمَرُ وَالرُّومُ وَالْبَطْشَةُ وَاللِّزَامُ﴿فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ﴾))[3]

(مسروق نے بیان کیا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا (قیامت کی) پانچ نشانیاں گزر چکی ہیں۔ دھواں (اس کا ذکر آیت ﴿ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ ﴾ میں ہے یعنی سو انتظار کر جس دن آسمان ظاہر دھواں لائے گا۔)۔ چاند کا پھٹنا (اس کا ذکر آیت ﴿اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴾ میں ہے یعنی قیامت بہت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا۔)۔ روم کا مغلوب ہونا (اس کا ذکر سورۃ ﴿غُلِبَتِ الرُّومُ﴾ میں ہے یعنی رومی مغلوب ہوگئے۔)۔ ﴿الْبَطْشَةَ﴾ یعنی اللہ کی پکڑ جو بدر میں ہوئی (اس کا ذکر ﴿يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَى إِنَّا مُنْتَقِمُونَ﴾ میں ہے یعنی جس دن ہم بڑی پکڑ پکڑیں گے، بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں۔) اور وبال جو قریش پر بدر کے دن آیا (اس کا ذکر آیت ﴿فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا﴾ میں ہے یعنی تو عنقریب (اس کا انجام) چمٹ جانے والا ہو گا۔)

اس حدیث میں قیامت کی نشانیاں بنان ہوئی ہیں: دھواں سے مراد سورۃ دخان کی یہ آیت ہے: "جب آسمان ظاہر دھواں لائے گا"۔ اشقاق قمر ﴿اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾[4] سے مراد یہ ہے: (قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا) روم کا ذکر سورۃ روم میں ہے: ﴿غُلِبَتِ الرُّومُ ﴾[5] یعنی (اہل روم مغلوب ہو

---

1 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، 8/495۔

2 الفرقان: 77

3 بخاری، ابوعبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ﴾ هَلَكَةً، حدیث 4767۔

4 القمر: 1

5 الروم: 1-2

گئے) ﴿الْبَطْشَةَ﴾ (1) کا ذکر سورۃ دخان میں ہے: "جس دن ہم بڑی سخت پکڑ کریں گے" ﴿لِزَامًا﴾ سے مراد یہ آیت ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ یہ پانچوں علامات قیامت گزر چکی ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ دھویں سے مراد وہ دھواں ہے جو قریش مکہ کو شدت بھوک کی وجہ سے آسمان پر نظر آتا تھا۔ شق القمر کا معجزہ بھی ہجرت سے پہلے رونما ہو چکا ہے۔ غلبت الروم کا ظہور بھی ہو چکا ہے اس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے اور ﴿الْبَطْشَةَ﴾ سے مراد وہ سخت پکڑ ہے جو بدر کے دن کفار قریش کے قتل کی صورت میں ظاہر ہوئی تھی اور لزام سے مراد غزوہ بدر میں کفار کا قید و گرفتار ہونا ہے جبکہ جمہور اہل علم کے نزدیک ﴿الْبَطْشَةَ﴾ سے مراد کفار کو جہنم میں پکڑ کر ڈالنا ہے اور کفار مکہ نے چونکہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی تھی اس لئے اس کی سزا لازمی طور پر بھگتنا ہوگی، چنانچہ دنیا میں غزوہ بدر کے موقع پر شکست کی صورت میں ملی اور آخرت میں جہنم کے دائمی عذاب سے بھی انہیں دوچار ہونا پڑے گا۔

15. ﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ (2)

(بے شک اللہ، اسی کے پاس قیامت کا علم ہے۔)

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ـ رضى الله عنه ـ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَوْمًا بَارِزًا لِلنَّاسِ إِذْ أَتَاهُ رَجُلٌ يَمْشِي فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا الإِيمَانُ قَالَ " الإِيمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلاَئِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَلِقَائِهِ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ الآخِرِ ". قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا الإِسْلاَمُ قَالَ " الإِسْلاَمُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ وَلاَ تُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمَ الصَّلاَةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ ". قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا الإِحْسَانُ قَالَ " الإِحْسَانُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ ". قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ " مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ، وَلَكِنْ سَأُحَدِّثُكَ عَنْ أَشْرَاطِهَا إِذَا وَلَدَتِ الْمَرْأَةُ رَبَّتَهَا، فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا، وَإِذَا كَانَ الْحُفَاةُ الْعُرَاةُ رُءُوسَ النَّاسِ فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا فِي خَمْسٍ لا يَعْلَمُهُنَّ إِلاَّ اللَّهُ ﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الأَرْحَامِ﴾". ثُمَّ انْصَرَفَ الرَّجُلُ فَقَالَ " رُدُّوا عَلَىَّ ". فَأَخَذُوا لِيَرُدُّوا فَلَمْ يَرَوْا شَيْئًا. فَقَالَ " هَذَا جِبْرِيلُ جَاءَ لِيُعَلِّمَ النَّاسَ دِينَهُمْ")) (3)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم ﷺ ایک دن لوگوں کے ساتھ تشریف رکھتے تھے کہ ایک نیا آدمی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا: یا نبی کریم! ایمان کیا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے فرشتوں، رسولوں اور اس کی ملاقات پر ایمان لاؤ اور قیامت کے دن پر ایمان لاؤ۔ انہوں نے پوچھا: یا

1 الدخان:16

2 لقمان:34

3 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ﴾، حدیث 4777-

نبی کریم! اسلام کیا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تنہا اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو اور فرض زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔ انہوں نے پوچھا: یا نبی کریم! احسان کیا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو ورنہ یہ عقیدہ لازماً رکھو کہ اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو وہ تمہیں ضرور دیکھ رہا ہے۔ انہوں نے پوچھا: یا نبی کریم! قیامت کب قائم ہو گی؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس سے پوچھا جا رہا ہے خود وہ سائل سے زیادہ اس کے واقع ہونے کے متعلق نہیں جانتا۔ البتہ میں تمہیں اس کی چند نشانیاں بتاتا ہوں۔ جب عورت ایسی اولاد جنے جو اس کے آقا بن جائیں تو یہ قیامت کی نشانی ہے، جب ننگے پاؤں، ننگے جسم والے لوگ لوگوں پر حاکم ہو جائیں تو یہ قیامت کی نشانی ہے۔ قیامت بھی ان پانچ چیزوں میں سے ہے جسے اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، بیشک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے۔ وہی مینہ برساتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ ماں کے رحم میں کیا ہے (لڑکا یا لڑکی) پھر وہ صاحب اٹھ کر چلے گئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ انہیں میرے پاس واپس بلا لاؤ۔ لوگوں نے انہیں تلاش کیا تا کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں دوبارہ لائیں لیکن ان کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ صاحب جبرائیل تھے (انسانی صورت میں) لوگوں کو دین کی باتیں سکھانے آئے تھے۔)

یہ حدیث، حدیث جبریل کے نام سے مشہور ہے اس میں وضاحت ہے کہ قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کہ اس نے کب آنا ہے اس کے متعلق نہ تو جبریل علیہ السلام کچھ جانتے ہیں اور نہ نبی کریم ﷺ کو اس کے متعلق کوئی خبر ہے اور اس کا وقت معین نہ بتانے میں حکمت یہ ہے کہ اگر بتا دیا جائے تو دنیا کے دارالامتحان ہونے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ قیامت کے علاوہ چار باتیں اور بھی ہیں جنہیں اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا: ان میں پہلی بات یہ ہے کہ نفع دینے والی بارش کب ہو گی دوسری یہ کہ مادر رحم میں کیا ہے کہ وہ نر ہے یا مادہ، تنگ دست ہو گا یا خوشحال، نیک بخت یا بد بخت، گورا ہے یا کالا یہ سب باتیں رحم مادر کے مراحل میں شامل ہیں۔ تیسری بات یہ کہ وہ کل کیا کرے گا اسے توبہ کی توفیق نصیب ہو گی یا نہیں بلکہ اسے کل تک زندہ بھی رہنا ہے یا نہیں۔ چوتھی یہ کہ وہ کب اور کہاں مرے گا؟ یہ چار باتیں ایسی ہیں جن سے ہر انسان کو دلچسپی ہوتی ہے اس لئے خاص طور پر ان باتوں کا ذکر کیا گیا ہے ورنہ اس طرح دیگر کئی امور ایسے ہیں جو غیب سے تعلق رکھتے ہیں اور ان تک انسان کی رسائی نہیں ہو سکتی۔

((أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ ـ رضى الله عنهما ـ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ـ صلى الله عليه وسلم ـ " مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ " ثُمَّ قَرَأَ ﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾))[1]

---

1 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾، حدیث 4778۔

(عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ غیب کی کنجیاں پانچ ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی ﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ﴾(بیشک اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی بارش نازل کرتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ مادہ کے رحم میں نر ہے یا مادہ اور کوئی نفس نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا۔)

ان پانچ باتوں کو غیب کی چابیاں کہا گیا ہے جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اس کے سوا کسی نبی، فرشتے، ولی یا نیک بندے کو کوئی علم نہیں۔ اگر کوئی ان کے جاننے کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ جھوٹا، مکار اور دغاباز ہے جو کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور میں اس قسم کا عقیدہ رکھے تو وہ شرک فی العلم کا مرتکب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے اہل اسلام کو محفوظ رکھے۔ آمین

16. ﴿وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ﴾[1]

(زمین ساری قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے۔)

((أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ" يَقْبِضُ اللَّهُ الأَرْضَ، وَيَطْوِي السَّمَوَاتِ بِيَمِينِهِ، ثُمَّ يَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ، أَيْنَ مُلُوكُ الأَرْضِ".))[2]

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرمارہے تھے کہ قیامت کے دن اللہ ساری زمین کو اپنی مٹھی میں لے گا اور آسمان کو اپنے داہنے ہاتھ میں لپیٹ لے گا۔ پھر فرمائے گا: ﴿أَنَا الْمَلِكُ، أَيْنَ مُلُوكُ الأَرْضِ ﴾(آج حکومت صرف میری ہے، دنیا کے بادشاہ آج کہاں ہیں؟)

ایک روایت میں ((يوم القيامة))[3] کے الفاظ ہیں یعنی قیامت کے دن ایسا ہوگا۔

قیامت کے دن کی تخصیص اس لئے ہے کہ جیسے دنیا کی آبادی اور تخلیق کے وقت اس کی ایجاد میں کمال قدرت کا اظہار ہوتا تھا اسی رطح اس کے خراب ہونے کے وقت اس کے ختم اور نیست ونابود کرنے میں بھی اس کی قدرت کاملہ کا اظہار ہوگا۔ اس حدیث میں بھی اللہ تعالیٰ کے لئے "یمین" کا اثبات ہے اس کے معنی قدرت لینا سلف صالحین کے موقف کے خلاف ہے لہٰذا اسے اپنے حقیقی معنی میں سمجھنا چاہیے اس کی تاویل نہ کی جائے بلکہ مبنی بر حقیقت معنی پر محمول کرنا چاہیے۔

---

1 الزمر:67

2 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَالأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ ﴾، حدیث 4812-

3 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، كِتَاب التَّوْحِيدِ، بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿مَلِكِ النَّاسِ ﴾، حدیث 7382-

17. ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ﴾[1]

(اور صور میں پھونکا جائے گا تو جو لوگ آسمانوں میں اور جو زمین میں ہوں گے، مر کر گر جائیں گے مگر جسے اللہ نے چاہا، پھر اس میں دوسری دفعہ پھونکا جائے گا تو اچانک وہ کھڑے دیکھ رہے ہوں گے۔)

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ـ رضى الله عنه ـ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ " إِنِّي أَوَّلُ مَنْ يَرْفَعُ رَأْسَهُ بَعْدَ النَّفْخَةِ الآخِرَةِ، فَإِذَا أَنَا بِمُوسَى مُتَعَلِّقٌ بِالْعَرْشِ فَلاَ أَدْرِي أَكَذَلِكَ كَانَ أَمْ بَعْدَ النَّفْخَةِ "))[2]

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آخری مرتبہ صور پھونکے جانے کے بعد سب سے پہلے اپنا سر اٹھانے والا میں ہوں گا لیکن اس وقت میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھوں گا کہ عرش کے ساتھ لپٹے ہوئے ہیں، اب مجھے نہیں معلوم کہ وہ پہلے ہی سے اسی طرح تھے یا دوسرے صور کے بعد (مجھ سے پہلے) اٹھ کر عرش الٰہی کو تھام لیں گے۔)

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((فَلاَ أَدْرِي أَكَانَ فِيمَنْ صَعِقَ فَأَفَاقَ قَبْلِي، أَوْ كَانَ مِمَّنِ اسْتَثْنَى اللَّهُ))[3] (اب مجھے معلوم نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام بھی بے ہوش ہونے والوں میں ہوں گے اور مجھ سے پہلے انہیں ہوش آجائے گا یا اللہ تعالیٰ نے انہیں ان لوگوں میں رکھا ہے جو بے ہوشی سے مستثنیٰ ہیں۔)

بعض روایات میں یہ بھی صراحت ہے: ((فَإِذَا أَنَا بِمُوسَى آخِذٌ بِقَائِمَةٍ مِنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ، فَلاَ أَدْرِي أَكَانَ فِيمَنْ صَعِقَ، أَمْ حُوسِبَ بِصَعْقَةِ الأُولَى))[4] کہ ان کے لئے کوہ طور کی بے ہوشی کو کافی سمجھ لیا جائے گا اس لئے وہ نفخہ صور کے وقت بے ہوش نہیں ہوں گے۔

صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں ہے:

((بَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ أَرْبَعُونَ ". قَالُوا يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَرْبَعُونَ يَوْمًا قَالَ أَبَيْتُ. قَالَ أَرْبَعُونَ سَنَةً قَالَ أَبَيْتُ. قَالَ أَرْبَعُونَ شَهْرًا. قَالَ أَبَيْتُ، وَيَبْلَى كُلُّ شَيْءٍ مِنَ الإِنْسَانِ إِلاَّ عَجْبَ ذَنَبِهِ، فِيهِ يُرَكَّبُ الْخَلْقُ.))[5]

---

1 الزمر:68

2 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الأَرْضِ إِلاَّ مَنْ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ﴾، حدیث 4813-

3 ایضاً، كِتَاب الْخُصُومَاتِ، بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي الإِشْخَاصِ وَالْخُصُومَةِ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْيَهُودِ، حدیث 2411-

4 ایضاً، حدیث 2412-

5 ایضاً، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الأَرْضِ إِلاَّ مَنْ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ﴾، حدیث 4814-

(دونوں صوروں کے پھونکے جانے کا درمیانی عرصہ چالیس ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں نے پوچھا: کیا چالیس دن مراد ہیں؟ انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں پھر انہوں نے پوچھا: چالیس سال؟ اس پر بھی انہوں نے انکار کیا۔ پھر انہوں نے پوچھا: چالیس مہینے؟ اس کے متعلق بھی انہوں نے کہا کہ مجھ کو خبر نہیں اور ہر چیز فنا ہو جائے گی، سوا ریڑھ کی ہڈی کے کہ اسی سے ساری مخلوق دوبارہ بنائی جائے گی۔)

ایک روایت میں ہے کہ لوگوں نے "عجب الذنب" کے متعلق سوال کیا کہ وہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ((مِثْلُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ))[1] (وہ رائی کے دانے کے برابر ہوتا ہے۔)

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

"يُخَصُّ مِنْهُ الْأَنْبِيَاءُ لِأَن الأَرْض لَا تَأْكُل أَجْسَادهم"[2]

یہ بھی اللہ کا ایک راز ہے جسے اس کے سوا کوئی اور نہیں جانتا کیونکہ قادر مطلق نے محض عدم سے انسان کو پیدا کیا ہے دوبارہ پیدا کرنے کی صورت میں اس ہڈی کو باقی رکھنے کی کیا ضرورت ہے کہ اس سے ترکیب خلق کی جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ فرشتوں کی پہچان کے لئے اسے بطور علامت باقی رکھا جائے تاکہ وہ انسان کو اس کے جوہر سے معلوم کر کے روح کو دوبارہ اس میں لوٹا سکیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے پاکیزہ جسم اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کے جسموں کو زمین نہیں کھائے گی۔

18. ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلَكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِمَّا تَعْمَلُونَ﴾[3]

(اور تم اس سے پردہ نہیں کرتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان گواہی دیں گے اور نہ تمہاری آنکھیں اور نہ تمہارے چمڑے اور لیکن تم نے گمان کیا کہ بے شک اللہ بہت سے کام، جو تم کرتے ہو، نہیں جانتا۔)

((عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ،﴿ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ، عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ﴾ الآيَةَ كَانَ رَجُلاَنِ مِنْ قُرَيْشٍ وَخَتَنٌ لَهُمَا مِنْ ثَقِيفَ، أَوْ رَجُلاَنِ مِنْ ثَقِيفَ وَخَتَنٌ لَهُمَا مِنْ قُرَيْشٍ فِي بَيْتٍ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ أَتُرَوْنَ أَنَّ اللَّهَ يَسْمَعُ حَدِيثَنَا قَالَ بَعْضُهُمْ يَسْمَعُ بَعْضَهُ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَئِنْ كَانَ يَسْمَعُ بَعْضَهُ لَقَدْ يَسْمَعُ كُلَّهُ. فَأُنْزِلَتْ ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلاَ أَبْصَارُكُمْ﴾ الآية))[4]

---

1 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، 8/552۔

2 ایضاً، 8/553۔

3 حم السجدہ: 22

4 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب: ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلاَ أَبْصَارُكُمْ وَلاَ جُلُودُكُمْ وَلَكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ لاَ يَعْلَمُ كَثِيرًا مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴾، حدیث 4816۔

(ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آیت: ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ، عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ ﴾(اور تم اس بات سے اپنے کو چھپا نہیں سکتے تھے کہ تمہارے کان گواہی دیں گے۔) کے متعلق کہا کہ قریش کے دو آدمی اور بیوی کی طرف سے ان کے قبیلہ ثقیب کا کوئی رشتہ دار یا ثقیف کے دو افراد تھے اور بیوی کی طرف قریش کا کوئی رشتہ دار، یہ خانہ کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے بعض نے کہا کہ کیا تمہارا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری باتیں سنتا ہو گا ایک نے کہا کہ بعض باتیں سنتا ہے۔ دوسرے نے کہا کہ اگر بعض باتیں سن سکتا ہے تو سب سنتا ہو گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلاَ أَبْصَارُكُمْ ﴾(اور تم اس بات سے اپنے کو چھپا ہی نہیں سکتے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں گواہی دیں گی۔)

انسان اگر چھپ کر کوئی گناہ کرنا چاہے تو دوسرے لوگوں سے تو چھپا سکتا ہے مگر وہ اپنے اعضاء سے کیسے چھپائے، وہ تو اس کے آلہ کار ہیں جب کسی کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں حتی کہ بدن کی کھال اور بال سب ہمارے نہیں بلکہ سرکاری گواہ ہیں کہ جب ان اعضاء سے ہمارے اعمال کے متعلق پوچھا جائے گا تو ساری باتیں بتا دیں گے تو پھر چھپ چھپا کر گناہ کرنے کا کوئی راستہ ہی نہیں رہتا۔ اس رسوائی سے بچنے کا اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے کہ گناہ کو ہی چھوڑ دیا جائے۔

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے:

"أَنَّ الثَّقَفِيّ عبد يَا ليل بْنِ عَمْرِو بْنِ عُمَيْرٍ وَالْقُرَشِيَّانِ صَفْوَانُ وَرَبِيعَةُ ابْنَا أُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ وَذَكَرَ إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُحَمَّدٍ التَّيْمِيُّ فِي تَفْسِيرِهِ أَنَّ الْقُرَشِيَّ صَفْوَانُ بْنُ أُمَيَّةَ وَالثَّقَفِيَّانِ رَبِيعَةُ وَحَبِيبٌ ابْنَا عَمْرٍو"[1]

(قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھنے والا عبد یا لیل بن عمرو تھا اور دو قریشی امیہ بن خلف کے بیٹے صفوان اور ربیعہ تھے۔ ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ قریش سے صفوان بن امیہ تھا اور قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھنے والے دو شخص عمرو کے بیٹے ربیعہ اور حبیب تھے۔)

19. ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ﴾[2]

(جس دن پنڈلی کھولی جائے گی۔)

((عَنْ أَبِي سَعِيدٍ ـ رضى الله عنه ـ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ" يَكْشِفُ رَبُّنَا عَنْ سَاقِهِ فَيَسْجُدُ لَهُ كُلُّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ، وَيَبْقَى مَنْ كَانَ يَسْجُدُ فِي الدُّنْيَا رِئَاءً وَسُمْعَةً، فَيَذْهَبُ لِيَسْجُدَ فَيَعُودُ ظَهْرُهُ طَبَقًا وَاحِدًا"))[1]

---

1 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، 8/562۔

2 القلم:42

(ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرمارہے تھے کہ ہمارا رب قیامت کے دن اپنی پنڈلی کھولے گا اس وقت ہر مومن مرد اور ہر مومنہ عورت اس کے لیے سجدہ میں گر پڑیں گے۔ صرف وہ باقی رہ جائیں گے جو دنیا میں دکھاوے اور ناموری کیلئے سجدہ کرتے تھے۔ جب وہ سجدہ کرنا چاہیں گے تو ان کی پیٹھ تختہ ہو جائے گی اور وہ سجدہ کے لیے نہ مڑ سکیں گے۔)

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"أَنَّ جَمِيعَ مَا فِي الْقُرْآنِ مِنْ آيَاتِ الصِّفَات فَلَيْسَ عَنْ الصَّحَابَةِ اخْتِلَافٌ فِي تَأْوِيلِهَا. وَقَدْ طَالَعْت التَّفَاسِيرَ الْمَنْقُولَةَ عَنْ الصَّحَابَةِ وَمَا رَوَوْهُ مِنْ الْحَدِيثِ وَوَقَفْت مِنْ ذَلِكَ عَلَى مَا شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى مِنْ الْكُتُبِ الْكِبَارِ وَالصِّغَارِ أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ تَفْسِيرٍ فَلَمْ أَجِدْ - إلَى سَاعَتِي هَذِهِ - عَنْ أَحَدٍ مِنْ الصَّحَابَةِ أَنَّهُ تَأَوَّلَ شَيْئًا مِنْ آيَاتِ الصِّفَاتِ أَوْ أَحَادِيثِ الصِّفَاتِ بِخِلَافِ مُقْتَضَاهَا الْمَفْهُومِ الْمَعْرُوفِ؛ بَلْ عَنْهُمْ مِنْ تَقْرِيرِ ذَلِكَ وَتَثْبِيتِهِ وَبَيَانِ أَنَّ ذَلِكَ مِنْ صِفَاتِ اللهِ مَا يُخَالِفُ كَلَامَ الْمُتَأَوِّلِينَ مَا لَا يُحْصِيهِ إلَّا اللَّهُ. وَكَذَلِكَ فِيمَا يَذْكُرُونَهُ آثِرِينَ وَذَاكِرِينَ عَنْهُمْ شَيْئًا كَثِيرًا. وَتَمَامُ هَذَا أَنِّي لَمْ أَجِدْهُمْ تنَازَعُوا إلَّا فِي مِثْلِ قَوْله تَعَالَى ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ﴾ فَرُوِيَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَطَائِفَة أَنَّ الْمُرَادَ بِهِ الشِّدَّةُ أَنَّ اللَّهَ يَكْشِفُ عَنْ الشِّدَّةِ فِي الْآخِرَةِ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَطَائِفَةٍ أَنَّهُمْ عَدُّوهَا فِي الصِّفَات؛ لِلْحَدِيثِ الَّذِي رَوَاهُ أَبُو سَعِيدٍ فِي الصَّحِيحَيْنِ. وَلَا رَيْبَ أَنَّ ظَاهِرَ الْقُرْآنِ لَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ هَذِهِ مِنْ الصِّفَات فَإِنَّهُ قَالَ: ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ﴾ نَكِرَةٌ فِي الْإِثْبَاتِ لَمْ يُضِفْهَا إلَى اللهِ وَلَمْ يَقُلْ عَنْ سَاقِهِ فَمَعَ عَدَمِ التَّعْرِيفِ بِالْإِضَافَةِ لَا يَظْهَرُ أَنَّهُ مِنْ الصِّفَاتِ إلَّا بِدَلِيلِ آخَرَ"[2]

میں نے سو سے زیادہ کتب تفسیر کا مطالعہ کیا ہے میں نے کسی صحابی کے متعلق نہیں پڑھا کہ انہوں نے صفات باری تعالیٰ کی کوئی تاویل کی ہو، ہاں ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ﴾ کے متعلق اختلاف ہے کچھ حضرات اس کے معنی شدت کو دور کرنا لیتے ہیں لیکن حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے پیش نظر اس سے مراد پروردگار کا اپنی پنڈلی کو کھولنا ہے۔ اگرچہ لفظ ساق نکرہ ہے جسے کسی کی طرف مضاف نہیں کیا گیا تاہم دوسرے دلائل سے اس کے معنی متعین کئے جاسکتے ہیں۔

بہر حال اس جگہ شدت کو دور کرنا مراد نہیں بلکہ اللہ رب العزت کا اپنی پنڈلی کھولنا مراد ہے جیسا کہ حدیث میں اس کی صراحت ہے۔

20. ﴿إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ﴾[3]

---

1 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب تفسیر القرآن، بَاب: ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ﴾، حدیث 4919-

2 ابن تیمیہ، تقی الدین، احمد بن عبد الحلیم، **مجموعہ الفتاویٰ** (مدینہ نبویہ: مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، 1995ء) 6/394-

3 المرسلات: 32

(بلاشبہ وہ (آگ) محل جیسے شرارے پھینکے گی۔)

((حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَابِسٍ، قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ قَالَ كُنَّا نَرْفَعُ الْخَشَبَ بِقَصَرٍ ثَلاَثَةَ أَذْرُعٍ أَوْ أَقَلَّ، فَنَرْفَعُهُ لِلشِّتَاءِ فَنُسَمِّيهِ الْقَصَرَ.))[1]

(عبدالرحمٰن بن عابس نے بیان کیا کہا میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت: ﴿إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ﴾ یعنی (وہ انگارے برسائے گی جیسے بڑے محل) کے متعلق پوچھا اور انہوں نے کہا کہ ہم تین تین ہاتھ کی لکڑیاں اٹھا کر رکھتے تھے۔ ایسا ہم جاڑوں کے لیے کرتے تھے (تاکہ وہ جلانے کے کام آئیں) اور ان کا نام الْقَصَر رکھتے تھے۔)

اس سے مقصود آیت کریمہ کی تفسیر کرنا ہے کہ قیامت کے دن جہنم کی چنگاریاں اتنی بڑی بڑی ہوں گی جس طرح بڑے بڑے شہتیر ہوتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے لیکن عام معنی یہ کئے جاسکتے ہیں کہ قیامت کے دن جہنم بڑے بڑے محلات کی طرح چنگاریاں پھینکے گی۔ یہ معنی اس صورت میں ہیں جب "قصر" کو صاد کی جزم کے ساتھ پڑھا جائے، البتہ صاد کے فتحہ کے ساتھ پڑھنے کی صورت میں وہی معنی ہیں جنہیں امام بخاریؒ نے اختیار کیا ہے۔

21. ﴿كَأَنَّهُ جِمَالَتٌ صُفْرٌ﴾[2]

(جیسے وہ زرد اونٹ ہوں۔)

((حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَابِسٍ، سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ ۔ رضى الله عنهما ۔ ﴿تَرْمِي بِشَرَرٍ﴾ كُنَّا نَعْمِدُ إِلَى الْخَشَبَةِ ثَلاَثَةَ أَذْرُعٍ وَفَوْقَ ذَلِكَ، فَنَرْفَعُهُ لِلشِّتَاءِ فَنُسَمِّيهِ الْقَصَرَ. ﴿كَأَنَّهُ جِمَالاَتٌ صُفْرٌ﴾ حِبَالُ السُّفُنِ تُجْمَعُ حَتَّى تَكُونَ كَأَوْسَاطِ الرِّجَالِ.))[3]

(عبدالرحمٰن بن عابس نے بیان کیا اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت ﴿إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ﴾ کے متعلق سنا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم تین ہاتھ یا اس سے بھی لمبی لکڑیاں اٹھا کر جاڑوں کے لیے رکھ لیتے تھے۔ ایسی لکڑیوں کو ہم ﴿الْقَصَرَ﴾ کہتے تھے ﴿كَأَنَّهُ جِمَالاَتٌ صُفْرٌ﴾ سے مراد کشتی کی رسیاں ہیں جو جوڑ کر رکھی جائیں، وہ آدمی کی کمر برابر موٹی ہو جائیں۔)

---

1 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿ إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴾، حدیث 4932۔

2 المرسلات: 33

3 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿ كَأَنَّهُ جِمَالاَتٌ صُفْرٌ ﴾، حدیث 4933۔

آیت کریمہ میں جمالات کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے: ایک جیم کے کسرہ (زیر) کے ساتھ جو جِمَل کی جمع ہے اس کے معنی ہیں: اونٹ۔ اس صورت میں آیت کریمہ کے معنی یہ ہوں گے کہ جب بڑی بڑی چنگاریاں اٹھ کر پھیلیں گی اور چاروں طرف اڑنے لگیں گی تو یوں محسوس ہو گا گویا زرد اور سیاہ رنگ کے اونٹ اچھل کود کر رہے ہیں۔ اسے جیم کے ضمہ (پیش) کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اس صورت میں معنی ہوں گے: بڑی بڑی رسیاں جن سے کشتیوں کو باندھا جاتا ہے وہ بڑی بڑی چنگاریاں جب پھٹیں گی تو فضا میں یوں محسوس ہو گا جیسا کہ زرد رنگ کی لمبی لمبی رسیاں اڑ رہی ہیں۔ امام بخاریؒ نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے کیونکہ آپ نے اس کے علاوہ دوسرے معنی کی طرف التفات ہی نہیں کیا۔

22. ﴿هَذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُونَ﴾[1]

(یہ دن ہے کہ وہ نہیں بولیں گے۔)

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي غَارٍ إِذْ نَزَلَتْ عَلَيْهِ وَالْمُرْسَلاَتِ، فَإِنَّهُ لَيَتْلُوهَا وَإِنِّي لأَتَلَقَّاهَا مِنْ فِيهِ وَإِنَّ فَاهُ لَرَطْبٌ بِهَا، إِذْ وَثَبَتْ عَلَيْنَا حَيَّةٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم " اقْتُلُوهَا ". فَابْتَدَرْنَاهَا فَذَهَبَتْ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم " وُقِيَتْ شَرَّكُمْ، كَمَا وُقِيتُمْ شَرَّهَا ". قَالَ عُمَرُ حَفِظْتُهُ مِنْ أَبِي فِي غَارٍ بِمِنًى.))[2]

(عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک غار میں تھے کہ نبی کریم ﷺ پر سورۃ والمرسلات نازل ہوئی، پھر نبی کریم ﷺ نے اس کی تلاوت کی اور میں نے اسے آپ ہی کے منہ سے یاد کر لیا۔ وحی سے آپ کی منہ کی تازگی اس وقت بھی باقی تھی کہ اتنے میں غار کی طرف ایک سانپ لپکا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اسے مار ڈالو۔ ہم اس کی طرف بڑھے لیکن وہ بھاگ گیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس پر فرمایا کہ وہ بھی تمہارے شر سے اس طرح بچ نکلا جیسا کہ تم اس کے شر سے بچ گئے۔ عمر بن حفص نے کہا مجھے یہ حدیث یاد ہے، میں نے اپنے والد سے سنی تھی، انہوں نے اتنا اور بڑھایا تھا کہ وہ غار منیٰ میں تھا۔)

آیت میں ذکر کردہ صورت حال اہل جہنم کی آخری حالت ہو گی جو جہنم میں داخل ہوتے وقت ان پر طاری ہو گی اس سے پہلے میدان حشر میں تو یہ لوگ بہت کچھ کہیں گے۔ بہت سی معذرتیں پیش کریں گے لیکن جب عدل و انصاف کے تمام تقاضے پورے کر کے انہیں سزا سنا دی جائے گی تو وہ دم بخود رہ جائیں گے اور ان کے لئے اپنی

1 المرسلات: 35

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿هَذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُونَ﴾، حدیث 4934-

معذرت میں کچھ کہنے کی گنجائش باقی نہ رہے گی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ میں نے اسے بولنے نہیں دیا، یا میں نے اس کی بولتی بند کر دی۔

23. ﴿يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا﴾[1]

(جس دن صور میں پھونکا جائے گا، تو تم فوج در فوج چلے آؤ گے۔)

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ . رضی الله عنه . قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی الله علیه وسلم "مَا بَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ أَرْبَعُونَ". قَالَ أَرْبَعُونَ يَوْمًا قَالَ أَبَيْتُ. قَالَ أَرْبَعُونَ شَهْرًا قَالَ أَبَيْتُ. قَالَ أَرْبَعُونَ سَنَةً قَالَ أَبَيْتُ. قَالَ " ثُمَّ يُنْزِلُ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً. فَيَنْبُتُونَ كَمَا يَنْبُتُ الْبَقْلُ لَيْسَ مِنَ الإِنْسَانِ شَيْءٌ إِلاَّ يَبْلَى إِلاَّ عَظْمًا وَاحِدًا وَهْوَ عَجْبُ الذَّنَبِ، وَمِنْهُ يُرَكَّبُ الْخَلْقُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ".))[2]

(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دو صور پھونکے جانے کے درمیان چالیس فاصلہ ہو گا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں نے پوچھا کیا چالیس دن مراد ہیں؟ انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں پھر شاگردوں نے پوچھا کیا چالیس مہینے مراد ہیں؟ انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں۔ شاگردوں نے پوچھا کیا چالیس سال مراد ہیں؟ کہا کہ مجھے معلوم نہیں۔ کہا کہ پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برسائے گا۔ جس کی وجہ سے تمام مردے جی اٹھیں گے جیسے سبزیاں پانی سے اگ آتی ہیں۔ اس وقت انسان کا ہر حصہ گل چکا ہو گا۔ سوائے ریڑھ کی ہڈی کے اور اس سے قیامت کے دن تمام مخلوق دوبارہ بنائی جائے گی۔)

بعض اہل علم نے صحیح مسلم کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہو گا لیکن صحیح مسلم میں اس طرح کی کوئی صراحت نہیں ہے۔ علماء نے کہا ہے حدیث کے عموم سے حضرات انبیاء علیہم السلام کے جسم مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کے جسموں کو زمین نہیں کھائے گی جیسا کہ حدیث میں اس کی صراحت ہے۔((إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ))[3] (اللہ تعالیٰ نے زمین پر پیغمبروں کے بدن کو حرام کر دیا ہے۔)

24. ﴿يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾[4]

(جس دن لوگ رب العالمین کے لیے کھڑے ہوں گے۔)

---

1 النباء:18

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا﴾ زُمَرًا، حدیث 4935-

3 ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، تفرح أبواب الجمعة، باب فَضْلِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَلَيْلَةِ الْجُمُعَةِ، حدیث 1047 - علامہ البانیؒ نے اس حدیث کا حکم "صحیح" لگایا ہے۔

4 المطففین:6

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ ـ رضى الله عنهما ـ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. ﴿يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ قَالَ " يَقُومُ أَحَدُهُمْ فِي رَشْحِهِ إِلَى أَنْصَافِ أُذُنَيْهِ "))(1)

(ابن عمر رضی اللہ عنہمانے کہ نبی کریم ﷺ نے ﴿يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ کی تفسیر میں فرمایا : کہ تم میں سے ہر کوئی سارے جہانوں کے پروردگار کے آگے کھڑا ہو گا اس حال میں کہ اس کا پسینہ کانوں کی لو تک پہنچا ہوا ہو گا۔)

((وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الأَسْبَابُ ﴾ قَالَ الْوُصُلاَتُ فِي الدُّنْيَا.))(2)

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہمانے فرمایا: ﴿وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الأَسْبَابُ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے رشتے ناطے جو یہاں ایک دوسرے سے تھے وہ ختم ہو جائیں گے۔)

یہ پسینہ انسان کا ذاتی ہو گا جو نصف کانوں تک پہنچے گا۔ قیامت کے دن مسلسل خوف و ہراس، سورج کی نزدیکی اور لوگوں کے ہجوم کے سبب یہ پسینہ آئے گا۔ لوگوں کے اعمال کے پیش نظر یہ پسینہ کم و بیش ہو گا جیسا کہ درج ذیل حدیث سے پتا چلتا ہے قیامت کے دن سورج لوگوں کے بالکل قریب آ جائے گا حتی کہ لوگ پسینے سے شرابور ہوں گے۔ کچھ لوگوں کو پسینہ ایڑیوں تک، کچھ کو نصف پنڈلی تک کسی کی گھٹنوں تک، کسی کے رانوں تک، کسی کی کمر تک، کسی کے کندھوں تک اور کچھ لوگوں کے منہ تک، بعض کے منہ کو لگا دیئے ہو گا۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے منہ کی طرف اشارہ کیا اور کچھ لوگ پسینے میں غرق ہوں گے آپ نے اپنے سر پر ہاتھ مار کر اس بات کی وضاحت فرمائی۔(3)

امام بخاریؒ نے اس کی وضاحت کے لیے ایک اور روایت بیان کی ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ـ رضى الله عنه ـ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ " يَعْرَقُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يَذْهَبَ عَرَقُهُمْ فِي الأَرْضِ سَبْعِينَ ذِرَاعًا، وَيُلْجِمُهُمْ حَتَّى يَبْلُغَ آذَانَهُمْ ".))(4)

---

1 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الرقاق، باب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿ أَلاَ يَظُنُّ أُولَئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾، حدیث 6531-

2 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الرقاق، باب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿ أَلاَ يَظُنُّ أُولَئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾، ج6، ص100-

3 الحاکم، ابو عبداللہ، محمد بن عبداللہ، المستدرک علی الصحیحین، 4/615-

4 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الرقاق، باب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿ أَلاَ يَظُنُّ أُولَئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾، حدیث 6532-

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن لوگ پسینے میں شرابور ہو جائیں گے اور حالت یہ ہو جائے گی کہ تم میں سے ہر کسی کا پسینہ زمین پر ستر ہاتھ تک پھیل جائے گا اور منہ تک پہنچ کر کانوں کو چھونے لگے گا۔)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قیامت کے روز انسان پسینے سے شرابور ہو گا، اور کانوں تک پسینہ آئے گا، ان روایات کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان ابھی سے بچنے کی فکر کرے اور ایسے اسباب عمل میں لائے، جو اس کی نجات کا باعث ہوں، اللہ تعالیٰ کے ہاں گناہوں سے بخشش طلب کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی اس سے نجات دینے والا ہے۔

مبحث دوم:

الکافی کی آخرت سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

آخرت سے مراد بعد میں آنے والی زندگی کے ہیں، ان دنیا کے ختم ہو جانا ہے کیونکہ یہ دنیا فانی ہے، اس کے بعد ایک نئی زندگی ہوگی جو نہ ختم ہونے والی ہے، ہر انسان اور ذی روح نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے، ہر ذی روح نے آخروی زندگی کی طرف منتقل ہونا ہے۔ جو انسان بھی پیدا ہوا، اس نے اس دنیا سے رخصت ہونا ہی ہے۔ امام کلینیؒ نے الکافی میں آخرت سے متعلق تفسیری احادیث و آثار کو بیان کیا ہے، جن کو ذیل میں پیش کیا جارہا ہے:

1. ﴿ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾[1]

(وہ لوگ کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں بے شک ہم اللہ کے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام ، قَالَ : « قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله : قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ : إِنِّي جَعَلْتُ الدُّنْيَا بَيْنَ عِبَادِي قَرْضاً ، فَمَنْ أَقْرَضَنِي مِنْهَا قَرْضاً ، أَعْطَيْتُهُ بِكُلِّ وَاحِدَةٍ عَشْراً إِلى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ ، وَمَا شِئْتُ مِنْ ذلِكَ ، وَمَنْ لَمْ يُقْرِضْنِي مِنْهَا قَرْضاً، فَأَخَذْتُ مِنْهُ شَيْئاً قَسْراً ، فَصَبَرَ ، أَعْطَيْتُهُ ثَلَاثَ خِصَالٍ ، لَوْ أَعْطَيْتُ وَاحِدَةً مِنْهُنَّ مَلَائِكَتِي لَرَضُوا بِهَا مِنِّي ». قَالَ : ثُمَّ تَلَا أَبُو عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام قَوْلَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : «﴿الَّذِينَ إِذا أَصابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قالُوا إِنّا لِلّهِ وَإِنّا إِلَيْهِ راجِعُونَ * أُولئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَواتٌ مِنْ رَبِّهِمْ﴾ فَهذِهِ وَاحِدَةٌ مِنْ ثَلَاثِ خِصَالٍ ﴿وَرَحْمَةٌ ﴾ اثْنَتَانِ ﴿وَأُولئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾ ثَلَاثٌ ».ثُمَّ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام : « هذَا لِمَنْ أَخَذَ اللهُ مِنْهُ شَيْئاً قَسْراً ».))[2]

(حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں نے دنیا کو اپنے بندوں کے درمیان قرض قرار دیا ہے۔ پس جو شخص اس دنیا سے مجھے قرض دے گا میں اسے ہر دس کے عوض سات سو گنا اور اس سے بھی زیادہ عطاء کروں گا، جتنا میں چاہوں گا۔ اور جو مجھے اس سے قرض نہیں دے گا۔ تو میں اس سے ایک چیز کو لے لوں گا۔ پس اگر وہ صبر کرے گا تو میں اس کو تین خصال عطاء کروں گا۔ ان میں سے ایک بھی اگر میں اپنے ملائکہ کو دے دوں تو وہ سب مجھ سے راضی ہو جائیں۔ پھر آپ علیہ السلام نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿الَّذِينَ إِذا أَصابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قالُوا إِنّا لِلّهِ وَإِنّا إِلَيْهِ راجِعُونَ * أُولئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَواتٌ مِنْ رَبِّهِمْ ﴾ وہ لوگ جن پر مصیبت آتی ہے وہ یہ کہتے ہیں۔ ﴿إِنّا لِلّهِ وَإِنّا إِلَيْهِ راجِعُونَ﴾ ہم اللہ کی طرف سے ہیں اور

---

1 البقرہ:156

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الْإِيمَانِ وَالْكُفْرِ، بَابُ الصَّبْرِ، باب 47، حدیث 1710/21-

اللہ ہی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں۔ یہ ہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف درود و صلوات ہے۔"
پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا: یہ ایک خصلت ہے اور دوسری رحمت ہے اور تیسری ہدایت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَأُولئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾ (وہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔) پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا: یہ اس شخص کے لیے جس سے کوئی چیز اللہ لے اور وہ اس پر صبر کرے۔)

2. ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾[1]

(اللہ کسی جان کو اس کی گنجائش سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اسی کے لیے ہے جو اس نے (نیکی) کمائی اور اسی پر ہے جو اس نے (گناہ) کمایا، اے ہمارے رب! ہم سے موٴاخذہ نہ کر اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر جائیں، اے ہمارے رب! اور ہم پر کوئی بھاری بوجھ نہ ڈال، جیسے تو نے اسے ان لوگوں پر ڈالا جو ہم سے پہلے تھے، اے ہمارے رب! اور ہم سے وہ چیز نہ اٹھوا جس (کے اٹھانے) کی ہم میں طاقت نہ ہو اور ہم سے در گزر کر اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر، تو ہی ہمارا مالک ہے، سو کافر لوگوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔)

((عَنْ عَبْدِ الْأَعْلى ، قَالَ :قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام : أَصْلَحَكَ اللهُ ، هَلْ جُعِلَ فِي النَّاسِ أَدَاةٌ يَنَالُونَ بِهَا الْمَعْرِفَةَ؟ قَالَ : فَقَالَ : « لَا ».قُلْتُ: فَهَلْ كُلِّفُوا الْمَعْرِفَةَ؟ قَالَ : « لَا ، عَلَى اللهِ الْبَيَانُ ﴿لا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَها﴾ وَ ﴿لا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْساً إِلَّا ما آتاها﴾ ». قَالَ : وَسَأَلْتُهُ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالى : ﴿وَمَا كَانَ اللهُ لِيُضِلَّ قَوْماً بَعْدَ إِذْ هَداهُمْ حَتّى يُبَيِّنَ لَهُمْ ما يَتَّقُونَ﴾قَالَ : « حَتّى يُعَرِّفَهُمْ مَا يُرْضِيهِ وَمَا يُسْخِطُهُ ».))[2]

(عبد الاعلیٰ سے روایت کیا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو عبداللہ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا، اللہ آپ کے امور کی اصلاح فرمائے، کیا لوگوں کے درمیان ایسے آلات قرار دیئے گئے ہیں جن کے ذریعے وہ معرفت حاصل کریں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: نہیں! میں نے پھر عرض کیا: کیا خدا نے انسان کو معرفت کی تکلیف دی ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: جنہیں اس کا بیان کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور اللہ انسان کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا اور اللہ انسان کو اس کی تکلیف دیتا ہے جو وہ عطا کرتا ہے پھر میں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں سوال کیا۔ ﴿ وَمَا كَانَ اللهُ لِيُضِلَّ قَوْماً بَعْدَ إِذْ هَداهُمْ حَتّى يُبَيِّنَ لَهُمْ ما يَتَّقُونَ﴾

1 البقرہ:286

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، **الکافی**، كِتَابُ الْعَقْلِ وَالْجَهْلِ، بَابُ الْبَيَانِ وَالتَّعْرِيفِ وَلُزُومِ الْحُجَّةِ، باب 32، حدیث 423/5-

پھر آپ نے فرمایا: اللہ اس قوم کے لیے ان اشیاء کی معرفت عطا کرتا ہے جس سے وہ راضی ہوتا ہے اور جن سے وہ ناراض ہوتا ہے۔)

((عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام يَقُولُ : « قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله : رُفِعَ عَنْ أُمَّتِي أَرْبَعُ خِصَالٍ :خَطَؤُهَا ، وَنِسْيَانُهَا ، وَمَا أُكْرِهُوا عَلَيْهِ ، وَمَا لَمْ يُطِيقُوا ؛ وَذلِكَ قَوْلُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿رَبَّنا لا تُؤاخِذْنا إِنْ نَسِينا أَوْ أَخْطَأْنا رَبَّنا وَلا تَحْمِلْ عَلَيْنا إِصْراً كَما حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنا رَبَّنا وَلا تُحَمِّلْنا ما لا طاقَةَ لَنا بِهِ﴾ وَقَوْلُهُ : ﴿ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمانِ﴾ ».))[1]

(حضرت امام صادق علیہ السلام سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت سے چار خصال کو اٹھالیا ہے (یعنی ان کی ان اشیاء پر گرفت نہیں ہوگی۔) ان کی خطاؤں کو اٹھالیا گیا ہے۔ ان کی فراموشی کو اٹھالیا گیا ہے (یعنی جو بھول ونسیان میں کام ہو جائے گا اس پر گرفت نہیں ہوگی۔) جس پر میری امت کو مجبور کیا جائے گا (یعنی میری امت سے جو کام مجبور کر کے کروایا جائے گا کہ جس میں ان کا کوئی اختیار نہیں ہوگا اس کام کی گرفت نہیں ہوگی۔) وہ کام جس کی ان میں قدرت وطاقت نہیں ہوگی (یعنی وہ کام جس کے کرنے پر قدرت وطاقت نہیں رکھتے اس کام کے نہ کرنے پر ان کی گرفت نہیں ہوگی) اور اسی کو اللہ تعالیٰ کے اس قول نے بیان کیا ہے: ﴿رَبَّنا لا تُؤاخِذْنا إِنْ نَسِينا أَوْ أَخْطَأْنا رَبَّنا وَلا تَحْمِلْ عَلَيْنا إِصْراً كَما حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنا رَبَّنا وَلا تُحَمِّلْنا ما لا طاقَةَ لَنا بِهِ﴾ (اے ہمارے رب! اگر ہم فراموش کر جائیں تو اس پر ہمارا مواخذہ نہ کرنا یا اے ہمارے رب! جو ہم سے خطاء ہو جائے اس کا مواخذہ نہ کرنا اور ہمارے رب! ہمارے اوپر وہ بوجھ نہ ڈالنا جیسا کہ ہم سے پہلے والی قوم پر تو نے یہ بوجھ ڈالا تھا۔ اور ہم پر وہ چیز جمل نہ کرنا جس کو انجام دینے کی ہم میں قدرت وطاقت نہ ہو۔) پھر فرمایا: ﴿إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمانِ﴾ (مگر جس کو مجبور کیا گیا وہ اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔)

3. ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾[2]

(بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت لیتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور اللہ قیامت کے دن نہ ان سے بات کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔)

---

1 کلینی، ابوجعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الْإِيمَانِ وَالْكُفْرِ، بَابُ مَا رُفِعَ عَنِ الْأُمَّةِ ، باب208، حدیث1/3054-

2 آل عمران:77

((عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عليه‌السلام ، قَالَ :وَأَنْزَلَ فِي الْعَهْدِ : ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللهِ وَأَيْمانِهِمْ ثَمَناً قَلِيلاً أُولئِكَ لا خَلاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ وَلا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيامَةِ وَلا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذابٌ أَلِيمٌ﴾ وَالْخَلَاقُ النَّصِيبُ، فَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ فِي الْآخِرَةِ، فَبِأَيِّ شَيْءٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ؟))[1]

(ابو جعفر علیہ السلام نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے عہد وپیمان کے بارے میں فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللهِ وَأَيْمانِهِمْ ثَمَناً قَلِيلاً أُولئِكَ لا خَلاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ وَلا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيامَةِ وَلا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذابٌ أَلِيمٌ ﴾(بے شک وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اللہ ان سے نہ تو کلام کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر رحمت کرے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا۔) خلاق یعنی نصیب یعنی حصہ نہیں ہو گا۔ تو جس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ ہی نہ ہو گا تو کون سی چیز اس کو جنت میں داخل کرے گی۔)

4. ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي﴾[2]

(اور وہ تجھ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دے روح میرے رب کے حکم سے ہے)

((عَنْ أَبِي بَصِيرٍ ، قَالَ:سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿يَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي﴾ قَالَ:« خَلْقٌ أَعْظَمُ مِنْ جَبْرَئِيلَ وَمِيكَائِيلَ، كَانَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله ، وَهُوَ مَعَ الْأَئِمَّةِ ، وَهُوَ مِنَ الْمَلَكُوتِ ».))[3]

(ابو بصیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ امام صادق علیہ السلام سے اللہ تعالی کے اس فرمان کے بارے میں سوال کیا؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام سے بھی ایک عظیم تر مخلوق کو خلق فرمایاہے۔ وہ عظیم مخلوق نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھی، اور آئمہ کے ساتھ تھی، اور وہ عالم ملکوت میں سے ہے۔)

5. ﴿وَقَدِمْنَا إِلَى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا ﴾[4]

(اور ہم اس کی طرف آئیں گے جو انھوں نے کوئی بھی عمل کیا ہو گا تو اسے بکھرا ہوا غبار بنا دیں گے۔)

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الْإِيمَانِ وَالْكُفْرِ ، بَابٌ ، باب 17، حدیث 1518/1-

2 بنی اسرائیل: 85

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الْحُجَّةِ ، بَابُ الرُّوحِ الَّتِي يُسَدِّدُ اللهُ بِهَا الْأَئِمَّةَ علیهم‌السلام، باب 56، حدیث 721/3-

4 الفرقان: 23

((عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ خَالِدٍ ، قَالَ : سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ وَقَدِمْنا إِلى ما عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْناهُ هَباءً مَنْثُوراً ﴾ قَالَ: « أَمَا وَاللهِ ، إِنْ كَانَتْ أَعْمَالُهُمْ أَشَدَّ بَيَاضاً مِنَ الْقَبَاطِيِّ ، وَلكِنْ كَانُوا إِذَا عَرَضَ لَهُمُ الْحَرَامُ لَمْ يَدَعُوهُ ».))[1]

(حضرت ابوعبد اللہ امام صادق علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں سوال کیا کہ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَقَدِمْنا إِلى ما عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْناهُ هَباءً مَنْثُوراً ﴾(پھر ہم ان کے کیے ہوئے عمل کی طرف توجہ کریں گے اور ان کے کیے ہوئے عمل کو اڑتی ہوئی خاک بنادیں گے۔) آپ علیہ السلام نے فرمایا: آگاہ ہو جاؤ۔ اللہ کی قسم !اگر کسی بندے کے اعمال مصری سفید چادر سے زیادہ چمک دار ہو لیکن وہ ایسا ہو کہ جب اس کے سامنے حرام آئے اور اس سے اجتناب نہ کرے تو وہ اس آیت کا مصداق ہے۔)

6. ﴿فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ﴾[2]

(وہ عذاب) ایک ایسے دن میں (ہو گا) جس کا اندازہ پچاس ہزار سال ہے۔)

((عَنْ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ ، قَالَ : قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام : « إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ لَايَسْأَلَ رَبَّهُ شَيْئاً إِلَّا أَعْطَاهُ ، فَلْيَيْأَسْ مِنَ النَّاسِ كُلِّهِمْ ، وَلَا يَكُونُ لَهُ رَجَاءٌ إِلَّا عِنْدَ اللهِ ، فَإِذَا عَلِمَ اللهُ – عَزَّ وَجَلَّ – ذلِكَ مِنْ قَلْبِهِ ، لَمْ يَسْأَلِ اللهَ شَيْئاً إِلَّا أَعْطَاهُ ». فحاسِبوا أنْفُسَكُم قَبلَ أنْ تُحاسَبوا عليها ، فإنَّ للقِيامَةِ خَمْسِينَ مَوْقِفاً ، كُلُّ مَوقِفٍ مقداره أَلْفِ سَنَةٍ ، ثُمَّ تَلا هذهِ الآيَةَ : ﴿فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ﴾))[3]

(حفص بن غیاث کہتے ہیں امام جعفر صادق نے فرمایا: جب بھی تم میں سے کوئی ایک یہ چاہے کہ (اس کی دعا قبول ہو جائے اور) جو چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مانگے وہ اسے مل جائے تو اسے چاہیے کہ لوگوں سے اپنی امید کو منقطع رکھے اور ان سے کوئی امید نہ رکھے سوائے اس کے کہ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، اور جب اسے اس کا دل اس حالت میں دیکھتا ہے تو اس وقت جو کچھ وہ طلب کرتا ہے تو اللہ وہ عطا فرماتا ہے، پس تم خود ہی اپنا محاسبہ کیے رہو اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے، کیونکہ قیامت کے دن پچاس مؤقف (روکے جانے کی جگہیں) ہیں، جس میں ہر ایک کی کھڑے ہونے کی مقدار ہزار سال کے برابر ہے، پھر اس آیت کی تلاوت کی: ﴿فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ﴾(اس دن میں جس کی مقدار تمہاری گنتی سے ہزار برس کی ہو گی۔)

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الْإِيمَانِ وَالْكُفْرِ، بَابُ اجْتِنَابِ الْمَحَارِمِ، باب39، حدیث1655/5-

2 المعارج:4

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كتاب الروضة ، حديث محاسبة النّفس، حدیث14923/108-

7. ﴿ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ﴾[1]

(اور وہ جو جزا کے دن کو سچا مانتے ہیں۔)

((عن أبي جعفر عليه‌السلام ، في قوله عزوجل : ﴿وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴾ قال : «بخروج القائم عليه‌السلام».))[2]

(ابو جعفر امام باقر علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ﴾ (اور وہ کہ جنہوں نے روز جزا کی تصدیق کی ہے) آپ علیہ السلام نے فرمایا اس سے مراد دن سے ظہور قائم ہے۔)

خلاصہ بحث

آخرت عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی بعد میں آنے والی زندگی کے ہیں، آخرت کے مقابلے میں دنیا کو لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جس کے معنی قریب کے ہیں۔ آخرت اس عقیدے کا نام ہے کہ ایک دن یہ دنیا اور اس کی ہر شے فنا ہو جائے گی، اس کے بعد ایک نئی زندگی جنم لے گی، اور اللہ تعالیٰ انسانوں سے گزشتہ زندگی کے بارے میں سوال کرے گا اور پھر انسان دنیا میں کیے جانے والے اعمال کا حساب دے گا۔ اگر تو حساب میں کامیاب ہو گیا تو جنت ملے گی اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا اور ناکام ہوا تو جہنم میں جانا ہو گا۔

قرآن مجید اور احادیث میں آخرت سے متعلق بہت سی آیات واحادیث وارد ہوئی ہیں، نیز قیامت کا تذکرہ اور قیامت کی نشانیوں سے متعلق میں روایات بیان ہوئی ہیں، آخرت کے مختلف مراحل بھی بیان ہوئے ہیں: مثلاً موت، قبر، سوال وجواب، برزخ، صور پھونکنا، قیامت برپا ہونا، میزان، نامہ اعمال، حوض کوثر، پل صراط، اور جنت وجہنم وغیرہ۔ صحیح بخاری اور الکافی میں ان تمام امور سے متعلق روایات بیان ہوئی ہیں۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم اس دنیا میں آخرت کی تیاری کریں تاکہ قیامت والے دن سرخرو ہو سکیں۔

---

1 المعارج:26

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، **الکافی**، كتاب الروضة ، حديث نوح عليه‌السلام يوم القيامة ، **حدیث** 15247/432-

باب سوم

صحیح بخاری اور الکافی کی عبادات سے متعلق تفسیری احادیث و آثار کا مطالعہ

فصل اول: صلاۃ سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

فصل دوم: صوم سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

فصل سوم: زکوۃ سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

فصل چہارم: حج سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

عبادات کے لغوی معانی:

عبادت عربی زبان کے لفظ "عبد" سے مشتق ہے اور اس کا معنی آخری درجے کی عاجزی وانکساری ہے۔

امام راغب اصفہانی عبادت کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"العبودية: إظهار التذلّل، و العبادة أبلغ منها؛ لأنّها غاية التذلّل، و لا يستحق إلّا من له غاية الإفضال و هو الله تعالى "[1]

(بندگی سے مراد عاجزی وانکساری ہے، اور عبادت اس سے وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ عاجزی اور انکساری کی انتہاء ہے۔ اور عبادت کا مستحق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔)

ارشادی باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾[2]

(اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو)

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ عبادت عاجزی کی انتہاء کا نام ہے، اور یہ عاجزی اس ہستی کے لیے رواء ہے جو معبود برحق ہے، یعنی عبادت کا حق دار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی عبادت جائز نہیں ہے۔

ابن منظور افریقی عبادت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"العبادةِ فِي اللُّغَةِ الطاعةُ مَعَ الخُضُوعِ"[3]

(عبادت کے لغوی معنی اطاعت کے ہیں۔)

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ عبادت اطاعت وفرمانبرادی کا نام ہے، اطاعت اللہ تعالیٰ کی ہوگی اور اطاعت کرنے کے لیے جو طریقہ اپنانا ہوگا، وہ ہمیں نبی کریم ﷺ سے لینا ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾[4] (ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں۔)

اس آیت کریمہ سے اطاعت کا مفہوم واضح ہوتا ہے۔ کہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں، گویا ہم صرف تیری ہی اطاعت وفرمانبرداری کرتے ہیں، اس اطاعت کا طریقہ کیا ہوگا، اس کی وضاحت ہمیں حدیث رسول

---

1 اصفہانی، راغب، ابوالقاسم، حسین، بن محمد، **مفردات فی غریب القرآن**(بیروت: دارالقلم، 1412ھ)ص542-

2 بنی اسرائیل:23

3 افریقی، ابوالفضل، محمد بن مکرم، **لسان العرب**(بیروت: دارصادر، 1414ھ)ج3، ص273-

4 الفاتحہ:5

سے ملتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:((صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي))[1](نماز اس طرح پڑھو، جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔)

عبادات کے اصطلاحی معانی:

امام جرجانیؒ عبادت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"العبادة:هو فعل المكلف على خلاف هوى نفسه؛ تعظيمًا لربه. العبودية: الوفاء بالعهود، وحفظ الحدود، والرضا بالموجود، والصبر على المفقود"[2]

(نفس کی خواہش کے خلاف' اپنے رب کی تعظیم کے لیے مکلف کا کوئی کام کرنا عبادت ہے۔ عہد کو پورا کرنا' اللہ کی حدود کی حفاظت کرنا' جو مل جائے اس پر راضی رہنا اور جو نہ ملے اس پر صبر کرنا' عبودیت ہے۔)

اس تعریف کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ عمومی طور پر عبادت میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کو شامل کیا جاتا ہے، لیکن عبادت سے مراد ہر وہ عمل جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے کیا جائے۔ لہذا عہد کو پورا کرنا، اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کی حفاظت کرنا، اطاعت کرنا، عاجزی وانکساری کرنا، جو نہ مل سکے اس پر صبر کرنا، یہ تمام چیزیں بندگی میں شامل ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ نے عبادت کی جامع تعریف کی ہے:

" الْعِبَادَة هِيَ اسْم جَامع لكل مَا يُحِبهُ الله ويرضاه من الْأَقْوَال والأعمال الْبَاطِنَة وَالظَّاهِرَة. فَالصَّلَاة وَالزَّكَاة وَالصِّيَام وَالْحج وَصدق الحَدِيث وَأَدَاء الْأَمَانَة وبرّ الْوَالِدين وصلَة الْأَرْحَام وَالْوَفَاء بالعهود وَالْأَمر بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْي عَن الْمُنكر وَالْجِهَاد للْكفَّار وَالْمُنَافِقِينَ وَالْإِحْسَان للْجَار واليتيم والمسكين وَابْن السَّبِيل والمملوك من الْآدَمِيّين والبهائم وَالدُّعَاء وَالذكر وَالْقِرَاءَة وأمثال ذَلِك من الْعِبَادَة "[3]

(عبادت بڑی جامع اصطلاح ہے ہر وہ قول اور ظاہری و باطنی عمل جس کو اللہ پسند کرے اور اس سے راضی ہو عبادت ہے۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، سچ بولنا، امانت داری، والدین کے ساتھ حسن سلوک، صلہ رحمی، وعدے کی پابندی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد، پڑوسی، یتیم، مسکین، مسافر، غلاموں اور چوپایوں کے ساتھ احسان، دعا، ذکر، تلاوت سب عبادت کی شاخیں ہیں۔)

---

1 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الاذان، بَابُ الأَذَانِ لِلْمُسَافِرِ إِذَا كَانُوا جَمَاعَةً، وَالإِقَامَةِ، وَكَذَلِكَ بِعَرَفَةَ وَجَمْعٍ، حدیث 631-

2 الجرجانی، شریف، علی بن محمد، التعریفات (بیروت: دار الكتب العلمية، 1403ھ) ص 134-

3 ابن تیمیہ، تقی الدین، ابو عباس، احمد بن عبد الحلیم، العبودیہ (بیروت: المکتب اسلامی، 2005ء) ص 44-

اگر ہم فقہاء کی نظر میں عبادت کی اصطلاح دیکھیں تو فقہاء نے شریعت کے احکام کو تین بنیادی اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ عبادات، اخلاقیات، معاملات۔ اس لحاظ سے عبادت سے مراد پورا نظام ہے جو اللہ کی بندگی کے مظاہر ہیں۔ اس میں عبادت کی تمام اقسام آجاتی ہیں۔

خلاصہ کلام

عبادت کے لیے عربی میں عبد کا لفظ مستعمل ہے۔ اس کا معانی انتہائی حد تک عاجزی ہے۔ یعنی عاجزی اختیار کرنا عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان و جن کی پیدائش کا مقصد بھی عبادت الٰہی قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾[1]

(اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔)

ہر وہ عمل جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے کیا جائے عبادت کہلاتا ہے، عام طور پر عبادت میں نماز، روزہ ، زکوۃ اور حج کو شامل کیا جاتا ہے، لیکن بعض اہل علم کے نزدیک ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کے امور عبادت میں شامل ہے۔ عبادت اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے، اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرنا جائز نہیں ہے، اور عبادت میں طریقہ نبی کریم ﷺ سے لینا ہو گا۔

---

1 الذاریات:56

فصل اول:

صلاۃ سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

لفظ صلاۃ کی لغوی تعریف:

نماز فارسی زبان کا لفظ ہے اور نماز کے لئے قرآن کریم میں "صلوۃ" کا لفظ آیا ہے عربی زبان میں صلوۃ کا مطلب دعا، برکت اور بزرگی کے ہیں۔

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

" والصَّلاةُ، قال كثير من أهل اللّغة: هي الدّعاء، والتّبريك والتّمجيد"(1)

(اور نماز کے لئے لفظ "صلاۃ" اکثر اہل لغت نے دعا، برکت اور بزرگی کے معنی میں لیا ہے۔)

(صلاۃ) کے لغوی معنی دعا و استغفار ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ﴾(2)(آپ ان کے اموال سے صدقہ لیجیے انہیں پاک کیجیے اور اس کے ذریعے سے ان کا تزکیہ کیجیے اور ان کے لئے دعا کیجیے۔)

جب صلاۃ کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو اس کے معنی رحمت اور خیر و برکت ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ﴾(3)(وہی ہے (اللہ) جو تم پر اپنی رحمت نازل فرماتا ہے۔)

صلاۃ کی اصطلاحی تعریف:

نماز کے لیے عربی میں الصلاۃ کا لفظ مستعمل ہے۔ مخصوص اوقات، مخصوص طریقے اور مخصوص رکعتوں کے ساتھ ادا کرنا نماز کہلاتا ہے۔

امام جرجانی لفظ صلاۃ کی تعریف یوں کرتے ہیں:

" الصلاة: في اللغة: الدعاء، وفي الشريعة: عبارة عن أركان مخصوصة، وأذكار معلومة، بشرائط محصورة في أوقات مقدرة "(4)

---

1 اصفہانی، راغب، ابو القاسم، حسین، بن محمد، المفردات فی غریب القرآن (بیروت: دار القلم، 1412ھ) ص 490-491-

2 التوبۃ: 103

3 الاحزاب: 43

4 الجرجانی، شریف، علی بن محمد، التعریفات، ص 134-

(صلوۃ کا لغوی معنی دعا ہے جبکہ شریعت میں مخصوص ارکان، معلوم اذکار، مخصوص شرائط اور مقررہ اوقات میں ادا کرنا نماز کہلاتا ہے۔)

لفظ "صلاۃ" کا معانی نماز، دعا تسبیح اور رحمت وغیرہ کے لیے مستعمل ہے، اس کی جمع صلوات آتی ہے۔ اصطلاحاً نماز ایسی معروف عبادت کا نام ہے، جس میں رکوع و سجود ہوں اور جس کی ابتدا تکبیر سے ہو اور انتہاء سلام پر ہو۔[1]

خلاصہ کلام

عربی میں نماز کے لیے الصلاۃ کا لفظ مستعمل ہے، اہل لغت نے صلاۃ کے معانی دعا اور برکت بیان کیے ہیں، جبکہ شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں مخصوص ارکان، معلوم اذکار، مخصوص شرائط اور مقررہ اوقات میں، رکعتیں ادا کرنے کو نماز کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کے بہت سے مقامات پر حکم ہے، لیکن اس کا طریقہ کیا ہے؟ وہ ہمیں احادیث نبوی ﷺ سے ملتا ہے۔

1 الزحیلی، ڈاکٹر، وھبۃ، الفقہ الاسلامی و ادلتہ (کراچی: دارالاشاعت، 2012ء) ج 1، ص 653-

مبحث اول:

صحیح بخاری کی الصلاۃ سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کی کتاب الصلاۃ میں 172 روایات ذکر کی ہیں اور اور 109 ابواب قائم کیے ہیں۔ کتاب الصلاۃ میں پہلا باب "بَابُ كَيْفَ فُرِضَتِ الصَّلاَةُ فِي الإِسْرَاءِ"(باب: اس بارے میں کہ شب معراج میں نماز کس طرح فرض ہوئی؟) اور آخری باب "بَابُ الْمَرْأَةِ تَطْرَحُ عَنِ الْمُصَلِّي شَيْئًا مِنَ الأَذَى"(باب: اس بارے میں کہ اگر عورت نماز پڑھنے والے سے گندگی ہٹادے، تو مضائقہ نہیں ہے)ہے۔ اب ذیل میں صحیح بخاری کی الصلاۃ سے متعلق تفسیری احادیث و آثار کو پیش کیا جارہا ہے۔

1. بَابُ مَا جَاءَ فِي فَاتِحَةِ الْكِتَابِ

امام بخاریؒ سورۃ الفاتحہ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کو سبع مثانی کہا جاتا ہے۔

((عَنْ أَبِي سَعِيدِ بْنِ الْمُعَلَّى، قَالَ كُنْتُ أُصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ فَدَعَانِي رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَلَمْ أُجِبْهُ، فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي كُنْتُ أُصَلِّي. فَقَالَ " أَلَمْ يَقُلِ اللَّهُ ﴿اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾ ثُمَّ قَالَ لِي لأُعَلِّمَنَّكَ سُورَةً هِيَ أَعْظَمُ السُّوَرِ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ ". ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي، فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ قُلْتُ لَهُ أَلَمْ تَقُلْ " لأُعَلِّمَنَّكَ سُورَةً هِيَ أَعْظَمُ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ ". قَالَ " ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيتُهُ "))[1]

(ابوسعید بن معلی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا، نبی کریم ﷺ نے مجھے اسی حالت میں بلایا، میں نے کوئی جواب نہیں دیا (پھر بعد میں، میں نے حاضر ہو کر) عرض کیا: یا نبی کریم ﷺ! میں نماز پڑھ رہا تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے تم سے نہیں فرمایا ہے: ﴿اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾[2] "اللہ اور اس کے رسول جب تمہیں بلائیں تو ہاں میں جواب دو۔" پھر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: آج میں تمہیں مسجد سے نکلنے سے پہلے ایک ایسی سورت کی تعلیم دوں گا جو قرآن کی سب سے بڑی سورت ہے۔ پھر آپ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور جب آپ باہر نکلنے لگے تو میں نے یاد دلایا کہ آپ نے مجھے قرآن کی سب سے بڑی سورت بتانے کا وعدہ کیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ یہی وہ سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔)

---

1 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بابُ مَا جَاءَ فِي فَاتِحَةِ الْكِتَابِ، حدیث 4474-

2 الانفال: 24

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں یہی واقعہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا:

((أَنْ أُعَلِّمَكَ سُورَةً لَمْ يَنْزِلْ فِي التَّوْرَاةِ وَلاَ فِي الإِنْجِيلِ وَلاَ فِي الزَّبُورِ وَلاَ فِي الْفُرْقَانِ مِثْلُهَا))[1]

(کیا میں تجھے ایسی سورت سے آگاہ نہ کروں جو تورات، انجیل، زبور اور فرقان میں نازل نہیں ہوئی۔)

اس حدیث سے سورۃ الفاتحہ کی عظمت و رفعت کا پتہ چلتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان خواہ کتنے ہی ضروری کام میں مصروف ہو، اسے نبی کریم ﷺ کے بلانے پر نماز چھوڑ کر فوراً حاضر ہو جانا چاہیے اس کے علاوہ حدیث جریج[2] سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ والدین میں سے کسی ایک کے بلانے پر انسان کو نفلی نماز توڑ کر اسی وقت حاضر ہو جانا چاہیے عدم تعمیل کی صورت میں والدین کی آہ سے سنگین نتائج سے دوچار ہونے کا اندیشہ ہے۔ امام بخاریؒ نے اس کے متعلق اپنی صحیح میں ایک عنوان "بَابُ إِذَا دَعَتِ الأُمُّ وَلَدَهَا فِي الصَّلاَةِ" بھی قائم کیا ہے۔[3]

واضح رہے کہ سورت فاتحہ کہ سبع مثانی درج ذیل وجوہات کی بنا پر کہا گیا ہے۔ اس کی سات آیات کو نماز میں بار بار پڑھا جاتا ہے یا اس کا نزول دو مرتبہ ہوا: ایک مرتبہ مکہ میں اور دوسری بار مدینہ طیبہ میں۔ اس میں بڑے جامع انداز میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اور ثنا بیان کی گئی ہے۔ یہ سورت امت محمدیہ کو خصوصی طور پر عطا کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مثانی خواہ تثنیہ سے ماخوذ ہو یا ثنا سے یا استثناء سے اسے بنایا گیا ہو ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ ان سب وجہ کی بنا پر اس سورت کو سبع مثانی کہا گیا ہے۔ اور اسے القرآن العظیم اس لئے کہا گیا ہے کہ قرآن کریم کے بنیادی مضامین اس سورت میں اجمالاً آ گئے ہیں گویا کوزے میں سمندر کو بند کر دیا گیا ہے وہ یوں کہ سب سے پہلے اللہ کی معرفت اور اس کی حمد و ثناء، پھر یوم آخرت میں جزا و سزا کا جامع تذکرہ، اس کے بعد شرک کی تمام اقسام سے مکمل طور پر بچنے کا اقرار اور صراط مستقیم پر گامزن رہنے کی التجا، نیز صراط مستقیم کی مختصر توضیح، یہی وہ مضامین ہیں جو مختلف انداز میں آگے بیان کئے گئے ہیں۔

2. ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾[4]

---

1 ترمذی، ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، السنن، کتاب فضائل القرآن، باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ منه، حدیث 2875- اس روایت کو علامہ البانیؒ نے "صحیح" کہا ہے۔

2 حدیث جریج سے مراد الجامع الصحیح کی حدیث 1206 ہے، جس میں انہوں نے اپنی والدہ کے بلانے پر لبیک نہیں کہا اور نفلی نماز میں مشغول رہے۔ پھر ان کو ان کی والدہ کی بد دعا لگ گئی۔

3 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب العمل فی الصلاۃ، بَابُ إِذَا دَعَتِ الأُمُّ وَلَدَهَا فِي الصَّلاَةِ، حدیث 1206-

4 البقرہ: 125

(اور تم ابراہیم کی جائے قیام کو نماز کی جگہ بناؤ۔)

((عَنْ أَنَسٍ، قَالَ قَالَ عُمَرُ وَافَقْتُ اللَّهَ فِي ثَلاَثٍ . أَوْ وَافَقَنِي رَبِّي فِي ثَلاَثٍ . قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، لَوِ اتَّخَذْتَ مَقَامَ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ يَدْخُلُ عَلَيْكَ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ، فَلَوْ أَمَرْتَ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ بِالْحِجَابِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ آيَةَ الْحِجَابِ قَالَ وَبَلَغَنِي مُعَاتَبَةُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بَعْضَ نِسَائِهِ، فَدَخَلْتُ عَلَيْهِنَّ قُلْتُ إِنِ انْتَهَيْتُنَّ أَوْ لَيُبَدِّلَنَّ اللَّهُ رَسُولَهُ صلى الله عليه وسلم خَيْرًا مِنْكُنَّ. حَتَّى أَتَيْتُ إِحْدَى نِسَائِهِ، قَالَتْ يَا عُمَرُ، أَمَا فِي رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم مَا يَعِظُ نِسَاءَهُ حَتَّى تَعِظَهُنَّ أَنْتَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ ﴿عَسَى رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبَدِّلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ﴾ الآيَةَ. وَقَالَ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ سَمِعْتُ أَنَسًا عَنْ عُمَرَ.))[1]

(انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ فرمایا: تین مواقع پر اللہ تعالیٰ کے نازل ہونے والے حکم سے میری رائے نے پہلے ہی موافقت کی یا میرے رب نے تین مواقع پر میری رائے کے موافق حکم نازل فرمایا۔ میں نے عرض کیا تھا کہ یا نبی کریم! کیا اچھا ہوتا کہ آپ مقام ابراہیم کو طواف کے بعد نماز پڑھنے کی جگہ بناتے تو بعد میں یہی آیت نازل ہوئی۔ اور میں نے عرض کیا تھا کہ یا نبی کریم! آپ کے گھر میں اچھے اور برے ہر طرح کے لوگ آتے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ آپ امہات المؤمنین کو پردہ کا حکم دے دیتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب (پردہ کی آیت) نازل فرمائی اور انہوں نے بیان کیا اور مجھے بعض ازواج مطہرات سے نبی کریم ﷺ کی خفگی کی خبر ملی۔ میں نے ان کے یہاں گیا اور ان سے کہا کہ تم باز آجاؤ، ورنہ اللہ تعالیٰ تم سے بہتر بیویاں نبی کریم ﷺ کے لیے بدل دے گا۔ بعد میں ازواج مطہرات میں سے ایک کے ہاں گیا تو وہ مجھ سے کہنے لگیں کہ عمر! نبی کریم ﷺ تو اپنی ازواج کو اتنی نصیحتیں نہیں کرتے جتنی تم انہیں کرتے رہتے ہو۔ آخر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: ﴿عَسَى رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبَدِّلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ﴾(کوئی تعجب نہ ہونا چاہیے اگر اس نبی کا رب تمہیں طلاق دلا دے اور دوسری مسلمان بیویاں تم سے بہتر بدل دے۔) آخر آیت تک۔ اور ابن ابی مریم نے بیان کیا، انہیں یحییٰ بن ایوب نے خبر دی، ان سے حمید نے بیان کیا اور انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا۔)

مقام ابراہیم کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ راجح یہ ہے کہ اس سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی اور جو اب تک موجود ہے۔ اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کے نشانات ہیں اب اس پتھر کو ایک شیشے کے گلوب میں محفوظ کر لیا گیا ہے جسے ہر حاجی اور عمرہ کرنے والا بآسانی دیکھ سکتا ہے۔ طواف مکمل کرنے کے بعد اس مقام پر دو رکعت پڑھنے کا حکم ہے یہ پہلے بیت اللہ

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلُهُ: ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾، حدیث 4483۔

سے متصل تھا۔ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک اپنے پہلے مقام پر رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ اس سے طواف کرنے والوں اور نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے تو انہوں نے اسے پیچھے ہٹا دیا۔

قرآن کریم کی تقریباً پندرہ آیات ہیں جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق نازل ہوئیں۔ انہیں "موافقات عمر" کہا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا:((إِنَّ اللَّهَ وَضَعَ الْحَقَّ عَلَى لِسَانِ عُمَرَ يَقُولُ بِهِ))[1](اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان پر حق رکھ دیا ہے وہ حق ہی بولتا ہے۔)

نیز نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:((لَقَدْ كَانَ فِيمَا قَبْلَكُمْ مِنَ الأُمَمِ مُحَدَّثُونَ، فَإِنْ يَكُ فِي أُمَّتِي أَحَدٌ فَإِنَّهُ عُمَرُ))[2](پہلی امتوں میں محدث ہوتے تھے، میری امت میں عمر محدث ہیں۔)

اس حدیث میں تین مقامات کا ذکر ہے، کسی عدد کا ذکر کرنا زائد کے لئے مانع نہیں ہوتا اگرچہ حکم الٰہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے تابع نہیں، تاہم اللہ تعالیٰ کا حکم ان کی رائے کے موافق نازل ہوا۔ ممکن ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت انس رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی تو اس وقت ابھی تین مواقع پر موافقت ہوئی ہو باقی موافقات اس کے بعد وقوع پذیر ہوئی ہوں۔

3. ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾[3]

(اور تو جہاں سے نکلے سو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے اور بلاشبہ یقیناً یہی تیرے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ ہرگز اس سے غافل نہیں جو تم کرتے ہو۔)

((حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دِينَارٍ، قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ . رضى الله عنهما . يَقُولُ بَيْنَا النَّاسُ فِي الصُّبْحِ بِقُبَاءٍ إِذْ جَاءَهُمْ رَجُلٌ فَقَالَ أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ، فَأُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ، فَاسْتَقْبِلُوهَا. وَاسْتَدَارُوا كَهَيْئَتِهِمْ، فَتَوَجَّهُوا إِلَى الْكَعْبَةِ وَكَانَ وَجْهُ النَّاسِ إِلَى الشَّأْمِ.))[4]

---

1 ابو داود، سلیمان بن اشعث، السنن، كِتَاب الْخَرَاجِ وَالإِمَارَةِ وَالْفَيْءِ، باب فِي تَدْوِينِ الْعَطَاءِ، حدیث 2962-اس روایت کو علامہ البانیؒ نے "صحیح" کہا ہے۔

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، كِتَاب فَضَائِلِ الصحابة، بَابُ مَنَاقِبُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَبِي حَفْصٍ الْقُرَشِيِّ الْعَدَوِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، حدیث 3689-

3 البقرہ:149

4 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾، حدیث 4493-

(عبد اللہ بن دینار نے بیان کیا، کہا کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ لوگ قباء میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک صاحب آئے اور کہا کہ رات قرآن نازل ہوا ہے اور کعبہ کی طرف منہ کر لینے کا حکم ہوا ہے۔ اس لیے آپ لوگ بھی کعبہ کی طرف منہ کر لیں اور جس حالت میں ہیں، اسی طرح اس کی طرف متوجہ ہو جائیں (یہ سنتے ہی) تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کعبہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس وقت لوگوں کا منہ شام کی طرف تھا۔)

مسلمانوں کے لئے جب بیت اللہ قبلہ بنا تو مدینہ طیبہ میں ایک فتنہ برپا ہو گیا اہل کتاب، منافقین اور مشرکین نے طرح طرح کی باتیں بنانا شروع کر دیں اور مختلف قسم کے شبہات پھیلانا شروع کر دیئے۔ ایسی فضا ختم کرنے کے لئے اور مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات راسخ کرنے کے لئے کہ بیت اللہ اب ان کا ہمیشہ کے لئے قبلہ ہو گیا ہے ضرورت تھی کہ مختلف انداز میں یہ بات مسلمانوں کے ذہن نشین کرا دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے رسول کو خطاب کر کے فرمایا: "سفر و حضر میں آپ کہیں بھی ہوں نماز میں اپنا رخ کعبے کی طرف کریں"۔ چونکہ یہ حکم تمام مسلمانوں کے لئے بھی تھا اس لئے امت اسلامیہ کو خطاب کر کے فرمایا: "تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو نماز میں مسجد حرام کی طرف رخ کرو"۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مزید تاکید کے لئے فرمایا: "بیت المقدس سے کعبے کی طرف تحویل قبلہ اللہ کی طرف سے ہے" اس کے بعد تقریباً سب دشمنان اسلام کی زبانیں بند ہو گئیں سوائے چند ظالموں کے جنہیں کوئی نہ کوئی بات بناتے رہنا تھا۔

4. ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى﴾[1]

(تم سب نمازوں کی حفاظت کرو اور خاص طور پر درمیانی نماز کا خیال رکھو۔)

((عَنْ عَلِيٍّ ـ رضى الله عنه ـ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم. حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ هِشَامٌ حَدَّثَنَا قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَلِيٍّ ـ رضى الله عنه ـ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ " حَبَسُونَا عَنْ صَلاَةِ الْوُسْطَى حَتَّى غَابَتِ الشَّمْسُ مَلأَ اللَّهُ قُبُورَهُمْ وَبُيُوتَهُمْ أَوْ أَجْوَافَهُمْ ـ شَكَّ يَحْيَى ـ نَارًا ".))[2]

(علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (دوسری سند) امام بخاری نے کہا: مجھ سے عبد الرحمٰن بن بشیر بن حکم نے بیان کیا، کہا ہم سے یحییٰ بن سعید قطان نے بیان کیا، ان سے ہشام بن حسان نے، کہا کہ مجھ سے محمد بن سیرین نے بیان کیا، ان سے عبیدہ بن عمرو نے اور ان سے علی رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم ﷺ نے

---

1 البقرہ:238

2 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى﴾، حدیث 4533۔

غزوہ خندق کے موقع پر فرمایا تھا، ان کفار نے ہمیں درمیانی نماز نہیں پڑھنے دی، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا، اللہ ان کی قبروں اور گھروں کو یا ان کے پیٹوں کو آگ سے بھر دے۔ قبروں اور گھروں یا پیٹوں کے لفظوں میں شک یحییٰ بن سعید راوی کی طرف سے ہے۔)

صلاۃ وسطیٰ سے مراد کون سی نماز ہے؟ اس کے متعلق اہل علم میں کافی اختلاف ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تعیین میں تقریباً انیس اقوال لکھے ہیں اور فرمایا ہے: حافظ شرف الدین دمیاطی نے اس کے متعلق ایک مستقل رسالہ '' كَشْفُ الْغِطَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطَى '' کے نام سے لکھا ہے۔[1]

امام بخاریؒ نے جو روایت پیش کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد نماز عصر ہے کیونکہ غروب آفتاب سے پہلے نماز عصر ہی پڑھی جاتی ہے۔ نیز اس روایت سے نماز کی بروقت ادائیگی کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے حتیٰ کہ نماز کی بروقت ادائیگی میں حائل ہونے والوں کو سب و شتم کا نشانہ بنایا جاسکتا ہے اور ان کے لئے بددعا کی جاسکتی ہے۔ امام بخاریؒ کا اپنا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ صلاۃ وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے چنانچہ سورۃ رحمٰن کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ﴿فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ﴾[2] بعض اہل علم کا خیال ہے کہ انار اور کھجور فَاكِهَةٌ نہیں ہیں لیکن انہیں فَاكِهَةٌ ہی کہتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى﴾[3] (تم نمازوں کی حفاظت کرو خاص طور پر صلاۃ وسطیٰ کا خیال رکھو) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام نمازوں کی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے پھر نماز عصر کو اس کی خصوصی اہمیت کے پیش نظر الگ بیان کیا ہے جیسا کہ فَاكِهَةٌ کے بعد انار اور کھجور کا ذکر دوبارہ کیا ہے۔[4]

5. ﴿وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾[5]

(اور اللہ کے لیے فرماں بردار ہو کر کھڑے رہو۔)

((عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ، قَالَ كُنَّا نَتَكَلَّمُ فِي الصَّلَاةِ يُكَلِّمُ أَحَدُنَا أَخَاهُ فِي حَاجَتِهِ حَتَّى نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾ فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوتِ.))[6]

---

1 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، 8/196-

2 الرحمٰن:68

3 البقرہ:238

4 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الرحمٰن، 4/804-

5 البقرہ:238

6 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾ مُطِيعِينَ، حدیث 4534-

(زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ پہلے ہم نماز پڑھتے ہوئے بات بھی کر لیا کرتے تھے، کوئی بھی شخص اپنے دوسرے بھائی سے اپنی کسی ضرورت کے لیے بات کر لیتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾[1]"(سب ہی نمازوں کی پابندی رکھو اور خاص طور پر بیچ والی نماز کی اور اللہ کے سامنے فرماں برداروں کی طرح کھڑے ہوا کرو۔" اس آیت کے ذریعہ ہمیں نماز میں چپ رہنے کا حکم دیا گیا۔)

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

"أَنَّ الْمُرَادَ بِالْقُنُوتِ فِي الْآيَةِ السُّكُوتُ وَقَدْ تَقَدَّمَ شَرْحُهُ فِي أَبْوَابِ الْعَمَلِ فِي الصَّلَاةِ مِنْ أَوَاخِرِ كِتَابِ الصَّلَاةِ وَالْمُرَادُ بِهِ السُّكُوتُ عَنْ كَلَامِ النَّاسِ لَا مُطْلَقُ الصَّمْتِ لِأَنَّ الصَّلَاةَ لَا صَمْتَ فِيهَا بَلْ جَمِيعُهَا قُرْآنٌ وَذِكْرٌ"[2]

(آیت کے صحیح معنی یہی ہیں جو حدیث سے ثابت ہو رہے ہیں یعنی قنوت سے مراد سکوت ہے لیکن اس سکوت سے مراد مطلقاً چپ رہنا نہیں بلکہ لوگوں سے گفتگو نہ کرنا ہے بصورت دیگر نماز میں خاموش رہنا مقصود نہیں بلکہ پوری نماز تلاوت قرآن اور ذکر و اذکار سے عبارت ہے۔)

امام بخاریؒ نے اس حدیث پر ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے: "بَابُ مَا يُنْهَى عَنْهُ مِنَ الْكَلَامِ فِي الصَّلَاةِ"[3] (دوران نماز میں گفتگو کرنا منع ہے۔)

انسان کے لئے کمال اطاعت یہ ہے کہ وہ ہر اس چیز سے رک جائے جو قرب و حضور میں رکاوٹ کا باعث ہو گفتگو بھی رکاوٹ کا باعث ہوتی ہے اس لئے آیت کریمہ سے نماز میں گفتگو کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

6. ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ﴾[4]

(اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو اور پانی نہ ہو تو پاک مٹی پر تیمم کرے۔)

((عَنْ عَائِشَةَ ۔ رضی اللہ عنہا ۔ قَالَتْ هَلَكَتْ قِلَادَةٌ لِأَسْمَاءَ فَبَعَثَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي طَلَبِهَا، رِجَالاً فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ وَلَيْسُوا عَلَى وُضُوءٍ. وَلَمْ يَجِدُوا مَاءً، فَصَلَّوْا وَهُمْ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ. يَعْنِي آيَةَ التَّيَمُّمِ.))[1]

---

1 البقرہ:238

2 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، 8/199۔

3 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب العمل فی الصلاۃ، باب 2، ج 1، ص 402۔

4 النساء:43

(عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ (مجھ سے) اسماء رضی اللہ عنہا کا ایک ہار گم ہو گیا تو نبی کریم ﷺ نے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو اسے تلاش کرنے کے لیے بھیجا۔ ادھر نماز کا وقت ہو گیا، نہ لوگ وضو سے تھے اور نہ پانی موجود تھا۔ اس لیے وضو کے بغیر نماز پڑھی گئی اس پر اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل کی۔)

قرآن مجید میں آیت تیمم دو مقامات پر ہے ایک تو سورۃ النساء میں ہے جس کا آغاز یوں ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى﴾[2]

دوسری سورۃ المائدہ میں ہے جس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ﴾[3]

حدیث میں آیت تیمم سے مراد کون سی آیت ہے۔ امام بخاریؒ کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد سورۃ المائدہ کی آیت ہے کیونکہ سورۃ المائدہ میں آیت تیمم کی تفسیر میں بھی روایت لائے ہیں پھر اس رجحان کی تائید کے لئے ایک دوسری حدیث لائے ہیں[4] جس میں صراحت ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ﴾ حافظ ابن حجرؒ نے بھی امام بخاریؒ کے اس رجحان کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے[5]

7. ﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلذَّاكِرِينَ﴾[6]

(اور دن کے دونوں کناروں میں نماز قائم کر اور رات کی کچھ گھڑیوں میں بھی، بے شک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں۔ یہ یاد کرنے والوں کے لیے یاد دہانی ہے۔)

((عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ ـ رضى الله عنه ـ أَنَّ رَجُلاً، أَصَابَ مِنَ امْرَأَةٍ قُبْلَةً، فَأَتَى رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ فَأُنْزِلَتْ عَلَيْهِ ﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلذَّاكِرِينَ﴾. قَالَ الرَّجُلُ أَلِيَ هَذِهِ قَالَ " لِمَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ أُمَّتِي ".))[1]

---

1 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ﴾، حدیث 4583-

2 النساء:43

3 المائدہ:6

4 یہ روایت الجامع الصحیح کی حدیث 4608 ہے، جس میں صراحت سے بیان ہوا ہے کہ آیت تیمم کون سی ہے؟ اس روایت کے مطابق آیت تیمم سورۃ المائدہ کی آیت 6 ہے۔

5 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، 1/260-

6 ھود:114

(ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہ ایک شخص نے کسی غیر عورت کو بوسہ دے دیا اور پھر وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے اپنا گناہ بیان کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَأَقِمِ الصَّلاَةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلذَّاكِرِينَ﴾[2] (اور تم نماز کی پابندی کرو دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں بیشک نیکیاں مٹا دیتی ہیں بدیوں کو، یہ ایک نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لیے۔) ان صاحب نے عرض کیا یہ آیت صرف میرے ہی لیے ہے (کہ نیکیاں بدیوں کو مٹا دیتی ہیں)؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت کے ہر انسان کے لیے ہے جو اس پر عمل کرے۔)

صحیح مسلم کی ایک روایت میں اس کی تفصیل بیان ہوئی ہے:

((جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي عَالَجْتُ امْرَأَةً فِي أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَإِنِّي أَصَبْتُ مِنْهَا مَا دُونَ أَنْ أَمَسَّهَا فَأَنَا هَذَا فَاقْضِ فِيَّ مَا شِئْتَ . فَقَالَ لَهُ عُمَرُ لَقَدْ سَتَرَكَ اللَّهُ لَوْ سَتَرْتَ نَفْسَكَ - قَالَ - فَلَمْ يَرُدَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم شَيْئًا فَقَامَ الرَّجُلُ فَانْطَلَقَ فَأَتْبَعَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم رَجُلاً دَعَاهُ وَتَلاَ عَلَيْهِ هَذِهِ الآيَةَ ﴿أَقِمِ الصَّلاَةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلذَّاكِرِينَ﴾ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ يَا نَبِيَّ اللَّهِ هَذَا لَهُ خَاصَّةً قَالَ " بَلْ لِلنَّاسِ كَافَّةً " .))[3]

(ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اللہ کے رسول! میں نے ایک عورت سے جماع کے علاوہ سب کچھ کیا ہے۔ میں حاضر ہوں، میرے متعلق جو چاہیں فیصلہ فرمائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تجھ پر پردہ ڈالا تھا بہتر تھا کہ تو خود بھی اس پر پردہ پوشی کرتا لیکن نبی کریم ﷺ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اٹھ کر چلا گیا تو نبی کریم ﷺ نے اس کے پیچھے ایک آدمی بھیجا اور اسے بلا کر مذکورہ آیت سنائی۔ قوم سے ایک آدمی نے کہا: اللہ کے رسول! کیا یہ حکم خاص اس کے لئے ہے؟ آپ نے فرمایا: "نہیں بلکہ تمام لوگوں کے لئے ہے۔)

ایک دوسری روایت میں ہے:

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَأَقِمِ الصَّلاَةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلذَّاكِرِينَ﴾، حدیث 4687۔

2 ھود:114

3 قشیری، ابو الحسین، مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، كِتَاب التَّوْبَةِ، باب قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾، حدیث 7004 ۔(2763)

((فَأَحْسَنْتَ الْوُضُوءَ " . قَالَ بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ . قَالَ " ثُمَّ شَهِدْتَ الصَّلاَةَ مَعَنَا " . فَقَالَ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ . قَالَ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم " فَإِنَّ اللَّهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ حَدَّكَ - أَوْ قَالَ - ذَنْبَكَ))[1]

(کیا تو نے اچھی طرح وضو کر کے نماز نہیں پڑھی؟" اس نے کہا: کیوں نہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تیرا گناہ معاف کر دیا ہے۔)

نیکیوں سے برائیاں ختم ہونے کی تین صورتیں ہیں: جو شخص نیکیاں بکثرت کرے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس سے برائی کی عادت چھوٹ جاتی ہے۔ جس معاشرے میں نیکی کے کام بکثرت ہو رہے ہوں برائیاں خود بخود وہاں سے رخصت ہونے لگتی ہیں۔

8. ﴿إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾[2]

(بے شک صبح کی نماز (فرشتوں کی حاضری) کا وقت ہے۔)

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رضى الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ " فَضْلُ صَلاَةِ الْجَمِيعِ عَلَى صَلاَةِ الْوَاحِدِ خَمْسٌ وَعِشْرُونَ دَرَجَةً، وَتَجْتَمِعُ مَلاَئِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلاَئِكَةُ النَّهَارِ فِي صَلاَةِ الصُّبْحِ ". يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ اقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ ﴿وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾))[3]

(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تنہا نماز پڑھنے کے مقابلے میں جماعت سے نماز پڑھنے کی فضیلت پچیس گنا زیادہ ہے اور صبح کی نماز میں رات کے اور دن کے فرشتے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تمہارا جی چاہے تو یہ آیت پڑھو: ﴿وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾[4] یعنی فجر میں قرآت قرآن زیادہ کیا کرو کیونکہ یہ نماز فرشتوں کی حاضری کا وقت ہے۔)

"قَالَ مُجَاهِدٌ: صَلاَةَ الْفَجْرِ."[5] (مجاہد نے کہا: (قرآن فجر سے مراد) فجر کی نماز ہے۔)

اس حدیث میں خصوصیت کے ساتھ فجر کی نماز کا ذکر ہے لیکن اس میں عصر کی نماز کی نفی نہیں ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے:

---

1 قشیری، ابو الحسین، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، كِتَاب التَّوْبَةِ، باب قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾، حدیث 7007 (2765)-

2 بنی اسرائیل:78

3 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾، حدیث 4717-

4 بنی اسرائیل:78

5 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، 8/399-

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ " يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلاَئِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلاَئِكَةٌ بِالنَّهَارِ، وَيَجْتَمِعُونَ فِي صَلاَةِ الْفَجْرِ وَصَلاَةِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ، فَيَسْأَلُهُمْ وَهْوَ أَعْلَمُ بِهِمْ كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي فَيَقُولُونَ تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ، وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ ".))[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: رات اور دن میں فرشتوں کی ذمہ داریاں بدلتی رہتی ہیں۔ اور فجر اور عصر کی نمازوں میں (ڈیوٹی پر آنے والوں اور رخصت پانے والوں کا) اجتماع ہوتا ہے۔ رات والے فرشتے جب اللہ کے پاس جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے حالانکہ وہ خوب جانتا ہے: تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ فرشتے کہتے ہیں: "جب ہم ان کے پاس گئے تھے اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ان کے پاس سے آئے تو انہیں نماز پڑھتے ہوئے ہی چھوڑ کر آئے ہیں۔)

اس حدیث پر امام بخاریؒ نے ان الفاظ میں عنوان قائم کیاہے:"باب فَضْلِ صَلاَةِ الْعَصْرِ"(نماز عصر کی فضیلت)اور اس حدیث میں یہ الفاظ قابل ملاحظہ ہیں:((يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلاَئِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلاَئِكَةٌ بِالنَّهَارِ، وَيَجْتَمِعُونَ فِي صَلاَةِ الْفَجْرِ وَصَلاَةِ الْعَصْرِ))[2](دن اور رات کے فرشتے نماز فجر اور نماز عصر کے وقت جمع ہوتے ہیں۔) بہر حال اس حدیث سے امام بخاریؒ نے نماز فجر کی فضیلت کو ثابت کیاہے جس سے نماز عصر کی فضیلت کی نفی نہیں ہوتی۔

9. ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾[3]

(اور آپ نماز میں نہ تو بہت پکار کر پڑھیں اور نہ (بالکل) چپکے ہی چپکے پڑھیں۔)

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ـ رضى الله عنهما ـ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَلاَ تَجْهَرْ بِصَلاَتِكَ وَلاَ تُخَافِتْ بِهَا﴾ قَالَ نَزَلَتْ وَرَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم مُخْتَفٍ بِمَكَّةَ، كَانَ إِذَا صَلَّى بِأَصْحَابِهِ رَفَعَ صَوْتَهُ بِالْقُرْآنِ فَإِذَا سَمِعَهُ الْمُشْرِكُونَ سَبُّوا الْقُرْآنَ وَمَنْ أَنْزَلَهُ، وَمَنْ جَاءَ بِهِ، فَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى لِنَبِيِّهِ صلى الله عليه وسلم ﴿وَلاَ تَجْهَرْ بِصَلاَتِكَ﴾ أَىْ بِقِرَاءَتِكَ، فَيَسْمَعَ الْمُشْرِكُونَ، فَيَسُبُّوا الْقُرْآنَ، ﴿وَلاَ تُخَافِتْ بِهَا﴾ عَنْ أَصْحَابِكَ فَلاَ تُسْمِعُهُمْ ﴿وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلاً﴾.))[4]

(ابن عباس رضی اللہ عنہمانے اللہ تعالیٰ کے ارشاد﴿وَلاَ تَجْهَرْ بِصَلاَتِكَ وَلاَ تُخَافِتْ بِهَا﴾"اور آپ نماز میں نہ تو بہت پکار کر پڑھئے اور نہ (بالکل) چپکے ہی چپکے" کے متعلق فرمایا: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب نبی

---

1 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، كِتَاب مَوَاقِيتِ الصَّلاَةِ، بَابُ فَضْلِ صَلاَةِ الْعَصْرِ، حدیث555-

2 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، كِتَاب مَوَاقِيتِ الصَّلاَةِ، بَابُ فَضْلِ صَلاَةِ الْعَصْرِ، حدیث555-

3 بنی اسرائیل:110

4 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿وَلاَ تَجْهَرْ بِصَلاَتِكَ وَلاَ تُخَافِتْ بِهَا﴾، حدیث4722-

کریم ﷺ مکہ میں (کافروں کے ڈر سے) چھپے رہتے تو اس زمانہ میں جب آپ اپنے صحابہ کے ساتھ نماز پڑھتے تو قرآن مجید کی تلاوت بلند آواز سے کرتے، مشرکین سنتے تو قرآن کو بھی گالی دیتے اور اس کے نازل کرنے والے اور اس کے لانے والے کو بھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے کہا کہ آپ نماز نہ تو بہت پکار کر پڑھیں (یعنی قرآت خوب جہر کے ساتھ نہ کریں) کہ مشرکین سن کر گالیاں دیں اور نہ بالکل چپکے ہی چپکے کہ آپ کے صحابہ بھی نہ سن سکیں، بلکہ درمیانی آواز میں پڑھا کریں۔)

((عَنْ عَائِشَةَ ـ رضى الله عنها ـ قَالَتْ أُنْزِلَ ذَلِكَ فِي الدُّعَاءِ.))[1](عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ یہ آیت دعا کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے۔)

ظاہری طور پر ان دو احادیث میں تعارض ہے کیونکہ پہلی حدیث میں ہے کہ یہ آیت نماز میں قراءت کے متعلق نازل ہوئی جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ یہ آیت دعا کے متعلق اتری۔ ان میں تطبیق حسب ذیل انداز میں دی گئی ہے: ہر راوی نے اپنے علم کے مطابق اس کی شان نزول بیان کی ہے لہذا ان میں کوئی تعارض نہیں۔ ممکن ہے کہ اس آیت کا نزول دو مرتبہ ہوا ہو: ایک دفعہ نماز کے متعلق اور دوسری مرتبہ دعا کے بارے میں۔ یہ آیت بنیادی طور پر نماز کے متعلق ہے اور جس روایت میں اس کی شان نزول دعا بیان ہوئی ہے اس میں جز بول کر کل مراد لیا گیا ہے کیونکہ دعا نماز کا جز ہے۔ ایک رات نبی کریم ﷺ کا گزر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا تو دیکھا کہ وہ پست آواز سے نماز پڑھ رہے ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا تو وہ باآواز بلند قرآن پڑھ رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے دونوں سے پوچھا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: جس سے میں مصروف مناجات تھا وہ میری آواز سن رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میرا مقصد سوئے ہوؤں کو جگانا اور شیطان کو بھگانا تھا۔((فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم : يَا أَبَا بَكْرٍ ارْفَعْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا . وَقَالَ لِعُمَرَ : اخْفِضْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا.))[2](آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "اپنی آواز قدرے بلند کرو" اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: اپنی آواز کچھ پست کرو۔)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: " وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا نزلت فِي الدُّعَاء"[3] یہ آیت اس دعا کے متعلق نازل ہوئی جو دوران نماز میں کی جاتی ہے تاکہ دونوں احادیث میں تطبیق ہو جائے۔

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿وَلاَ تَجْهَرْ بِصَلاَتِكَ وَلاَ تُخَافِتْ بِهَا﴾، حدیث 4723-

2 ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، أبواب قيام الليل، باب فِي رَفْعِ الصَّوْتِ بِالْقِرَاءَةِ فِي صَلاَةِ اللَّيْلِ، حدیث 1329- علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت " صحیح " ہے۔

3 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، 8/515-

10. ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ﴾[1]

(اور سورج طلوع ہونے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرو۔)

((عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ كُنَّا جُلُوسًا لَيْلَةً مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ أَرْبَعَ عَشْرَةَ فَقَالَ " إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا، لاَ تُضَامُونَ فِي رُؤْيَتِهِ، فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لاَ تُغْلَبُوا عَلَى صَلاَةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا فَافْعَلُوا ". ثُمَّ قَرَأَ ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ﴾))[2]

(جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ہم ایک رات نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے چودھویں رات تھی۔ نبی کریم ﷺ نے چاند کی طرف دیکھا اور پھر فرمایا کہ یقیناً تم اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ اس کی رؤیت میں تم دھکم پیل نہیں کرو گے (بلکہ بڑے اطمینان سے ایک دوسرے کو دھکا دیئے بغیر دیکھو گے) اس لیے اگر تمہارے لیے ممکن ہو تو سورج نکلنے اور ڈوبنے سے پہلے نماز نہ چھوڑو۔ پھر آپ نے آیت ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ﴾[3](اور اپنے رب کی حمد و تسبیح کرتے رہیے آفتاب نکلنے سے پہلے اور چھپنے سے پہلے۔ کی تلاوت کی۔)

اس حدیث میں نماز عصر اور نماز فجر کی فضیلت بیان ہوئی ہے کہ قیامت کے دن ان نمازوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے دیدار کا باعث ہوگی۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:((لَنْ يَلِجَ النَّارَ أَحَدٌ صَلَّى قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا))[4](جو شخص طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے نماز پڑھے گا وہ دوزخ کی آگ میں داخل نہیں ہوگا۔)

11. ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً﴾[5]

(اور جب کبھی انہوں نے اموال تجارت دیکھا۔)

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ . رضى الله عنهما . قَالَ أَقْبَلَتْ عِيرٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَنَحْنُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَثَارَ النَّاسُ إِلاَّ اثْنَا عَشَرَ رَجُلاً فَأَنْزَلَ اللَّهُ ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا﴾))[1]

1ق:39

2بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ﴾، حدیث4851-

3ق:39

4قشیری، ابو الحسین، مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، كِتَاب الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلَاة، باب فَضْلِ صَلاَتَىِ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ وَالْمُحَافَظَةِ عَلَيْهِمَا، حدیث1436(634)-

5الجمعہ:11

(جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے، انھوں نے بیان کیا کہ جمعہ کے دن سامان تجارت لیے ہوئے اونٹ آئے ہم اس وقت نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے انہیں دیکھ کر سوائے بارہ آدمی کے سب لوگ ادھر ہی دوڑ پڑے۔ اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: ﴿ وإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا﴾[2] یعنی اور بعض لوگوں نے جب کبھی ایک سودے یا تماشے کی چیز کو دیکھا تو اس کی طرف دوڑے ہوئے پھیل گئے۔)

سنن ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان بارہ آدمیوں میں سے تھے جو آپ کا خطبہ سننے میں مصروف رہے۔

((عَنْ جَابِرٍ، قَالَ بَيْنَمَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَائِمًا إِذْ قَدِمَتْ عِيرُ الْمَدِينَةِ فَابْتَدَرَهَا أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم حَتَّى لَمْ يَبْقَ مِنْهُمْ إِلاَّ اثْنَا عَشَرَ رَجُلاً فِيهِمْ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَنَزَلَتِ الآيَةُ : ﴿ وإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ﴾))[3]

(جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس دوران کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن کھڑے خطبہ دے رہے تھے، مدینہ کا (تجارتی) قافلہ آگیا، (یہ سن کر) صحابہ بھی (خطبہ چھوڑ کر) ادھر ہی لپک لیے، صرف بارہ آدمی باقی رہ گئے جن میں ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے، اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔﴿ وإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ﴾)

ان آیات میں مسلمانوں پر اظہار ناراضی کیا گیا ہے کہ یہ قافلے والے کوئی تمہارے رازق تو نہیں تھے کہ تم خطبہ چھوڑ کر اس کے پیچھے بھاگ نکلے۔ رزق کے اسباب مہیا کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے لہٰذا آئندہ تمہیں ایسی باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کو کھڑے ہو کر خطبہ دینا چاہیے، نبی کریم ﷺ کا زندگی بھر یہی معمول رہا، چنانچہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَخْطُبُ قَائِمًا ثُمَّ يَجْلِسُ ثُمَّ يَقُومُ فَيَخْطُبُ قَائِمًا فَمَنْ نَبَّأَكَ أَنَّهُ كَانَ يَخْطُبُ جَالِسًا فَقَدْ كَذَبَ))[4] (نبی کریم ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے پھر بیٹھ جاتے، پھر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے جو تمہیں یہ بتائے کہ نبی کریم ﷺ نے بیٹھ کر خطبہ دیا، اس نے جھوٹ بولا۔)

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً﴾، حدیث 4899-

2 الجمعہ: 11

3 ترمذی، ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، السنن، کتاب تفسیر القرآن، باب وَمِنْ سُورَةِ الْجُمُعَةِ، حدیث 3311- علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت "صحیح" ہے۔

4 قشیری، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، كِتَاب الْجُمُعَةِ ،باب ذِكْرِ الْخُطْبَتَيْنِ قَبْلَ الصَّلاَةِ وَمَا فِيهِمَا مِنَ الْجَلْسَةِ، حدیث 1996(862)-

خلاصہ بحث

شریعت میں صلاۃ ایک مخصوص عبادت کا نام ہے جس کا آغاز تکبیر تحریمہ ہے اور اختتام تسلیم سے ہوتا ہے چونکہ یہ عبادت بندے کی طرف سے دعاؤں پر مشتمل ہوتی ہے اور اس کی ادائیگی پر اللہ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے اس لئے اس عبادت کو صلاۃ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے بندے کو اس عبادت کا مکلف ہونا پڑتا ہے اور قیامت کے دن بھی حقوق اللہ کی بابت سب سے پہلے اس کے متعلق ہی سوال ہو گا۔ صلاۃ، اللہ سے مناجات کا بہت بڑا ذریعہ ہے لہٰذا عبادات میں اسے مقدم رکھا جاتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرائط صلاۃ، یعنی طہارت صغریٰ، طہارت کبریٰ، پھر طہارت مائیہ (وضو) اور طہارت ترابیہ (مسح) سے فراغت کے بعد مشروط جو کہ اصل مقصود ہے اسے بیان فرمایا۔ طہارت، نماز کے لئے شرط ہے اور وسیلے میں چونکہ مشروط پر شرط اور مقصود پر وسیلہ مقدم ہوتا ہے اس لئے شرط اور وسیلے کے بعد مشروط اور مقصود کو بیان کیا جارہا ہے۔

امام بخاریؒ نے کتاب الصلاۃ کا آغاز اس کی فرضیت کے بیان سے کیا ہے یعنی فرضیت صلاۃ کہاں، کب او کیسے ہوئی اور کس شان سے ہوئی؟ اس کے بعد آداب صلاۃ بیان کئے ہیں جو چار حصوں پر مشتمل ہیں: ستر العورۃ، استقبال قبلہ، احکام مساجد اور مسائل سترہ، وغیرہ۔ نماز کی فرضیت کے لئے نبی کریم ﷺ کو بطور مہمان اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلایا چونکہ میزبان کی طرف سے اپنے معزز مہمان کو کچھ نہ کچھ پیش کیا جاتا ہے اسی طرح شب معراج میں آپ کو صلاۃ کا تحفہ پیش کیا گیا تاکہ اس کے ذریعے سے جب بھی بندہ اپنے آقا کے حضور حاضری دینا چاہے دے سکے۔ امام بخاریؒ نے اس مناسبت سے حدیث معراج کو بیان فرمایا پھر آداب صلاۃ کے سلسلے میں سر فہرست ستر عورۃ کا مسئلہ ہے کیونکہ برہنگی تو ویسے ہی اللہ کو پسند نہیں چہ جائیکہ راز و نیاز کے وقت اسے اختیار کیا جائے اس لئے جسم کے قابل ستر حصے اور ان کی حدود و قیود کو بیان کیا۔ قابل ستر حصے کو ڈھانپنے کے لئے نہ تو کپڑوں کی تعداد درکار ہوتی ہے اور نہ کسی خاص نوعیت کے کپڑوں ہی کی ضرورت، اس مناسبت سے نماز میں مرد اور عورت کے لئے لباس کی اہمیت اور اس سے متعلقہ ہدایات ذکر کیں، پھر متعلقات لباس جوتے اور موزے پہن کر نماز ادا کرنا، ان کے متعلق شرعی ضابطہ ذکر کیا، پھر اس بات کا ذکر کیا کہ نماز کے لئے خاص جگہ کا انتخاب ضروری نہیں کہ وہ سطح زمین ہو بلکہ چھت، منبر، چٹائی، تختہ، بوریا، بستر اور دری یا قالین وغیرہ پر ادا کی جاسکتی ہے۔

نماز ایک ایک اہم شرط استقبال قبلہ ہے اس کی اہمیت و فضیلت، عین قبلہ، جہت قبلہ، تحری قبلہ کے مسائل، پھر اسی مناسبت سے یہ وضاحت کی کہ اگر نمازی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہے تو قبلے کی جانب اس کے سامنے آگ یا جلتا ہوا تنور ہونا نماز کے منافی نہیں چونکہ استقبال قبلہ جگہ کا تقاضا کرتا ہے اس لحاظ سے آداب مساجد کا ذکر فرمایا۔ اس میں فضیلت بنائے مسجد، اہمیت مسجد، حفاظت مسجد، نظافت مسجد، آداب دخول و خروج مسجد، مسجد میں

سونا، فیصلے کرنا، اس کے ستونوں کے ساتھ قیدی باندھنا اور مسجد سے متعلقہ مکروہات و مباحات کی تفصیل، کون سی جگہ نماز کے قابل نہیں اور نماز کہاں ادا کی جائے اسے بیان فرمایا۔ پھر اس مناسبت سے مکے اور مدینے کے درمیان نبی کریم ﷺ نے دوران سفر میں جہاں جہاں نماز پڑھی تھی وہاں تعمیر کردہ تاریخی مساجد کا تذکرہ کیا ہے۔ آخر میں سترے کے احکام بیان کئے ہیں، یعنی سترہ امام کی حیثیت، سترے کی مقدار، نمازی اور سترے کے درمیان فاصلہ، کون کون سی چیز کو سترہ بنایا جاسکتا ہے مسجد حرام میں سترہ، ستونوں کے درمیان اور ان کے پیچھے نماز کی ادائیگی اور اس کی شرعی حیثیت، نمازی کے آگے سے گزرنا اور اس کی سنگینی، ابواب سترہ میں اس بات کو خاص طور پر بیان کیا گیا ہے کہ اگر عورت نماز میں سترے کی جگہ ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، پھر اس مناسبت سے چند ابواب عورت کے متعلق منعقد کئے تاکہ نماز کے متعلق عورت کے معاملے میں تشدد سے کام نہ لیا جائے جیسا کہ بعض حضرات اس کے فاعل و قائل ہیں۔ دوران نماز میں اسے چھونے سے اگر نماز ختم نہیں ہوتی تو اسے سترہ بنانے میں کیا حرج ہے۔

امام بخاریؒ نے صلاۃ سے متعلقہ ڈھیروں مسائل بیان کرنے کے لئے ایک سو سے زیادہ چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کئے ہیں جن سے آپ کی دقت نظر اور جلالت قدر کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان مسائل کو ثابت کرنے کے لئے 172 احادیث بیان کی ہیں اس طرح امام بخاریؒ نے اس کتاب میں متعدد حقائق و معارف سے پردہ اٹھایا ہے۔

مبحث دوم:

الکافی کی الصلاۃ سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

امام کلینیؒ نے الکافی میں کتاب الصلاۃ کو قائم کیا، اس میں 927روایات ذکر کی ہیں اور اس میں 103 ابواب قائم کئے ہیں، پہلا باب "بَابُ فَضْلِ الصَّلَاةِ" ہے اور آخری باب "بَابُ مَسْجِدِ السَّهْلَةِ" ہے۔ ذیل میں ہم الکافی کی الصلاۃ سے متعلق تفسیری احادیث و آثار کو پیش کرتے ہیں۔

1. ﴿وَأَوْصانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكاةِ ما دُمْتُ حَيًّا﴾[1]

(اور مجھے نماز اور زکوۃ کی خاص تاکید کی، جب تک میں زندہ رہوں۔

((عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ وَهْبٍ ، قَالَ :سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ أَفْضَلِ مَا يَتَقَرَّبُ بِهِ الْعِبَادُ إِلى رَبِّهِمْ ، وَأَحَبِّ ذلِكَ إِلَى اللهِ – عَزَّ وَجَلَّ – مَا هُوَ؟فَقَالَ : « مَا أَعْلَمُ شَيْئاً بَعْدَ الْمَعْرِفَةِ أَفْضَلَ مِنْ هذِهِ الصَّلَاةِ ؛ أَلَاتَرى أَنَّ الْعَبْدَ الصَّالِحَ عِيسَى بْنَ مَرْيَمَ عليه‌السلام قَالَ : ﴿ وَأَوْصانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكاةِ ما دُمْتُ حَيًّا ﴾ ».))[2]

(معاویہ بن وھب کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ بندوں کو اپنے رب سے زیادہ قریب کرنے والی اور خدا کے نزدیک زیادہ محبوب کیا ہے؟ فرمایا معرفت کے بعد نماز کیا تم نہیں جانتے کہ عبد الصالح حضرت عیسی علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تک میں زندہ ہوں اللہ نے مجھے نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے کا حکم دیا ہے۔)

اللہ تعالی انسان کو نماز اور زکوۃ ادا کرنے کی خاص تاکید کی ہے۔ کیونکہ یہ دونوں ارکان اسلام میں سے ہے۔ اور نماز وزکوۃ ادا کرنے سے اللہ تعالی کی معرفت اور قربت حاصل ہوتی ہے۔

2. ﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾[3]

(اور سجدہ کر اور بہت قریب ہو جا۔)

((عَنِ الْوَشَّاءِ ، قَالَ :سَمِعْتُ الرِّضَا عليه‌السلام يَقُولُ : « أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنَ اللهِ – عَزَّ وَجَلَّ – وَهُوَ سَاجِدٌ ؛ وَذلِكَ قَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴾».))[4]

---

1 مریم:31

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصلاۃ، بَابُ فَضْلِ الصَّلَاةِ، باب 1، حدیث 4786/1-

3 العلق:19

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصلاۃ، بَابُ فَضْلِ الصَّلَاةِ، باب 1، حدیث 4788/3-

(الوشا علیہ السلام کہتے ہیں کہ میں نے امام رضا علیہ السلام سے سنا کہ بندے کو خدا سے سب سے زیادہ قریب کرنے والا اس کا سجدہ ہے جیسا کہ فرمایا: سجدہ کرو قربت حاصل کرو۔)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہی تعلیمات دی ہیں کہ سجدہ کرو اور قربت حاصل کرو۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک سب سے قربت والا وہی شخص ہے جو سب سے زیادہ سجدہ کرنے والا ہو۔

3. ﴿إِنَّ الْحَسَناتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئاتِ﴾(1)

(بے شک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ إِنَّ الْحَسَناتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئاتِ﴾ قَالَ : « صَلَاةُ الْمُؤْمِنِ بِاللَّيْلِ تَذْهَبُ بِمَا عَمِلَ مِنْ ذَنْبٍ بِالنَّهَارِ ».))(2)

(حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام نے اس آیت "نیکیاں گناہوں کو کھا جاتی ہیں" کے متعلق فرمایا: جب مرد مومن رات کو نماز پڑھتا ہے وہ اس کے دن کے گناہوں کو دور کر دیتی ہے۔)

نماز ادا کرنے سے نیکیاں ملتی ہیں اور گناہ معاف ہو جاتے ہیں جب کوئی بھی انسان دن کو عبادت کرتا ہے تو رات کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور جب کوئی بھی انسان رات کے وقت عبادت میں مشغول ہوتا ہے تو دن کے وقت سرزد ہونے والے گناہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔

4. ﴿الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلاتِهِمْ ساهُونَ﴾(3)

(وہ جو دکھاوا کرتے ہیں۔)

((عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْفُضَيْلِ ، قَالَ: سَأَلْتُ عَبْداً صَالِحاً عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلاتِهِمْ ساهُونَ ﴾ ؟ قَالَ : « هُوَ التَّضْيِيعُ ».))(4)

(محمد بن فضیل کہتے ہیں میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے اس آیت "جو لوگ اپنی نماز کے متعلق ساھون ہیں" کے متعلق پوچھا۔ آپ نے فرمایا اس سے مراد یعنی ضائع کرنے والے ہیں۔)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز دکھاوے کی نہیں ہونی چاہیے، دکھاوے کی کوئی عبادت اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہے، اور ایسے انسان کے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

5. ﴿الَّذِينَ هُمْ عَلى صَلَاتِهِمْ يُحافِظُونَ﴾(1)

1ھود:114

2کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصلاۃ، بَابُ فَضْلِ الصَّلَاةِ، باب 1، حدیث 4795/10-

3الماعون:5

4کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصلاۃ، بَابُ مَنْ حَافَظَ عَلى صَلَاتِهِ أَوْ ضَيَّعَهَا، باب 2، حدیث 4803/5-

(اور وہ جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔)

((عَنِ الْفُضَيْلِ ، قَالَ :سَأَلْتُ أَبَا جَعْفَرٍ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ الَّذِينَ هُمْ على صَلَاتِهِمْ يُحافِظُونَ﴾؟ قَالَ : « هِيَ الْفَرِيضَةُ ».قُلْتُ : ﴿ الَّذِينَ هُمْ عَلى صَلاتِهِمْ دائِمُونَ﴾؟ قَالَ : « هِيَ النَّافِلَةُ ».))[2]

(الفضیل کہتے ہیں میں نے ابو جعفر علیہ السلام سے اس آیت ﴿ الَّذِينَ هُمْ عَلى صَلَاتِهِمْ يُحافِظُونَ﴾ کا مطلب دریافت کیا؟ آپ نے فرمایا: اس سے مراد فرضی نماز ہے۔ میں نے کہا اور اس آیت ﴿الَّذِينَ هُمْ عَلى صَلاتِهِمْ دائِمُون﴾ میں کون سی نماز مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: اس سے مراد نفلی نماز ہے۔)

6. ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتاباً مَوْقُوتاً﴾[3]

(بے شک نماز ایمان والوں پر ہمیشہ سے ایسا فرض ہے جس کا وقت مقرر کیا ہوا ہے۔)

((عَنْ دَاوُدَ بْنِ فَرْقَدٍ ، قَالَ :قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام : قَوْلُهُ تَعَالى : ﴿ إِنَّ الصَّلَاةَ كانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتاباً مَوْقُوتاً﴾؟قَالَ : « كِتَاباً ثَابِتاً ، وَلَيْسَ إِنْ عَجَّلْتَ قَلِيلاً ، أَوْ أَخَّرْتَ قَلِيلاً بِالَّذِي يَضُرُّكَ مَا لَمْ تُضَيِّعْ تِلْكَ الْإِضَاعَةَ ؛ فَإِنَّ اللهَ – عَزَّ وَجَلَّ – يَقُولُ لِقَوْمٍ : ﴿ أَضاعُوا الصَّلاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَواتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾ ».))[4]

(داؤد بن فرقد کہتے ہیں میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے پوچھا اس آیت ﴿ إِنَّ الصَّلَاةَ كانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتاباً مَوْقُوتاً﴾ میں "كِتاباً مَوْقُوتاً" سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: نماز فریضہ ثابتہ، جس کے لیے وقت مقرر ہے اگر وقت سے ذرہ پہلے یا بعد میں پڑھی جائے تو یہ نقصان رساں ہے جب تک وہ نقصان دور نہ ہو، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے لیے فرماتا ہے: ﴿ أَضاعُوا الصَّلاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَواتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾[5] جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور شہوات کی پیروی کی وہ عنقریب گمراہی سے ملنے والے ہیں۔)

7. ﴿أَقِمِ الصَّلاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلى غَسَقِ اللَّيْلِ﴾[6]

(سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نماز قائم کرو۔)

---

1 المعارج:34

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصلاۃ، بَابُ مَنْ حَافَظَ عَلى صَلَاتِهِ أَوْ ضَيَّعَهَا، باب2، حدیث12/4810-

3 النساء:103

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصلاۃ، بَابُ مَنْ حَافَظَ عَلى صَلَاتِهِ أَوْ ضَيَّعَهَا، باب2، حدیث13/4811-

5 مریم:59

6 بنی اسرائیل:78

((عَنْ يَزِيدَ بْنِ خَلِيفَةَ ، قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام : إِنَّ عُمَرَ بْنَ حَنْظَلَةَ أَتَانَا عَنْكَ بِوَقْتٍ؟ فَقَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام : « إِذاً لَايَكْذِبُ عَلَيْنَا ». قُلْتُ : ذَكَرَ أَنَّكَ قُلْتَ : إِنَّ أَوَّلَ صَلَاةٍ افْتَرَضَهَا اللهُ عَلى نَبِيِّهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله الظُّهْرُ ، وَهُوَ قَوْلُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ أَقِمِ الصَّلاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ﴾فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ ، لَمْ يَمْنَعْكَ إِلَّا سُبْحَتُكَ ، ثُمَّ لَاتَزَالُ فِي وَقْتٍ إِلى أَنْ يَصِيرَ الظِّلُّ قَامَةً ، وَهُوَ آخِرُ الْوَقْتِ ، فَإِذَا صَارَ الظِّلُّ قَامَةً ، دَخَلَ وَقْتُ الْعَصْرِ ، فَلَمْ يَزَلْ فِي وَقْتِ الْعَصْرِ حَتّى يَصِيرَ الظِّلُّ قَامَتَيْنِ ، وَذلِكَ الْمَسَاءُ؟ فَقَالَ: « صَدَقَ ».))[1]

(یزید بن خلیفہ کہتے ہیں میں نے امام علیہ السلام سے کہا عمر بن حنظلہ آپ کی طرف سے وقت لایا، حضرت نے فرمایا اس نے ہم پر جھوٹ نہیں بولا ہو گا، میں نے کہا اس نے یہ کہا ہے کہ آپ نے اس سے یہ بیان کیا کہ پہلی نماز اللہ نے اپنے نبی پر اس آیت کے نزول سے فرض کی، نماز پڑھو زوال شمس کے بعد سے تو یہ وقت ظہر ہے اور جب تک سایہ قد آدم نہ ہو ظہر کی فضیلت کا وقت ہے اور جب تک قد آدم ہو جائے تو عصر کا وقت آ جاتا ہے اور یہ وقت فضیلت باقی رہتا ہے جب تک سایہ دو قد کے برابر نہ ہو جائے اس کے بعد شام کا وقت آ جاتا ہے یہ آخر وقت عصر ہے ۔حضرت نے فرمایا اس نے سچ کہا ہے۔)

8. ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾[2]

(کھاؤ اور پیو، یہاں تک کہ تمھارے لیے سیاہ دھاگے سے سفید دھاگا فجر کا خوب ظاہر ہو جائے۔)

((عَنْ عَلِيِّ بْنِ مَهْزِيَارَ ، قَالَ :كَتَبَ أَبُو الْحَسَنِ بْنُ الْحُصَيْنِ إِلى أَبِي جَعْفَرٍ الثَّانِي عليه‌السلام مَعِي : جُعِلْتُ فِدَاكَ ، قَدِ اخْتَلَفَ مُوَالُوكَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ ؛ فَمِنْهُمْ مَنْ يُصَلِّي إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ الْأَوَّلُ ، الْمُسْتَطِيلُ فِي السَّمَاءِ ؛ وَمِنْهُمْ مَنْ يُصَلِّي إِذَا اعْتَرَضَ فِي أَسْفَلِ الْأُفُقِ وَاسْتَبَانَ ، وَلَسْتُ أَعْرِفُ أَفْضَلَ الْوَقْتَيْنِ فَأُصَلِّيَ فِيهِ ، فَإِنْ رَأَيْتَ أَنْ تُعَلِّمَنِي أَفْضَلَ الْوَقْتَيْنِ وَتَحُدَّهُ لِي ، وَكَيْفَ أَصْنَعُ مَعَ الْقَمَرِ وَالْفَجْرُ لَايَتَبَيَّنُ مَعَهُ حَتّى يَحْمَرَّ وَيُصْبِحَ؟ وَكَيْفَ أَصْنَعُ مَعَ الْغَيْمِ؟ وَمَا حَدُّ ذلِكَ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ؟ فَعَلْتُ إِنْ شَاءَ اللهُ. فَكَتَبَ عليه‌السلام بِخَطِّهِ وَقَرَأْتُهُ : « الْفَجْرُ - يَرْحَمُكَ اللهُ - هُوَ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ ، الْمُعْتَرِضُ ، لَيْسَ هُوَ الْأَبْيَضَ صُعَدَاءَ ، فَلَا تُصَلِّ فِي سَفَرٍ وَلَاحَضَرٍ حَتّى تَبَيَّنَهُ ؛ فَإِنَّ اللهَ - تَبَارَكَ وَتَعَالى - لَمْ يَجْعَلْ خَلْقَهُ فِي شُبْهَةٍ مِنْ هذَا ، فَقَالَ : ﴿ كُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ﴾فَالْخَيْطُ الْأَبْيَضُ هُوَ الْمُعْتَرِضُ الَّذِي يَحْرُمُ بِهِ الْأَكْلُ وَالشُّرْبُ فِي الصَّوْمِ ، وَكَذلِكَ هُوَ الَّذِي تُوجَبُ بِهِ الصَّلَاةُ ».))[3]

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصلاۃ، بَابُ وَقْتِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، باب 5، حدیث 4833/1-

2 البقرہ:187

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصلاۃ، بَابُ وَقْتِ الْفَجْرِ، باب 7، حدیث 4857/1-

(ابو الحسن بن الحسین نے امام علیہ السلام کو لکھا میں آپ علیہ السلام پر فدا ہوں آپ علیہ السلام کے دوستوں کا نماز صبح کے بارے میں اختلاف ہے، بعض اس وقت پڑھتے ہیں جب پہلی صبح ہوتی ہے اور آسمان پر سفیدی پھیلتی ہے اور بعض اس وقت پڑھتے ہیں جب افق کے نیچے والے کنارے پر روشنی ہوتی ہے اور میں ان دونوں وقتوں میں افضل وقت کو نہیں جانتا کہ میں اس میں نماز پڑھوں اگر آپ مجھے اصل وقت بتا دیں اور اس کی حد بیان کر دیں تو میں عمل کروں اور چاند جب ظاہر نہ ہو تو کیا کروں، جب بادل ہوں تو کیا کروں، سفر و حضر میں جب کوئی صورت نہ معلوم ہو تو کیا کیا جائے؟ آپ نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا، تم پر خدا کی رحمت ہو صبح کا وقت وہ ہوتا ہے جب آسمان پر سفید خط سیاہ خط سے الگ نہ ہو جائے نماز نہ پڑھو، خواہ سفر میں ہو یا حضر، اور سفید خط وہ ہے کہ روزہ میں اس کے بعد کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے اور اس کے بعد نماز صبح واجب ہو جاتی ہے۔)

9. ﴿وَإِذا قامُوا إِلَى الصَّلاةِ قامُوا كُسالى يُراؤُنَ النّاسَ وَلا يَذْكُرُونَ اللهَ إِلَّا قَلِيلاً﴾[1]

(اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سست ہو کر کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر بہت کم ہیں جو یاد کرتے ہیں۔)

((قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ عليه‌السلام : « إِذَا قُمْتَ فِي الصَّلَاةِ ، فَعَلَيْكَ بِالْإِقْبَالِ عَلى صَلَاتِكَ ؛ فَإِنَّمَا يُحْسَبُ لَكَ مِنْهَا مَا أَقْبَلْتَ عَلَيْهِ ، وَلَاتَعْبَثْ فِيهَا بِيَدِكَ ، وَلَابِرَأْسِكَ ، وَلَا بِلِحْيَتِكَ ، وَلَاتُحَدِّثْ نَفْسَكَ ، وَلَاتَتَثَاءَبْ ، وَلَاتَتَمَطَّ ، وَلَاتُكَفِّرْ ؛ فَإِنَّمَا يَفْعَلُ ذلِكَ الْمَجُوسُ ، وَلَاتَلَثَّمْ ، وَلَاتَحْتَفِزْ ، وَلَاتَفَرَّجْ كَمَا يَتَفَرَّجُ الْبَعِيرُ ، وَلَاتُقْعِ عَلى قَدَمَيْكَ ، وَلَاتَفْتَرِشْ ذِرَاعَيْكَ ، وَلَاتُفَرْقِعْ أَصَابِعَكَ ؛ فَإِنَّ ذلِكَ كُلَّهُ نُقْصَانٌ مِنَ الصَّلَاةِ ، وَلَاتَقُمْ إِلَى الصَّلَاةِ مُتَكَاسِلاً ، وَلَامُتَنَاعِساً ، وَلَامُتَثَاقِلاً ؛ فَإِنَّهَا مِنْ خِلَالِ النِّفَاقِ ؛ فَإِنَّ اللهَ سُبْحَانَهُ نَهَى الْمُؤْمِنِينَ أَنْ يَقُومُوا إِلَى الصَّلَاةِ وَهُمْ سُكَارى ، يَعْنِي سُكْرَ النَّوْمِ ، وَقَالَ لِلْمُنَافِقِينَ : ﴿ وَإِذا قامُوا إِلَى الصَّلاةِ قامُوا كُسالى يُراؤُنَ النّاسَ وَلا يَذْكُرُونَ اللهَ إِلَّا قَلِيلاً ﴾».))[2]

(امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو رغبات باطنی و ظاہری سے آزاد ہو کر پوری توجہ سے پڑھو اس توجہ کے متعلق محاسبہ ہو گا۔ اور نماز میں اپنے ہاتھ سے عبث کام نہ کرو، سر یا داڑھی سے بار بار ہاتھ نہ پھیرو، انگڑائی نہ لو جماہی نہ لو داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر نہ رکھو کیونکہ یہ افعال مجوس ہیں ڈھانا نہ باندھو حبس بول نہ کرو اور اونٹ کا سا بیٹھنا بیٹھو (یعنی بیٹھتے وقت پہلے ہاتھ زمین پر لے جاؤ اور اپنے ہاتھوں کو سجدہ میں پھیلاؤ نہیں اور نہ انگلیاں چٹخاؤ یہ سب باتیں نماز میں نقص پیدا کرنے والی ہیں۔ اور نماز کے لیے کھڑے ہو تو کسل اور سستی نہ ہو اور نہ اونگھ رہے ہو اور نہ لدھڑ پن ہو، یہ سب گمراہی اور نفاق کی باتیں ہیں اور اللہ نے مومنین کو منع کیا ہے کہ وہ نماز نشہ

---

1 النساء:142

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصلاۃ، بَابُ الْخُشُوعِ فِي الصَّلَاةِ وَكَرَاهِيَةِ الْعَبَثِ، باب 15، حدیث 4918/1-

کی حالت میں نہ پڑھیں۔ نشہ کی ایک صورت نوم بھی ہے اور اللہ نے منافقین کے بارے میں کہا ہے کہ وہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں ہارے تھکے سست اور لوگوں کو دیکھانے کے لیے نماز پڑھتے ہیں اور اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں۔)

10. ﴿الَّذِينَ هُمْ فِي صَلاتِهِمْ خاشِعُونَ﴾[1]

(وہی جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام ، قَالَ : « إِذَا كُنْتَ دَخَلْتَ فِي صَلَاتِكَ ، فَعَلَيْكَ بِالتَّخَشُّعِ وَالْإِقْبَالِ عَلى صَلَاتِكَ ؛ فَإِنَّ اللهَ – عَزَّ وَجَلَّ – يَقُولُ : ﴿الَّذِينَ هُمْ فِي صَلاتِهِمْ خاشِعُونَ﴾ ».))[2]

(ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا جب تم نماز پڑھو تو خضوع و خشوع اور پوری توجہ سے پڑھو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ لوگ اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں۔)

11. ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرامِ وَحَيْثُ ما كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾[3]

(سو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے اور تم جہاں بھی ہو سو اپنے چہرے اس کی طرف پھیر لو۔)

((عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عليه‌السلام ، قَالَ : « إِذَا اسْتَقْبَلْتَ الْقِبْلَةَ بِوَجْهِكَ ، فَلَا تُقَلِّبْ وَجْهَكَ عَنِ الْقِبْلَةِ ؛ فَتَفْسُدَ صَلَاتُكَ ؛ فَإِنَّ اللهَ – عَزَّ وَجَلَّ – قَالَ لِنَبِيِّهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله فِي الْفَرِيضَةِ : ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرامِ وَحَيْثُ ما كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ وَاخْشَعْ بِبَصَرِكَ ، وَلَاتَرْفَعْهُ إِلَى السَّمَاءِ ، وَلْيَكُنْ حِذَاءَ وَجْهِكَ فِي مَوْضِعِ سُجُودِكَ ».))[4]

(امام ابو جعفر علیہ السلام نے فرمایا: جب تم قبلہ رو ہو تو اپنا رخ قبلہ سے مت ہٹاؤ ورنہ تمہاری نماز فاسد ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فریضہ سے متعلق فرمایا ہے تم اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف کرو اور جہاں کہیں ہو اس کی طرف رخ کر کے ہی نماز پڑھا کرو۔ اور اوپر ہی دیکھتے رہو آسمان کی طرف مت دیکھو اور سجدہ گاہ کی جگہ کے سامنے تمہارا چہرہ رہے۔)

12. ﴿بِسْمِ اللهِ الرَّحْمنِ الرَّحِيمِ﴾[5]

---

1 المومنون:2

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصلاۃ، بَابُ الْخُشُوعِ فِي الصَّلَاةِ وَكَرَاهِيَةِ الْعَبَثِ، باب 15، حدیث 4920/3-

3 البقرہ:144

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصلاۃ، بَابُ الْخُشُوعِ فِي الصَّلَاةِ وَكَرَاهِيَةِ الْعَبَثِ، باب 15، حدیث 4923/6-

5 قرآن مجید میں ﴿ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمنِ الرَّحِيمِ ﴾ کی تعداد 114 ہے، یعنی یہ سورۃ التوبہ کے علاوہ ہر سورت کے شروع میں آئی ہے۔ اور سورۃ النمل میں یہ دو مرتبہ آئی ہے۔

(اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔)

((عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ عَمَّارٍ ، قَالَ :قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام : إِذَا قُمْتُ لِلصَّلَاةِ أَقْرَأُ﴿بِسْمِ اللهِ الرَّحْمنِ الرَّحِيمِ ﴾ فِي فَاتِحَةِ الْقُرْآنِ ؟ قَالَ : « نَعَمْ ». قُلْتُ : فَإِذَا قَرَأْتُ فَاتِحَةَ الْقُرْآنِ أَقْرَأُ ﴿ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمنِ الرَّحِيمِ ﴾ مَعَ السُّورَةِ؟ قَالَ : « نَعَمْ ».))[1]

(معاویہ بن عمار کہتے ہیں میں نے امام جعفر علیہ السلام سے کہا جب میں نماز پڑھتا ہوں تو سورۃ الفاتحہ کے ساتھ بسم اللہ پڑھتا ہوں، فرمایا ٹھیک ہے میں نے کہا جب قرآن میں سورۃ الفاتحہ پڑھتا ہوں تو بسم اللہ پڑھتا ہوں۔)

13. ﴿وَلا تَجْهَرْ بِصَلاتِكَ وَلا تُخافِتْ بِها﴾[2]

(اور اپنی نماز نہ بلند آواز سے پڑھ اور نہ اسے پست کر اور اس کے درمیان کوئی راستہ اختیار کر۔)

((عَنْ سَمَاعَةَ ، قَالَ : سَأَلْتُهُ عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿وَلا تَجْهَرْ بِصَلاتِكَ وَلا تُخافِتْ بِها ﴾؟ قَالَ : « الْمُخَافَتَةُ مَا دُونَ سَمْعِكَ ، وَالْجَهْرُ أَنْ تَرْفَعَ صَوْتَكَ شَدِيداً ».))[3]

(سماعۃ کہتے ہیں میں نے حضرت سے اس آیت "نہ جہر ہی کرو اور نہ اخفات ہی" کے متعلق پوچھا، آپ نے فرمایا کم آواز اتنی ہو کہ تمہارے کان سن لیں اور جہر سے مراد زیادہ اونچی آواز ہے۔)

((عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سِنَانٍ ، قَالَ : قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام : عَلَى الْإِمَامِ أَنْ يُسْمِعَ مَنْ خَلْفَهُ وَإِنْ كَثُرُوا؟فَقَالَ : « لِيَقْرَأْ قِرَاءَةً وَسَطاً ، يَقُولُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالى : ﴿ وَلا تَجْهَرْ بِصَلاتِكَ وَلا تُخافِتْ بِها﴾».))[4]

(عبد اللہ بن سنان کہتے ہیں میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے پوچھا کیا امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی آواز پیچھے والے کو سنائے چاہے وہ کتنے ہی زیادہ ہوں۔ فرمایا: درمیانی آواز سے پڑھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَلا تَجْهَرْ بِصَلاتِكَ وَلا تُخافِتْ بِها﴾ نہ تو جہر کرو نہ ہی پست کرو۔)

14. ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾[5]

(پس تو اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔)

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصلاۃ، بَابُ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ، باب 21، حدیث 4979/1-

2 بنی اسرائیل: 110

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصلاۃ، بَابُ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ، باب 21، حدیث 4999/21-

4 ایضاً، حدیث 5005/27-

5 الکوثر: 2

((عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عليه‌السلام ، قَالَ : قُلْتُ لَهُ : ﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴾؟ قَالَ : « النَّحْرُ : الِاعْتِدَالُ فِي الْقِيَامِ أَنْ يُقِيمَ صُلْبَهُ وَنَحْرَهُ ». وَقَالَ : « لَا تُكَفِّرْ ؛ فَإِنَّمَا يَصْنَعُ ذلِكَ الْمَجُوسُ ، وَلَاتَلَثَّمْ ، وَلَاتَحْتَفِزْ ، وَلَاتُقْعِ عَلى قَدَمَيْكَ ، وَلَا تَفْتَرِشْ ذِرَاعَيْكَ ».))[1]

(ابو جعفر علیہ السلام نے کہا﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴾کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا: نحر کے معنی ہیں قیام،اعتدال اور پشت و گردن کو سیدھا، یعنی تنا ہوا رکھنا اور فرمایا: ہتھیار بند نماز نہ پڑھو کیونکہ یہ مجوسیوں کا طریقہ ہے اور نہ گڑھا کھودو اور نہ اپنے قدموں پر بیٹھو اور نہ اپنے بازو پھیلاؤ۔)

15. ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ باغٍ وَلا عادٍ فَلا إِثْمَ عَلَيْهِ﴾[2]

(پھر جو مجبور کر دیا جائے، اس حال میں کہ نہ بغاوت کرنے والا ہو اور نہ حد سے گزرنے والا تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔)

((مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ ، قَالَ :سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنِ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ يَذْهَبُ بَصَرُهُ ، فَيَأْتِيهِ الْأَطِبَّاءُ ، فَيَقُولُونَ : نُدَاوِيكَ شَهْراً ، أَوْ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً مُسْتَلْقِياً ، كَذلِكَ يُصَلِّي؟ فَرَخَّصَ فِي ذلِكَ ، وَقَالَ : ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ باغٍ وَلا عادٍ فَلا إِثْمَ عَلَيْهِ﴾.))[3]

(محمد بن مسلم کہتے ہیں میں نے اس مرد اور عورت کے متعلق پوچھا جس کی بینائی جاتی رہے اور اطباء اس سے کہیں کہ ہم تیرا علاج چت لٹا کر ایک مہینہ یا چالیس دن کریں گے۔ فرمایا: ایسے لوگ اسی حالت میں بھی نماز پڑھیں، ان کو اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو کوئی بغیر سرکشی اور بغاوت کے اضطراری حالت میں ہو، تو اس پر الزام نہیں یعنی گنہگار نہ ہو گا۔)

16. ﴿الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللهَ قِياماً وَقُعُوداً وَعَلى جُنُوبِهِمْ﴾[4]

(وہ لوگ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر اللہ کو یاد کرتے ہیں۔)

((عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عليه‌السلام فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ ﴿الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللهَ قِياماً وَقُعُوداً وَعَلى جُنُوبِهِمْ﴾ قَالَ : « الصَّحِيحُ يُصَلِّي قَائِماً وَقُعُوداً ، الْمَرِيضُ يُصَلِّي جَالِساً﴿ وَعَلى جُنُوبِهِمْ ﴾ الَّذِي يَكُونُ أَضْعَفَ مِنَ الْمَرِيضِ الَّذِي يُصَلِّي جَالِساً ».))[5]

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصلاۃ، بَابُ الْقِيَامِ وَالْقُعُودِ فِي الصَّلَاةِ، باب29، حدیث5087/9-

2 البقرہ:173

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصلاۃ، بَابُ صَلَاةِ الشَّيْخِ الْكَبِيرِ وَالْمَرِيضِ، باب64، حدیث5414/4-

4 آل عمران:191

5 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصلاۃ، بَابُ صَلَاةِ الشَّيْخِ الْكَبِيرِ وَالْمَرِيضِ، باب64، حدیث5421/11-

(ابو جعفر علیہ السلام نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: تندرست کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نماز پڑھے اور مریض بیٹھ کر، اور ایسا مریض جو بیٹھ کر نماز پڑھنے سے بھی زیادہ کمزور ہو تو وہ پہلوؤں پر نماز پڑھے۔)

17. ﴿خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾[1]

(ہر نماز کے وقت اپنی زینت لے لو۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾ قَالَ : « فِي الْعِيدَيْنِ وَالْجُمُعَةِ ».))[2]

(ابو عبداللہ علیہ السلام نے اس آیت (ہر نماز کے وقت زینت کرو) کے بارے میں فرمایا: اس سے مراد عیدین اور جمعہ کی نماز ہے۔)

ہر مسلمان کو نماز کو ادا کرتے ہوئے زینت کو اپنانا چاہیے۔ چاہے وہ عام نماز ہو یا عیدین کی نماز ہو یا جمعہ کی نماز ہو۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی زینت والا ہے اور زینت کو پسند کرتا ہے۔

18. ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾[3]

(اپنے رب کے نام کی تسبیح کر جو سب سے بلند ہے۔)

((قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام :«اقْرَأْ فِي لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ بِالْجُمُعَةِ و ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾،وَفِي الْفَجْرِ بِسُورَةِ الْجُمُعَةِ و﴿ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ ﴾،وَفِي الْجُمُعَةِ بِالْجُمُعَةِ وَالْمُنَافِقِينَ ».))[4]

(ابو عبداللہ علیہ السلام کہتے ہیں جمعہ کی رات نماز میں سورۃ جمعہ اور ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ اور فجر کی نماز میں سورۃ جمعہ اور ﴿ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ ﴾ پڑھے اور جمعہ کی نماز میں سورۃ جمعہ اور منافقون پڑھے۔)

اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ رات کی نمازوں میں سورۃ جمعہ اور سورۃ اعلیٰ پڑھنی چاہیے، اور فجر کی نماز میں سورۃ جمعہ اور سورۃ الاخلاص کی قرآءت کرنی چاہیے۔ اور جمعہ کی نماز میں سورۃ جمعہ اور منافقون کی قراءت کرنی چاہیے۔

19. ﴿آناءَ اللَّيْلِ ساجِداً وَقائِماً يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُوا رَحْمَةَ رَبِّهِ﴾[5]

---

1 الاعراف:31

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصلاۃ، بَابُ تَهْيِئَةِ الْإِمَامِ لِلْجُمُعَةِ وَخُطْبَتِهِ وَالْإِنْصَاتِ، باب 70، حدیث 5471/ 8-

3 الاعلیٰ:1

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصلاۃ، بَابُ الْقِرَاءَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَيْلَتَهَا فِي الصَّلَوَاتِ، باب 71، حدیث 5476/ 2-

5 الزمر:9

(وہ شخص جو رات کی گھڑیوں میں سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے عبادت کرنے والا ہے، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے؟)

((عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عليه‌السلام ، قَالَ : قُلْتُ لَهُ : ﴿آناءَ اللَّيْلِ ساجِداً وَقائِماً يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُوا رَحْمَةَ رَبِّهِ﴾ ؟ قَالَ : « يَعْنِي صَلَاةَ اللَّيْلِ ». قَالَ : قُلْتُ لَهُ : ﴿ وَأَطْرافَ النَّهارِ لَعَلَّكَ تَرْضى ﴾؟ قَالَ : « يَعْنِي تَطَوَّعْ بِالنَّهَارِ ». قَالَ : قُلْتُ لَهُ : ﴿ وَإِدْبارَ النُّجُومِ ﴾قُلْتُ : ﴿وَأَدْبارَ السُّجُودِ ﴾ ؟ قَالَ : « رَكْعَتَانِ قَبْلَ الصُّبْحِ »؟ قَالَ : « رَكْعَتَانِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ ».))[1]

(ابو جعفر علیہ السلام کہتے ہیں میں نے کہارات میں سجدہ کرنا اور کھڑا رہنا آخرت سے ڈراتا اور رحمت رب کی امید دلاتا ہے، تو آپ نے فرمایا: اس سے مراد نماز شب ہے۔ میں نے کہا: اطراف نہار سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا نوافل روز، میں نے کہا! اورادبارالنجوم سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا: دو رکعت قبل صبح اور ادبار السجود سے مراد دو رکعت بعد نماز مغرب ہے۔)

20. ﴿إِنَّ ناشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئاً وَأَقْوَمُ قِيلاً﴾[2]

(بلاشبہ رات کو اٹھنا (نفس کو) کچلنے میں زیادہ سخت اور بات کرنے میں زیادہ درستی والا ہے۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ إِنَّ ناشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئاً وَأَقْوَمُ قِيلاً ﴾ قَالَ : « يَعْنِي بِقَوْلِهِ ﴿وَأَقْوَمُ قِيلاً ﴾: قِيَامَ الرَّجُلِ عَنْ فِرَاشِهِ يُرِيدُ بِهِ اللهَ ، لَا يُرِيدُ بِهِ غَيْرَهُ ».))[3]

(ابو عبداللہ علیہ السلام نے آیت ناشئۃ الیل کے متعلق پوچھا، فرمایا بے شک رات کا اٹھنا نفس کو پامال کرنے والا اور ٹھکانا کا ذکر ہے کسی کا اپنے بستر سے اٹھنا اس لیے کہ خدا کے سوا کسی کے ذکر کا ارادہ نہیں رکھتا۔)

21. ﴿كانُوا قَلِيلاً مِنَ اللَّيْلِ ما يَهْجَعُونَ﴾[4]

(وہ رات کے بہت تھوڑے حصے میں سوتے تھے۔)

((عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ ، قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام يَقُولُ:« إِنَّ الْعَبْدَ يُوقَظُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنَ اللَّيْلِ ، فَإِنْ لَمْ يَقُمْ ، أَتَاهُ الشَّيْطَانُ ، فَبَالَ فِي أُذُنِهِ ».قَالَ: وَسَأَلْتُهُ عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ كانُوا قَلِيلاً مِنَ اللَّيْلِ ما يَهْجَعُونَ ﴾؟ قَالَ:«كَانُوا أَقَلَّ اللَّيَالِي تَفُوتُهُمْ لَايَقُومُونَ فِيهَا ».))[5]

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصلاۃ، بَابُ صَلَاةِ النَّوَافِلِ، باب84، حدیث5561/11-

2 المزمل:6

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصلاۃ، بَابُ صَلَاةِ النَّوَافِلِ، باب84، حدیث5567/17-

4 الذاریات:17

5 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصلاۃ، بَابُ صَلَاةِ النَّوَافِلِ، باب84، حدیث5568/18-

(محمد بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے سنا کہ بندہ رات میں تین بار جگایا جاتا ہے اگر اس پر بھی وہ نہیں اٹھتا تو شیطان اس کے کان میں پیشاب کر دیتا ہے۔ میں نے اس آیت ﴿كانُوا قَلِيلاً مِنَ اللَّيْلِ ما يَهْجَعُونَ﴾ (وہ رات میں بہت کم سوتے ہیں) کا مطلب پوچھا، فرمایا وہ راتوں کے بہت کم حصے ایسے ہوتے ہیں جن میں وہ عبادت نہ کرتے ہوں۔)

22. ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾[1]

(کہہ دے وہ اللہ ایک ہے۔)

((عَنِ ابْنِ سِنَانٍ ، قَالَ :سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنِ الْوَتْرِ : مَا يُقْرَأُ فِيهِنَّ جَمِيعاً؟ قَالَ ﴿قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ ﴾ ». قُلْتُ: فِي ثَلَاثِهِنَّ؟ قَالَ:« نَعَمْ ».))[2]

(ابن سنان کہتے ہیں میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے وتر کے بارے میں پوچھا، وتر کی کل رکعتوں میں کیا پڑھا جائے؟ آپ نے فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ﴾، میں نے کہا: تینوں رکعتوں میں ہی سورۃ الاخلاص کی قراءت کرنی چاہیے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تینوں رکعات میں ہی سورۃ الاخلاص کی قراءت کرنی چاہیے۔)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ وتر کی نماز میں سورۃ اخلاص کی قراءت کرنی چاہیے۔

23. ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجالاً أَوْ رُكْباناً﴾[3]

(پھر اگر تم ڈرو تو پیدل پڑھ لو یا سواری پر پڑھ لو۔)

((عَنْ عَبْدِ الرَّحْمنِ بْنِ أَبِي عَبْدِ اللهِ ، قَالَ : سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجالاً أَوْ رُكْباناً ﴾: كَيْفَ يُصَلِّي ، وَمَا يَقُولُ؟ إِذَا خَافَ مِنْ سَبُعٍ أَوْ لِصٍّ كَيْفَ يُصَلِّي؟ قَالَ : « يُكَبِّرُ وَيُومِئُ إِيمَاءً بِرَأْسِهِ ».))[4]

(ابو عبد اللہ علیہ السلام سے اس آیت ﴿ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجالاً أَوْ رُكْباناً ﴾ (اگر تمہیں خوف ہو تو پیادہ یا سوار تو کیسے نماز پڑھے) کا مطلب پوچھا؟ تو آپ نے فرمایا کہ درندے یا چور کا خوف ہو تو کیسے پڑھے؟ آپ نے فرمایا : تکبیر کہے اور سر سے اشارہ کرے۔)

24. ﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا﴾[1]

---

1 الاخلاص:1

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصلاۃ، بَابُ صَلَاةِ النَّوَافِلِ، باب84، حدیث5580/30-

3 البقرہ:239

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصلاۃ، بَابُ صَلَاةِ الْخَوْفِ، باب86، حدیث5611/6-

(اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ نماز کچھ کم کر لو، اگر ڈرو کہ تمھیں وہ لوگ فتنے میں ڈال دیں گے جنھوں نے کفر کیا۔ بے شک کافر لوگ ہمیشہ سے تمہارے کھلے دشمن ہیں۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُناحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ﴾ قَالَ : « فِي الرَّكْعَتَيْنِ تَنْقُصُ مِنْهُمَا وَاحِدَةٌ».))[2]

(میں نے حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے اس آیت کا مطلب پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا: اگر کفار سے فتنہ کا خوف ہو تو دو رکعت میں سے ایک رکعت کم کرو۔)

خلاصہ بحث

امام کلینیؒ نے اپنی کتاب الکافی کی کتاب الصلاۃ میں متعدد مسائل کو ذکر کیا ہے۔ اس کتاب میں امام کلینیؒ نے 103 ابواب اور 927 احادیث کو ذکر کیا ہے۔ آپ نے کتاب الصلاۃ سے پہلے کتاب الطھارت کو قائم کیا ہے اور طہارت و پاکیزگی نماز سے پہلے لازمی شرط قرار دیا، آپ نے نماز کے فضائل، فرض نماز، نماز کے اوقات، مساجد، نماز میں قرات، نماز کا طریقہ، نماز میں سہو، بچوں اور عورتوں کی نماز وغیرہ پر کافی روایات پیش کی ہیں نیز نفلی نماز، نماز چاشت، نماز خوف، نماز عیدین، نماز استسقاء، نماز کسوف، نماز تسبیح، نماز استخارہ، نماز حاجات، نماز خائف، نماز ادارہ سفر، نماز شکر جیسے عناوین قائم کر کے کافی مسائل کو بیان کیا ہے۔

صحیح بخاری اور الکافی کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ان دونوں کتب میں نماز کو ارکان اسلام میں شمار کیا جاتا ہے، تاہم ان میں کچھ مشرکات بھی اور مختلفات بھی ہیں۔ ان دونوں کتب میں نماز کو فرض قرار دیا ہے، لیکن ان دونوں مسالک کے ہاں نماز کے اوقات اور طریقہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اہل سنت کے ہاں دن میں پانچ اوقات میں نماز فرض ہے لیکن اہل تشیع کے نزدیک دن میں تین اوقات میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ اسی طرح صحیح بخاری میں نماز تراویح سے متعلق مرویات ہیں اور الکافی میں نماز تراویح سے متعلق مرویات نہیں ہیں۔

---

1 النساء: 101

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصلاۃ، بَابُ صَلاَةِ الْمُطَارَدَةِ وَالْمُوَاقَفَةِ وَالْمُسَايَفَةِ ، باب 87، حدیث 5615/4-

فصل دوم:

صوم سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

روزہ کے لغوی معانی:

"الصوم: في اللغة مطلق الإمساك، وفي الشرع: عبارة عن إمساك مخصوص، وهو الإمساك عن الأكل والشرب والجماع من الصبح إلى المغرب مع النية."[1]

(روزہ: کا لغوی معانی پرہیز ہے، اور شریعت میں یہ ایک مخصوص پرہیز ہے، جو صبح سے غروب آفتاب تک نیت کے ساتھ کھانے، پینے اور جماع سے پرہیز ہے۔)

مخصوص شرائط کے ساتھ مخصوص ایام میں، مخصوص اشیاء (یعنی کھانے، پینے، فسق و فجور کے ارتکاب اور دن میں جماع کرنے) سے رک جانا، روزہ کہلاتا ہے۔

روزے کی فرضیت:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾[2]

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزہ رکھنا لکھ دیا گیا ہے، جیسے ان لوگوں پر لکھا گیا جو تم سے پہلے تھے، تاکہ تم بچ جاؤ۔)

صحیح بخاری میں روزہ کی فرضیت سے متعلق روایت ہے:

((أَنَّ أَعْرَابِيًّا، جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم ثَائِرَ الرَّأْسِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخْبِرْنِي مَاذَا فَرَضَ اللَّهُ عَلَىَّ مِنَ الصَّلاَةِ فَقَالَ " الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ، إِلاَّ أَنْ تَطَّوَّعَ شَيْئًا ". فَقَالَ أَخْبِرْنِي مَا فَرَضَ اللَّهُ عَلَىَّ مِنَ الصِّيَامِ فَقَالَ "شَهْرَ رَمَضَانَ، إِلاَّ أَنْ تَطَّوَّعَ شَيْئًا ".فَقَالَ أَخْبِرْنِي بِمَا فَرَضَ اللَّهُ عَلَىَّ مِنَ الزَّكَاةِ فَقَالَ فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم شَرَائِعَ الإِسْلاَمِ. قَالَ وَالَّذِي أَكْرَمَكَ لاَ أَتَطَوَّعُ شَيْئًا، وَلاَ أَنْقُصُ مِمَّا فَرَضَ اللَّهُ عَلَىَّ شَيْئًا. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم " أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ،أَوْ دَخَلَ الْجَنَّةَ إِنْ صَدَقَ ".))[3]

(ایک اعرابی پریشان حال بال بکھرے ہوئے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے پوچھا: یا نبی کریم! بتائیے مجھ پر اللہ تعالیٰ نے کتنی نمازیں فرض کی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پانچ نمازیں، یہ اور بات ہے کہ تم

---

1 الجرجانی، علی بن محمد، التعریفات، ص136-

2 البقرہ:183

3 بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الصوم، بَابُ وُجُوبِ صَوْمِ رَمَضَانَ، حدیث 1891-

اپنی طرف سے نفل پڑھ لو، پھر اس نے کہا بتایئے! اللہ تعالیٰ نے مجھ پر روزے کتنے فرض کئے ہیں؟ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: رمضان کے مہینے کے، یہ اور بات ہے کہ تم خود اپنے طور پر کچھ نفلی روزے اور بھی رکھ لو، پھر اس نے پوچھا اور بتایئے! زکوٰۃ کس طرح مجھ پر اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہے؟ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اسے شرع اسلام کی باتیں بتادیں۔ جب اس اعرابی نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو عزت دی نہ میں اس میں اس سے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فرض کر دیا ہے کچھ بڑھاؤں گا اور نہ گھٹاؤں گا، اس پر رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: اگر اس نے سچ کہا ہے تو یہ مراد کو پہنچایا (آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہ فرمایا کہ) اگر سچ کہا ہے تو جنت میں جائے گا۔)

اس دیہاتی کا نام حمام بن ثعلبہ تھا۔ اس حدیث سے رمضان کے روزوں کی فرضیت ثابت ہوئی۔ امام بخاریؒ نے اس مقصد کے تحت یہاں اس حدیث کو نقل فرمایا ہے۔ اس دیہاتی نے نفلوں کا انکار نہیں کیا، کمی یا بیشی نہ کرنے کا وعدہ کیا تھا جس کی وجہ سے وہ مستحق بشارت نبوی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہوا۔

الکافی میں روزہ کی فرضیت سے متعلق روایت ہے:

((بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلى خَمْسَةِ أَشْيَاءَ: عَلَى الصَّلَاةِ، وَالزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَالصَّوْمِ، وَالْوَلَايَةِ ".))[1]

(اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: نماز، زکوٰۃ، حج، روزہ اور ولایت پر۔)

خلاصہ کلام

روزہ کا لغوی معانی پرہیز ہے، اور شریعت اسلامیہ میں یہ ایک مخصوص پرہیز ہے، جو صبح سے غروب آفتاب تک نیت کے ساتھ کھانے، پینے اور جماع سے پرہیز ہے۔ صحیح بخاری کی کتاب الصوم اور الکافی کی کتاب الصیام کے مطالعہ سے ہم اس نتائج پر پہنچے ہیں کہ ان دونوں کتب میں صوم کے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ مثلاً روزہ ارکان اسلام میں سے ہے، روزہ سے گناہ معاف ہوتے ہیں، روزہ کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، روزہ دار باب ریان کے ذریعے جنت میں داخل ہو گا، روزہ دار کے منہ سے نکلنے والی بو اللہ تعالیٰ کے ہاں کستوری سے بھی زیادہ پیاری ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں، ایک خوشی جب وہ روزہ افطار کرتا ہے اور دوسری خوشی جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا۔

1 کلینی، ابو جعفر محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصیام، بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّوْمِ وَالصَّائِمِ، ج7، حدیث 6252-

مبحث اول:

صحیح بخاری کی صوم سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری کی کتاب الصوم میں 69 ابواب قائم کیے ہیں۔ اس میں پہلا باب" باب وُجُوبِ صَوْمِ رَمَضَانَ" اور آخری باب" باب صِيَامِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ" قائم کیا ہے۔ امام بخاریؒ نے اس کتاب میں 1891 سے لے کر 2007 تک احادیث جمع کی ہیں۔ ذیل میں ہم صحیح بخاری کی الصوم سے متعلق تفسیری احادیث و آثار پر بحث کریں گے۔

1. ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾(1)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزہ رکھنا لکھ دیا گیا ہے، جیسے ان لوگوں پر لکھا گیا جو تم سے پہلے تھے، تاکہ تم بچ جاؤ۔)

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ ـ رضى الله عنهما ـ قَالَ كَانَ عَاشُورَاءُ يَصُومُهُ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ، فَلَمَّا نَزَلَ رَمَضَانُ قَالَ " مَنْ شَاءَ صَامَهُ، وَمَنْ شَاءَ لَمْ يَصُمْهُ ".))(2)

(عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ عاشوراء کے دن جاہلیت میں ہم روزہ رکھتے تھے لیکن جب رمضان کے روزے نازل ہوگئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس کا جی چاہے عاشوراء کا روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے نہ رکھے۔)

عاشوراء کا روزہ پہلے فرض تھا۔ رمضان کی فرضیت کے بعد عاشوراء کی فرضیت منسوخ ہوگئی البتہ استحباب اب بھی باقی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں اس کی مزید وضاحت ہے آپ نے فرمایا: قریش دور جاہلیت میں عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے خود بھی مکہ میں رہتے ہوئے عاشوراء کا روزہ رکھا اور اپنے اصحاب کو بھی اس روزے کا پابند کیا۔ جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((يَوْمَ عَاشُورَاءَ"إِنْ شَاءَ صَامَ "))(3) (جو چاہے عاشوراء کا روزہ رکھے۔)

امام بخاریؒ اس پر ایک اور روایت پیش کرتے ہیں: ((عَنْ عَائِشَةَ ـ رضى الله عنها ـ كَانَ عَاشُورَاءُ يُصَامُ قَبْلَ رَمَضَانَ، فَلَمَّا نَزَلَ رَمَضَانُ قَالَ "مَنْ شَاءَ صَامَ، وَمَنْ شَاءَ أَفْطَرَ ".))(4)

---

1 البقرہ:183

2 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾، حدیث 4501-

3 ایضاً، کتاب الصوم، باب صِيَامِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ، حدیث 2000-

4 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾، حدیث 4502-

(عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہ عاشوراء کا روزہ رمضان کے روزوں کے حکم سے پہلے رکھا جاتا تھا۔ پھر جب رمضان کے روزوں کا حکم نازل ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جس کا جی چاہے عاشوراء کا روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے نہ رکھے۔)

نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہودیوں نے دیکھا کہ وہ بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں آپ نے اس کی وجہ دریافت کی تو بتایا گیا کہ اس دن یہودیوں کو فرعون سے نجات ملی تھی اس لئے وہ یوم تشکر کے طور پر اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((فَأَنَا أَحَقُّ بِمُوسَى مِنْكُمْ ". فَصَامَهُ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ.))[1](ہم ان کی بانسبت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ تعلق رکھتے ہی، پھر آپ ﷺ نے اس روزے کی پابندی کی اور دوسروں کو بھی اس کا پابند کیا۔)

اور جس سال آپ کی وفات ہوئی آپ نے فرمایا:((فَإِذَا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ - إِنْ شَاءَ اللَّهُ - صُمْنَا الْيَوْمَ التَّاسِعَ " . قَالَ فَلَمْ يَأْتِ الْعَامُ الْمُقْبِلُ حَتَّى تُوُفِّيَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم.))[2](اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو (عاشوراء کے ساتھ) نویں کا بھی روزہ رکھوں گا (تاکہ یہودیوں کی مخالفت ہو جائے)" لیکن عاشوراء سے پہلے آپ ﷺ فوت ہو گئے۔)

امام بخاریؒ نے اس پر مزید روایت بیان کی ہے:

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ دَخَلَ عَلَيْهِ الأَشْعَثُ وَهْوَ يَطْعَمُ فَقَالَ الْيَوْمُ عَاشُورَاءُ. فَقَالَ كَانَ يُصَامُ قَبْلَ أَنْ يَنْزِلَ رَمَضَانُ، فَلَمَّا نَزَلَ رَمَضَانُ تُرِكَ، فَادْنُ فَكُلْ.))[3]

(عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اشعث ان کے یہاں آئے، وہ اس وقت کھانا کھا رہے تھے، اشعث نے کہا کہ آج تو عاشوراء کا دن ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان دنوں میں عاشوراء کا روزہ رمضان کے روزوں کے نازل ہونے سے پہلے رکھا جاتا تھا لیکن جب رمضان کے روزے کا حکم نازل ہوا تو یہ روزہ چھوڑ دیا گیا۔ آؤ تم بھی کھانے میں شریک ہو جاؤ۔)

امام مسلم اس پر ایک روایت لے کر آئے ہیں:

((عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، - رضى الله عنه - قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَأْمُرُنَا بِصِيَامِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ وَيَحُثُّنَا عَلَيْهِ وَيَتَعَاهَدُنَا عِنْدَهُ فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ لَمْ يَأْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا وَلَمْ يَتَعَاهَدْنَا عِنْدَهُ .))[4]

---

1 ایضاً، كِتَاب الصَّوْمِ، بَابُ صِيَامِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ، حدیث 2004-

2 قشیری، ابوالحسین، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، كِتَاب الصِّيَامِ، باب أَيُّ يَوْمٍ يُصَامُ فِي عَاشُورَاءَ، حدیث 2666(1134)-

3 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾، حدیث 4503-

4 قشیری، ابوالحسین، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، كِتَاب الصِّيَامِ، باب صَوْمِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ، حدیث 2652(1128)-

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ہمیں عاشورا کے دن روزہ رکھنے کا حکم دیتے تھے پھر جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو ہمیں عاشوراء کے بارے میں نہ حکم ہوا اور نہ منع کیا گیا۔

امام بخاری مزید روایت بیان کرتے ہیں:

((عَنْ عَائِشَةَ ۔ رضی الله عنها ۔ قَالَتْ كَانَ يَوْمُ عَاشُورَاءَ تَصُومُهُ قُرَيْشٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَكَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَصُومُهُ، فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ صَامَهُ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ، فَلَمَّا نَزَلَ رَمَضَانُ كَانَ رَمَضَانُ الْفَرِيضَةَ، وَتُرِكَ عَاشُورَاءُ، فَكَانَ مَنْ شَاءَ صَامَهُ، وَمَنْ شَاءَ لَمْ يَصُمْهُ.))[1]

(عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ عاشوراء کے دن قریش زمانہ جاہلیت میں روزے رکھتے تھے اور نبی کریم ﷺ بھی اس دن روزہ رکھتے تھے۔ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہاں بھی آپ ﷺ نے اس دن روزہ رکھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس کے رکھنے کا حکم دیا، لیکن جب رمضان کے روزوں کا حکم نازل ہوا تو رمضان کے روزے فرض ہو گئے اور عاشوراء کے روزہ (کی فرضیت) باقی نہیں رہی۔ اب جس کا جی چاہے اس دن بھی روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے نہ رکھے۔)

عنوان اور مذکورہ احادیث میں مطابقت اس طرح ہے کہ ان تمام احادیث میں رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت کا ذکر ہے نیز عاشوراء کا روزہ پہلے فرض تھا اب اس کا استحباب باقی ہے۔ ایک روایت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیان ان الفاظ میں مروی ہے کہ ہم پہلے عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے تھے اور جب رمضان کا حکم نازل ہوا تو ہمیں عاشوراء کے متعلق نہ حکم دیا گیا اور نہ اس سے منع کیا گیا، البتہ ہم اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔

امام بخاریؒ کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلی امتوں پر رمضان کے روزے فرض نہیں تھے رمضان کے روزوں کی فرضیت صرف اس امت کے لئے ہے اگر رمضان کے روزے پہلی امتوں پر فرض ہوتے تو آپ عاشوراء کے دن کا روزہ رکھنے کے بجائے رمضان کے روزے رکھتے۔

2. ﴿أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾[2]

(گنے ہوئے چند دنوں میں، پھر تم میں سے جو بیمار ہو، یا کسی سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرنا ہے اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہوں ان پر فدیہ ایک مسکین کا کھانا ہے، پھر جو شخص خوشی سے کوئی نیکی کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے اور یہ کہ تم روزہ رکھو تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔)

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾، حدیث 4504۔

2 البقرہ:184

((عَنْ عَطَاءٍ، سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ، يَقْرَأُ ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطَوَّقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَيْسَتْ بِمَنْسُوخَةٍ، هُوَ الشَّيْخُ الْكَبِيرُ وَالْمَرْأَةُ الْكَبِيرَةُ لاَ يَسْتَطِيعَانِ أَنْ يَصُومَا، فَلْيُطْعِمَانِ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا.))(1)

(عطاء نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا وہ یوں قرآت کر رہے تھے: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطَوَّقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾(2) (تفعیل سے) ﴿فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾ "ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ اس سے مراد بہت بوڑھا مرد یا بہت بوڑھی عورت ہے۔ جو روزے کی طاقت نہ رکھتی ہو، انہیں چاہیے کہ ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف یہ ہے کہ جو شخص زیادہ بڑھاپے یا ایسی بیماری میں مبتلا ہو جس سے شفایابی کی امید نہ ہو اور وہ روزہ رکھنے میں مشقت محسوس کرے تو وہ روزہ نہ رکھے اور ایک مسکین کو بطور فدیہ کھانا کھلا دے جب کہ جمہور اہل علم نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ ابتدائے اسلام میں روزے کی طاقت رکھنے والوں کو یہ رخصت دی گئی تھی لیکن بعد میں اسے منسوخ کر کے ہر صاحب استطاعت کے لئے روزہ فرض کر دیا گیا، تاہم زیادہ بوڑھے اور دائمی مریض کے لئے اب بھی یہی حکم ہے کہ وہ فدیہ دے دیں۔ اسی طرح حاملہ اور دودھ پلانے والی اگر روزہ رکھنے میں مشقت محسوس کرے تو وہ مریض کے حکم میں ہے یعنی وہ روزہ نہ رکھیں بعد میں چھوڑے ہوئے روزوں کی قضا دیں۔ واضح رہے کہ امام بخاریؒ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے موقف سے متفق معلوم ہوتے ہیں۔

عطا بن ابی رباحؒ فرماتے ہیں:

"وَقَالَ عَطَاءٌ يُفْطِرُ مِنَ الْمَرَضِ كُلِّهِ كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى. وَقَالَ الْحَسَنُ وَإِبْرَاهِيمُ فِي الْمُرْضِعِ وَالْحَامِلِ إِذَا خَافَتَا عَلَى أَنْفُسِهِمَا أَوْ وَلَدِهِمَا تُفْطِرَانِ ثُمَّ تَقْضِيَانِ. وَأَمَّا الشَّيْخُ الْكَبِيرُ إِذَا لَمْ يُطِقِ الصِّيَامَ، فَقَدْ أَطْعَمَ أَنَسٌ بَعْدَ مَا كَبِرَ عَامًا أَوْ عَامَيْنِ كُلَّ يَوْمٍ مِسْكِينًا خُبْزًا وَلَحْمًا وَأَفْطَرَ. قِرَاءَةُ الْعَامَّةِ ﴿يُطِيقُونَهُ﴾ وَهُوَ أَكْثَرُ"(3)

1 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾، حدیث 4505۔

2 البقرہ: 184

3 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾، ج4، ص478۔

(عطا بن ابی رباح نے کہا کہ ہر بیماری میں روزہ نہ رکھنا درست ہے۔ جیسا کہ عام طور پر اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے۔ اور امام حسن بصری اور ابراہیم نخعی نے کہا کہ دودھ پلانے والی یا حامل کو اگر اپنی یا اپنے بیٹے کی جان کا خوف ہو تو وہ افطار کر لیں اور پھر اس کی قضاء کر لیں لیکن بوڑھا ضعیف شخص جب روزہ نہ رکھ سکے تو وہ فدیہ دے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ بھی جب بوڑھے ہو گئے تھے تو وہ ایک سال یا دو سال رمضان میں روزانہ ایک مسکین کو روٹی اور گوشت دیا کرتے تھے اور روزہ چھوڑ دیا تھا۔ اکثر لوگوں نے اس آیت میں ﴿يُطِيقُونَهُ﴾ پڑھا ہے۔)

3. ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾[1]

(پس تم میں سے جو کوئی اس مہینے کو پائے اسے چاہیے کہ وہ مہینے بھر روزے رکھے۔)

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما أَنَّهُ قَرَأَ ﴿فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ﴾ قَالَ هِيَ مَنْسُوخَةٌ.))[2]

(ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ انھوں نے یوں قرآت کی: ﴿فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ﴾ بتلایا کہ یہ آیت منسوخ ہے۔)

﴿يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾[3] کی قراءت میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فدیہ کی اضافت اور مساکین کو جمع کے ساتھ پڑھا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص رزہ نہ رکھے اس کے ذمے مساکین کے کھانے کا فدیہ ہے۔ امام نافع اور ذکوان نے بھی اسی طرح پڑھا ہے لیکن جمہور قراء نے ﴿فِدْيَةٌ﴾ کو تنوین اور ﴿مِسْكِينٍ﴾ کو مفرد کے صیغے سے پڑھا ہے اور ﴿طَعَامُ﴾ کو اس لئے مرفوع پڑھا گیا ہے کہ یہ فدیہ سے بدل واقع ہو رہا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک فدیہ دینے کی مذکورہ صورت منسوخ ہے۔ ان کے نزدیک فدیے کا حکم ابتدائے اسلام میں تھا جب کہ لوگ روزے کے ابھی عادی نہیں ہوئے تھے جب لوگ اس کے عادی ہو گئے تو اس رعایت کو ختم کر دیا گیا۔ اس کی ناسخ اگلی آیت ہے: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾[4] (جو شخص اس مہینے میں موجود ہو وہ پورے مہینے کے روزے رکھے۔)

اسی طرح صحیح بخاری کی ایک اور روایت ہے:

((عَنْ سَلَمَةَ، قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾كَانَ مَنْ أَرَادَ أَنْ يُفْطِرَ وَيَفْتَدِيَ حَتَّى نَزَلَتِ الآيَةُ الَّتِي بَعْدَهَا فَنَسَخَتْهَا.مَاتَ بُكَيْرٌ قَبْلَ يَزِيدَ.))[5]

---

1 البقرہ:185

2 ایضاً، باب: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾، حدیث 4506-

3 البقرہ:184

4 البقرۃ:185

5 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾، حدیث 4507-

(سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾[1] تو جس کا جی چاہتا تھا روزہ چھوڑ دیتا تھا اور اس کے بدلے میں فدیہ دے دیتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے بعد والی آیت نازل ہوئی اور اس نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا۔ ابو عبد اللہ (امام بخاریؒ) نے کہا کہ بکیر کا انتقال یزید سے پہلے ہو گیا تھا۔ بکیر جو یزید کے شاگرد تھے یزید سے پہلے 120ھ میں مر گئے تھے۔)

﴿يُطِيقُونَهُ﴾ کے معنی اگر استطاعت کیے جائیں تو یہ آیت منسوخ ہے جیسا کہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے اور یہ کبار صحابہ میں سے ہیں اور اس کے معنی اگر عدم استطاعت کیے جائیں تو یہ آیت منسوخ نہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف ہے۔ ان کے نزدیک یہ آیت انتہائی بوڑھے شخص کے متعلق ہے۔

4. ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴾[2]

(اور کھاؤ اور پیو، یہاں تک کہ تمھارے لیے سیاہ دھاگے سے سفید دھاگا فجر کا خوب ظاہر ہو جائے، پھر روزے کو رات تک پورا کرو اور ان سے مباشرت مت کرو جب کہ تم مسجدوں میں معتکف ہو۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں، سو ان کے قریب نہ جاؤ۔ اسی طرح اللہ اپنی آیات لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ وہ بچ جائیں۔)

((عَنْ عَدِيٍّ، قَالَ أَخَذَ عَدِيٌّ عِقَالاً أَبْيَضَ وَعِقَالاً أَسْوَدَ حَتَّى كَانَ بَعْضُ اللَّيْلِ نَظَرَ فَلَمْ يَسْتَبِينَا، فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، جَعَلْتُ تَحْتَ وِسَادَتِي. قَالَ " إِنَّ وِسَادَكَ إِذًا لَعَرِيضٌ أَنْ كَانَ الْخَيْطُ الأَبْيَضُ وَالأَسْوَدُ تَحْتَ وِسَادَتِكَ ".))[3]

(عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انھوں نے ایک سفید دھاگا اور ایک سیاہ دھاگا لیا (اور سوتے ہوئے اپنے ساتھ رکھ لیا)۔ جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو انہوں نے اسے دیکھا، وہ دونوں میں تمیز نہیں ہوئی۔ جب صبح ہوئی تو عرض کیا: یا نبی کریم! میں نے اپنے تکئے کے نیچے (سفید و سیاہ دھاگے رکھے تھے اور کچھ نہیں ہوا) تو نبی کریم ﷺ نے اس پر بطور مذاق کے فرمایا کہ پھر تو تمہارا تکیہ بہت لمبا چوڑا ہو گا کہ صبح کا سفیدی خط اور سیاہ خط اس کے نیچے آ گیا تھا۔)

---

1 البقرہ:184

2 البقرہ:187

3 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ وَلاَ تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿تَتَّقُونَ﴾، حدیث 4509-

امام بخاری ایک اور روایت بیان کرتے ہیں:

((عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ . رضی الله عنه . قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا الْخَيْطُ الأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الأَسْوَدِ أَهُمَا الْخَيْطَانِ قَالَ " إِنَّكَ لَعَرِيضُ الْقَفَا إِنْ أَبْصَرْتَ الْخَيْطَيْنِ".ثُمَّ قَالَ"لاَ بَلْ هُوَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَبَيَاضُ النَّهَارِ ".))[1]

(عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا: یانبی کریم!(آیت میں) ﴿الْخَيْطُ الأَبْيَضُ ﴾اور ﴿الْخَيْطِ الأَسْوَدِ ﴾سے کیا مراد ہے؟ کیا ان سے مراد دو دھاگے ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمہاری کھوپڑی پھر تو بڑی لمبی چوڑی ہو گی۔ اگر تم نے رات کو دو دھاگے دیکھے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ان سے مراد رات کی سیاہی اور صبح کی سفیدی ہے۔)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ آیت کریمہ کا مطلب یہ سمجھے کہ ﴿الْخَيْطُ الأَبْيَضُ﴾اور ﴿الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ﴾ سے مراد در حقیقت سیاہ اور سفید ڈورے ہیں حالانکہ آیت مذکورہ میں کالی دھاری سے رات کی تاریکی اور سفید دھاری سے صبح کی روشنی مراد ہے۔ سفید دھاری جب کھڑی نظر آئے تو یہ صبح کاذب اور جب عرض(چوڑائی) میں پھیل جائے تو صبح صادق ہے۔ عرب جب کسی کے متعلق" عَرِيضُ الْقَفَا "کہتے ہیں تو اس سے مراد اس کی غباوت اور غفلت ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ اگر رات اور دن تیرے تکیے کے نیچے آجائیں تو پھر غفلت کی نیند سوتا ہو گا جو کم عقلی کی علامت ہے۔ اس سے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی مذمت مقصود نہیں کیونکہ انہوں نے اہل زبان ہونے کی حیثیت سے فوراً ذہن میں آنے والا مفہوم اخذ کیا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنی زبان دانی کے بل بوتے پر قرآن کو سمجھنا حماقت کی علامت ہے اس کے لئے صاحب قرآن کی وضاحت نہایت ضروری ہے۔

امام بخاریؒ مزید روایت پیش کرتے ہیں:

((عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ وَأُنْزِلَتْ ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الأَسْوَدِ﴾ وَلَمْ يُنْزَلْ ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾وَكَانَ رِجَالٌ إِذَا أَرَادُوا الصَّوْمَ رَبَطَ أَحَدُهُمْ فِي رِجْلَيْهِ الْخَيْطَ الأَبْيَضَ وَالْخَيْطَ الأَسْوَدَ، وَلاَ يَزَالُ يَأْكُلُ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُ رُؤْيَتُهُمَا، فَأَنْزَلَ اللَّهُ بَعْدَهُ ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ فَعَلِمُوا أَنَّمَا يَعْنِي اللَّيْلَ مِنَ النَّهَارِ.))[2]

---

1 ایضاً، حدیث4510-

2 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ وَلاَ تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿تَتَّقُونَ﴾، حدیث4511-

(سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الأَسْوَدِ﴾[1] اور ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ کے الفاظ ابھی نازل نہیں ہوئے تھے تو کئی لوگ جب روزہ رکھنے کا ارادہ کرتے تو اپنے دونوں پاؤں میں سفید اور سیاہ دھاگا باندھ لیتے اور پھر جب تک وہ دونوں دھاگے صاف دکھائی دینے نہ لگ جاتے برابر کھاتے پیتے رہتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ کے الفاظ اتارے تب ان کو معلوم ہوا کہ کالے دھاگے سے رات اور سفید دھاگے سے دن مراد ہے۔)

"کچھ لوگوں" سے مراد حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نہیں ہیں کیونکہ ان کا قصہ ان کے بعد کا ہے، نیز وہ سفید اور سیاہ دھاگا اپنے تکیے کے نیچے رکھتے تھے جب کہ حدیث میں مذکور کچھ لوگ ان دھاگوں کو اپنے پاؤں سے باندھتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے: ((إِنِّي أَجْعَلُ تَحْتَ وِسَادَتِي عِقَالَيْنِ عِقَالاً أَبْيَضَ وَعِقَالاً أَسْوَدَ))[2](وہ آدمی (عدی بن حاتم) ان سفید اور سیاہ دھاگوں کو اپنے تکیے کے نیچے رکھتے تھے۔)

اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ پاؤں سے باندھ لیتے اور کچھ تکیے کے نیچے رکھ لیتے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سحری تک وہ ان دھاگوں کو اپنے تکیوں کے نیچے رکھتے ہوں پھر انہیں پاؤں سے باندھ لیتے ہوں تاکہ آسانی سے ان کا مشاہدہ کیا جا سکے۔

واضح رہے ﴿الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ﴾ اور ﴿الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ﴾ میں دو احتمال حسب ذیل ہیں: حقیقت میں روئی کا سفید اور سیاہ دھاگا ہو جیسا کہ ظاہر الفاظ سے فوراً ذہن میں آتا ہے۔ مجاز کے طور پر صبح کی سفیدی اور رات کی تاریکی کا احتمال بھی ہو سکتا ہے، تاہم ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ کے الفاظ سے تعیین کر دی کہ ﴿الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ﴾ سے مراد سپیدہ صبح اور ﴿الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ﴾ سے مراد تاریکی شب ہے۔

خلاصہ بحث

عربی زبان میں روزے کے لئے صوم کا لفظ استعمال ہوتا ہے لغوی طور پر اس کے معنی رکن جانا ہیں یعنی کھانے پینے، بولنے، جماع کرنے یا چلنے سے رک جانا۔ شرعی تعریف یہ ہے کہ مخصوص شرائط کے ساتھ مخصوص ایام میں مخصوص اشیاء سے مخصوص وقت میں رک جانے کا نام صوم ہے۔ دوسرے لفظوں میں عبادت کی نیت سے طلوع فجر سے غروب آفاب تک کھانے، پینے اور ازدواجی تعلقات سے باز رہنے کا نام روزہ ہے۔

1البقرہ:187

2قشیری، ابو الحسین، مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، كِتَاب الصِّيَامِ ، باب بَيَانِ أَنَّ الدُّخُولَ فِي الصَّوْمِ يَحْصُلُ بِطُلُوعِ الْفَجْرِ وَأَنَّ لَهُ الأَكْلَ وَغَيْرَهُ حَتَّى يَطْلُعَ الْفَجْرُ وَبَيَانِ صِفَةِ الْفَجْرِ الَّذِي تَتَعَلَّقُ بِهِ الأَحْكَامُ مِنَ الدُّخُولِ فِي الصَّوْمِ وَدُخُولِ وَقْتِ صَلاَةِ الصُّبْحِ وَغَيْرِ ذَلِكَ ، حدیث2533(1090)۔

دراصل انسان کو اللہ تعالیٰ نے روحانیت اور حیوانیت سے مرکب بنایاہے اس کی طبیعت میں وہ سارے مادی اور سفلی تقاضے بھی ہیں جو دوسرے حیوانوں میں ہوتے ہیں اور اس کی فطرت میں روحانیت کا وہ نورانی جوہر بھی ہے جو فرشتوں کے لئے خاص غذا اور دولت ہے۔ انسان کی سعادت کا دارومدار اسی پر ہے کہ اس کا روحانی عنصر، حیوانی عنصر پر غالب رہے اور اسے ان حدود کا پابند رکھے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر عائد کی ہیں اس کے لئے ضروری ہے کہ انسان کا حیوانی پہلو اس کے روحانی پہلو کا فرمانبر دار اور اطاعت شعار ہو جائے اور اس کے مقابلے میں سرکشی اور بغاوت نہ کرے۔ روزے کا مقصد بھی یہی ہے کہ اس کے ذریعے سے انسان کی حیوانیت کو کنٹرول کیا جائے اور اسے شرعی احکام کی پابندی، نیز ایمانی اور روحانی تقاضوں کی فرمانبرداری کا عادی بنایا جائے۔ روزہ چونکہ انسان کی حیوانی قوت کو اس کی روحانی قوت کے تابع رکھنے اور اللہ کے احکام کے مقابلے میں خواہشات نفس اور تقاضائے شہوت کو دبانے کی عادت ڈالنے کا خاص ذریعہ ہے اس لئے سابقہ امتوں کو بھی اس کا حکم دیا گیا تھا۔ اگرچہ روزوں کی مدت اور دوسرے تفصیلی احکام میں خاص حالات وضروریات کے لحاظ سے کچھ فرق بھی تھا تاہم مقصد میں یکسانیت ضرور تھی جسے اللہ تعالیٰ نے بایں الفاظ بیان کیا ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾[1] (تاکہ تم تقویٰ شعار بن جاؤ۔)

اس امت کے لئے سال میں ایک ماہ کے روزے فرض کئے گئے اور روزے کا وقت طلوع سحر سے غروب آفاب تک رکھا گیا۔ بلاشبہ یہ مدت اور یہ وقت مذکورہ بالا مقصد کے حصول کے لئے نہایت معتدل اور مناسب ہے کیونکہ اس سے کم مدت میں نفس کی تربیت کا مقصد حاصل نہیں ہوتا اور اگر وقت اس سے زیادہ رکھا جاتا تو اکثریت کے لئے ناقابل برداشت ہوتا۔ بہرحال طلوع فجر سے غروب آفتاب تک کا وقت اور سال میں ایک مہینے کی مدت عام انسان کے حالات وظروف کے اعتبار سے مقصد تربیت کے لئے بالکل مناسب اور معتدل ہے۔

امام بخاریؒ نے اس کے تحت ایک 1891 سے 2007 تک احادیث ذکر کیں ہیں پھر ان احادیث پر (69) کے قریب چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کرکے روزے کے متعلق متعدد احکام ومسائل کا استنباط کیا ہے ہم چند ایک کا بطور نمونہ ذکر کرتے ہیں۔

وجوب روزہ، فضیلت روزہ، ماہ رمضان میں سخاوت کرنا، روزے کی ابتدا اور انتہائے سحری کے مسائل، اس کا وقت، بحالت جنابت روزہ رکھنا، دن کے وقت روزے کی نیت کرنا، دوران روزہ بیوی سے بوس وکنار کرنا، بحالت روزہ غسل کرنا، بھول کر کھاپی لینا، دوران روزہ تازہ یاخشک مسواک کرنا، بحالت روزہ بیوی سے جماع اور اس کا کفارہ، روزے کی حالت میں سنگی لگوانا یاقے کرنا، دوران سفر میں روزے رکھنا، روزے کی قضا کا وقت، حائضہ عورت کے لئے

---

1 البقرۃ:183

روزے کی احکام، افطاری کے مسائل، افطاری کے بعد اگر سورج نظر آ جائے، وصال کی شرعی حیثیت، نفلی روزے اور اسوہ نبوی۔

امام بخاریؒ نے مذکورہ مسائل اور دیگر احکام براہ راست احادیث سے اخذ کئے ہیں جن سے امام صاحب کی بصیرت و فراست کا پتہ چلتا ہے۔ بہر حال امام بخاریؒ نے ایک سو ستاون احادیث بیان کی ہیں۔ پچیس احادیث کے علاوہ دیگر احادیث کو امام مسلمؒ نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ احادیث کے علاوہ تقریباً ساٹھ آثار بھی بیان کئے ہیں جو متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظامؒ سے مروی ہیں۔

واضح رہے کہ اس مہینے کو رمضان اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے معنی جلنے کے ہیں اور جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تھے اس وقت سخت گرمی تھی اس لئے یہ مہینہ رمضان سے موسوم ہوا نیز اس ماہ میں روزہ رکھنے والوں کے گناہ جل جاتے ہیں۔ عورت، مریض اور مسافر کے لئے کچھ رعایت بھی ہے۔ امام بخاریؒ نے ماہ رمضان کے روزوں کا بیان ارکان اسلام کے آخر میں کیا ہے۔

مبحث دوم:

الکافی کی صوم سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

الکافی کتاب الصیام حدیث نمبر 6252 سے 6705 تک ہے۔یعنی اس میں 453 احادیث روایت کی گئی ہیں، اس کتاب میں 83 ابواب ہیں۔ پہلے باب کا نام" بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّوْمِ وَالصَّائِمِ "ہے اور آخری باب کا نام" بَابُ النَّوَادِرِ "ہے۔ آپ نے تفسیری روایات کو بھی بیان کیا ہے،ذیل میں ہم الکافی کی الصوم سے متعلق تفسیری احادیث و آثار کو پیش کرتے ہیں۔

1. ﴿أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾[1]

(گنے ہوئے چند دنوں میں، پھر تم میں سے جو بیمار ہو، یا کسی سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرنا ہے اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہوں ان پر فدیہ ایک مسکین کا کھانا ہے، پھر جو شخص خوشی سے کوئی نیکی کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے اور یہ کہ تم روزہ رکھو تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔)

((عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عليه‌السلام فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ﴾ قَالَ : « الشَّيْخُ الْكَبِيرُ وَالَّذِي يَأْخُذُهُ الْعُطَاشُ ».وَعَنْ قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ :﴿فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِيناً ﴾ قَالَ : « مِنْ مَرَضٍ ، أَوْ عُطَاشٍ ».))[2]

(ابو جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کا فرمان ہے:﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ﴾(اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہوں ان پر فدیہ ایک مسکین کا کھانا ہے۔)ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِيناً ﴾(پس جو شخص کفارہ روزہ نہ رکھ سکتا ہو تو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے خواہ وہ بیماری یا پیاس سے روزہ نہ رکھ سکتا ہو۔)

ایک روایت میں ہے:

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾ قَالَ : « الَّذِينَ كَانُوا يُطِيقُونَ الصَّوْمَ ، فَأَصَابَهُمْ كِبَرٌ أَوْ عُطَاشٌ أَوْ شِبْهُ ذلِكَ ، فَعَلَيْهِمْ لِكُلِّ يَوْمٍ مُدٌّ ».))[3]

---

1 البقرہ:184

2 کلینی،ابو جعفر،محمد بن یعقوب،الکافی،کتاب الصیام، بَابُ الشَّيْخِ وَالْعَجُوزِ يَضْعُفَانِ عَنِ الصَّوْمِ،ج7،حدیث 6447-

3 ایضاً،حدیث 6451-

(ابو عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ آپ نے اس آیت ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾ کے متعلق فرمایا: جو مشقت کی وجہ سے روزہ رکھ پاتے ہوں وہ بدلے میں مسکین کو کھانا کھلائیں یا جو زیادہ بوڑھے ہوگئے ہوں یا پیاس کی وجہ سے بیمار ہوں تو ہر روز ایک مد[1] کسی مسکین کو دیں۔)

امام کلینیؒ اس کی تفسیر کے لیے ایک اور روایت پیش کرتے ہیں:

((مَا حَدُّ الْمَرَضِ الَّذِي يُفْطِرُ فِيهِ صَاحِبُهُ ، وَالْمَرَضِ الَّذِي يَدَعُ صَاحِبُهُ الصَّلَاةَ قَائِماً ؟ قَالَ: ﴿ بَلِ الْإِنْسانُ عَلى نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ﴾ وَقَالَ : « ذَاكَ إِلَيْهِ،هُوَ أَعْلَمُ بِنَفْسِهِ».))[2]

(اس بیماری کی حد کیا ہے جس سے انسان کو روزہ نہیں چاہیے اور اس بیماری کی کیا حد ہے جس کی وجہ سے نماز ترک کی جائے؟ آپ (ابو عبداللہ علیہ السلام) نے فرمایا: (درحقیقت انسان اپنے آپ پر بصیرت رکھتا ہے) اور فرمایا: یہ تو اسی کو اندازہ کرنا ہے کہ وہ روزہ رکھ سکتا ہے یا نہیں اور نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔)

2. ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾[3]

(پس تم میں سے جو کوئی اس مہینے کو پائے اسے چاہیے کہ وہ مہینے بھر روزے رکھے۔)

((عَنْ عُبَيْدِ بْنِ زُرَارَةَ ، قَالَ :قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام : قَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾ ؟قَالَ : « مَا أَبْيَنَهَا ، مَنْ شَهِدَ فَلْيَصُمْهُ ، وَمَنْ سَافَرَ فَلَا يَصُمْهُ ».))[4]

(میں نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "پس تم میں سے جو کوئی اس مہینے کو پائے اسے چاہیے کہ وہ مہینے بھر روزے رکھے۔"؟ آپ نے فرمایا: میں واضح نہیں کرتا، جو اس مہینے کو پائے وہ روزہ رکھے اور جو سفر کرے وہ روزہ نہ رکھے۔)

رمضان المقدس اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص نعمت ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، اس قرآنی آیت سے اور مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کہ جب یہ ماہ مقدس آئے تو ہر مسلمان کو روزہ رکھنا چاہیے البتہ اگر کوئی شخص سفر میں ہے تو اس کو حالت سفر میں رخصت ہے۔

3. ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴾[1]

---

1 اہل علم نے ایک مد کی مقدار 650 گرام بیان کی ہے۔ مجلہ بحوث الاسلامیہ، 59، ص 178-

2 کلینی، ابوجعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصیام، بَابُ حَدِّ الْمَرَضِ الَّذِي يَجُوزُ لِلرَّجُلِ أَنْ يُفْطِرَ فِيهِ، ج7، حدیث 6456-

3 البقرہ: 185

4 کلینی، ابوجعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصیام، بَابُ كَرَاهِيَةِ الصَّوْمِ فِي السَّفَرِ، حدیث 6496-

(اور کھاؤ اور پیو، یہاں تک کہ تمھارے لیے سیاہ دھاگے سے سفید دھاگا فجر کا خوب ظاہر ہو جائے، پھر روزے کو رات تک پورا کرو اور ان سے مباشرت مت کرو جب کہ تم مسجدوں میں معتکف ہو۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں، سو ان کے قریب نہ جاؤ۔ اسی طرح اللہ اپنی آیات لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ وہ بچ جائیں۔)

((عَنْ سَمَاعَةَ بْنِ مِهْرَانَ ، قَالَ :سَأَلْتُهُ عَنْ رَجُلَيْنِ قَامَا ، فَنَظَرَا إِلَى الْفَجْرِ ، فَقَالَ أَحَدُهُمَا : هُوَ ذَا ، وَقَالَ الْآخَرُ : مَا أَرى شَيْئاً؟ قَالَ : « فَلْيَأْكُلِ الَّذِي لَمْ يَسْتَبِنْ لَهُ الْفَجْرُ ، وَقَدْ حَرُمَ عَلَى الَّذِي زَعَمَ أَنَّهُ رَأَى الْفَجْرَ ؛ إِنَّ اللهَ – عَزَّ وَجَلَّ – يَقُولُ : ﴿ كُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾))[2]

(سماع بن مہران بیان کرتے ہیں کہ: میں نے اس سے دو آدمیوں کے بارے میں پوچھا جنہوں نے اٹھ کر فجر کی طرف دیکھا تو ان میں سے ایک نے کہا: یہ ہے اور دوسرے نے کچھ اور کہا؟ آپ نے فرمایا: "جس نے صبح نہ دیکھی وہ کھائے، اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے فجر دیکھی ہے، اسے حرام کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ كُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾[3] (اور کھاؤ اور پیو، یہاں تک کہ تمھارے لیے سیاہ دھاگے سے سفید دھاگا فجر کا خوب ظاہر ہو جائے۔)

ایک روایت میں ہے:

((سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنِ﴿ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ﴾ ؟فَقَالَ : « بَيَاضُ النَّهَارِ مِنْ سَوَادِ اللَّيْلِ ». قَالَ : « وَكَانَ بِلَالٌ يُؤَذِّنُ لِلنَّبِيِّ صلى‌الله‌عليه‌وآله وَابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ – وَكَانَ أَعْمى – يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ ، وَيُؤَذِّنُ بِلَالٌ حِينَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى‌الله‌عليه‌وآله : إِذَا سَمِعْتُمْ صَوْتَ بِلَالٍ ، فَدَعُوا الطَّعَامَ وَالشَّرَابَ ، فَقَدْ أَصْبَحْتُمْ ».))[4]

(ابو عبداللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا﴿الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ﴾؟ انہوں نے فرمایا: اس سے مراد دن کی سفیدی رات کی تاریکی ہے۔ انہوں نے کہا: نبی اکرم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو آذان کی اجازت دی تھی، حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا صحابی تھے، وہ رات کو اذان دیتے تھے۔ اور حضرت بلال صبح کے وقت آذان دیتے تھے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر تم کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز سنائی دے تو کھانا پینا چھوڑ دو۔)

1البقرہ:187

2کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصیام، بَابُ مَنْ أَكَلَ أَوْ شَرِبَ وَهُوَ شَاكٌّ فِي الْفَجْرِ أَوْ بَعْدَ طُلُوعِهِ، ج7، حدیث 6367-

3البقرہ:187

4کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصیام، بَابُ الْفَجْرِ مَا هُوَ وَمَتى يَحِلُّ وَمَتى يَحْرُمُ الْأَكْلُ، ج7، حدیث6370-

4. ﴿و إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾[1]

(بے شک مہینوں کی گنتی، اللہ کے نزدیک، اللہ کی کتاب میں بارہ مہینے ہے، جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔)

(عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ علیہ‌السلام ، قَالَ : « ﴿ إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللهِ اثْنا عَشَرَ شَهْراً فِي كِتابِ اللهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّماواتِ وَالْأَرْضَ ﴾ فَغُرَّةُ الشُّهُورِ شَهْرُ اللهِ عَزَّ ذِكْرُهُ ، وَهُوَ شَهْرُ رَمَضَانَ ، وَقَلْبُ شَهْرِ رَمَضَانَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ، وَنُزِّلَ الْقُرْآنُ فِي أَوَّلِ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ ، فَاسْتَقْبِلِ الشَّهْرَ بِالْقُرْآنِ ».)[2]

(حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ ماہ ہیں، اللہ کی کتاب میں آسمان وزمین کے پیدا ہونے کے دن سے، پس رمضان کا چاند اللہ کے مہینے کا چاند ہے، یہ رمضان کا ماہ وہ ہے جس میں شب قدر ہے اور اس کی پہلی رات میں قرآن مجید کی وجہ سے استقبال کرو۔)

مذکورہ روایت سے سال میں ماہ کی تعداد کو بیان کیا گیا ہے کہ ایک سال میں بارہ ماہ ہیں، ان میں ایک ماہ رمضان المبارک کا بھی ہے، جس میں ایک رات شب قدر بھی ہے، یہ رحمتوں والی رات ہے۔ اس میں ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے۔ اور اسی رات رحمت والے فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔

5. ﴿إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا﴾[3]

(میں نے تو رحمان کے لیے روزے کی نذر مانی ہے۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ علیہ‌السلام ، قَالَ : « إِنَّ الصِّيَامَ لَيْسَ مِنَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ وَحْدَهُ ». ثُمَّ قَالَ: « قَالَتْ مَرْيَمُ : ﴿ إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمنِ صَوْماً ﴾ أَيْ صَوْماً صَمْتاً – وَفِي نُسْخَةٍ أُخْرى : أَيْ صَمْتاً – فَإِذَا صُمْتُمْ فَاحْفَظُوا أَلْسِنَتَكُمْ ، وَغُضُّوا أَبْصَارَكُمْ ، وَلَا تَنَازَعُوا وَلَاتَحَاسَدُوا ».))[4]

(ابو عبد اللہ علیہ السلام فرماتے ہیں: روزہ صرف کھانے پینے سے رک جانے کا نام نہیں، پھر فرمایا، مریم علیہ السلام نے کہا: "میں نے تو رحمان کے لیے روزے کی نذر مانی ہے۔" یعنی خاموشی، مطلب یہ ہے کہ بد گوئی سے زبان کو روکا جائے۔ صمت کا مطلب یہ ہے کہ اپنی زبانوں کی حفاظت کرو۔ اپنی آنکھوں کو نیچا رکھو، جھگڑا نہ کرو اور ایک دوسرے سے حسد نہ کرو۔)

---

1 التوبہ:36

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصیام، بَابُ فَضْلِ شَهْرِ رَمَضَانَ، ج7، حدیث 6269/1-

3 مریم:25

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصیام، بَابُ أَدَبِ الصَّائِمِ، ج7، حدیث 6322/3-

اس روایت سے واضح ہوا کہ روزہ کی حالت میں زبان کی حفاظت کی جائے، آنکھوں کی حفاظت کی جائے، نیز لڑائی اور فتنہ وفساد سے اجتناب کیا جائے۔ بلکہ خاموشی کو اپنا جائے۔ جس طرح حضرت مریم نے فرمایا ہے: کہ میں روزے کی نذر مانی ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام ، قَالَ: « وَسَمِعَ رَسُولُ اللهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله امْرَأَةً تَسُبُّ جَارِيَةً لَهَا وَهِيَ صَائِمَةٌ ، فَدَعَا رَسُولُ اللهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله بِطَعَامٍ ، فَقَالَ لَهَا : كُلِي ، فَقَالَتْ : إِنِّي صَائِمَةٌ ، فَقَالَ : كَيْفَ تَكُونِينَ صَائِمَةً وَقَدْ سَبَبْتِ جَارِيَتَكِ؟! إِنَّ الصَّوْمَ لَيْسَ مِنَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ ». قَالَ : وَقَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام : « إِذَا صُمْتَ ، فَلْيَصُمْ سَمْعُكَ وَبَصَرُكَ مِنَ الْحَرَامِ وَالْقَبِيحِ ، وَ دَعِ الْمِرَاءَ وَأَذَى الْخَادِمِ ، وَلْيَكُنْ عَلَيْكَ وَقَارُ الصِّيَامِ ، وَلَاتَجْعَلْ يَوْمَ صَوْمِكَ كَيَوْمِ فِطْرِكَ ».)[1]

(ابو عبد اللہ علیہ السلام فرماتے ہیں: کہ نبی کریم ﷺ نے ایک عورت کو روزہ کی حالت میں اپنی کنیز کو گالیاں دیتے ہوئے سنا، نبی کریم ﷺ نے اسے بلایا اور کھانا منگوا کر اسے کھانے کے لیے کہا، اس عورت نے کہا: کہ میں تو روزے کی حالت میں ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تیرا روزہ کہاں ہے جب کہ تم اپنی لونڈی کو گالیاں دے رہی تھی، روزہ کھانے پینے سے رک جانے کا نام نہیں ہے۔ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: جب تم روزہ رکھو تو کان اور آنکھ کی حفاظت کرو، قبیح سے بچو، جھگڑا نہ کرو، نوکر کو تکلیف نہ دو، روزہ کا وقار قائم رکھو اور عام دنوں کی طرح روزہ کی حالت میں نہیں ہونا چاہیے۔)

امام کلینیؒ نے اس کی وضاحت کے لیے ایک اور روایت پیش کرتے ہیں:

((عَنْ أَبِي بَصِيرٍ ، قَالَ :سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام يَقُولُ : « إِنَّ الصِّيَامَ لَيْسَ مِنَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ وَحْدَهُ ؛ إِنَّ مَرْيَمَ عليهاالسلام قَالَتْ : ﴿ إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمنِ صَوْماً ﴾ أَيْ صَمْتاً ، فَاحْفَظُوا أَلْسِنَتَكُمْ ، وَغُضُّوا أَبْصَارَكُمْ ، وَلَاتَحَاسَدُوا ، وَلَا تَنَازَعُوا ، فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْإِيمَانَ ، كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ».))[2]

(علی بن بصیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے، آپ فرماتے ہیں: روزہ صرف کھانے پینے سے روکنے کا نام نہیں ہے، حضرت مریم علیہ السلام نے کہا تھا: " میں نے تو رحمان کے لیے روزے کی نذر مانی ہے۔ "یعنی روزہ کی حالت میں خاموشی اور اپنی زبان کی حفاظت کرو، اپنی نظروں کو نیچا رکھو، جھگڑا نہ کرو اور حسد نہ کرو کیوں کہ حسد ایمان کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔)

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصیام، بَابُ أَدَبِ الصَّائِمِ، ج7، حدیث 6323/4-

2 ایضاً، حدیث 6328/9-

6. ﴿شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ﴾[1]

(توپے در پے دوماہ کے روزے رکھنا ہے۔ یہ بطور توبہ اللہ کی طرف سے ہے۔)

((عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُلَيْمَانَ ، عَنْ أَبِيهِ ،قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام : مَا تَقُولُ فِي الرَّجُلِ يَصُومُ شَعْبَانَ وَشَهْرَ رَمَضَانَ؟ قَالَ : « هُمَا الشَّهْرَانِ اللَّذَانِ قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالى : ﴿شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللهِ﴾ ».قُلْتُ : فَلَا يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا؟ قَالَ : « إِذَا أَفْطَرَ مِنَ اللَّيْلِ فَهُوَ فَصْلٌ ، وَإِنَّمَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله : لَاوِصَالَ فِي صِيَامٍ ، يَعْنِي لَايَصُومُ الرَّجُلُ يَوْمَيْنِ مُتَوَالِيَيْنِ مِنْ غَيْرِ إِفْطَارٍ ، وَقَدْ يُسْتَحَبُّ لِلْعَبْدِ أَنْ لَا يَدَعَ السَّحُورَ».))[2]

(محمد بن سلیمان نے اپنے باپ سے نقل کیا، وہ فرماتے ہیں: میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے کہا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو شعبان اور رمضان دونوں ماہ کے روزے رکھے؟ آپ نے فرمایا: ان دونوں ماہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:" توپے در پے دوماہ کے روزے رکھنا ہے۔ یہ بطور توبہ اللہ کی طرف سے ہے۔" میں نے سوال کیا کہ ان دونوں ماہ کے درمیان فاصلہ نہ دیں؟ تو آپ نے فرمایا: جب روزہ افطار ہو گا تو یہی رات کا فاصلہ ہو جائے گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: روزہ میں اتصال نہیں، یعنی بغیر افطار دو روزے لگاتار نہ رکھے اور سحری کھانا ترک نہ کرے۔)

مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوا کہ دوماہ کے روزے رکھے جاسکتے ہیں، یعنی شعبان کے اور رمضان کے روزے رکھے جاسکتے ہیں، اس میں فاصلہ نہ بھی دیں تو کوئی حرج والی بات نہیں ہے، بلکہ ان دونوں ماہ میں سحری اور افطاری کا فاصلہ ہے۔ البتہ اس چیز کو خیال رکھنا لازم اور ضروری ہے کہ وصال کے روزے نہیں رکھنے چاہیے، یعنی سحری اور افطاری کے علاوہ دوروزے ایک ساتھ رکھنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

7. ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾[3]

(جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لیے اس جیسی دس نیکیاں ہوں گی۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام أَنَّهُ سأَلَهُ عَنِ الصَّوْمِ فِي الْحَضَرِ؟ فَقَالَ : « ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ فِي كُلِّ شَهْرٍ : الْخَمِيسُ مِنْ جُمْعَةٍ ، وَالْأَرْبِعَاءُ مِنْ جُمْعَةٍ ، وَالْخَمِيسُ مِنْ جُمْعَةٍ أُخْرى ». وَقَالَ: « قَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عليه‌السلام : صِيَامُ شَهْرِ الصَّبْرِ وَثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ يَذْهَبْنَ بِبَلَابِلِ الصُّدُورِ ، وَصِيَامُ

---

1 النساء:92

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصیام، بَابُ فَضْلِ صَوْمِ شَعْبَانَ وَصِلَتِهِ بِرَمَضَانَ وَصِيَامِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي كُلِّ شَهْرٍ، ج7، حدیث 6342/5-

3 الانعام:160

ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ صِيَامُ الدَّهْرِ ؛ إِنَّ اللهَ – عَزَّ وَجَلَّ – يَقُولُ: ﴿ مَنْ جاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثالِها ﴾ ».))[1]

(حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضر کے روزے سے متعلق سوال کیا گیا کہ تین دن ہر ماہ میں پہلے جمعہ سے پہلے جمعرات کو اور دوسرے جمعہ سے پہلے چہار شنبہ کو اور آخری جمعہ سے پہلے پہلی جمعرات کو؟ اور امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: ماہ رمضان کا نام صبر ہے اور ہر ماہ تین روزے رکھنا سینوں سے وسوسوں کو دور کرتا ہے اور یہ صیام الدہر کہلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ مَنْ جاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثالِها ﴾ (جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لیے اس جیسی دس نیکیاں ہوں گی۔)

ایک روایت میں ہے:

((سَأَلْتُ أَبَا الْحَسَنِ علیہ‌السلام عَنِ الصِّيَامِ فِي الشَّهْرِ : كَيْفَ هُوَ؟ قَالَ : « ثَلَاثٌ فِي الشَّهْرِ ، فِي كُلِّ عَشْرٍ يَوْمٌ ؛ إِنَّ اللهَ – تَبَارَكَ وَتَعَالى – يَقُولُ : ﴿ مَنْ جاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثالِها ﴾ ؛ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ فِي الشَّهْرِ صَوْمُ الدَّهْرِ ».))[2]

(میں نے امام ابو الحسن علیہ السلام [3] سے مہینوں کے روزوں سے متعلق پوچھا کہ کتنے دن رکھے جائیں؟ تو آپ نے فرمایا: ہر ماہ میں دس دن کے بعد ایک دن اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ مَنْ جاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثالِها ﴾ (جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لیے اس جیسی دس نیکیاں ہوں گی۔) پس ہر ماہ تین دن کے روزے پورے مہینہ کے روزوں کے برابر ہو جاتے ہیں۔)

ان دونوں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ماہ میں کم از کم تین روزے رکھنے چاہیے، اور یہ نفلی روزوں کے بارے میں بیان کیا جا رہا ہے، رمضان المبارک کے روزے تو فرض ہیں، اس لیے وہ تو پورا ماہ ہی روزہ رکھیں گے۔ البتہ نبی کریم ﷺ نے نفلی روزے بھی رکھا کرتے تھے، اور آپ ﷺ نے امت مسلمہ کو بھی نفلی روزے رکھنے کی ترغیب دی ہے۔

امام کلینیؒ نے اس کی تفسیر پر ایک اور روایت پیش کی ہے:

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصیام، بَابُ فَضْلِ صَوْمِ شَعْبَانَ وَصِلَتِهِ بِرَمَضَانَ وَصِيَامِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي كُلِّ شَهْرٍ، ج7، حدیث 6343/6-

2 ایضاً، حدیث 6344/7-

3 علی رضا، موسیٰ کاظم کے فرزند اور اہل تشیع کے آٹھویں امام تھے۔ علی نام، رضا لقب اور ابو الحسن کنیت، حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام والد تھے اور اس لیے آپ کو پورے نام و لقب کے ساتھ یاد کیا جائے تو امام الحسن علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام کہا جائے گا۔ 11 ذی القعدہ 148ھ میں مدینہ منورہ میں ولادت ہوئی۔

((عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عليه‌السلام ، قَالَ : « مَنْ نَوَى الصَّوْمَ ، ثُمَّ دَخَلَ عَلى أَخِيهِ ، فَسَأَلَهُ أَنْ يُفْطِرَ عِنْدَهُ، فَلْيُفْطِرْ ، وَلْيُدْخِلْ عَلَيْهِ السُّرُورَ ؛ فَإِنَّهُ يُحْتَسَبُ لَهُ بِذلِكَ الْيَوْمِ عَشَرَةُ أَيَّامٍ ، وَهُوَ قَوْلُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿مَنْ جاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثالِها ﴾ ».))[1]

(حضرت ابو جعفر علیہ السلام فرماتے ہیں: کہ جو شخص روزہ کی نیت کر لے اور اپنے بھائی کے پاس جائے اور اس سے افطاری کے بارے میں کہے تو اسے منظور کرنا چاہیے تاکہ اس کے دل کو خوش کرے، اس صورت میں اسے دس روزوں کا ثواب ملے گا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿مَنْ جاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثالِها ﴾(جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لیے اس جیسی دس نیکیاں ہوں گی۔)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے، اگر کوئی شخص روزے سے ہو اور وہ کسی بھی مسلمان سے افطاری کے بارے میں کہے کہ مجھے افطاری کروادیں، تو اس مسلمان کو چاہیے کہ روزے دار کی افطاری کا بندوبست کرے، اس کا بہت زیادہ اجر ہے، یعنی اس کو دس روزوں کا اجر ملے گا، اب ایک روزے کا اجر بہت زیادہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: روزہ تو میرے لیے ہے اور اس کی جزا میں دوں گا۔ ایک روزے کا اجر اتنا زیادہ ہے تو دس روزوں کا اجر کتنا زیادہ ہو گا۔ اس معلوم ہوا کہ افطاری کروانے کا اجر بہت زیادہ ہے۔

8. ﴿بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَى نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ﴾[2]

(بلکہ انسان اپنے آپ کو خوب دیکھنے والا ہے۔)

((عَنْ عُمَرَ بْنِ أُذَيْنَةَ ،قَالَ: كَتَبْتُ إِلى أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام أَسْأَلُهُ : مَا حَدُّ الْمَرَضِ الَّذِي يُفْطِرُ فِيهِ صَاحِبُهُ ، وَالْمَرَضِ الَّذِي يَدَعُ صَاحِبُهُ الصَّلَاةَ قَائِماً ؟ قَالَ: ﴿ بَلِ الْإِنْسانُ عَلى نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ﴾وَقَالَ : « ذَاكَ إِلَيْهِ،هُوَ أَعْلَمُ بِنَفْسِهِ».))[3]

(حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام کو لکھا کہ اس مرض کی حد کتنی ہے جس میں روزہ اور نماز ترک کی رخصت ہے، تو آپ نے فرمایا: ﴿ بَلِ الْإِنْسانُ عَلى نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ﴾(انسان اپنے نفس کی حالت کو خود دیکھنے والا ہے۔) یہ تو اسی کو اندازہ کرنا ہے کہ وہ روزہ رکھ سکتا ہے یا نہیں اور نماز قائم کر سکتا ہے یا نہیں۔)

مریض کو روزہ کی رخصت ہے، اس کی مدت کے بارے میں وضاحت ہے کہ اس کا تعین انسان خود کرے گا کہ میں کتنا بیمار ہوں، اور میں روزہ کی بھوک اور پیاس کو برداشت کر سکتا ہوں یا نہیں۔ اگر وہ بھوک اور پیاس کو

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصیام، بَابُ فَضْلِ إِفْطَارِ الرَّجُلِ عِنْدَ أَخِيهِ إِذَا سَأَلَهُ ،ج7، حدیث6593/2۔

2 القیامۃ:14

3 ایضاً، بَابُ حَدِّ الْمَرَضِ الَّذِي يَجُوزُ لِلرَّجُلِ أَنْ يُفْطِرَ فِيهِ، ج7، حدیث6456/2۔

برداشت کر سکتا ہے تو اس کو روزہ رکھ لینا چاہیے، اور اگر بیماری کی وجہ سے بھوک اور پیاس کو برداشت نہیں کر سکتا تو ایسی حالت میں اسکو چاہیے کہ روزہ نہ رکھے۔ لیکن وہ تندرست ہو جائے تو جتنے روزے چھوڑے ہیں اس کو پورا کر لے۔

اس روایت میں بیماری کی حالت میں نماز کے بارے میں بھی سوال کیا گیا تھا، کہ وہ کتنی مدت تک وہ شخص نماز نہ پڑھے۔ اس کا تعین بھی انسان خود کرئے گا، کہ وہ حالت بیماری میں نماز ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ لیکن نماز کی معافی شریعت اسلامیہ میں نہیں ہے، اگر انسان کھڑے ہو کر نماز نہیں ادا کر سکتا، تو بیٹھ کر لے اور اگر بیٹھ کر بھی ادا نہیں کر سکتا تو لیٹ کر لے۔ ایسا شخص جو بیماری کی وجہ سے بے ہوش ہے، اس کو جب ہوش آئے گا تو اس کے لیے نماز ادا کرنے کا حکم ہے۔ اگر متعلقہ نماز کا وقت بے ہوشی کی حالت میں گزر چکا ہے، تو پھر بھی نماز ادا کرئے گا، البتہ ایسی حالت میں دو نمازوں کو ایک ساتھ بھی ادا کر سکتا ہے۔ یعنی ظہر و عصر ایک ساتھ، اور مغرب و عشاء ایک ساتھ ادا کیے جائیں گے۔

9. ﴿تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا﴾[1]

(وہ اپنا پھل اپنے رب کے حکم سے ہر وقت دیتا ہے۔)

((عَنْ جَعْفَرٍ ، عَنْ آبَائِهِ عليهم‌السلام : « أَنَّ عَلِيّاً – صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ – قَالَ فِي رَجُلٍ نَذَرَ أَنْ يَصُومَ زَمَاناً ، قَالَ : الزَّمَانُ خَمْسَةُ أَشْهُرٍ ، وَالْحِينُ سِتَّةُ أَشْهُرٍ ؛ لِأَنَّ اللهَ – عَزَّ وَجَلَّ – يَقُولُ : ﴿ تُؤْتِي أُكُلَها كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّها ﴾ ».))[2]

(امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: کہ ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ زمانہ تک روزہ رکھے گا تو کتنی مدت تک روزے رکھے گا؟ آپ نے فرمایا: زمانہ سے مراد پانچ ماہ اور حین سے مراد چھ ماہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ تُؤْتِي أُكُلَها كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّها ﴾ (وہ اپنا پھل اپنے رب کے حکم سے ہر وقت دیتا ہے۔) یعنی کھجور کے پھل گرمیوں میں کھائے جاتے ہیں اور اس میں پھول آتا ہے، جاڑے میں اور پھول سے خرما بننے میں چھ ماہ گزر جاتے ہیں۔)

اس روایت سے لفظ حین کی وضاحت ہے کہ اس سے مراد چھ ماہ کے ہیں، یعنی اگر کسی شخص نے حین تک روزے رکھنے کی نذر مانی ہے تو وہ چھ ماہ تک روزے رکھے گا۔

10. ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ﴾[1]

---

1 ابراہیم:25

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصیام، بَابُ مَنْ جَعَلَ عَلَى نَفْسِهِ صَوْماً مَعْلُوماً وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَصُومَ فِي شُكْرٍ ، ج7، حدیث 6562/5۔

(قدر کی رات ہزار مہینے سے بہتر ہے۔)

((عَنْ حُمْرَانَ : أَنَّهُ سَأَلَ أَبَا جَعْفَرٍ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ إِنّا أَنْزَلْناهُ فِي لَيْلَةٍ مُبارَكَةٍ ﴾؟قَالَ : « نَعَمْ ، لَيْلَةُ الْقَدْرِ ، وَهِيَ فِي كُلِّ سَنَةٍ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ ، فَلَمْ يُنْزَلِ الْقُرْآنُ إِلَّا فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ، قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ فِيها يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ﴾».قَالَ : « يُقَدَّرُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ كُلُّ شَيْءٍ يَكُونُ فِي تِلْكَ السَّنَةِ إِلى مِثْلِهَا مِنْ قَابِلٍ: خَيْرٍ وَشَرٍّ ، وَطَاعَةٍ وَمَعْصِيَةٍ ، وَمَوْلُودٍ وَأَجَلٍ ، أَوْ رِزْقٍ ، فَمَا قُدِّرَ فِي تِلْكَ السَّنَةِ وَقُضِيَ ، فَهُوَ الْمَحْتُومُ ، وَلِلّهِ - عَزَّ وَجَلَّ - فِيهِ الْمَشِيئَةُ ». قَالَ : قُلْتُ : ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ ﴾: أَيُّ شَيْءٍ عُنِيَ بِذلِكَ؟ فَقَالَ : « الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيهَا مِنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَأَنْوَاعِ الْخَيْرِ خَيْرٌ مِنَ الْعَمَلِ فِي أَلْفِ شَهْرٍ لَيْسَ فِيهَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ، وَلَوْلَا مَا يُضَاعِفُ اللهُ - تَبَارَكَ وَتَعَالى - لِلْمُؤْمِنِينَ ، مَا بَلَغُوا ، وَلكِنَّ اللهَ يُضَاعِفُ لَهُمُ الْحَسَنَاتِ».))[2]

(امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایاہاں لیلہ القدر ہر ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں آتی ہے۔ قرآن مجید لیلۃ القدر میں ہی نازل ہوا ہے۔ اس میں ہر امر حکیم کو جدا جدا بیان کیا جاتا ہے اور ہر شے جو اس سال میں ہوئی ہے اسی کے مثل اگلے سال میں مقرر کی جاتی ہے۔ ہر چیز اسی سال میں متعین کی جاتی ہے وہ چاہیے خیر ہو یا شر، اطاعت یا معصیت، ولادت ہو یا موت یا رزق پس جو بھی اس سال کے لیے معین ہو جائے گا وہ امر حقیقی ہو گا اور مشیت الٰہی اس میں ناقد ہو گی۔ میں نے کہا: شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے اس سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا: عمل صالح نماز زکوۃ و دیگر امور خیر بہتر ہوتے ہیں ان ہزار مہینوں کے عمل سے جن میں شب قدر نہ ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ اس طرح مومنین کے عمل میں اضافہ نہ کرتا تو وہ اس حد تک نہ پہنچتے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ یوں حسنات کو زیادہ کرتا ہے۔)

خلاصہ بحث

امام کلینیؒ نے کتاب الصیام میں 82 ابواب اور 453 روایات کو پیش کیا ہے۔ آپ نے روزہ کی فضیلت، رمضان کی فضیلت، استقبال رمضان، ہلال ماہ صیام کی گواہی، روزہ کا وجوب، آداب روزہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روزہ، نفلی روزہ کی فضیلت، روزہ کے مسائل مثلاً، روزہ کی حالت میں قے کا آنا، سرمہ لگانا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا، کان میں تیل ڈالنا، مباشرت کرنا، منہ سے بلغم نکلنا، سفر میں اور بیماری کی حالت میں روزہ کی رخصت، کفارہ صوم، روزہ رکھنے اور افطار کے مسائل، شب قدر کی تلاش، شب عید اور روزہ عید تکبیرات کہنا، صدقہ فطر جیسے مسائل پر بحث کی ہے۔

---

1 القدر:3

2 کلینی، ابوجعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الصیام، بَابٌ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ، ج7، حدیث 6624/6-

صحیح بخاری اور الکافی کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ روزہ بھی ارکان اسلام میں سے ہے۔ روزہ کے فضائل سے متعلق ان دونوں کتب میں کوئی اختلاف نظر نہیں آیا، تاہم ان میں اوقات سحر و افطار میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ نیز شب قدر کے فضائل پر بھی کچھ مرویات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے ہے، جس کا اجر بہت زیادہ ہے۔ اور یہ وہی رات ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا ہے۔ نیز اہل سنت رمضان المبارک میں نماز تراویح کا اہتمام بھی کرتے ہیں کیوں کہ صحیح بخاری میں اس سے متعلق روایات موجود ہیں جبکہ اہل تشیع نماز تراویح کا اہتمام نہیں کرتے کیونکہ الکافی میں اس سے متعلق کوئی روایت نہیں ملتی۔

فصل سوم:

زکوۃ سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

زکوۃ کی لغوی وضاحت:

لفظ زکوۃ "بڑھنا، نشوونما پانا اور پاکیزہ ہونا" کے معانی میں مستعمل ہے۔ اس کے تین ابواب آتے ہیں: زَکَی یَزکُو (نصر) زکی یزکی (تفعیل) تزکی یتزکی (تفعل)[1]

امام علی بن محمد جرجانی زکوۃ کی تعریف یوں کرتے ہیں:

" الزكاة: في اللغة: الزيادة، وفي الشرع: عبارة عن إيجاب طائفة من المال في مال مخصوص لمالكٍ مخصوص."[2]

(زکوۃ کا لغوی معانی زیادتی، پاکی اور طہارت کے ہیں۔ اور شریعت اسلامیہ میں زکوۃ اپنے مال کے مخصوص حصے کا مخصوص لوگوں کو مالک بنانا ہے۔)

زکوۃ کو زکوۃ اس لیے کہتے ہیں کہ اس سے زکوۃ دینے والے کا مال مزید بڑھ جاتا ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ﴾[3] (اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔)

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا:((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ " مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ))[4] **(سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "صدقہ مال کو کم نہیں کرتا۔)**

زکوۃ مال کو پاک کر دیتی ہے اور مال کو بخل کی رزالت سے اور گناہوں سے پاک کرتی ہے۔ ان دونوں لغوی معنوں کو ایک ہی آیت میں دیکھا جا سکتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا﴾[5] **(ان کے مالوں سے صدقہ لے، اس کے ساتھ تو انھیں پاک کرے گا اور انھیں صاف کرے گا۔)**

اس کے علاوہ اکثر مقامات پر یہ لفظ پاکیزگی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً:

---

1 معلوف، لوئیس، **المنجد** (لاہور: مکتبہ قدوسیہ، 2009ء) ص339-

2 الجرجانی، علی بن محمد، **التعریفات**، ص114-

3 البقرہ: 276

4 ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، **السنن**، کتاب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب مَا جَاءَ فِي التَّوَاضُعِ، **حدیث** 2029- علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت " صحیح " ہے۔

5 التوبہ: 103

1) ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا﴾[1] (یقیناوہ شخص کامیاب ہو گیا جس نے اسے پاک کر لیا۔)

2) ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى﴾[2] (بے شک وہ کامیاب ہو گیا جو پاک ہو گیا۔)

3) ﴿فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ﴾[3] (سو اپنی پاکیزگی کا دعویٰ نہ کرو۔)

زکوٰۃ کی اصطلاحی تعریف:

صاحب قاموس نے زکوٰۃ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

" والزَّكاةُ: صَفْوَةُ الشيءِ، وما أخْرَجْتَه من مالِكَ لتُطَهِّرَهُ به. "[4](اپنے مال کو پاک کرنے کی غرض سے جو چیز آپ نکالیں وہ زکوٰۃ ہے۔)

زکوٰۃ ایسا حق ہے جو مال میں واجب ہے، جسے کسی فقیر یا اس کی مثل (یا اس کے علاوہ شریعت کے بتائے ہوئے) کسی شخص کو ادا کیا جاتا ہے، جب کہ وہ کسی شرعی مانع کے ساتھ متصف نہ ہو۔[5]

زکوٰۃ کی فرضیت کے بارے میں ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا:

((أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام يَقُولُ : « مَا فَرَضَ اللهُ عَلى هذِهِ الْأُمَّةِ شَيْئاً أَشَدَّ عَلَيْهِمْ مِنَ الزَّكَاةِ ، وَفِيهَا تَهْلِكُ عَامَّتُهُمْ ».))[6](اس امت پر زکوٰۃ سے زیادہ سخت کوئی چیز فرض نہیں کی گئی عام لوگ اس کے نہ دینے کی وجہ سے ہلاکت میں پڑ گئے ہیں۔)

خلاصہ بحث

لفظ زکوٰۃ لغوی طور پر بڑھنے، نشو و نما پانے اور پاکیزہ ہونے کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ عربی زبان میں زکا الزرع کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں: کھیتی نے نشو و نما پائی۔ اسی طرح مال کی بڑھوتری کے معنوں میں بھی اسے استعمال کرتے ہیں۔ شریعت نے بھی ان دونوں لغوی معنوں کو استعمال کیا ہے۔ زکوٰۃ کو زکوٰۃ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی ادائیگی سے مال مزید بڑھ جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ﴾[7](اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔)

---

1 الشمس:9

2 اعلیٰ:14

3 النجم:32

4 فیروز آبادی، ابو طاہر، محمد بن یعقوب، **القاموس المحیط** (بیروت، مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر والتوزيع، 2005ء)، ص1292-

5 الزحیلی، ڈاکٹر، وھبۃ، **الفقه الاسلامی و ادلته** (کراچی: دارالاشاعت، 2012ء) ج3، ص170-

6 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، **الکافی**، کتاب الزکاۃ، بَابُ فَرْضِ الزَّكَاةِ وَ مَا يَجِبُ فِي الْمَالِ مِنَ الْحُقُوقِ، حدیث5722-

7 البقرۃ:276

نبی کریم ﷺ نے بھی اس معنی کی تائید فرمائی ہے۔ حدیث میں ہے: ((مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ))(صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا۔)[1]

زکوٰۃ مال کو پاک اور اسے استعمال کے قابل بنا دیتی ہے اور صاحب مال کو گناہوں اور بخل کی رذالت سے پاک کر دیتی ہے یہ دونوں معانی ایک آیت میں استعمال ہوئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ﴾[2](آپ ان کے اموال سے صدقہ لیں جس کے ذریعے سے آپ انہیں گناہوں سے پاک کریں اور ان کے اجر و مال میں اضافہ کریں۔)

قرآن کریم میں اکثر مقامات پر یہ لفظ پاکیزگی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ﴾[3](اپنے نفوس کی پاکیزگی کا دعویٰ نہ کرو۔)

نیز فرمایا: ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى﴾[4](یقیناً وہ کامیاب ہے جس نے اپنا تزکیہ کر لیا۔)

زکوٰۃ کو اس لئے بھی زکوٰۃ کہتے ہیں کہ یہ ایسے اموال سے لی جاتی ہے جن میں نشوونما اور بڑھنے کی صلاحیت ہوتی ہے، مثلاً: تجارت اور زراعت وغیرہ۔

اس کی شرعی تعریف یہ ہے کہ ایسا حق جو مقررہ نصاب پر سال گزرنے کے بعد واجب ہوتا ہے جسے کسی فقیر یا اس کے مثل کسی شخص کو دیا جاتا ہے جبکہ وہ شرعی موانع کے ساتھ متصف نہ ہو۔ زکوٰۃ کے لئے رکن اعظم یہ ہے کہ اس کی ادائیگی کے وقت انسان میں اخلاص ہو کیونکہ شہرت اور ریاکاری کی نیت سے زکوٰۃ دینا عند اللہ معتبر نہیں ہوگا۔ اس سے دنیا میں وجوب کی ادائیگی اور آخرت میں ثواب کا حصول مقصود ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ یہ انسانوں کو گناہوں اور بری خصلتوں سے پاک کر دیتی ہے اور ان کے درجات بلند کرتی ہے۔

---

1 قشیری، ابوالحسن، مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، كِتَاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، باب اسْتِحْبَابِ الْعَفْوِ وَالتَّوَاضُعِ، **حدیث** 6592(2588)۔

2 التوبۃ: 103

3 النجم: 32

4 الاعلیٰ: 14

مبحث اول:

صحیح بخاری کی زکوٰۃ سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کی کتاب الزکوٰۃ میں 118 احادیث جمع کی ہیں، اور 79 ابواب قائم کیے ہیں، کتاب الزکوٰۃ میں پہلا باب " بَابُ وُجُوبِ الزَّكَاةِ " ہے اور آخری بات " بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ عَلَى الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ " ہے۔ ذیل میں صحیح بخاری کی الزکوٰۃ سے متعلق تفسیری احادیث و آثار پر بحث کریں گے۔

1. ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾[1]

(تم پوری نیکی ہر گز حاصل نہیں کرو گے، یہاں تک کہ اس میں سے کچھ خرچ کرو جس سے تم محبت رکھتے ہو اور تم جو چیز بھی خرچ کرو گے تو بے شک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے۔)

((عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ . رضى الله عنه . يَقُولُ كَانَ أَبُو طَلْحَةَ أَكْثَرَ الأَنْصَارِ بِالْمَدِينَةِ مَالاً مِنْ نَخْلٍ، وَكَانَ أَحَبَّ أَمْوَالِهِ إِلَيْهِ بَيْرُحَاءَ وَكَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ، وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَاءٍ فِيهَا طَيِّبٍ قَالَ أَنَسٌ فَلَمَّا أُنْزِلَتْ هَذِهِ الآيَةُ ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ قَامَ أَبُو طَلْحَةَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ. إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ وَإِنَّ أَحَبَّ أَمْوَالِي إِلَيَّ بَيْرُحَاءَ، وَإِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلَّهِ أَرْجُو بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللَّهِ، فَضَعْهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ حَيْثُ أَرَاكَ اللَّهُ. قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم " بَخْ، ذَلِكَ مَالٌ رَابِحٌ، ذَلِكَ مَالٌ رَابِحٌ، وَقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ وَإِنِّي أَرَى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الأَقْرَبِينَ ". فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ أَفْعَلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ. فَقَسَمَهَا أَبُو طَلْحَةَ فِي أَقَارِبِهِ وَبَنِي عَمِّهِ.))[2]

(اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ نے 'کہ انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا' انہوں نے کہا کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں انصار میں سب سے زیادہ مالدار تھے۔ اپنے کھجور کے باغات کی وجہ سے۔ اور اپنے باغات میں سب سے زیادہ پسند انہیں بیر حاء کا باغ تھا۔ یہ باغ مسجد نبوی کے بالکل سامنے تھا۔ اور نبی کریم ﷺ اس میں تشریف لے جایا کرتے اور اس کا میٹھا پانی پیا کرتے تھے۔ انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ یعنی "تم نیکی کو اس وقت تک نہیں پاسکتے جب تک تم اپنی پیاری سے پیاری چیز نہ خرچ کرو۔" یہ سن کر ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ

---

1 آل عمران: 92

2 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب الزَّكَاةِ عَلَى الأَقَارِبِ، حدیث 1461۔

اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اس وقت تک نیکی کو نہیں پا سکتے جب تک تم اپنی پیاری سے پیاری چیز نہ خرچ کرو۔ اور مجھے بیر حاء کا باغ سب سے زیادہ پیارا ہے۔ اس لیے میں اسے اللہ تعالیٰ کے لیے خیرات کرتا ہوں۔ اس کی نیکی اور اس کے ذخیرہ آخرت ہونے کا امیدوار ہوں۔ اللہ کے حکم سے جہاں آپ ﷺ مناسب سمجھیں اسے استعمال کیجئے۔ راوی نے بیان کیا کہ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: خوب! یہ تو بڑا ہی آمدنی کا مال ہے۔ یہ تو بہت ہی نفع بخش ہے۔ اور جو بات تم نے کہی میں نے وہ سن لی۔ اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تم اسے اپنے نزدیکی رشتہ داروں کو دے ڈالو۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ یا نبی کریم! میں ایسا ہی کروں گا۔ چنانچہ انہوں نے اسے اپنے رشتہ داروں اور چچا کے لڑکوں کو دے دیا۔)

اس حدیث سے صاف نکلا کہ اپنے نزدیکی رشتہ داروں پر خرچ کرنا درست ہے یہاں تک کہ بیوی بھی اپنے مفلس خاوند اور مفلس بیٹے پر خیرات کر سکتی ہے اور گو یہ صدقہ فرض زکوٰۃ نہ تھا مگر فرض زکوٰۃ کو بھی اس پر قیاس کیا ہے۔ بعض نے کہا جس کا نفقہ آدمی پر واجب ہو جیسے بیوی کا یا چھوٹے لڑکے کا تو اس کو زکوٰۃ دینا درست نہیں اور چونکہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ زندہ تھے اس لئے ان کے ہوتے ہوئے بچے کا خرچ ماں پر واجب نہ تھا لہٰذا ماں کو اس پر خیرات خرچ کرنا جائز ہوا۔[1]

2. ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ﴾[2]

(اور وہ لوگ جو اس میں بخل کرتے ہیں۔)

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ . رضى الله عنه . قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم " مَنْ آتَاهُ اللَّهُ مَالاً، فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ، لَهُ زَبِيبَتَانِ، يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ثُمَّ يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ . يَعْنِي شِدْقَيْهِ . ثُمَّ يَقُولُ أَنَا مَالُكَ، أَنَا كَنْزُكَ " ثُمَّ تَلاَ ﴿لاَ يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ﴾))[3]

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جسے اللہ نے مال دیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ نہیں ادا کی تو قیامت کے دن اس کا مال نہایت زہریلے گنجے سانپ کی شکل اختیار کر لے گا۔ اس کی آنکھوں کے پاس دو سیاہ نقطے ہوں گے۔ جیسے سانپ کے ہوتے ہیں، پھر وہ سانپ اس کے دونوں جبڑوں سے اسے پکڑ لے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال اور خزانہ ہوں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی "اور وہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو کچھ اپنے فضل سے دیا ہے وہ اس پر بخل سے کام لیتے ہیں کہ ان کا مال ان کے لیے بہتر ہے۔

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، مترجم مولانا داؤد راز، 2/434۔

2 آل عمران: 180

3 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، بَابُ إِثْمِ مَانِعِ الزَّكَاةِ، حدیث 1403۔

بلکہ وہ برا ہے جس مال کے معاملہ میں انہوں نے بخل کیا ہے۔ قیامت میں اس کا طوق بنا کر ان کی گردن میں ڈالا جائے گا۔)

اس حدیث مبارکہ میں زکوٰۃ ادانہ کرنے کی سزا بیان ہوئی ہے،یعنی وہ گنجا سانپ اس کی طرف لپکے گا اور وہ شخص اس سے بھاگے گا وہ سانپ سے کہے گا کہ میں تیرا خزانہ ہوں پس وہ اس کی انگلیوں کا لقمہ بنالے گا۔ یہ آیت کریمہ ان مال داروں کے حق میں نازل ہوئی جو صاحب نصاب ہونے کے باوجود زکوٰۃ ادانہ کرتے بلکہ دولت کو زمین میں بطور خزانہ گاڑتے تھے۔ آج بھی اس کا حکم یہی ہے جو مال دار مسلمان زکوۃ ہضم کر جائیں ان کا یہی حشر ہو گا۔ آج سونا چاندی کی جگہ کرنسی نے لے لی ہے، جو چاندی اور سونے ہی کے حکم میں داخل ہے۔ اب یہ کہا جائے گا کہ جو لوگ نوٹوں کی گڈیاں بنا بنا کر رکھتے اور زکوۃ نہیں ادا کرتے ان کے وہی نوٹ ان کے لئے دوزخ کا سانپ بن کر ان کے گلوں کا ہار بنائے جائیں گے۔

3. ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾[1]

(اور جو لوگ سونا اور چاندی خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، تو انھیں دردناک عذاب کی خوش خبری دے دے۔)

((عَنْ خَالِدِ بْنِ أَسْلَمَ، قَالَ خَرَجْنَا مَعَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ ۔ رضى الله عنهما ۔ فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ أَخْبِرْنِي قَوْلَ اللَّهِ، ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ قَالَ ابْنُ عُمَرَ ۔ رضى الله عنهما ۔ مَنْ كَنَزَهَا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهَا فَوَيْلٌ لَهُ، إِنَّمَا كَانَ هَذَا قَبْلَ أَنْ تُنْزَلَ الزَّكَاةُ فَلَمَّا أُنْزِلَتْ جَعَلَهَا اللَّهُ طُهْرًا لِلأَمْوَالِ.))[2]

(خالد بن اسلم نے بیان کیا کہ ہم عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ ایک اعرابی نے آپ سے پوچھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر بتلایئے "جو لوگ سونے اور چاندی کا خزانہ بنا کر رکھتے ہیں۔" ابن عمر رضی اللہ عنہمانے اس کا جواب دیا کہ اگر کسی نے سونا چاندی جمع کیا اور اس کی زکوٰۃ نہ دی تو اس کے لیے "ویل" (خرابی) ہے۔ یہ حکم زکوٰۃ کے احکام نازل ہونے سے پہلے تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا حکم نازل کر دیا تو اب وہی زکوٰۃ مال و دولت کو پاک کر دینے والی ہے۔)

ایک اور روایت میں ہے:((يَكُونُ كَنْزُ أَحَدِكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ .))[3]

---

1 التوبہ:34

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الزکوۃ، بَابُ مَا أُدِّيَ زَكَاتُهُ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ، حدیث 1404-

3 ایضاً، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾، حدیث 4659-

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرمارہے تھے کہ تمہارا خزانہ جس میں زکوٰۃ نہ دی گئی ہو قیامت کے دن گنجے ناگ کی شکل اختیار کرے گا۔)

یہ روایت مختصر ہے۔ دوسری روایت میں اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((" مَنْ آتَاهُ اللَّهُ مَالاً، فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ، لَهُ زَبِيبَتَانِ، يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ثُمَّ يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ ـ يَعْنِي شِدْقَيْهِ ـ ثُمَّ يَقُولُ أَنَا مَالُكَ، أَنَا كَنْزُكَ " ثُمَّ تَلاَ ﴿لاَ يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ﴾ الآيَةَ.))[1]

(جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ اس سے زکوٰۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن وہ مال ایک گنجے سانپ کی شکل اختیار کرے گا جس کی دو زبانیں ہوں گی اور وہ اس کے گلے کا ہار بن کر دونوں جبڑوں کو پکڑ لے گا اور کہے گا: میں تیرا مال ہوں اور میں تیرا خزانہ ہوں، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿لاَ يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ﴾[2] جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کچھ دے رکھا ہے وہ اس میں اپنی کنجوسی کو اپنے لئے بہتر خیال نہ کریں بلکہ وہ ان کے لئے نہایت بدتر ہے جس مال میں انہوں نے کنجوسی کی قیامت کے دن اسی کے انہیں طوق پہنائے جائیں گے۔)

گنجے سانپ سے مراد انتہائی خوفناک اور زہریلا ناگ ہے جو اسے بار بار ڈسے گا۔

((عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ، قَالَ مَرَرْتُ عَلَى أَبِي ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ فَقُلْتُ مَا أَنْزَلَكَ بِهَذِهِ الأَرْضِ قَالَ كُنَّا بِالشَّأْمِ فَقَرَأْتُ ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ قَالَ مُعَاوِيَةُ مَا هَذِهِ فِينَا، مَا هَذِهِ إِلاَّ فِي أَهْلِ الْكِتَابِ. قَالَ قُلْتُ إِنَّهَا لَفِينَا وَفِيهِمْ.))[3]

(زید بن وہب نے بیان کیا کہ میں مقام ربذہ میں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اس جنگل میں آپ نے کیوں قیام کو پسند کیا؟ فرمایا کہ ہم شام میں تھے۔ (مجھ میں اور وہاں کے حاکم معاویہ رضی اللہ عنہ میں اختلاف ہو گیا) میں نے یہ آیت پڑھی: ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾[4] (اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں، آپ انہیں ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیں۔) تو معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ یہ آیت

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كِتَاب الزَّكَاة، بَابُ إِثْمِ مَانِعِ الزَّكَاةِ، حدیث 1403۔

2 آل عمران: 180

3 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾، حدیث 4660۔

4 التوبہ: 34

ہم مسلمانوں کے بارے میں نہیں ہے (جب وہ زکوٰۃ دیتے رہیں) بلکہ اہل کتاب کے بارے میں ہے۔ فرمایا کہ میں نے (ابوذر) اس پر کہا کہ یہ ہمارے بارے میں بھی ہے اور اہل کتاب کے بارے میں بھی ہے۔)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف تھا کہ یہ آیت مسلمانوں کے متعلق نہیں بشرطیکہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہوں بلکہ یہ اہل کتاب کے متعلق ہے جب کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ یہ آیت عام ہے ہمیں اور اہل کتاب دونوں کو شامل ہے۔ جمہور اہل علم کا موقف ہے کہ اگر مال سے زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو وہ خزانہ نہیں رہتا جس پر سخت وعید آئی ہے۔

4. ﴿وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ﴾[1]

(نیز ان (کا بھی حق ہے) جن کی دلجوئی منظور ہے۔)

((عَنْ أَبِي سَعِيدٍ ـ رضى الله عنه ـ قَالَ بُعِثَ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِشَىْءٍ، فَقَسَمَهُ بَيْنَ أَرْبَعَةٍ وَقَالَ " أَتَأَلَّفُهُمْ ". فَقَالَ رَجُلٌ مَا عَدَلْتَ.فَقَالَ " يَخْرُجُ مِنْ ضِئْضِئِ هَذَا قَوْمٌ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ ".))[2]

(ابوسعید خدری نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس کچھ مال آیا تو آپ نے چار آدمیوں میں اسے تقسیم کر دیا۔ اور فرمایا کہ میں یہ مال دے کر ان کی دلجوئی کرنا چاہتا ہوں اس پر (بنو تمیم کا) ایک شخص بولا کہ آپ نے انصاف نہیں کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو دین سے باہر ہو جائیں گے۔)

یہ روایت انتہائی مختصر ہے اس میں بھیجنے والے کی، کیا چیز بھیجی گئی تھی؟ کون سے چار آدمیوں میں تقسیم کی گئی؟ قطعاً کوئی وضاحت نہیں ہے، البتہ ایک دوسری روایت میں ہے:

((عَنْ أَبِي سَعِيدٍ ـ رضى الله عنه ـ قَالَ بَعَثَ عَلِيٌّ ـ رضى الله عنه ـ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِذُهَيْبَةٍ فَقَسَمَهَا بَيْنَ الأَرْبَعَةِ الأَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ الْحَنْظَلِيِّ ثُمَّ الْمُجَاشِعِيِّ، وَعُيَيْنَةَ بْنِ بَدْرٍ الْفَزَارِيِّ، وَزَيْدٍ الطَّائِيِّ ثُمَّ أَحَدِ بَنِي نَبْهَانَ، وَعَلْقَمَةَ بْنِ عُلاَثَةَ الْعَامِرِيِّ ثُمَّ أَحَدِ بَنِي كِلاَبٍ، فَغَضِبَتْ قُرَيْشٌ وَالأَنْصَارُ، قَالُوا يُعْطِي صَنَادِيدَ أَهْلِ نَجْدٍ وَيَدَعُنَا))[3]

---

1 التوبہ:60

2 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ﴾، حدیث 4667-

3 ایضاً، كِتَاب أَحَادِيثِ الْأَنْبِيَاءِ ، بَابُ قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ﴾ شَدِيدَةٍ، حدیث 3344-

(ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے سونا بھیجا تھا جو ابھی صاف نہیں کیا گیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اسے اقرع بن حابس، عینیہ بن بدر، زید بن مہلہل اور علقمہ بن علاثہ میں تقسیم کر دیا اس پر قریش اور انصار نے ناراضی کا اظہار کیا کہ آپ نے اہل نجد کو مال سے نوازہ ہے اور ہمیں محروم کیا ہے۔)

یہ روایت مختصر ہے اس میں جس شخص نے اعتراض کیا اس کا نام نہیں ہے البتہ ایک اور روایت میں ہے کہ اس شخص کا نام ذوالخویصرہ تھا اور اس نے اعتراض کیا تھا، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ قتل کی اجازت طلب کی لیکن آپ ﷺ نے قتل کی اجازت نہیں دی۔

((فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ائْذَنْ لِي فِيهِ، فَأَضْرِبَ عُنُقَهُ. فَقَالَ " دَعْهُ))(1)

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذوالخویصرہ کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے انہیں اجازت نہ دی۔)

بہر حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں یہ کہہ کر اس مد کو حذف کر دیا تھا: ''اب اسلام غالب آچکا ہے اور اس مد کی ضرورت نہیں ہے'' لیکن حالات ایک جیسے نہیں رہتے، لہٰذا بوقت ضرورت اس مد کو بھی بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔

"قَالَ مُجَاهِدٌ يَتَأَلَّفُهُمْ بِالْعَطِيَّةِ."(2)

(مجاہد نے کہا: نبی کریم ﷺ ان لوگوں کو کچھ دے دلا کر ان کی دلجوئی فرمایا کرتے تھے۔)

5. ﴿الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾(3)

(وہ لوگ جو صدقات میں خوش دلی سے حصہ لینے والے مومنوں پر طعن کرتے ہیں اور ان پر بھی جو اپنی محنت کے سوا کچھ نہیں پاتے، سو وہ ان سے مذاق کرتے ہیں۔ اللہ نے ان سے مذاق کیا ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔)

((عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ . رضى الله عنه . قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ آيَةُ الصَّدَقَةِ كُنَّا نُحَامِلُ، فَجَاءَ رَجُلٌ فَتَصَدَّقَ بِشَىْءٍ كَثِيرٍ فَقَالُوا مُرَائِي. وَجَاءَ رَجُلٌ فَتَصَدَّقَ بِصَاعٍ فَقَالُوا إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنْ صَاعِ هَذَا. فَنَزَلَتِ ﴿الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لاَ يَجِدُونَ إِلاَّ جُهْدَهُمْ﴾))(4)

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كِتَاب الْمَنَاقِبِ ، بَابُ عَلاَمَاتِ النُّبُوَّةِ فِي الإِسْلاَمِ ،حدیث 3610-

2 ایضاً، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ﴾، ج4، ص594-

3 التوبہ: 79

4 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب الزکوۃ، بَابُ اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، حدیث 1415-

(ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب آیت صدقہ نازل ہوئی تو ہم بوجھ ڈھونے کا کام کیا کرتے تھے (تاکہ اس طرح جو مزدوری ملے اسے صدقہ کر دیا جائے) اسی زمانہ میں ایک شخص (عبد الرحمٰن بن عوف) آیا اور اس نے صدقہ کے طور پر کافی چیزیں پیش کیں۔ اس پر لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ یہ آدمی ریاکار ہے۔ پھر ایک اور شخص (ابو عقیل نامی) آیا اور اس نے صرف ایک صاع کا صدقہ کیا۔ اس کے بارے میں لوگوں نے یہ کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کو ایک صاع صدقہ کی کیا حاجت ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لاَ يَجِدُونَ إِلاَّ جُهْدَهُمْ﴾ (وہ لوگ جو ان مومنوں پر عیب لگاتے ہیں جو صدقہ زیادہ دیتے ہیں اور ان پر بھی جو محنت سے کما کر لاتے ہیں۔) (اور کم صدقہ کرتے ہیں)

یہ طعنہ مارنے والے منافقین تھے، ان کو کسی طرح چین نہ تھا۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال آٹھ ہزار درہم صدقہ کر دیئے تو ان کو ریاکار کہنے لگے۔ ابو عقیل رضی اللہ عنہ بچارے غریب آدمی نے محنت مزدوری سے کمائی کر کے ایک صاع کھجور اللہ کی راہ میں دی تو اس پر ٹھٹھا مارنے لگے کہ اللہ کو اس کی احتیاج نہ تھی۔ اللہ کو تو کسی چیز کی احتیاج نہیں۔ آٹھ ہزار کیا آٹھ کروڑ بھی ہوں تو اس کے آگے بے حقیقت ہیں وہ دل کی نیت کو دیکھتا ہے ایک صاع کھجور بھی بہت ہے۔ ایک کھجور بھی کوئی خلوص کے ساتھ حلال مال سے دے تو وہ اللہ کے نزدیک مقبول ہے۔

خلاصہ بحث

زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ شہادت توحید و رسالت اور اقامت صلوٰۃ کے بعد زکوٰۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔ قرآن مجید میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا بیان بیاسی (82) مقامات پر آیا ہے۔ گویا دین اسلام میں ان دونوں کا مقام اور مرتبہ قریب قریب ایک ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد جب بعض قبائل، جو بظاہر اسلام قبول کر چکے تھے نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف جہاد کیا اس کی بنیاد یہ تھی کہ انہوں نے نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کی تھی جو شریعت کی نظر میں انحراف و ارتداد ہے۔ زکوٰۃ ہجرت سے پہلے فرض ہو چکی تھی لیکن اس دور میں زکوٰۃ کا مطلب صرف یہ تھا کہ حاجت مندوں اور خیر کے دوسرے راستوں پر اپنی کمائی خرچ کی جائے۔ نظام زکوٰۃ کی تفصیل اور دیگر احکام و مسائل ہجرت کے دوسرے سال نازل ہوئے ہیں چنانچہ ہجرت سے پہلے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے دربار میں کہا تھا کہ نبی کریم ﷺ ہمیں نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیتے ہیں اسی طرح ہرقل کے سوال و جواب میں حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے متعلق کہا تھا کہ وہ ہمیں نماز و زکوٰۃ کا حکم دیتے ہیں اور صلہ رحمی و پاک

دامنی کی ہدایت کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ مکہ میں فرض ہو چکی تھی البتہ اس کے تفصیلی احکام ہجرت کے بعد نازل ہوئے۔ مرکزی طور پر اس کی وصولی اور تقسیم کار کا نظام 8ہجری کے بعد قائم ہوا۔

زکوٰۃ میں نیکی اور افادیت کے تین پہلو انتہائی اہمیت کے حامل ہیں جس کی تفصیل حسب ذیل ہے: بندہ مومن جس طرح نماز کے قیام اور رکوع و سجود کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی بندگی اور نیازمندی کا مظاہرہ جسم و جان اور زبان سے کرتا ہے تاکہ اسے اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل ہو اسی طرح زکوٰۃ ادا کرکے وہ اس کی بارگاہ میں اپنا مالی نذرانہ اسی غرض سے پیش کرتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی کا دیا ہوا ہے اور وہ اس کی رضا اور قرب حاصل کرنے کے لئے اسے قربان کرتا ہے۔ زکوٰۃ کا شمار عبادات میں اسی پہلو سے ہے۔

زکوٰۃ کے ذریعے سے ضرورت مند اور پریشان حال لوگوں کی خدمت اور مدد ہوتی ہے اس پہلو سے زکوٰۃ، اخلاقیات کا نہایت ہی اہم باب ہے کہ انسان دوسرے کے کام آتا ہے اور بوقت ضرورت ان کا تعاون کرنے میں پیش پیش ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے۔[1] لہٰذا زکوٰۃ بھائی چارے کی فضا قائم کرنے میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔

زکوٰۃ کی افادیت کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ حب مال اور دولت پرستی جو ایک ایمان کش اور مہلک روحانی بیماری ہے زکوٰۃ سے اس کا علاج کیا جاتا ہے اس قسم کے معاشرتی گندے جرائم اور زہریلے مواد کو زکوٰۃ کے ذریعے سے ختم کرکے انسانی نفس کو پاک اور صاف کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ زکوٰۃ کے اس پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے غالباً اسی پہلو سے اس فریضے کا نام زکوٰۃ رکھا گیا ہے کیونکہ اس کے اصل معنی پاکیزگی کے ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

امام بخاریؒ چونکہ امت کے نبض شناس ہیں انہوں نے زکوٰۃ کے متعلقہ احکام و مسائل بیان کرنے کے لئے تقریباً (118) احادیث بیان کی ہیں پھر (79) عنوان قائم کئے ہیں جو معاشرتی طور پر انتہائی کارآمد اور مفید ہیں۔ ان عناوین کے تحت آپ نے زکوٰۃ کا وجوب، اس کی اہمیت و افادیت، تجارتی، زرعی اور معدنی زکوٰۃ کے مسائل بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ حیوانات سے زکوٰۃ کے پہلو کو بھی نمایاں کیا ہے۔ صدقہ فطر کے احکام بھی ذکر کئے ہیں اور اس کے متعلق اخلاقی پہلوؤں کا بھی جائزہ لیا ہے نیز اس سے پہلو تہی کرنے پر جو وعید آئی ہے اسے بھی ذکر کیا ہے۔ الغرض زکوٰۃ کے متعلق جملہ مسائل و احکام بڑے ٹھوس اور خاموش انداز سے بیان کئے ہیں۔

امام بخاریؒ نے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو وعید سنائی ہے کہ جو شخص صاحب نصاب بھی ہے اور اس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی تو قیامت والے دن وہ مال سانپ کی شکل اختیار کرے گا اور طوق بنا کر گلے میں ڈالا جائے گا۔ نیز ابن

---

1 قشیری، ابوالحسن، مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، كِتَاب الذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ وَالتَّوْبَةِ وَالِاسْتِغْفَارِ، باب فَضْلِ الِاجْتِمَاعِ عَلَى تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَعَلَى الذِّكْرِ، حدیث 6853(2699)۔

عمر رضی اللہ عنہ کا قول پیش کیا، جس شخص نے سونا، چاندی جمع کیا اور اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو اس کے لیے ویل ہے۔

امام بخاریؒ نے یہ روایت بھی پیش کی کہ نبی کریم ﷺ کے پاس مال آیا تو آپ ﷺ نے اسے فوراً چار لوگوں میں تقسیم کر دیا، اور وہ چار لوگ غیر مسلم تھے۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے یہ عمل اس لیے کیا ہے تاکہ ان کی دل جوئی ہو جائے۔

اس بحث سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ زکوٰۃ ادا کرنا ہر صاحب نصاب کے لیے لازم اور ضروری ہے، اس سے مال پاک ہوتا ہے، جو شخص زکوٰۃ صاحب نصاب ہونے کے باوجود ادا نہیں کرتا، ان کے لیے وعید ہے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایسے لوگوں کے خلاف جنگ لڑی ہے۔ لہذا ہمیں بھی چاہیے کہ زکوٰۃ ادا کریں اور مصارف زکوٰۃ میں تقسیم کریں، حتیٰ کہ دل جوئی کے لیے بھی تقسیم کرسکتے ہیں۔

مبحث دوم:

الکافی کی زکوٰۃ سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

امام محمد بن یعقوب الکلینیؒ نے کتاب الزکاۃ میں نوئے ابواب قائم کیے ہیں اور 5720 سے 6251 تک احادیث نقل کی گئی ہیں۔ الکافی کتاب الزکاۃ میں امام کلینیؒ نے پہلا باب بَابُ فَرْضِ الزَّكَاةِ وَ مَا يَجِبُ فِي الْمَالِ مِنَ الْحُقُوقِ اور آخری باب بَابُ النَّوَادِرِ کے نام سے قائم کیا ہے اس میں زکوٰۃ و صدقات سے متعلق احکام و مسائل کو پیش کیا ہے۔ نیز صاحب الکافی نے اس تفسیری روایات کو بھی پیش کیا ہے۔ ذیل میں زکوٰۃ سے متعلق تفسیری روایات کو پیش کیا جارہا ہے۔

1. ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾[1]

(صدقات تو صرف فقیروں اور مسکینوں کے لیے اور ان پر مقرر عاملوں کے لیے ہیں اور ان کے لیے جن کے دلوں میں الفت ڈالنی مقصود ہے اور گردنیں چھڑانے میں اور تاوان بھرنے والوں میں اور اللہ کے راستے میں اور مسافر میں (خرچ کرنے کے لیے ہیں)۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک فریضہ ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔)

((عَنْ زُرَارَةَ وَمُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ : أَنَّهُمَا قَالَا لِأَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام : أَرَأَيْتَ قَوْلَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : (إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَساكِينِ وَالْعامِلِينَ عَلَيْها وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقابِ وَالْغارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللهِ) ؟ أَكُلُّ هؤُلَاءِ يُعْطى وَإِنْ كَانَ لَايَعْرِفُ؟ فَقَالَ : « إِنَّ الْإِمَامَ يُعْطِي هؤُلَاءِ جَمِيعاً ؛ لِأَنَّهُمْ يُقِرُّونَ لَهُ بِالطَّاعَةِ ». قَالَ: قُلْتُ: فَإِنْ كَانُوا لَايَعْرِفُونَ؟ فَقَالَ : « يا زُرَارَةُ ، لَوْ كَانَ يُعْطِي مَنْ يَعْرِفُ دُونَ مَنْ لَايَعْرِفُ ، لَمْ يُوجَدْ لَهَا مَوْضِعٌ ، وَإِنَّمَا يُعْطِي مَنْ لَايَعْرِفُ لِيَرْغَبَ فِي الدِّينِ ، فَيَثْبُتَ عَلَيْهِ ، فَأَمَّا الْيَوْمَ فَلَا تُعْطِهَا أَنْتَ وَأَصْحَابُكَ إِلَّا مَنْ يَعْرِفُ، فَمَنْ وَجَدْتَ مِنْ هؤُلَاءِ الْمُسْلِمِينَ عَارِفاً فَأَعْطِهِ ، دُونَ النَّاسِ ». ثُمَّ قَالَ : « سَهْمُ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَسَهْمُ الرِّقَابِ عَامٌّ ، وَالْبَاقِي خَاصٌّ ». قَالَ : قُلْتُ : فَإِنْ لَمْ يُوجَدُوا؟ قَالَ : « لَا تَكُونُ فَرِيضَةٌ فَرَضَهَا اللهُ – عَزَّ وَ جَلَّ – لَايُوجَدُ لَهَا أَهْلٌ ». قَالَ : قُلْتُ : فَإِنْ لَمْ تَسَعْهُمُ الصَّدَقَاتُ؟ فَقَالَ : « إِنَّ اللهَ فَرَضَ لِلْفُقَرَاءِ فِي مَالِ الْأَغْنِيَاءِ مَا يَسَعُهُمْ ، وَلَوْ عَلِمَ

1 التوبہ:60

أَنَّ ذلِكَ لَا يَسَعُهُمْ لَزَادَهُمْ ؛ إِنَّهُمْ لَمْ يُؤْتَوْا مِنْ قِبَلِ فَرِيضَةِ اللهِ ، وَلكِنْ أُتُوا مِنْ مَنْعِ مَنْ مَنَعَهُمْ حَقَّهُمْ ، لَا مِمَّا فَرَضَ اللهُ لَهُمْ ، وَلَوْ أَنَّ النَّاسَ أَدَّوْا حُقُوقَهُمْ ، لَكَانُوا عَائِشِينَ بِخَيْرٍ ».))[1]

(زراہ اور مسلم نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا: آپ نے اس آیت کریمہ پر غور فرمایا: صدقات فقراء اور مساکین کے لیے ہیں ،کارندوں کے لیے ،مولفۃ القلوب کے لیے، غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے، مقروضوں کا قرض دینے کے لیے،اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے لیے اور بردیسیوں کے لیے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فریضہ ہے۔کیاان سب کو دیا جائے گا چاہے یہ معرفت نہ رکھتے ہوں؟ آپ نے فرمایا:امام سب کو دیتا ہے کیونکہ وہ اس کی اطاعت کا اقرار کرتے ہیں۔ میں نے کہا: اگر معرفت نہ رکھتے ہوں؟ آپ نے فرمایا: اگر معرفت رکھنے والوں کو دیا جائے تو صدقات کے لیے پھر کوئی ملے کا ہی نہیں۔ بے معرفت والوں کو تو اس لیے دیا جاتا ہے کہ وہ دین کی طرف رغبت کریں اور اس پر ثابت قدم رہیں، لیکن تم اور تمہارے اصحاب اہل معرفت ہی کو دیں۔ پس اگر تم ان مسلمانوں میں سے کوئی علم والا ہو تو اسے دے دو، لوگوں کو چھوڑ کر انہیں دو۔ پھر فرمایا: ان میں بعض مولفۃ القلوب ہیں اور بعض غلام ہیں یہ تو عوام میں شامل ہیں، باقی خاص ہیں۔ میں نے کہا: اگر یہ لوگ نہ پائے جائیں، آپ نے فرمایا: اگر اس کے اہل نہیں ملتے تو یہ ایسا فریضہ نہ ہو گا جسے اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے۔ میں نے کہا: اگر صدقات کے ذریعے اس کی مدد نہ کی جاسکتی ہو؟ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے امیروں کے مال میں غریبوں کا حق رکھا ہے جتنی وسعت ہو اگر معلوم ہو کہ وہ رقم کافی نہ ہو گی تو اس میں کچھ زیادہ خرچ کر دیں، یہ اضافی رقم بلحاظ فریضہ نہ ہو گی، بلکہ جس میں ان کا حق نہیں، اس میں سے ہو گی۔ اگر لوگ محتاجوں کا حق ادا کرتے رہیں تو وہ آرام سے زندگی بسر کریں۔)

2. ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا﴾[2]

(ان کے مالوں سے صدقہ لے، اس کے ساتھ تو انھیں پاک کرے گا اور انھیں صاف کرے گا۔)

((عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سِنَانٍ ، قَالَ : قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام : « لَمَّا أُنْزِلَتْ آيَةُ الزَّكَاةِ : ﴿خُذْ مِنْ أَمْوالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِها﴾ و أُنْزِلَتْ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله مُنَادِيَهُ ، فَنَادى فِي النَّاسِ : أَنَّ اللهَ فَرَضَ عَلَيْكُمُ الزَّكَاةَ كَمَا فَرَضَ عَلَيْكُمُ الصَّلَاةَ ، فَفَرَضَ اللهُ – عَزَّ وَ جَلَّ – عَلَيْهِمْ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ ، وَفَرَضَ الصَّدَقَةَ مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ ، وَمِنَ الْحِنْطَةِ وَ الشَّعِيرِ وَ التَّمْرِ وَ الزَّبِيبِ ، فَنَادى فِيهِمْ بِذلِكَ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ ، وَعَفَا لَهُمْ عَمَّا سِوى ذلِكَ ».

---

1 کلینی، ابوجعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الزکاۃ، بَابُ فَرْضِ الزَّكَاةِ وَ مَا يَجِبُ فِي الْمَالِ مِنَ الْحُقُوقِ ،حدیث5720-

2 التوبہ:103

قَالَ : « ثُمَّ لَمْ يَفْرِضْ لِشَيْءٍ مِنْ أَمْوَالِهِمْ حَتَّى حَالَ عَلَيْهِمُ الْحَوْلُ مِنْ قَابِلٍ ، فَصَامُوا ، وَأَفْطَرُوا ، فَأَمَرَ مُنَادِيَهُ ، فَنَادَى فِي الْمُسْلِمِينَ : أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ : زَكُّوا أَمْوَالَكُمْ ، تُقْبَلْ صَلَاتُكُمْ » قَالَ : « ثُمَّ وَجَّهَ عُمَّالَ الصَّدَقَةِ وَعُمَّالَ الطَّسُوقِ ».))[1]

(عبداللہ بن سنان سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ علیہ السلام نے اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد فرمایا: تم صدقہ کا مال لوگوں سے لے لو، تاکہ ان کی تطہیر اور تزکیہ ہو جائے۔ جب یہ آیت کریمہ رمضان المبارک میں نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے منادی کا حکم دیا اور فرمایا: اللہ نے تم پر زکوٰۃ کو اسی طرح فرض کیا ہے جس طرح نماز کو فرض کیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے سونے، چاندی پر زکوٰۃ کو فرض کیا اور اونٹ، گائے، بکری، گندم، جو، اور خشک انگور پر صدقہ فرض کیا ہے۔ اس کے متعلق منادی قرار دی گئی اور باقی چیزوں پر معافی دی گئی۔ پھر ایک سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ فرض نہ ہوئی، جب اگلا سال آیا تو منادی نے ندا ہوئی: اے مسلمانو! اپنے مال کی زکوٰۃ دو تاکہ تمہاری نماز قبول ہو اس کے بعد صدقات وصول کرنے والے اور ناپ تول کرنے والے لوگوں کے پاس پہنچے۔)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے مال پاک ہو جاتا ہے۔ مذکورہ آیت مبارکہ رمضان جیسے ماہ مقدس میں نازل ہوئی ہے۔ اس روایت میں جن چیزوں پر زکوٰۃ فرض ہے ان کا تعین بھی لیا گیا ہے مثلاً: سونا، چاندی، اونٹ، گائے، بکری، گندم، جو اور خشک انگور پر صدقہ اور زکوٰۃ فرض ہے، لیکن یہ زکوٰۃ ایک سال گزرنے کے بعد فرض ہوتی ہے، اور سال سے پہلے فرض نہیں ہوتی۔

3. ﴿وَالَّذِينَ فِي أَمْوالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ * لِلسّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾[2]

(اور وہ جن کے مالوں میں ایک مقرر حصہ ہے۔ سوال کرنے والے کے لیے اور (اس کے لیے) جسے نہیں دیا جاتا۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ علیه‌السلام فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿وَالَّذِينَ فِي أَمْوالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ * لِلسّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾ أَهُوَ سِوَى الزَّكَاةِ؟ فَقَالَ : « هُوَ الرَّجُلُ يُؤْتِيهِ اللهُ الثَّرْوَةَ مِنَ الْمَالِ ، فَيُخْرِجُ مِنْهُ الْأَلْفَ وَالْأَلْفَيْنِ وَالثَّلَاثَةَ الْآلَافِ وَالْأَقَلَّ وَالْأَكْثَرَ ، فَيَصِلُ بِهِ رَحِمَهُ ، وَيَحْمِلُ بِهِ الْكَلَّ عَنْ قَوْمِهِ ».))[3]

(ابو عبداللہ علیہ السلام سے اس آیت ﴿وَالَّذِينَ فِي أَمْوالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ * لِلسّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾ سے متعلق پوچھا کہ اس آیت سے کیا مراد ہے؟ وہ لوگ جن کے اموال میں سائل و محروم کا حق ہے، کیا زکوٰۃ کے علاوہ

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الزکاۃ، بَابُ فَرْضِ الزَّكَاةِ وَ مَا يَجِبُ فِي الْمَالِ مِنَ الْحُقُوقِ، حدیث 5721-

2 المعارج: 24-25

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الزکاۃ، بَابُ فَرْضِ الزَّكَاةِ وَ مَا يَجِبُ فِي الْمَالِ مِنَ الْحُقُوقِ، حدیث 5729-

ہیں؟ آپ نے فرمایا: اس سے مراد وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بہت سامال دیا ہو اور وہ اس میں سے ایک ہزار یا دو ہزار یا تین ہزار یا کم وزیادہ نکالے اور اس سے صلہ رحمی کرے اور اپنی قوم کا بوجھ اٹھائے۔)

اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ زکوٰۃ صاحب نصاب پر فرض ہے، یعنی جو شریعت اسلامیہ نے حصہ مقرر کیا ہے، اتنا حصہ اپنے مال میں سے نکالنا فرض ہے، اور طرح مال بھی پاک ہو جاتا ہے اور غریبوں کی امداد بھی ہو جاتی ہے۔

4. ﴿وَإِنْ تُخْفُوها وَتُؤْتُوهَا الْفُقَراءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ﴾[1]

(اور اگر تم اسے چھپا کر غریبوں کو دے دو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ : ﴿وَإِنْ تُخْفُوها وَتُؤْتُوهَا الْفُقَراءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ﴾ فَقَالَ : « هِيَ سِوَى الزَّكَاةِ ؛ إِنَّ الزَّكَاةَ عَلَانِيَةٌ غَيْرُ سِرٍّ ».))[2]

(ابو عبداللہ علیہ السلام نے اس آیت کریمہ ﴿وَإِنْ تُخْفُوها وَتُؤْتُوهَا الْفُقَراءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ﴾ سے متعلق فرمایا: کہ اس آیت میں تُخْفُوها زکوٰۃ کے علاوہ ہے کیونکہ زکوٰۃ اعلانیہ دی جاتی ہے اور پوشیدہ نہیں دی جاتی۔)

اس آیت کریمہ میں پوشیدہ طریقے سے غریبوں کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔ لیکن ان کی وضاحت اس روایت سے ملتی ہے کہ زکوٰۃ اعلانیہ ادا کرنی چاہیے اور پوشیدہ ادا نہیں کرنی چاہیے۔

ظاہری طور پر کہ یہ روایت مذکورہ آیت کے مخالف نظر آتی ہے لیکن ان میں جو تطبیق نکالی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص پوشیدہ طریقے سے غریبوں کی مدد کرتا ہے اور کسی کو نہیں بتاتا تو یہ بہتر ہے، کیونکہ بتانے سے انسان کے دل میں ریاکاری پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ البتہ اگر کسی شخص کے دل میں یہ ہو کہ میں اعلانیہ صدقہ وزکوٰۃ ادا کرتا ہوں تو میری طرف دیکھ کر باقی لوگ بھی زکوٰۃ ادا کرنا شروع کر دیں گے۔ تو یہ بھی دعوت و نیکی کا کام ہے۔

اعمال کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے۔ اگر انسان کی نیت یہ ہو کہ میں صدقہ اور زکوٰۃ ادا کروں گا تو لوگ مجھے سخی کہیں گے، تو یہ انداز اسلامی تعلیمات کے برعکس ہے۔ لہذا ایسے امور سے اجتناب بہتر ہے۔

5. ﴿سَيُطَوَّقُونَ ما بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيامَةِ﴾[3]

(عنقریب قیامت کے دن انھیں اس چیز کا طوق پہنایا جائے گا جس میں انھوں نے بخل کیا۔)

((مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ ، قَالَ : سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿سَيُطَوَّقُونَ ما بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيامَةِ﴾ ؟ فَقَالَ : « يَا مُحَمَّدُ ، مَا مِنْ أَحَدٍ يَمْنَعُ مِنْ زَكَاةِ مَالِهِ شَيْئاً إِلَّا جَعَلَ اللهُ – عَزَّ

---

1 البقرہ:271

2 کلینی، ابوجعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الزکاۃ، بَابُ فَرْضِ الزَّكَاةِ وَ مَا يَجِبُ فِي الْمَالِ مِنَ الْحُقُوقِ، حدیث 5737۔

3 آل عمران:180

وَجَلَّ – ذلِكَ يَوْمَ الْقِيامَةِ ثُعْبَاناً مِنْ نَارٍ مُطَوَّقاً فِي عُنُقِهِ ، يَنْهَشُ مِنْ لَحْمِهِ حَتّى يَفْرُغَ مِنَ الْحِسَابِ ».ثُمَّ قَالَ : « هُوَ قَوْلُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿سَيُطَوَّقُونَ ما بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيامَةِ﴾ يَعْنِي مَا بَخِلُوا بِهِ مِنَ الزَّكَاةِ ».))[1]

(حضرت محمد بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں ابو عبد اللہ علیہ السلام سے اس آیت کریمہ ﴿سَيُطَوَّقُونَ ما بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيامَةِ﴾ سے متعلق سوال کیا؟ تو آپ نے فرمایا: اے محمد! جو شخص مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس مال کو آگ کے ایک اژدھے کی صورت طوق بنا کر اس کی گردن میں ڈال دے گا اور حساب سے فارغ ہونے تک اس کا گوشت نوچے گا۔ پھر آپ نے فرمایا: اس سے متعلق یہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿سَيُطَوَّقُونَ ما بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيامَةِ﴾ ہے۔)

ایک اور روایت میں ہے:

((عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ ، قَالَ : سَأَلْتُ أَبَا جَعْفَرٍ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿سَيُطَوَّقُونَ ما بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيامَةِ﴾ ؟ قَالَ : « مَا مِنْ عَبْدٍ مَنَعَ مِنْ زَكَاةِ مَالِهِ شَيْئاً إِلَّا جَعَلَ اللهُ لَهُ ذلِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُعْبَاناً مِنْ نَارٍ ، يُطَوَّقُ فِي عُنُقِهِ ، يَنْهَشُ مِنْ لَحْمِهِ حَتّى يَفْرُغَ مِنَ الْحِسَابِ ، وَهُوَ قَوْلُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿سَيُطَوَّقُونَ ما بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيامَةِ﴾ » قَالَ : « مَا بَخِلُوا بِهِ مِنَ الزَّكَاةِ ».))[2]

(حضرت محمد بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں ابو عبد اللہ علیہ السلام سے اس آیت کریمہ ﴿سَيُطَوَّقُونَ ما بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيامَةِ﴾ سے متعلق سوال کیا؟ آپ نے فرمایا: جو کوئی اپنے مال کی کچھ بھی زکوٰۃ روک لے روز قیامت اللہ تعالیٰ ایک آتشین اژدہا کو اس کی گردن کا طوق بنا دے گا وہ حساب سے فارغ ہونے تک اس کا گوشت نوچ نوچ کر کھائے گا۔ اس آیت کریمہ میں بخل سے مراد بخل زکوٰۃ ہے۔)

امام کلینیؒ اس طرح کی ایک اور روایت پیش کرتے ہیں:

((عَنْ أَيُّوبَ بْنِ رَاشِدٍ ، قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام يَقُولُ : « مَانِعُ الزَّكَاةِ يُطَوَّقُ بِحَيَّةٍ قَرْعَاءَ ، تَأْكُلُ مِنْ دِمَاغِهِ ، وَذلِكَ قَوْلُهُ عَزَّ وَ جَلَّ : ﴿سَيُطَوَّقُونَ ما بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيامَةِ﴾ ».))[3]

(حضرت ایوب بن راشد بیان کرتے ہیں کہ میں ابو عبد اللہ علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا: کہ مانع زکوٰۃ کے گلے میں ایک زہریلے سانپ کا طوق ہو گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: روز قیامت زکوٰۃ میں بخل کرنے والوں کے گلے میں طوق ہوں گے۔)

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الزکاۃ، بَابُ مَنْعِ الزَّكَاةِ، حدیث 5740۔

2 ایضاً، حدیث 5749۔

3 ایضاً، حدیث 5755۔

ان تینوں روایات سے اس بات کی وضاحت ملتی ہے کہ جو شخص زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو اس کا انجام کیا ہو گا؟ یعنی یہ مال قیامت کے روزہ ایک بہت بڑے سانپ کی شکل اختیار کر جائے گا، اور اس شخص کے پیچھے آئے گا جس نے زکوٰۃ ادا نہ کی ہو گی۔ اور زہریلے سانپ کا طوق پہنایا جائے گا۔

6. ﴿رَبِّ ارْجِعُونِ * لَعَلِّي أَعْمَلُ صالِحاً فِيما تَرَكْتُ﴾[1]

(اے میرے رب! مجھے واپس بھیجو۔ تاکہ میں جو کچھ چھوڑ آیا ہوں۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام ، قَالَ : « مَنْ مَنَعَ قِيراطاً مِنَ الزَّكَاةِ ، فَلَيْسَ بِمُؤْمِنٍ وَلَامُسْلِمٍ ، وَهُوَ قَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ رَبِّ ارْجِعُونِ * لَعَلِّي أَعْمَلُ صالِحاً فِيما تَرَكْتُ ﴾ ». * وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرى : « وَلَاتُقْبَلُ لَهُ صَلَاةٌ ».))[2]

(ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: جو زکوٰۃ کا ایک قیراط بھی ادا نہیں کرے گا وہ مومن و مسلمان نہیں ہے۔ اسی کے متعلق یہ آیت ﴿رَبِّ ارْجِعُونِ * لَعَلِّي أَعْمَلُ صالِحاً فِيما تَرَكْتُ﴾ ہے وہ کہے گا اے میرے رب! مجھے لوٹا دے، تاکہ جو اعمال مجھ سے چھوٹ گیے ہیں وہ اعمال نیک بھی کر لوں۔)

اس روایت میں یہ بات بیان ہوئی ہے کہ جو شخص زکوٰۃ کا ایک قیراط ادا نہیں کرے گا وہ شخص مومن اور مسلمان نہیں ہے، قیراط سے کیا مراد ہے؟ قیراط ایک پیمانے کا نام ہے۔

((عَنْ أَبِي بَصِيرٍ ، قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام يَقُولُ : « مَنْ مَنَعَ الزَّكَاةَ ، سَأَلَ الرَّجْعَةَ عِنْدَ الْمَوْتِ ، وَهُوَ قَوْلُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ رَبِّ ارْجِعُونِ * لَعَلِّي أَعْمَلُ صالِحاً فِيما تَرَكْتُ ﴾ ».))[3]

(حضرت ابو بصیر بیان کرتے ہیں کہ میں ابو عبد اللہ علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا: کہ جو زکوٰۃ کو روکے گا وہ موت کے وقت دنیا کی طرف لوٹنے کی خواہش کرے گا جیسا کہ اس آیت کریمہ ﴿رَبِّ ارْجِعُونِ * لَعَلِّي أَعْمَلُ صالِحاً فِيما تَرَكْتُ ﴾ میں ہے: اے میرے رب! مجھے لوٹا دے، تاکہ جو اعمال مجھ سے چھوٹ گیے ہیں وہ اعمال نیک بھی کر لوں۔)

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا، قیامت والے دن وہ خواہش ظاہر کرے گا کہ کاش! میں اب دنیا میں چلا جاؤں، اگر جو کام میں سر انجام نہیں دے سکا، ان کو بھی سر انجام دے دوں۔

7. ﴿أَقِيمُوا الصَّلاةَ وَآتُوا الزَّكاةَ﴾[4]

---

1 المومنون:99-100

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الزکاۃ، بَابُ مَنْعِ الزَّكَاةِ، حدیث 5742/3-

3 ایضاً، حدیث 5750-

4 البقرہ:43

(اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔)

((عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عليه‌السلام ، قَالَ : « إِنَّ اللهَ - عَزَّ وَ جَلَّ - قَرَنَ الزَّكَاةَ بِالصَّلَاةِ ، فَقَالَ : ﴿أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ﴾ ، فَمَنْ أَقَامَ الصَّلَاةَ وَلَمْ يُؤْتِ الزَّكَاةَ ، لَمْ يُقِمِ الصَّلَاةَ ».))[1]

(حضرت ابو جعفر علیہ السلام فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے نماز کو زکوٰۃ کے ساتھ ہی ذکر کیا ہے۔ جس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی گویا اس نے نماز کو ادا ہی نہیں کیا۔)

اس قرآنی آیت سے اور مذکورۃ روایت سے واضح ہوا کہ نماز کا ذکر زکوٰۃ کے ساتھ آیا ہے۔ قرآن مجید میں نماز اور زکوٰۃ کا ایک ساتھ ذکر تقریباً 82 مرتبہ آیا ہے۔ اور اس روایت سے واضح ہوا کہ جس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی اس نے نماز بھی ادا نہیں کی۔ یعنی جس شخص نے زکوٰۃ ادا نہیں کی اس کی نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔ لہٰذا ہر صاحب نصاب کو چاہیے کہ زکوٰۃ ادا کرے۔

8. ﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِيناً وَيَتِيماً وَأَسِيراً ﴾[2]

(وہ لوگ محبت الٰہی میں مسکین و یتیم و اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔)

((عَنْ أَبِي الْحَسَنِ عليه‌السلام ، قَالَ : « يَنْبَغِي لِلرَّجُلِ أَنْ يُوَسِّعَ عَلَى عِيَالِهِ كَيْلَا يَتَمَنَّوْا مَوْتَهُ » وَتَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ : ﴿ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِيناً وَيَتِيماً وَأَسِيراً ﴾ قَالَ : « الْأَسِيرُ عِيَالُ الرَّجُلِ ، يَنْبَغِي لِلرَّجُلِ إِذَا زِيدَ فِي النِّعْمَةِ أَنْ يَزِيدَ أُسَرَاءَهُ فِي السَّعَةِ عَلَيْهِمْ ». ثُمَّ قَالَ : « إِنَّ فُلَاناً أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِ بِنِعْمَةٍ ، فَمَنَعَهَا أُسَرَاءَهُ ، وَجَعَلَهَا عِنْدَ فُلَانٍ ، فَذَهَبَ اللهُ بِهَا »[3]

(امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے اہل و عیال کی ضروریات کو پورا کرے تاکہ وہ مرنے کی تمنا نہ کرے اور پھر یہ آیت﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِيناً وَيَتِيماً وَأَسِيراً ﴾ تلاوت فرمائی۔(وہ لوگ محبت الٰہی میں مسکین و یتیم و اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔) اور فرمایا: اسیر سے مراد: کسی شخص کے عیال ہیں، انسان کو لازم ہے کہ نعمت میں زیادتی ہو تو اپنے اہل و عیال کے نفقہ میں بھی زیادتی کرے، اور پھر فرمایا: فلاں شخص کو اللہ تعالیٰ نے بھرپور نعمت دی تو اس نے اپنے اہل و عیال سے روک کر دوسرے کو دے دی تو اللہ تعالیٰ نے اس سے نعمت کو روک لیا۔)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اگر کسی شخص کو بہت زیادہ نعمتوں سے نوازہ ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے۔ اور اگر وہ خرچ نہیں کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے وہ نعمت واپس بھی لے سکتا ہے۔

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الزکاۃ، بَابُ مَنْعِ الزَّكَاةِ، حدیث 5762-

2 الدھر: 8

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الزکاۃ، بَابُ كِفَايَةِ الْعِيَالِ وَالتَّوَسُّعِ عَلَيْهِمْ، حدیث 6038-

دوسرے الفاظ میں اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ جو اللہ نعمت دینے پر قادر ہے وہ واپس لینے پر بھی قادر ہے۔ لہذا نعمت کی شکرنے کے طور پر اپنے عیال اور دیگر ضرورت مندوں پر خرچ کرتے رہنا چاہیے۔

9. ﴿لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ﴾[1]

(ان کی بہت سی سر گوشیوں میں کوئی خیر نہیں، سوائے اس شخص کے جو کسی صدقے یا نیک کام یا لوگوں کے درمیان صلح کرانے کا حکم دے۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ علیه‌السلام فِي قَوْلِهِ عزّوجلّ : ﴿ لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْواهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ ﴾ قَالَ : « يَعْنِي بِالْمَعْرُوفِ الْقَرْضَ ».))[2]

(حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام نے اس آیت کریمہ ﴿ لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْواهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ ﴾ کے بارے میں فرمایا: کہ اس آیت میں معروف سے مراد صدقہ ہے۔)

10. ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كانَ بِهِمْ خَصاصَةٌ﴾[3]

(اور اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، خواہ انھیں سخت حاجت ہو۔)

((عَنْ سَمَاعَةَ ، قَالَ : سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ علیه‌السلام عَنِ الرَّجُلِ لَيْسَ عِنْدَهُ إِلَّا قُوتُ يَوْمِهِ ، أَيَعْطِفُ مَنْ عِنْدَهُ قُوتُ يَوْمِهِ عَلى مَنْ لَيْسَ عِنْدَهُ شَيْءٌ ، وَيَعْطِفُ مَنْ عِنْدَهُ قُوتُ شَهْرٍ عَلى مَنْ دُونَهُ ، وَالسَّنَةُ عَلى نَحْوِ ذلِكَ ، أَمْ ذلِكَ كُلُّهُ الْكَفَافُ الَّذِي لَايُلَامُ عَلَيْهِ ؟ فَقَالَ : « هُوَ أَمْرٌ إِنَّ أَفْضَلَكُمْ فِيهِ أَحْرَصُكُمْ عَلَى الرَّغْبَةِ وَالْأَثَرَةِ عَلى نَفْسِهِ ؛ فَإِنَّ اللهَ – عَزَّ وَجَلَّ – يَقُولُ : ﴿ وَيُؤْثِرُونَ عَلى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كانَ بِهِمْ خَصاصَةٌ ﴾ وَالْأَمْرُ الْآخَرُ لَايُلَامُ عَلَى الْكَفَافِ ، وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلى ، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ ».))[4]

(سماعہ بیان کرتا ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام نے پوچھا: ایک شخص کے پاس صرف ایک دن کا کھانا ہے کیا اس کو دے دے جس کے پاس کچھ نہیں ہے اور جس کے پاس ایک ماہ کا کھانا موجود ہے وہ اس کو دے دے جس کے پاس اس سے کم ہو، اسی طرح ایک سال کا یا وہ سب اپنے ہی کفاف کے لیے رکھے جس پر ملامت نہ ہو؟ آپ نے فرمایا: دو امر ہیں، تم میں صاحب فضیلت وہ ہے جو اپنی رغبت اور ایثار نفس کی بنا پر دے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ

---

1 النساء:114

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الزکاۃ، بَابُ الْقَرْضِ ، حدیث 6130-

3 الحشر:9

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الزکاۃ، بَابُ الْإِيثَارِ، حدیث 6071-

اپنے نفس پر ایثار کرتے ہیں، اگرچہ ان پر تنگی ہو اور دوسری بات یہ ہے کہ اپنے کفاف کے لیے رکھے تو ملامت نہیں ہے، مگر اوپر کا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔)

11. ﴿وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾[1]

(اور اگر کوئی تنگی والا ہو تو آسانی تک مہلت دینا لازم ہے اور یہ بات کہ صدقہ کر دو تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ علیه‌السلام ، قَالَ : « صَعِدَ رَسُولُ اللهِ صلی‌الله‌علیه‌وآله الْمِنْبَرَ ذَاتَ يَوْمٍ ، فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنى عَلَيْهِ ، وَصَلّى عَلى أَنْبِيَائِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِمْ ، ثُمَّ قَالَ : أَيُّهَا النَّاسُ ، لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ ، أَلَا وَمَنْ أَنْظَرَ مُعْسِراً ، كَانَ لَهُ عَلَى اللهِ - عَزَّ وَجَلَّ - فِي كُلِّ يَوْمٍ صَدَقَةٌ بِمِثْلِ مَالِهِ حَتّى يَسْتَوْفِيَهُ ». ثُمَّ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ علیه‌السلام : « ﴿ وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلى مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾ أَنَّهُ مُعْسِرٌ ، فَتَصَدَّقُوا عَلَيْهِ بِمَالِكُمْ ، فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ».))[2]

(حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لے گے اور حمد و ثناء کے بعد انبیاء پر دورد بھیجا اور پھر فرمایا: لوگو! جو تم میں موجود ہیں وہ غائبین تک پہنچادیں کہ جو غریب قرضدار کو مہلت دے گا تو اللہ تعالیٰ قرضہ ادا ہونے تک ہر روز اس کے مال کے برابر صدقہ کا ثواب لکھے گا، پھر ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: اگر وہ تنگ دست ہو تو مالدار ہونے تک مہلت دو اور اگر صدقہ میں اسے دے دو تو تمہارے لیے بہتر ہو گا۔)

اس روایت میں غریب قرض دار کو مہلت دینے اجر و ثواب بیان ہوا ہے کہ اس کا اجر ہر روز کے بدلے ،اس کے مال کے برابر صدقہ کا اجر ملے گا۔

12. ﴿كَذٰلِكَ يُرِيهِمُ اللهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ﴾[3]

(اس طرح اللہ انھیں ان کے اعمال ان پر حسرتیں بنا کر دکھائے گا۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ علیه‌السلام فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ كَذٰلِكَ يُرِيهِمُ اللهُ أَعْمالَهُمْ حَسَراتٍ عَلَيْهِمْ ﴾ قَالَ : « هُوَ الرَّجُلُ يَدَعُ مَالَهُ لَايُنْفِقُهُ فِي طَاعَةِ اللهِ بُخْلاً ، ثُمَّ يَمُوتُ ، فَيَدَعُهُ لِمَنْ يَعْمَلُ فِيهِ بِطَاعَةِ اللهِ أَوْ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ ، فَإِنْ عَمِلَ بِهِ فِي طَاعَةِ اللهِ ، رَآهُ فِي مِيزَانِ غَيْرِهِ ، فَرَآهُ حَسْرَةً وَقَدْ كَانَ

1البقرہ:280

2کلینی،ابوجعفر،محمد بن یعقوب،الکافی،کتاب الزکاۃ، بَابُ إِنْظَارِ الْمُعْسِرِ،حدیث6136-

3البقرہ:167

الْمَالُ لَهُ ، وَإِنْ كَانَ عَمِلَ بِهِ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ ، قَوَّاهُ بِذلِكَ الْمَالِ حَتّى عَمِلَ بِهِ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ ».))[1]

(حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام نے اس آیت کریمہ ﴿ كَذلِكَ يُرِيهِمُ اللهُ أَعْمالَهُمْ حَسَراتٍ عَلَيْهِمْ ﴾کے بارے میں فرمایا: وہ ایسا شخص ہے جو اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں پکارتا ہے، اور پھر مر جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اس رقم سے تقویت دے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اس کے ساتھ کام نہ کرے۔)

13. ﴿وَأَطْعِمُوا الْبائِسَ الْفَقِيرَ﴾[2]

(اور تنگ دست محتاج کو کھلاؤ۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ وَأَطْعِمُوا الْبائِسَ الْفَقِيرَ﴾ قَالَ : « هُوَ الزَّمِنُ الَّذِي لا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَخْرُجَ لِزَمَانَتِهِ ».))[3]

(حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ کے اس قول﴿وَأَطْعِمُوا الْبائِسَ الْفَقِيرَ ﴾کے بارے میں فرمایا:اس سے مراد وہ مجبور شخص ہے جو اپنے اپاہج ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ نکالنے کے قابل نہیں۔)

14. ﴿يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّباتِ ما كَسَبْتُمْ وَمِمّا أَخْرَجْنا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ﴾[4]

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم نے کمائی ہیں اور ان میں سے بھی جو ہم نے تمھارے لیے زمین سے نکالی ہیں اور اس میں سے گندی چیز کا ارادہ نہ کرو، جسے تم خرچ کرتے ہو۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّباتِ ما كَسَبْتُمْ وَمِمّا أَخْرَجْنا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ ﴾ قَالَ : « كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله إِذَا أَمَرَ بِالنَّخْلِ أَنْ يُزَكّى ، يَجِيءُ قَوْمٌ بِأَلْوَانٍ مِنَ التَّمْرِ وَهُوَ مِنْ أَرْدَى التَّمْرِ يُؤَدُّونَهُ مِنْ زَكَاتِهِمْ تَمْراً يُقَالُ لَهُ : الْجُعْرُورُ وَالْمِعى فَأْرَةُ ، قَلِيلَةَ اللِّحَاءِ ، عَظِيمَةَ النَّوى ، وَكَانَ بَعْضُهُمْ يَجِيءُ بِهَا عَنِ التَّمْرِ الْجَيِّدِ ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله : لَا تَخْرُصُوا هَاتَيْنِ التَّمْرَتَيْنِ ، وَلَاتَجِيئُوا مِنْهَا بِشَيْءٍ ، وَفِي ذلِكَ نَزَلَ : ﴿وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ ﴾ وَالْإِغْمَاضُ أَنْ تَأْخُذَ هَاتَيْنِ التَّمْرَتَيْنِ »))[5]

---

1 کلینی،ابو جعفر، محمد بن یعقوب،الکافی، کتاب الزکاۃ، بَابُ الْإِنْفَاقِ، حدیث6162-

2 الحج:28

3 کلینی،ابو جعفر، محمد بن یعقوب،الکافی، کتاب الزکاۃ، بَابُ النَّوَادِرِ، حدیث6182-

4 البقرہ:267

5 کلینی،ابو جعفر، محمد بن یعقوب،الکافی، کتاب الزکاۃ، بَابُ النَّوَادِرِ، حدیث6187-

(حضرت عبد اللہ علیہ السلام اس آیت کریمہ کے بارے میں فرماتے ہیں: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی راہ میں اچھا حصہ دو اور اس چیز سے دو جو زمین سے تمہارے لیے پیدا ہوئی ہے، اور بری چیز راہ خدا میں نہ دو جیسے تم خود لینا پسند نہیں کرتے، اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ جب کسی درخت خرما سے زکوٰۃ لینے کا حکم دیتے تو کچھ لوگ اپنی زکوٰۃ میں دینے کے لیے ردی خرمے لے آتے، ان میں گودا کم ہوتا تھا اور گھٹلی بڑی ہوتی تھی، بعض لوگ اچھے خرمے بھی لاتے تھے، نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ان دو قسموں کے خرموں کا تخمینہ نہ کرو اور ان میں سے کوئی چیز زکوٰۃ کے لیے نہ لے کر آؤ، اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ خراب جنس کو جسے تم خود لینا پسند نہیں کرتے زکوٰۃ میں قصد نہ کرو اور لینے والوں کو چاہیے کہ وہ اس قسم کے خرمے نہ لیں۔)

ایک اور روایت میں ہے:

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّباتِ ما كَسَبْتُمْ﴾ فَقَالَ : « كَانَ الْقَوْمُ قَدْ كَسَبُوا مَكَاسِبَ سَوْءٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ ، فَلَمَّا أَسْلَمُوا أَرَادُوا أَنْ يُخْرِجُوهَا مِنْ أَمْوَالِهِمْ لِيَتَصَدَّقُوا بِهَا ، فَأَبَى اللهُ - تَبَارَكَ وَتَعَالى - إِلَّا أَنْ يُخْرِجُوا مِنْ أَطْيَبِ مَا كَسَبُوا ».))[1]

(حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام نے اس آیت کریمہ ﴿أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّباتِ ما كَسَبْتُمْ ﴾ کے بارے میں فرمایا: (اللہ کی راہ میں اپنی کمائی کا بہترین حصہ دو۔) زمانہ جاہلیت میں لوگ مذموم پیشوں سے کماتے تھے، جب وہ مسلمان ہو گئے تو انہوں نے انہی اموال سے صدقہ نکالنا چاہا، پس اللہ تعالیٰ نے اس کے لینے سے انکار کیا اور حکم دیا کہ پاک مال میں سے زکوٰۃ دیں۔)

اس روایت میں اس بات کی وضاحت ہے کہ کون سا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا چاہیے؟ ظاہری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک اور حلال مال کو پسند کرتا ہے اور حرام اور ناپاک مال کو پسند نہیں کرتا۔ اسی طرح زمانہ جاہلیت میں لوگ مذموم پیشوں سے مال کماتے تھے اور جب وہ مسلمان ہوئے تو انہوں نے ان اموال سے صدقہ نکالنے کی خواہش ظاہر کی تو اللہ تعالیٰ نے ان اموال کو لینے سے انکار کیا۔

15. ﴿وَيَسْئَلُونَكَ ما ذا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ ﴾[2]

(اور وہ تجھ سے پوچھتے ہیں کیا چیز خرچ کریں، کہہ دے جو بہترین ہو۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ وَيَسْئَلُونَكَ ما ذا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ ﴾ قَالَ: « الْعَفْوُ الْوَسَطُ ».))[3]

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الزکاۃ، بَابُ النَّوَادِرِ، حدیث 6188-

2 البقرہ: 219

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الزکاۃ، بَابُ فَضْلِ الْقَصْدِ، حدیث 6209-

(حضرت ابو عبداللہ علیہ السلام نے اس آیت کریمہ ﴿ وَيَسْئَلُونَكَ ما ذا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ ﴾ کے بارے میں فرمایا: کہ لوگ پوچھتے ہیں کہ ہم کیسے خرچ کریں؟ کہہ دو عفو سے خرچ کرو۔ اور فرمایا: عفو سے مراد میانہ روی ہے، یعنی میانہ روی سے خرچ کرو۔)

16. ﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾[1]

(اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت کی طرف مت ڈالو اور نیکی کرو، بے شک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام ، قَالَ : « لَوْ أَنَّ رَجُلاً أَنْفَقَ مَا فِي يَدَيْهِ فِي سَبِيلٍ مِنْ سُبُلِ اللهِ ، مَا كَانَ أَحْسَنَ ، وَلَاوُفِّقَ ، أَلَيْسَ يَقُولُ اللهُ تَعَالى : ﴿ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴾ يَعْنِي الْمُقْتَصِدِينَ ».))[2]

(حضرت ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا: اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال غلط طریقہ سے صرف کرے تو توفیق سے محروم رہے گا، کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا: اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، احسان کرو، اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ یعنی کفایت شعاروں کو دوست رکھتا ہے۔)

17. ﴿وَالَّذِينَ إِذا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكانَ بَيْنَ ذلِكَ قَواماً﴾[3]

(اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ خرچ میں تنگی کرتے ہیں اور (ان کا خرچ) اس کے درمیان معتدل ہوتا ہے۔)

((عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عَمْرٍو الْأَحْوَلِ ، قَالَ :تَلَا أَبُو عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام هذِهِ الْآيَةَ : ﴿ وَالَّذِينَ إِذا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكانَ بَيْنَ ذلِكَ قَواماً ﴾ قَالَ : فَأَخَذَ قَبْضَةً مِنْ حَصًى ، وَقَبَضَهَا بِيَدِهِ ، فَقَالَ : « هذَا الْإِقْتَارُ الَّذِي ذَكَرَهُ اللهُ فِي كِتَابِهِ » ثُمَّ قَبَضَ قَبْضَةً أُخْرى ، فَأَرْخى كَفَّهُ كُلَّهَا ، ثُمَّ قَالَ: « هذَا الْإِسْرَافُ » ثُمَّ أَخَذَ قَبْضَةً أُخْرى ، فَأَرْخى بَعْضَهَا ، وَأَمْسَكَ بَعْضَهَا، وَقَالَ : « هذَا الْقَوَامُ ».))[4]

(حضرت عبد المالک بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو عبداللہ علیہ السلام نے یہ آیت پڑھی: جو لوگ خرچ کرتے ہیں اور اسراف و بخل نہیں کرتے اور درمیانی راستہ اختیار کرتے ہیں تو وہی صحیح طریقہ ہے، پھر حضرت

1البقرہ:195

2کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الزکاۃ، بَابُ فَضْلِ الْقَصْدِ، حدیث6213-

3الفرقان:67

4کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الزکاۃ، بَابُ كَرَاهِيَةِ السَّرَفِ وَالتَّقْتِيرِ، حدیث6220-

نے ایک مٹھی میں سنگریزہ لے کر مٹھی بند کرلی، پھر آپ نے فرمایا: یہ بخل ہے پھر ایک مٹھی میں لے کر بالکل کھول دی، اور فرمایا: یہ اسراف ہے پھر ایک مٹھی میں لے کر کچھ مٹھی کھولی کچھ بند کرلی، اور فرمایا یہ میانہ روی ہے۔)

18. ﴿وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصادِهِ وَلا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾[1]

(اور اس کا حق اس کی کٹائی کے دن ادا کرو اور حد سے نہ گزرو، یقیناوہ حد سے گزرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔)

((عَنْ هِشَامِ بْنِ الْمُثَنّى ، قَالَ :سَأَلَ رَجُلٌ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ :﴿ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصادِهِ وَلا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ ؟ فَقَالَ : « كَانَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ الْأَنْصَارِيُّ – سَمَّاهُ – وَكَانَ لَهُ حَرْثٌ ، وَكَانَ إِذَا أَخَذَ يَتَصَدَّقُ بِهِ ، وَيَبْقى هُوَ وَعِيَالُهُ بِغَيْرِ شَيْءٍ ، فَجَعَلَ اللهُ – عَزَّ وَجَلَّ – ذلِكَ سَرَفاً ».))[2]

(حضرت ہشام بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام سے اس آیت کریمہ کے بارے میں سوال کیا: فصل کاٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو اور فضول خرچی نہ کرو، اللہ فضول خرچ کرنے والوں دوست نہیں رکھتا، حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا: فلاں بن فلاں انصاری کی فصل جب تیار ہوئی تو اس نے ساری فصل اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دی، اور خود اور اپنے عیال کے لیے کوئی چیز نہیں چھوڑی، لہذا اللہ تعالیٰ نے اس کو فضول خرچی قرار دیا ہے۔)

19. ﴿وَلا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلى عُنُقِكَ وَلا تَبْسُطْها كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوماً مَحْسُوراً﴾[3]

(اور نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھاہوا کرلے اور نہ اسے کھول دے، پورا کھول دینا، ورنہ ملامت کیا ہوا، تھکاہارا ہو کر بیٹھ رہے گا۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ وَلا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلى عُنُقِكَ وَلا تَبْسُطْها كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوماً مَحْسُوراً ﴾ قَالَ : « الْإِحْسَارُ : الْفَاقَةُ ».))[4]

(حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام اس آیت کریمہ ﴿ وَلا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلى عُنُقِكَ وَلا تَبْسُطْها كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوماً مَحْسُوراً ﴾ کے بارے میں فرمایا: اور نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھاہوا کرلے اور نہ اسے کھول دے، پورا کھول دینا، ورنہ ملامت کیا ہوا، تھکاہارا ہو کر بیٹھ رہے گا۔ آپ نے فرمایا: الاحسار سے مراد غربت ہے۔)

---

1 الانعام:141

2 کلینی، ابوجعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الزکاۃ، بَابُ كَرَاهِيَةِ السَّرَفِ وَالتَّقْتِيرِ، حدیث 6224-

3 الاسراء:29

4 کلینی، ابوجعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الزکاۃ، بَابُ كَرَاهِيَةِ السَّرَفِ وَالتَّقْتِيرِ، حدیث 6225-

خلاصہ بحث

امام کلینیؒ نے کتاب الزکوۃ میں 89 ابواب اور 528 روایات بیان کی ہیں۔ آپ نے فرض زکوٰۃ میں اور مال میں واجب حقوق، زکوٰۃ کے فضائل، زکوٰۃ نہ دینے پر وعید، کن چیزوں پر زکوٰۃ ہے، جانوں اور فصلوں پر زکوٰۃ کی شرح، میت کی طرف سے ادائیگی زکوٰۃ، مال یتیم پر زکوٰۃ، اداب صدقہ، زکوٰۃ سے بچنے کی تدبیر، پوشیدہ صدقہ دینے کی فضیلت، رات کا صدقہ جیسے موضوعات پر روایات کو پیش کیا ہے۔

امام کلینیؒ نے مصارف زکوٰۃ کو واضح انداد میں بیان کیا ہے اور وہ آٹھ ہیں مثلاً: فقراء، مساکین، عاملین، مولفۃ القلوب، غلام، الغارمین، اللہ کے راستے میں اور مسافر، ان میں زکوٰۃ کی تقسیم کی جائے گی۔ زکوٰۃ فرض ہے، اس سے مال پاک ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سونے، چاندی پر زکوٰۃ فرض کی ہے، نیز اونٹ، گائے، بکری، گندم، جو، انگور پر صدقہ فرض کیا ہے۔ یہ زکوٰۃ ایک سال گزرنے کے بعد ادا کی جائے گی، سال سے قبل زکوٰۃ ادا کرنا فرض نہیں ہے۔ صاحب نصاب شخص کے لیے لازم ہے کہ زکوٰۃ ادا کرے، صلہ رحمی کرے اور اپنی قوم کا بوجھ اٹھائے۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ غریبوں کو مال چھپے ہوئے انداد سے دے، ایسا نہ ہو کہ غریبوں کو مال دے کر لوگوں میں اس کا چرچہ عام کرے، اور اس غریب کی عزت نفس مجروح کرے۔ ایسے شخص کے لیے سوچنے کا مقام یہ ہے جو اللہ دینے پر قادر ہے وہ لینے پر بھی قادر ہے۔ لہذا ایسے امور سے بچنا چاہیے۔

امام کلینیؒ نے بھی امام بخاریؒ کی طرح زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کے لیے وعید سنائی ہے، اور اس کی وعید پر وہی روایت پیش کی جو امام بخاریؒ نے پیش کی ہے۔ کہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کے لیے قیامت والے دن ایک سانپ آئے گا اور گلے کا طوق بنے گا۔ نیز امام کلینیؒ نے یہ روایت بھی پیش کی کہ جو ایک قیراط بھی زکوٰۃ ادا نہیں کرئے گا، وہ شخص مومن و مسلمان نہیں ہے۔ وہ قیامت والے دن یہ خواہش ظاہر کرئے گا، کاش! میں دوبارہ دنیا میں چلا جاؤں اور جو نیک اعمال میں پہلے نہیں کر سکا وہ بھی کر لوں۔ امام کلینیؒ کا موقف یہی ہے کہ جو شخص زکوٰۃ ادا نہیں کی، گویا اس نے نماز بھی ادا نہیں، کیونکہ بندے اور کفر کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہے۔ اور جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتا وہ بھی مسلمان نہیں۔ لہذا یہ دونوں ایک دوسرے کے جز ہیں۔ قرآن مجید نے بھی ان دونوں کو ایک ساتھ بیان کیا ہے۔

زکوٰۃ ادا کرتے وقت فضول خرچی سے اجتناب لازم ہے، ایسا نہ ہو کہ تمام مال اللہ کے راستے میں ادا کر دیا اور بچے بھوکے رہیں۔ بلکہ زکوٰۃ ادا کرتے وقت بھی کفایت شعاری کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اور جو اللہ تعالیٰ نے حصہ مقرر کیا ہے اسی کی پیروی لازم ہے۔ امام کلینیؒ نے یہ روایت بھی پیش کی ہے کہ دولت مند شیعوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دے۔ صدقہ کا مال آل رسول ﷺ پر حرام ہے۔ لہذا آل رسول ﷺ کو ایسے مال سے اجتناب کرنا ہو گا۔

فصل چہارم:

حج سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

حج کی لغوی وضاحت:

لفظ حج باب حج یحج (نصر، مد) سے مصدر ہے،" الحَجُّ: القَصْدُ "[1] اس کا معنی "قصد وارادہ کرنا ہے۔

حج کی شرعی تعریف:

علامہ علی بن محمد جرجانی حج کی تعریف یوں کرتے ہیں:

" الحج: القصد إلى الشيء المعظم، وفي الشرع: قصدٌ لبيت الله تعالى بصفة مخصوصة، في وقت مخصوص، بشرائط مخصوصة. "[2]

(حج کے لغوی معنی عظیم چیز کا ارادہ کرنے کے ہیں، اور شریعت کی اصطلاح میں "خاص طریقے سے خاص وقت میں خاص شرائط کے ساتھ بیت اللہ کا ارادہ کرنے کو" حج کہتے ہیں۔)

مخصوص افعال کی ادائیگی کے لیے مسجد حرام کی طرف (سفر کا) قصد کرنا حج کہلاتا ہے۔[3]

حج اسلام کا رکن ہے:

حج ارکان اسلام میں سے ہے، اس سے متعلق نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَإِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ .))[4] (اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم کی گئی ہے۔ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوۃ ادا کرنا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔)

خلاصہ بحث

حج کے لغوی معانی قصد اور ارادہ کے ہیں، اصطلاح میں حج مخصوص افعال کی ادائیگی کے لیے مسجد حرام کی طرف قصد کرنا ہے۔ حج ارکان اسلام میں ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، ان میں

---

1 فیروز آبادی، ابوطاہر، محمد بن یعقوب، القاموس المحیط ، ص183-

2 الجرجانی، علی بن محمد، التعریفات، ص82-

3 الزحیلی، وھبۃ، ڈاکٹر، الفقۃ الاسلامی و ادلتہ، ج3، ص346-

4 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، بَابُ دُعَاؤُكُمْ إِيمَانُكُمْ، حدیث 8-

سے ایک حج بھی ہے۔ حج کے بہت سے فوائد و ثمرات کتب احادیث میں وارد ہوئے ہیں، ان میں سے چند ایک کا جائزہ ہم نے اس مبحث میں پیش کیا ہے۔ مثلاً حج ایک بہترین جہاد ہے، حج سے گناہ معاف ہوتے ہیں، حج جنت میں داخلے کا سبب ہے، حج بری موت سے بچاو کا سبب ہے، حج ادا کرنے سے آدمی فقر سے محفوظ ہوتا ہے۔ وغیرہ۔

مبحث اول:

صحیح بخاری کی حج سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری کی کتاب الحج میں 151 ابواب قائم کیے ہیں۔ اس میں پہلا باب" باب وُجُوبِ الْحَجِّ وَفَضْلِهِ" اور آخری باب" باب الإِدْلاَجِ مِنَ الْمُحَصَّبِ" قائم کیا ہے۔ امام بخاریؒ نے اس کتاب میں 1513 سے لے کر 1772 تک احادیث جمع کی ہیں۔ ذیل میں ہم حج سے متعلق تفسیری احادیث و آثار پر بحث کریں گے۔

1. ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ﴾[1]

(بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، تو جو کوئی اس گھر کا حج کرے، یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ دونوں کا خوب طواف کرے اور جو کوئی خوشی سے کوئی نیکی کرے تو بے شک اللہ قدر دان ہے، سب کچھ جاننے والا ہے۔)

((حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَأَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيثُ السِّنِّ أَرَأَيْتِ قَوْلَ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ فَمَا أُرَى عَلَى أَحَدٍ شَيْئًا أَنْ لاَ يَطَّوَّفَ بِهِمَا. فَقَالَتْ عَائِشَةُ كَلاَّ لَوْ كَانَتْ كَمَا تَقُولُ كَانَتْ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لاَ يَطَّوَّفَ بِهِمَا، إِنَّمَا أُنْزِلَتْ هَذِهِ الآيَةُ فِي الأَنْصَارِ، كَانُوا يُهِلُّونَ لِمَنَاةَ، وَكَانَتْ مَنَاةُ حَذْوَ قُدَيْدٍ، وَكَانُوا يَتَحَرَّجُونَ أَنْ يَطُوفُوا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَلَمَّا جَاءَ الإِسْلاَمُ سَأَلُوا رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ ذَلِكَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾))[2]

(ہم سے عبد اللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا ہم کو امام مالک نے خبر دی، انہیں ہشام بن عروہ نے، ان سے ان کے والد نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا (ان دنوں میں نو عمر تھا) کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس ارشاد کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ

---

1 البقرہ:158

2 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ﴾، حدیث 4495-

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾[1](صفا اور مروہ بیشک اللہ کی یادگار چیزوں میں سے ہیں۔ پس جو کوئی بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ ان دونوں کے درمیان آمدورفت (یعنی سعی) کرے۔) میرا خیال ہے کہ اگر کوئی ان کی سعی نہ کرے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہونا چاہیئے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ہرگز نہیں جیسا کہ تمہارا خیال ہے۔ اگر مسئلہ یہی ہوتا تو پھر واقعی ان کے سعی نہ کرنے میں کوئی گناہ نہ تھا۔ لیکن یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی (اسلام سے پہلے) انصار منات بت کے نام سے احرام باندھتے تھے، یہ بت مقام قدید میں رکھا ہوا تھا اور انصار صفا اور مروہ کی سعی کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ جب اسلام آیا تو انہوں نے سعی کے متعلق آپ ﷺ سے پوچھا: اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾[2](صفا اور مروہ بیشک اللہ کی یادگار چیزوں میں سے ہیں، سو جو کوئی بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی بھی گناہ نہیں کہ ان دونوں کے درمیان (سعی) کرے۔)

صفا، مسجد حرام کے نزدیک ایک پہاڑی کا نام ہے اسی طرح مروہ بھی اس کے شمالی جانب ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے ان دونوں کے درمیان نشیب میں وادی تھی، حضرت ہاجرہ اپنے بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیاس بجھانے کے لئے پانی کی تلاش میں دونوں پہاڑیوں کے درمیان دوڑ لگانے لگیں۔ صفا، مروہ کے درمیان سعی اسی دوڑ کی یادگار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سعی کو مناسک میں شامل فرمایا جو اس نے اپنے بندے ابراہیم علیہ السلام کو سکھائے تھے۔ اہل مدینہ اوس اور خزرج اسلام سے پہلے منات طاغیہ کی پوجا کرتے تھے اور اس کا تلبیہ پڑھتے تھے اسی طرح اہل مکہ نے صفا اور مروہ پر اساف اور نائلہ نام کے دو بت نصب کر رکھے تھے۔ مشہور تھا کہ اہل مدینہ اور اہل مکہ کے بتوں کے درمیان عداوت تھی اسی وجہ سے ان کے متعلقین کے تعلقات بھی کشیدہ تھے۔ دور جاہلیت میں صورت حال اس طرح تھی کہ اہل مدینہ منات سے تعلق رکھتے تھے اس لئے وہ حج کے موقع پر بیت اللہ کا طواف تو کرتے لیکن صفا اور مروہ پر نہیں جاتے تھے کیونکہ وہاں اہل مکہ کے بت اساف اور نائلہ نصب تھے اور اہل مکہ حج کے موقع پر بیت اللہ کا طواف بھی کرتے تھے اور اپنے بتوں سے عقیدت کی بنا پر صفا اور مروہ کی سعی بھی کرتے جب اہل مدینہ اور اہل مکہ مسلمان ہوئے تو اساف اور نائلہ کے متعلقین اہل مکہ کہنے لگے کہ ہم مسلمان ہیں اس لئے حج کے موقع پر بیت اللہ کا طواف تو کریں گے لیکن صفا اور مروہ کی سعی نہیں کریں گے کیونکہ یہ جاہلیت کا عمل ہے اور اہل مدینہ کو دو شبہات کی بنا پر صفا اور مروہ کی سعی سے ہچکچاہٹ تھی: ایک تو طبعی نفرت تھی جو پہلے سے ان کے اندر موجود تھی

1البقرہ:158

2البقرہ:158

دوسرا یہ کہ دور جاہلیت کا فعل تھا اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت میں اہل مکہ اور اہل مدینہ دونوں کو نصیحت فرمائی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ علیہ کو شبہ لاحق ہوا کہ لَا جُنَاحَ کہنے کا مطلب ہے کہ صفا اور مروہ کی سعی ضروری نہیں کیونکہ لَا جُنَاحَ کا مصداق تو مباحات کے دائرے میں ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ جو کچھ تم نے سمجھا ہے وہ مبنی بر حقیقت نہیں کیونکہ گناہ کی نفی تو سعی کے کرنے میں ہے یعنی اس کے کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس میں چار چیزیں آسکتی ہیں ممکن ہے وہ فرض ہو، واجب ہو، سنت ہو یا مباح ہو، حضرت عروہ نے عدم طواف پر نفی جناح خیال کیا، حالانکہ یہ انداز تو کسی چیز کے حرام اور مکروہ ہونے پر اختیار کیا جاتا ہے اور یہ بات تب ثابت ہوتی جب آیت اس طرح ہوتی: ”اگر ان کا طواف نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں“، لیکن آپ کا اسلوب اس کے برعکس ہے دراصل یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں ہے جنہیں طواف کرنے میں شبہ تھا انہیں عدم طواف میں تو کوئی شبہ نہیں تھا۔

امام بخاریؒ اس آیت کی تفسیر میں ایک اور روایت پیش کرتے ہیں:

((عَنْ عَاصِمِ بْنِ سُلَيْمَانَ، قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ . رضى الله عنه . عَنِ الصَّفَا، وَالْمَرْوَةِ. فَقَالَ كُنَّا نَرَى أَنَّهُمَا مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ، فَلَمَّا كَانَ الإِسْلاَمُ أَمْسَكْنَا عَنْهُمَا، فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾.))[1]

(عاصم بن سلیمان نے بیان کیا اور انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے صفا اور مروہ کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ اسے ہم جاہلیت کے کاموں میں سے سمجھتے تھے۔ جب اسلام آیا تو ہم ان کی سعی سے رک گئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ ﴾ سے ارشاد ﴿أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ تک۔ یعنی بیشک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ پس ان کی سعی کرنے میں حج اور عمرہ کے دوران کوئی گناہ نہیں ہے۔)

جب مسجد حرام کو قبلہ مقرر کیا گیا تو صفا اور مروہ کے متعلق لوگوں میں بہت غلط فہمیاں پائی جاتی تھیں جن کی تفصیل ہم نے پہلی روایت میں بیان کی ہیں۔ اس آیت کریمہ میں ان غلط فہمیوں کا تدارک کیا گیا ہے کہ ان دونوں مقامات کے درمیان سعی کرنا حج کے اصل مناسک سے ہے نیز ان مقامات کا تقدس اللہ کی جانب سے ہے۔ اہل جاہلیت کی من گھڑت ایجادات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

2. ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ﴾[2]

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ﴾، حدیث 4496-

2 البقرہ:196

(لیکن اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو، اس پر ایک مسکین کا کھلانا بطور فدیہ ضروری ہے۔)

((عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الأَصْبَهَانِيِّ، قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَعْقِلٍ، قَالَ قَعَدْتُ إِلَى كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ ـ يَعْنِي مَسْجِدَ الْكُوفَةِ ـ فَسَأَلْتُهُ عَنْ فِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ فَقَالَ حُمِلْتُ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَالْقَمْلُ يَتَنَاثَرُ عَلَى وَجْهِي فَقَالَ " مَا كُنْتُ أُرَى أَنَّ الْجَهْدَ قَدْ بَلَغَ بِكَ هَذَا، أَمَا تَجِدُ شَاةً ". قُلْتُ لاَ. قَالَ " صُمْ ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ، أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ، لِكُلِّ مِسْكِينٍ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ طَعَامٍ، وَاحْلِقْ رَأْسَكَ ". فَنَزَلَتْ فِيَّ خَاصَّةً وَهْىَ لَكُمْ عَامَّةً.))[1]

(عبد الرحمٰن بن اصبہانی نے، کہا میں نے عبد اللہ بن معقل سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ میں کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس مسجد میں حاضر ہوا، ان کی مراد کوفہ کی مسجد سے تھی اور ان سے روزے کے فدیہ کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے بیان کیا کہ مجھے احرام میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لوگ لے گئے اور جوئیں (سر سے) میرے چہرے پر گر رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا خیال یہ نہیں تھا کہ تم اس حد تک تکلیف میں مبتلا ہو گئے ہو تم کوئی بکری نہیں مہیا کر سکتے؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا، پھر تین دن کے روزے رکھ لو یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو، ہر مسکین کو آدھا صاع کھانا کھلانا اور اپنا سر منڈوالو۔ کعب رضی اللہ عنہ نے کہا تو یہ آیت خاص میرے بارے میں نازل ہوئی تھی اور اس کا حکم تم سب کے لیے عام ہے۔)

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے بال گھنے اور لمبے تھے عمرہ حدیبیہ کے موقع پر ان کے سر میں اتنی جوئیں پڑ گئیں کہ ان کے چہرے پر گرنے لگیں تو نبی کریم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ فدیے کا بندوبست کر کے اپنے سر کو منڈوا دو۔ اس حدیث نے آیت کریمہ کی وضاحت کر دی کہ محرم آدمی اگر کسی وجہ سے اپنا سر منڈوا دے تو وہ تین دن کے روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا کم از کم ایک بکری ذبح کرے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کسی مجبوری کی وجہ سے دس ذوالحجہ سے پہلے محرم آدمی اپنا سر منڈوا دے، روزوں کے علاوہ کھانا کھلانے یا قربانی دینے کی جگہ کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض حضرات کی رائے ہے کہ کھانا یا قربانی مکہ ہی میں دی جائے جبکہ دوسرے اہل علم کا خیال ہے کہ روزوں کی طرح ان کے لئے کوئی خاص جگہ متعین نہیں ہے۔

3. ﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ﴾[2]

(تو پھر جو شخص حج کو عمرہ کے ساتھ ملا کر فائدہ اٹھائے۔)

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ﴾، حدیث 4517۔

2 البقرہ:196

((عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ ۔ رضی اللہ عنہما ۔ قَالَ أُنْزِلَتْ آيَةُ الْمُتْعَةِ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَفَعَلْنَاهَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم، وَلَمْ يُنْزَلْ قُرْآنٌ يُحَرِّمُهُ، وَلَمْ يَنْهَ عَنْهَا حَتَّى مَاتَ قَالَ رَجُلٌ بِرَأْيِهِ مَا شَاءَ.))[1]

(عمران بن حصین رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ (حج میں) تمتع کا حکم قرآن میں نازل ہوا اور ہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ تمتع کے ساتھ (حج) کیا، پھر اس کے بعد قرآن نے اس سے نہیں روکا اور نہ اس سے نبی کریم ﷺ نے روکا، یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی (لہٰذا تمتع اب بھی جائز ہے) یہ تو ایک صاحب نے اپنی رائے سے جو چاہا کہہ دیا ہے۔)

حج کی تین قسمیں ہیں: (1) افراد: صرف حج کی نیت سے احرام باندھا جائے۔ (2) قرآن: حج و عمرہ دونوں کی ایک ساتھ نیت کر کے احرام باندھا جائے۔ (3) تمتع: اس میں بھی حج و عمرہ دونوں کی نیت ہوتی ہے لیکن پہلے صرف عمرہ کیا جاتا ہے اس کے بعد آٹھ ذوالحج کو حج کا احرام باندھا جاتا ہے۔ حج قرآن اور حج تمتع میں ایک ہدی بھی قربانی دینا ہوتی ہے۔ حضرت عمران رضی اللہ عنہ حج تمتع سے متعلق اس آیت کا حوالہ دیتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج تمتع سے منع کرتے تھے اس کی وجہ اس کا حرام ہونا نہیں بلکہ ان کے پیش نظر یہ مصلحت تھی کہ لوگ ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ ادا کر کے خانہ کعبہ کو چھوڑ کر نہ جائیں بلکہ حج اور عمرے کے لئے الگ الگ سفر کر کے برابر بیت اللہ میں آتے رہیں۔ چونکہ آپ کا یہ موقف کتاب و سنت کے خلاف تھا اس لئے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما نے اس موقف کو ان کی ذاتی رائے قرار دیا اور اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس سے لوگوں کو سبق لینا چاہیے جو کسی خاص امام کی تقلید کو ضروری قرار دیتے ہیں جب خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے مطلقاً قابل تسلیم نہیں تو دوسرے مجتہدین کس شمار میں ہیں؟ حالانکہ خود مجتہدین نے وصیت فرمائی ہے کہ کتاب و سنت کے خلاف ہماری رائے کو تسلیم نہ کیا جائے۔

4. ﴿ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ﴾[2]

(پھر تم بھی وہاں جا کر لوٹ آؤ جہاں سے لوگ لوٹ آتے ہیں۔)

((عَنْ عَائِشَةَ ۔ رضی اللہ عنہا ۔ كَانَتْ قُرَيْشٌ وَمَنْ دَانَ دِينَهَا يَقِفُونَ بِالْمُزْدَلِفَةِ، وَكَانُوا يُسَمَّوْنَ الْحُمْسَ، وَكَانَ سَائِرُ الْعَرَبِ يَقِفُونَ بِعَرَفَاتٍ، فَلَمَّا جَاءَ الإِسْلاَمُ أَمَرَ اللَّهُ نَبِيَّهُ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ يَأْتِيَ عَرَفَاتٍ، ثُمَّ يَقِفَ بِهَا ثُمَّ يُفِيضَ مِنْهَا، فَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ﴾))[3]

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ﴾، حدیث 4518-

2 البقرہ: 199

3 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ﴾، حدیث 4520-

(عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہانے کہ قریش اور ان کے طریقے کی پیروی کرنے والے عرب (حج کے لیے) مزدلفہ میں ہی وقوف کیا کرتے تھے، اس کا نام انہوں الحمس رکھا تھا اور باقی عرب عرفات کے میدان میں وقوف کرتے تھے۔ پھر جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ عرفات میں آئیں اور وہیں وقوف کریں اور پھر وہاں سے مزدلفہ آئیں۔ آیت ﴿ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ﴾ سے یہی مراد ہے۔)

قریش خود کو اہل حرم اور بیت اللہ کے مجاور خیال کرتے تھے انہوں نے اپنے لئے ایک امتیاز قائم کر رکھا تھا کہ حج کے موقع پر حدود حرم سے نکل کر عام لوگوں کے ساتھ عرفات جانا اپنی شان کے خلاف خیال کرتے تھے اس لئے وہ مزدلفہ جاتے اور وہیں سے واپس منی آجاتے، پھر یہی امتیاز بنو خزاعہ، بنو کنانہ اور ان کے دوسرے قبیلوں کو بھی حاصل ہو گیا جن کے ساتھ قریش کے رشتے ناتے تھے۔ آخر کار نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ جو قبائل قریش کے حلیف تھے انہوں نے بھی عام لوگوں کے ساتھ عرفات جانا چھوڑ دیا۔ اس آیت کریمہ میں قریش کے فخر و غرور کے اسی بت کو پاش پاش کیا گیا ہے اور انہیں سنت ابراہیم علیہ السلام کے احیا کے متعلق کہا گیا ہے۔ قرآن کریم نے قریش کے اس خود ساختہ امتیاز کو ختم کر کے سب کو ایک ہی سطح پر کر دیا۔ حمس، حماسہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی شدت کے ہیں قریش چونکہ اپنے دینی معاملات میں دوسروں کی اطاعت نہیں کرتے تھے بلکہ اس سلسلے میں اپنے آپ کو خود کفیل سمجھتے تھے اس لئے انہیں حمس کہا جاتا تھا انہوں نے اپنے مصنوعی تقدس کے پیش نظر بے شمار بدعات قائم کر رکھی تھیں مذکورہ حدیث میں ان کی جاری کردہ ایک بدعت کا تذکرہ ہے۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ يَطَوَّفُ الرَّجُلُ بِالْبَيْتِ مَا كَانَ حَلاَلاً حَتَّى يُهِلَّ بِالْحَجِّ، فَإِذَا رَكِبَ إِلَى عَرَفَةَ فَمَنْ تَيَسَّرَ لَهُ هَدِيَّةٌ مِنَ الإِبِلِ أَوِ الْبَقَرِ أَوِ الْغَنَمِ، مَا تَيَسَّرَ لَهُ مِنْ ذَلِكَ أَيَّ ذَلِكَ شَاءَ، غَيْرَ إِنْ لَمْ يَتَيَسَّرْ لَهُ فَعَلَيْهِ ثَلاَثَةُ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ، وَذَلِكَ قَبْلَ يَوْمِ عَرَفَةَ، فَإِنْ كَانَ آخِرُ يَوْمٍ مِنَ الأَيَّامِ الثَّلاَثَةِ يَوْمَ عَرَفَةَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِ، ثُمَّ لِيَنْطَلِقْ حَتَّى يَقِفَ بِعَرَفَاتٍ مِنْ صَلاَةِ الْعَصْرِ إِلَى أَنْ يَكُونَ الظَّلاَمُ، ثُمَّ لِيَدْفَعُوا مِنْ عَرَفَاتٍ إِذَا أَفَاضُوا مِنْهَا حَتَّى يَبْلُغُوا جَمْعًا الَّذِي يُتَبَرَّرُ فِيهِ، ثُمَّ لِيَذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا، أَوْ أَكْثِرُوا التَّكْبِيرَ وَالتَّهْلِيلَ قَبْلَ أَنْ تُصْبِحُوا ثُمَّ أَفِيضُوا، فَإِنَّ النَّاسَ كَانُوا يُفِيضُونَ، وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ حَتَّى تَرْمُوا الْجَمْرَةَ.))[1]

(عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ (جو کوئی تمتع کرے عمرہ کر کے احرام کھول ڈالے وہ) جب تک حج کا احرام نہ باندھے بیت اللہ کا نفل طواف کرتا رہے۔ جب حج کا احرام باندھے اور عرفات جانے کو سوار ہو تو حج کے بعد جو قربانی ہو سکے وہ کرے، اونٹ ہو یا گائے یا بکری۔ ان تینوں میں سے جو ہو سکے اگر قربانی میسر نہ ہو تو تین روزے حج کے دنوں میں رکھے عرفہ کے دن سے پہلے اگر آخری روزہ عرفہ کے دن آجائے تب بھی کوئی

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ﴾، حدیث 4521۔

قباحت نہیں۔ شہر مکہ سے چل کر عرفات کو جائے وہاں عصر کی نماز سے رات کی تاریکی ہونے تک ٹھہرے، پھر عرفات سے اس وقت لوٹے جب دوسرے لوگ لوٹیں اور سب لوگوں کے ساتھ رات مزدلفہ میں گزارے اور اللہ کی یاد، تکبیر اور تہلیل بہت کرتا رہے صبح ہونے تک۔ صبح کو لوگوں کے ساتھ مزدلفہ سے منیٰ کو لوٹے جیسے اللہ نے فرمایا:﴿ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾[1]یعنی کنکریاں مارنے تک اسی طرح اللہ کی یاد اور تکبیر و تہلیل کرتے رہو۔)

حلال ہونے کی دو صورتیں ہیں:(1)ایک آدمی کافی عرصے سے مکہ مکرمہ میں مقیم ہے تو جب تک احرام کی پابندیوں سے آزاد ہے اسے چاہیے کہ وقتاً فوقتاً بیت اللہ کا طواف کرتا رہے۔(2)اگر مکہ کے باہر سے عمرے کا احرام باندھ کر آیا ہے تو عمرہ کر کے جب وہ حلال ہو جائے تو جب تک مکہ مکرمہ میں رہے حج کا احرام باندھنے تک بیت اللہ کا طواف کرتا رہے۔ میدان عرفات میں عصر کی نماز جمع تقدیم کے ساتھ نماز ظہر کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔ عصر کے بعد غروب آفتاب تک میدان عرفات میں وقوف کیا جائے۔ غروب آفتاب کے بعد مغرب کی نماز ادا کیے بغیر مزدلفہ روانہ ہونا چاہیے وہاں پہنچ کر نماز مغرب کو نماز عشاء کے ساتھ جمع تاخیر سے ادا کیا جائے۔ واضح رہے کہ وقوف عرفہ حج کا بنیادی رکن ہے اس کے بغیر حج نہیں ہوتا۔ بہتر ہے کہ غروب آفتاب سے پہلے پہلے میدان عرفہ میں حاضر ہو جائے۔ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے غروب آفتاب سے پہلے میدان عرفہ نہ پہنچ سکے تو فجر سے پہلے پہلے میدان عرفہ میں حاضر ہو جائے تو بھی جائز ہے۔

خلاصہ بحث

حج کے لغوی معنی "قصد و ارادہ کرنا" ہیں۔ خلیل لغوی کے نزدیک اس کے معنی کسی محترم مقام کی طرف بکثرت اور بار بار ارادہ کرنا ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں ایک مقررہ وقت پر مخصوص افعال کی ادائیگی کے لئے مسجد حرام کی طرف سفر کا قصد کرنا اور دیوانوں کی طرح اللہ کے حضور، اس کے گھر میں حاضری دینا حج کہلاتا ہے۔

امام بخاریؒ نے مسائل زکوٰۃ کے بعد مناسک حج بیان کئے ہیں حالانکہ ارکان اسلام کی ترتیب میں زکوٰۃ کے بعد رمضان کے روزے اور آخر میں فریضہ حج کی ادائیگی ہے۔

((إِنَّ الإِسْلَامَ بُنِيَ عَلَى خَمْسٍ، شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَصِيَامِ رَمَضَانَ، وَحَجِّ الْبَيْتِ))[2]

1البقرہ:199

2قشیری، ابوالحسن، مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، كِتَاب الْإِيمَانِ ، باب بَيَانِ أَرْكَانِ الْإِسْلَامِ وَدَعَائِمِهِ الْعِظَامِ ،حدیث114(16)۔

(اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے:(اس حقیقت کی) گواہی دینے پر کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، نماز قائم کرنے، زکاۃ ادا کرنے، رمضان کے روزے رکھنے اور بیت اللہ کا حج کرنے پر ہے۔)

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ راوی حدیث نے حج کے بعد روزے کا ذکر کیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ((لا صِيَامِ رَمَضَانَ، وَالْحَجِّ، هَكَذَا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ))[1](نہیں، پہلے رمضان کے روزے، اس کے بعد حج کا ذکر ہے میں نے نبی کریم ﷺ سے اسی ترتیب کے مطابق سنا ہے۔)

لیکن امام بخاریؒ نے حنظلہ بن ابوسفیان کی روایت پر بنیاد رکھتے ہوئے مذکورہ ترتیب کو اختیار کیا ہے کیونکہ اس روایت میں حج کے بعد صوم رمضان کا ذکر ہے۔

((بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ، شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ))[2]

(اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم کی گئی ہے۔ اول گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔)

صحیح مسلم کی ایک روایت بھی اسی ترتیب کے مطابق ہے۔

((بُنِيَ الإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ، شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَحَجِّ الْبَيْتِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ))[3]

(سلام کی بنیاد پانچ (رکنوں) پر رکھی گئی ہے: اس حقیقت کی (دل، زبان اور بعد میں ذکر کیے گئے بنیادی اعمال کے ذریعے سے) گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکاۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔)

جبکہ صحیح بخاری کی ایک روایت میں روزے کا ذکر زکوٰۃ سے بھی پہلے ہے۔

((بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ إِيمَانٍ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَالصَّلَاةِ الْخَمْسِ، وَصِيَامِ رَمَضَانَ، وَأَدَاءِ الزَّكَاةِ، وَحَجِّ الْبَيْتِ"))[4]

---

1 ایضاً، حدیث 111(16)-

2 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كِتَاب الْإِيمَانِ، بَابُ دُعَاؤُكُمْ إِيمَانُكُمْ، حدیث 8-

3 قشیری، ابوالحسن، مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، كِتَاب الْإِيمَانِ، باب بَيَانِ أَرْكَانِ الْإِسْلَامِ وَدَعَائِمِهِ الْعِظَامِ، حدیث: 112-113(16)-

4 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كِتَاب تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لاَ تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلاَ عُدْوَانَ إِلاَّ عَلَى الظَّالِمِينَ﴾، حدیث 4514-

(اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، پانچ وقت کی نماز پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا، زکوٰۃ دینا اور حج کرنا۔)

اس کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے جس روایت کو بنیاد بنایا ہے وہ روایت بالمعنی ہے۔ دراصل اعمال کی تین اقسام ہیں: * خالص بدنی، * خالص مالی، * بدنی اور مالی۔ امام بخاریؒ نے اعمال کے اعتبار سے مذکورہ ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے۔ پہلے نماز جو خالص بدنی ہے پھر زکوۃ جو خالص مالی ہے اس کے بعد حج جس میں مالی اور بدنی دونوں قسم کے اعمال ہیں روزے کا ذکر اس کے بعد کیا ہے کیونکہ اس کا تعلق ترک اشیاء سے ہے۔ نفسیاتی اعتبار سے اگرچہ روزہ بھی ایک عمل ہے لیکن جسمانی اعتبار سے چند چیزوں کو عبادت کی نیت سے چھوڑ دینے کا نام روزہ ہے۔

امام بخاریؒ نے اس عنوان کے تحت تقریباً دو سو ساٹھ (260) مرفوع متصل احادیث ذکر کی ہیں اور ان پر ایک سو اکیاون (151) چھوٹے چھوٹے عناوین قائم کیے ہیں جن میں وجوب حج، فضیلت حج، مواقیت حج، طریقہ حج، احرام حج اور محذورات حج کو بڑے احسن انداز میں پیش کیا ہے ان کے علاوہ مکہ مکرمہ، حرم شریف، حجر اسود، آب زمزم اور ہدی، یعنی قربانی کے متعلق بھی احکام و مسائل ذکر کئے ہیں۔

الغرض امام بخاریؒ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دلنواز اداؤں اور ان کے اللہ کے راستے پر چلنے کے طور طریقوں کو ایسے دلکش انداز میں پیش کیا ہے کہ قاری، ملت ابراہیم سے اپنی وابستگی اور وفاداری کے اظہار کے لئے اپنے اندر بڑی تڑپ محسوس کرتا ہے اور ابراہیم جذبات و کیفیات کے رنگ میں رنگنے کے لئے خود کو مجبور پاتا ہے۔

مبحث دوم:

الکافی کی حج سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

امام کلینی نے الکافی میں کتاب الحج کو قائم کیا ہے، اس میں "237" ابواب قائم کیے ہیں، پہلا باب " بَابُ بَدْءِ الْحَجَرِ وَالْعِلَّةِ فِي اسْتِلَامِهِ" ہے اور آخری باب" بَابُ النَّوَادِرِ" ہے۔ اس میں آپ نے "6706سے 8199 تک" احادیث و آثار کو جمع کیا ہے۔ نیز آپ نے اس میں تفسیری احادیث و آثار کو بھی پیش کیا ہے۔ ذیل میں ہم الکافی کی الحج سے متعلق تفسیری احادیث و آثار کو بیان کرتے ہیں:

1. ﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبارَكاً وَهُدىً لِلْعالَمِينَ*فِيهِ آياتٌ بَيِّناتٌ﴾[1]

(بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا، یقیناوہی ہے جو بکہ میں ہے، بہت بابرکت اور جہانوں کے لیے ہدایت ہے۔ اس میں واضح نشانیاں ہیں۔)

((عَنِ ابْنِ سِنَانٍ ، قَالَ : سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبارَكاً وَهُدىً لِلْعالَمِينَ*فِيهِ آياتٌ بَيِّناتٌ ﴾ مَا هٰذِهِ الْآيَاتُ الْبَيِّنَاتُ ؟ فَقَالَ : « مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ ؛ حَيْثُ قَامَ عَلَى الْحَجَرِ ، فَأَثَّرَتْ فِيهِ قَدَمَاهُ ، وَالْحَجَرُ الْأَسْوَدُ ».))[2]

(حضرت ابن سنان نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا کہ اس آیت کریمہ میں آیات بینات سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا: مقام ابراہیم یعنی وہ پتھر جس پر قدم ابراہیم کے نشان اور حجر اسود ہے۔)

اس روایت سے واضح ہوا کہ آیات بینات سے مراد مقام ابراہیم ہے، اور مقام ابراہیم وہ مقام ہے یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نشان ہیں۔

2. ﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كانَ آمِناً﴾[3]

(اور جو کوئی اس میں داخل ہوا امن والا ہو گیا۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام ، قَالَ : سَأَلْتُهُ عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كانَ آمِناً ﴾: الْبَيْتَ عَنى ، أَمِ الْحَرَمَ؟ قَالَ : « مَنْ دَخَلَ الْحَرَمَ مِنَ النَّاسِ مُسْتَجِيراً بِهِ ، فَهُوَ آمِنٌ مِنْ سَخَطِ اللهِ ، وَمَنْ دَخَلَهُ مِنَ الْوَحْشِ وَالطَّيْرِ ، كَانَ آمِناً مِنْ أَنْ يُهَاجَ أَوْ يُؤْذى حَتّى يَخْرُجَ مِنَ الْحَرَمِ ».))[1]

---

1 آل عمران:96-97

2 کلینی، ابوجعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الحج، بَابٌ فِي قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ فِيهِ آياتٌ بَيِّناتٌ ﴾، حدیث6767-

3 آل عمران:97

(حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے اس آیت کریمہ﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِناً ﴾ کا مطلب پوچھا اور کہا یہاں خانہ کعبہ مراد ہے یا حرم مراد ہے ؟تو آپ نے فرمایا: جو حرم میں پناہ لینے کے لیے داخل ہوا وہ غضب الہیٰ سے امن میں رہا اور جو وحشی جانور یا پرندہ داخل ہو گا نہ اسے ہٹایا جائے گا نہ ایذا پہنچائی جائے گی جب تک وہ اس سے خود ہی باہر نہ نکلے۔)

اس روایت سے واضح ہوا کہ حرم امن والی جگہ ہے، جو شخص حرم میں کسی وحشت یا خوف کی وجہ سے داخل ہو گا، اسے نہ تو کوئی تکلیف پہنچائی جائے گی، اور نہ ہی اسے وہاں سے نکالا جائے گا، البتہ اگر وہ شخص خود وہاں سے باہر نکلنے کا ارادہ رکھتا ہو تو پھر الگ بات ہے۔

3. ﴿وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذابٍ أَلِيمٍ﴾[2]

(اور جو بھی اس میں کسی قسم کے ظلم کے ساتھ کسی کج روی کا ارادہ کرے گا ہم اسے دردناک عذاب سے مزہ چکھائیں گے۔)

((عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ عَمَّارٍ ، قَالَ :سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحادٍ بِظُلْمٍ ﴾ ؟ قَالَ: « كُلُّ ظُلْمٍ إِلْحَادٌ ، وَضَرْبُ الْخَادِمِ فِي غَيْرِ ذَنْبٍ مِنْ ذلِكَ الْإِلْحَادِ ».))[3]

(حضرت معاویہ بن عمار نے حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے اس آیت﴿ وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذابٍ أَلِيمٍ ﴾ کے بارے میں پوچھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: ہر ظلم الحاد ہے اور بے گناہ خادم کو مارنا بھی الحاد ہے۔)

4. ﴿فَلا عُدْوانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ * فَمَنِ اعْتَدى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدى عَلَيْكُمْ﴾[4]

(تو ظالموں کے سوا کسی پر کوئی زیادتی نہیں۔ پس جو تم پر زیادتی کرے سو تم اس پر زیادتی کرو، اس کی مثل جو اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔)

((عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ عَمَّارٍ ، قَالَ : سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ رَجُلٍ قَتَلَ رَجُلاً فِي الْحِلِّ ، ثُمَّ دَخَلَ الْحَرَمَ؟فَقَالَ : « لَا يُقْتَلُ ، وَلَايُطْعَمُ ، وَلَا يُسْقى ، وَلَايُبَايَعُ ، وَلَا يُؤْوى حَتّى يَخْرُجَ مِنَ الْحَرَمِ ، فَيُقَامَ عَلَيْهِ الْحَدُّ ». قُلْتُ : فَمَا تَقُولُ فِي رَجُلٍ قَتَلَ فِي الْحَرَمِ ، أَوْ سَرَقَ؟ قَالَ : « يُقَامُ عَلَيْهِ الْحَدُّ فِي

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الحج، بَابٌ فِي قَوْلِهِ تَعَالى ﴿ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِناً ﴾، حدیث 6775-

2 الحج:25

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الحج، بَابُ الْإِلْحَادِ بِمَكَّةَ وَالْجِنَايَاتِ، حدیث 6779-

4 البقرہ:193-194

الْحَرَمِ صَاغِراً ؛ إِنَّهُ لَمْ يَرَ لِلْحَرَمِ حُرْمَةً ، وَقَدْ قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿فَمَنِ اعْتَدى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدى عَلَيْكُمْ ﴾ » فَقَالَ: هذَا هُوَ فِي الْحَرَمِ ، فَقَالَ:﴿ فَلا عُدْوانَ إِلَّا عَلَى الظّالِمِينَ ﴾.))[1]

(حضرت معاویہ بن عمار بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے اس شخص کے متعلق پوچھا جس نے ایک شخص کو مقام حل میں قتل کیا اور اس کے بعد وہ حرم میں داخل ہو گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: وہاں اس کو قتل نہ کیا جائے بلکہ اس کو کھانے پینے نہ دیا جائے اور نہ ہی اس سے خرید و فروخت کی جائے یہاں تک کہ وہ حرم سے باہر آئے اس وقت اس پر حد جاری کی جائے۔ میں نے کہا اور اس کے بارے میں کیا حکم ہے جو حرم کے اندر چوری کرے یا قتل کرے آپ علیہ السلام نے فرمایا: اس پر حرم ہی میں حد جاری کی جاے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿فَمَنِ اعْتَدى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدى عَلَيْكُمْ ﴾(جو تم پر ظلم کرے تم بھی اس پر کرو مگر اتنا ہی جتنا اس نے کیا۔) جبکہ امام علیہ السلام حرم میں تھے آپ نے فرمایا: ﴿ فَلا عُدْوانَ إِلَّا عَلَى الظّالِمِينَ ﴾ مگر ظالموں کے لیے سزا نہیں ہے۔)

5. ﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقى﴾[2]

(پھر جو دو دنوں میں جلد چلا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو تاخیر کرے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، اس شخص کے لیے جو ڈرے۔)

((عَنْ عَبْدِ الْأَعْلى ، قَالَ : قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ علیه‌السلام : « كَانَ أَبِي يَقُولُ : مَنْ أَمَّ هذَا الْبَيْتَ حَاجّاً أَوْ مُعْتَمِراً ، مُبَرَّأً مِنَ الْكِبْرِ ، رَجَعَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَهَيْئَةِ يَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ ، ثُمَّ قَرَأَ : ﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقى ﴾. قُلْتُ : مَا الْكِبْرُ؟ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی‌الله‌علیه‌وآله : إِنَّ أَعْظَمَ الْكِبْرِ غَمْصُ الْخَلْقِ ، وَسَفَهُ الْحَقِّ.))[3]

(حضرت عبد الاعلی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: کہ میرے والد فرماتے ہیں: جو خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کا ارادہ کرے جبکہ وہ کبر سے بری ہو اور گناہوں سے باز آئے تو وہ ایسے گناہوں سے پاک ہو جائے گا جیسے آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو، پھر یہ آیت﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقى﴾ پڑھی۔ میں نے پوچھا کبر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کو عیب لگائے اور حق بات کو جہالت سمجھے۔)

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الحج، بَابُ الْإِلْحَادِ بِمَكَّةَ وَالْجِنَايَاتِ، حدیث 6781-

2 البقرہ:203

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الحج، بَابُ فَضْلِ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ وَثَوَابِهِمَا، حدیث 6864-

اس روایت سے ثابت ہوا کہ عمرہ اور حج کا اجر اتنا ہے کہ اس سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اور انسان گناہوں سے ایسے پاک ہو گا جیسے اس نے آج ماں کے پیٹ سے جنم لیا ہے۔ لیکن اس کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ کبر سے باز رہے۔ اس روایت میں کبر کی وضاحت بھی ملتی ہے کہ کبر سے کیا مراد ہے؟ کبر سے دوسرے لوگوں پر عیب تلاش کرے اور حق بات تسلیم کرنے سے قاصر ہو۔ لہذا ایسے امور سے ہر مسلمان کو بچنا چاہیے۔

6. ﴿وَتَحْمِلُ أَثْقالَكُمْ إِلى بَلَدٍ لَمْ تَكُونُوا بالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَؤُفٌ رَحِيمٌ﴾[1]

(اور وہ تمھارے بوجھ اس شہر تک اٹھا کر لے جاتے ہیں جس میں تم کبھی پہنچنے والے نہ تھے، مگر جانوں کی مشقت کے ساتھ، بے شک تمھارا رب یقیناً بہت نرمی کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔)

((عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَحْيَى الْكَاهِلِيِّ ، قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام يَقُولُ وَيَذْكُرُ الْحَجَّ ، فَقَالَ : « قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله : هُوَ أَحَدُ الْجِهَادَيْنِ ، هُوَ جِهَادُ الضُّعَفَاءِ ، وَنَحْنُ الضُّعَفَاءُ ؛ أَمَا إِنَّهُ لَيْسَ شَيْءٌ أَفْضَلَ مِنَ الْحَجِّ إِلَّا الصَّلَاةُ ، وَفِي الْحَجِّ هَاهُنَا صَلَاةٌ ، وَلَيْسَ فِي الصَّلَاةِ قِبَلَكُمْ حَجٌّ ، لَاتَدَعِ الْحَجَّ وَأَنْتَ تَقْدِرُ عَلَيْهِ ، أَمَا تَرى أَنَّهُ يَشْعَثُ فِيهِ رَأْسُكَ ، وَيَقْشَفُ فِيهِ جِلْدُكَ ، وَيَمْتَنِعُ فِيهِ مِنَ النَّظَرِ إِلَى النِّسَاءِ ، وَإِنَّا نَحْنُ هَاهُنَا ، وَنَحْنُ قَرِيبٌ ، وَلَنَا مِيَاهٌ مُتَّصِلَةٌ ، مَا نَبْلُغُ الْحَجَّ حَتّى يَشُقَّ عَلَيْنَا ، فَكَيْفَ أَنْتُمْ فِي بُعْدِ الْبِلَادِ ، وَمَا مِنْ مَلِكٍ وَلَاسُوقَةٍ يَصِلُ إِلَى الْحَجِّ إِلَّا بِمَشَقَّةٍ فِي تَغْيِيرِ مَطْعَمٍ ، أَوْ مَشْرَبٍ ، أَوْ رِيحٍ ، أَوْ شَمْسٍ ، لَايَسْتَطِيعُ رَدَّهَا ، وَذلِكَ قَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ وَتَحْمِلُ أَثْقالَكُمْ إِلى بَلَدٍ لَمْ تَكُونُوا بالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَؤُفٌ رَحِيمٌ﴾.))[2]

(حضرت عبداللہ بن یحییٰ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے سنا، آپ نے حج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: کہ حج دو جہادوں میں سے ایک جہاد ہے یہ جہاد کمزوروں کا ہے اور ہم کمزور ہیں۔ سوائے نماز کوئی عبادت حج سے افضل نہیں، حج میں نماز ہے اور نماز میں حج نہیں، حج کو ترک نہ کرو جبکہ تم قادر ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس میں تمہارے سر کے بالوں کی پراگندگی ہوتی ہے، تمہارے بدن کو سختی برداشت کرنا ہوتی ہے، عورتوں پر نظر کرنا ممنوع ہوتا ہے۔ ہم تو یہاں رہتے ہیں ہم تو قریب رہنے والے ہیں ہمیں برابر پانی ملتا رہتا ہے اور پھر بھی حج میں نفس کو بڑی تکلیف ہوتی ہے تمہارا تو ذکر ہی کیا۔ جو دور دراز شہروں میں رہتے ہیں پھر راہوں کی تکلیف اٹھا کر حج کے لیے آتے ہیں، نہ مزیدار کھانا ملتا ہے نہ پانی، پھر سرد و گرم ہوائیں اور سخت دھوپ، ان کی روپر تمہیں قدرت نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَتَحْمِلُ أَثْقالَكُمْ إِلى بَلَدٍ لَمْ تَكُونُوا بالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ

---

1 النحل: 7

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الحج، بَابُ فَضْلِ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ وَثَوَابِهِمَا، حدیث 6869۔

إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَؤُفٌ رَحِيمٌ﴾(وہ مویشی تمھارے بوجھ اس شہر تک اٹھا کر لے جاتے ہیں جس میں تم کبھی پہنچنے والے نہ تھے، مگر جانوں کی مشقت کے ساتھ، بے شک تمھارا رب یقینا بہت نرمی کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔)

7. ﴿فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ﴾[1]

(تو اس سر زمین میں چار ماہ چلو۔)

((عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ خَالِدٍ ، قَالَ : قُلْتُ لِأَبِي الْحَسَنِ عليه‌السلام : لِأَيِّ شَيْءٍ صَارَ الْحَاجُّ لَايُكْتَبُ عَلَيْهِ الذَّنْبُ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ ؟ قَالَ : « إِنَّ اللهَ - عَزَّ وَجَلَّ - أَبَاحَ الْمُشْرِكِينَ الْحَرَمَ فِي أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ؛ إِذْ يَقُولُ : ﴿فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ﴾ ثُمَّ وَهَبَ لِمَنْ يَحُجُّ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ الْبَيْتَ الذُّنُوبَ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ ».[2]

(حسین بن خالد بیان کرتے ہیں کہ ابو الحسن علیہ السلام سے میں نے پوچھا: حاجی کے لیے چار ماہ گناہ کیوں نہیں لکھے جاتے؟ آپ نے فرمایا: مشرکوں کے لیے خدا نے چار ماہ رعایت کی ہے کہ ان سے جنگ نہ کی جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ﴾(چار ماہ زمین پر چلو پھرو)، پس مومنین کے لیے یہ رعایت کی ہے کہ چار ماہ ان کے گناہ نہ لکھے جائیں۔)

ایک اور روایت میں ہے:

((عَنْ فُضَيْلِ بْنِ عِيَاضٍ ، قَالَ : سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنِ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ ، فَإِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يَقُولُ : يَوْمُ عَرَفَةَ؟ فَقَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام : « قَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ : الْحَجُّ الْأَكْبَرُ يَوْمُ النَّحْرِ ، وَيَحْتَجُّ بِقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ ﴾ وَهِيَ : عِشْرُونَ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ ، وَالْمُحَرَّمُ ، وَصَفَرٌ ، وَشَهْرُ رَبِيعٍ الْأَوَّلِ ، وَعَشْرٌ مِنْ رَبِيعٍ الْآخِرِ ، وَلَوْ كَانَ الْحَجُّ الْأَكْبَرُ يَوْمَ عَرَفَةَ ، لَكَانَ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَيَوْماً ».))[3]

(حضرت فضیل بن عیاض بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے حج اکبر کے بارے میں سوال کیا؟ آپ نے فرمایا: کہ ابن عباس نے بتایا تھا کہ حج اکبر یوم عرفہ ہے، حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین نے فرمایا: کہ حج اکبر یوم النحر ہے۔ اور بطور دلیل یہ آیت﴿ فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ ﴾بیان کی (اور چلو پھرو زمین پر چار ماہ) اس طرح ذی الحجہ کے بیس روز ایک مہینہ محرم کا دوسرا صفر کا تیسرا ربیع الاول کا اور دس دن ربیع الآخر کے، اگر یوم عرفہ شامل ہو تو یہ چار ماہ ایک دن ہو جاتے ہیں۔)

---

1 التوبہ:2

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الحج، بَابُ فَضْلِ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ وَثَوَابِهِمَا، حدیث 6872-

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الحج، بَابُ أَشْهُرِ الْحَجِّ، باب 50، حدیث 7013/3-

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: حج اکبر سے مراد یوم عرفہ ہے اور امیر المؤمنین نے فرمایا: اس سے مراد قربانی کا دن ہے، اور مذکورہ بالا قرآنی آیت میں فرمایا کہ چار ماہ زمین پر چلو پھرو، ان ایام میں گناہوں کو نہیں لکھا جائے گا، وہ چار ماہ کون کون سے ہیں؟ اس کی وضاحت اس روایت سے ملتی ہے کہ ذوالحج، محرم، صفر، ربیع الاول اور ربیع الثانی ہے۔

8. ﴿فَفِرُّوا إِلَى اللهِ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ مُبِينٌ﴾[1]

(پس دوڑو اللہ کی طرف، یقینا میں تمھارے لیے اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔)

((عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عليه‌السلام ، قَالَ : ﴿ فَفِرُّوا إِلَى اللهِ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ مُبِينٌ﴾ قَالَ : « حُجُّوا إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ ».))[2]

(ابو جعفر علیہ السلام فرماتے ہیں: اللہ کی طرف چلو، میں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں ,اللہ کی طرف حج کرو۔)

اس قرآنی آیت اور روایت سے حج کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان جو حج کے اخراجات کو برداشت کر سکتا ہے، اس کے یہ فرض ہے۔ اور جو شخص باوجود اس کے کہ وہ حج کی استطاعت رکھتا ہے تو وہ پھر بھی حج نہ کرے تو چاہے یہودی مرے یا نصرانی مرے۔

9. ﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾[3]

(اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج (فرض) ہے، جو اس کی طرف راستے کی طاقت رکھے۔)

((عَنْ عُمَرَ بْنِ أُذَيْنَةَ ، قَالَ : كَتَبْتُ إِلَى أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام بِمَسَائِلَ بَعْضُهَا مَعَ ابْنِ بُكَيْرٍ ، وَبَعْضُهَا مَعَ أَبِي الْعَبَّاسِ.فَجَاءَ الْجَوَابُ بِإِمْلَائِهِ : « سَأَلْتَ عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ يَعْنِي بِهِ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ جَمِيعاً ؛ لِأَنَّهُمَا مَفْرُوضَانِ ».وَسَأَلْتُهُ عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ﴾ ؟ قَالَ : « يَعْنِي بِتَمَامِهِمَا أَدَاءَهُمَا ، وَاتِّقَاءَ مَا يَتَّقِي الْمُحْرِمُ فِيهِمَا ». وَسَأَلْتُهُ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى : ﴿ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ ﴾: مَا يَعْنِي بِالْحَجِّ الْأَكْبَرِ؟فَقَالَ : «﴿ الْحَجُّ الْأَكْبَرُ ﴾ : الْوُقُوفُ بِعَرَفَةَ وَرَمْيُ الْجِمَارِ، وَالْحَجُّ الْأَصْغَرُ : الْعُمْرَةُ».))[4]

(حضرت عمر بن اذینۃ کہتے ہیں میں نے چند مسائل حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام کو لکھے ان میں سے بعض میں ابن بکیر سے بحث تھی اور بعض میں ابو العباس سے بحث تھی، پس حضرت کے قلم سے لکھا ہوا جواب آیا۔ تم نے

1 الذاریات:50

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الحج، بَابُ فَضْلِ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ وَثَوَابِهِمَا، حدیث 6883۔

3 آل عمران:97

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الحج، بَابُ فَرْضِ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ، حدیث 6911۔

اللہ تعالیٰ کے اس قول﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾سے متعلق پوچھا ہے۔(لوگوں پر اللہ کی طرف سے حج بیت اللہ ہے اس کے لیے جیسے راستہ کی سہولت ہو)یعنی حج وعمرہ دونوں کے لیے یہ حکم ہے کیونکہ یہ دونوں فرض ہیں اور یہ سوال کیا کہ حج وعمرہ کو تمام کرو، تو اس سے مراد ہے، دونوں کو پوری طرح ادا کرنا اور بچنا ان باتوں سے جن سے محرم بچتا ہے اور تو نے حج اکبر سے متعلق سوال کیا، تو حج اکبر نام سے عرفات میں ٹھہرنا، رمی جمرات کرنا اور حج اصغر یعنی عمرہ بجالانا۔)

10. ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾(1)

(اور حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو، پھر اگر تم روک دیے جاؤ تو قربانی میں سے جو میسر ہو (کرو) اور اپنے سروں کو نہ مونڈو، یہاں تک کہ قربانی اپنے حلال ہونے کی جگہ پر پہنچ جائے، پھر تم میں سے جو بیمار ہو، یا اسے اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو روزے یا صدقے یا قربانی میں سے کوئی ایک فدیہ ہے۔ پھر جب تم امن میں ہو جاؤ تو تم میں سے جو حج تک عمرے سے فائدہ اٹھائے تو قربانی میں سے جو میسر ہو (کرے) پھر جو نہ پائے تو تین دن کے روزے حج کے دوران اور سات دن کے اس وقت رکھے جب تم واپس جاؤ، یہ پورے دس ہیں۔ یہ اس کے لیے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ بہت سخت عذاب والا ہے۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام: ﴿ وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ﴾ قَالَ : « هُمَا مَفْرُوضَانِ ».))(2)

(حضرت ابوعبد اللہ علیہ السلام نے اس آیت﴿ وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ﴾کے بارے میں فرمایا: حج وعمرہ دونوں فرض ہیں۔)

11. ﴿وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى وَأَضَلُّ سَبِيلاً﴾(3)

(اور جو اس میں اندھا رہا تو وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا اور راستے سے بہت زیادہ بھٹکا ہوا ہو گا۔)

---

1 البقرہ:196

2 کلینی، ابوجعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الحج، بَابُ فَرْضِ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ، حدیث 6912-

3 بنی اسرائیل:72

((عَنْ أَبِي بَصِيرٍ ، قَالَ : سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ علیہ‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ وَمَنْ كانَ فِي هذِهِ أَعْمى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمى وَأَضَلُّ سَبِيلاً ﴾ ؟ فَقَالَ : « ذلِكَ الَّذِي يُسَوِّفُ نَفْسَهُ الْحَجَّ – يَعْنِي حَجَّةَ الْإِسْلَامِ – حَتّى يَأْتِيَهُ الْمَوْتُ».))[1]

(ابو بصیر کہتے ہیں میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے اس آیت کے بارے میں پوچھا:﴿وَمَنْ كانَ فِي هذِهِ أَعْمى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمى وَأَضَلُّ سَبِيلاً ﴾(جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا اور راستے سے بہت زیادہ بھٹکا ہوا ہو گا۔)تو آپ نے فرمایا: اس سے مراد وہ ہے جو حج میں ٹال مٹول کرتا ہے یہاں تک کہ اسے موت آجاتی ہے۔)

12. ﴿وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيامَةِ أَعْمى﴾[2]

(اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے۔)

((عَنْ أَبِي بَصِيرٍ ، قَالَ :سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ علیہ‌السلام يَقُولُ : « مَنْ مَاتَ وَهُوَ صَحِيحٌ مُوسِرٌ لَمْ يَحُجَّ ، فَهُوَ مِمَّنْ قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيامَةِ أَعْمى ﴾ ». قَالَ : قُلْتُ : سُبْحَانَ اللهِ ، أَعْمَى؟ قَالَ : « نَعَمْ ، إِنَّ اللهَ – عَزَّ وَجَلَّ – أَعْمَاهُ عَنْ طَرِيقِ الْحَقِّ ».))[3]

(ابو بصیرہ کہتے ہیں ابو عبد اللہ علیہ السلام نے اس آیت﴿ وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيامَةِ أَعْمى ﴾کے بارے میں فرمایا: جو بغیر حج کیے بحالت صحت ومالداری مر جائے گا تو اس کو روز قیامت طریق سے اندھا اٹھائے گا۔)

13. ﴿الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُوماتٌ﴾[4]

(حج چند مہینے ہے، جو معلوم ہیں۔)

((عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ علیہ‌السلام ، قَالَ : « ﴿ الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُوماتٌ ﴾: شَوَّالٌ وَذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ ، لَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يَحُجَّ فِيمَا سِوَاهُنَّ ».))[5]

(ابو جعفر علیہ السلام کہتے ہیں حج کے معلوم مہینے ہیں، شوال، ذی القعدہ، اور ذی الحجہ ان کے سوا کسی اور مہینے میں حج نہیں۔)

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الحج، بَابُ مَنْ سَوَّفَ الْحَجَّ وَهُوَ مُسْتَطِيعٌ، باب31، حدیث6926/2-

2 طہ:124

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الحج، بَابُ مَنْ سَوَّفَ الْحَجَّ وَهُوَ مُسْتَطِيعٌ، باب31، حدیث6930/6-

4 البقرہ:197

5 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الحج، بَابُ أَشْهُرِ الْحَجِّ، باب49، حدیث7008/1-

14. ﴿وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَى وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾(1)

(اور اللہ کو چند گنے ہوئے دنوں میں یاد کرو، پھر جو دو دنوں میں جلد چلا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو تاخیر کرے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، اس شخص کے لیے جو ڈرے اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تم اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے۔)

((عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ ، قَالَ :سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ و جَلَّ : ﴿ وَاذْكُرُوا اللهَ فِي أَيّامٍ مَعْدُوداتٍ ﴾؟ قَالَ : « التَّكْبِيرُ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ صَلَاةِ الظُّهْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ إِلى صَلَاةِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ الثَّالِثِ ، وَفِي الْأَمْصَارِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ ، فَإِذَا نَفَرَ بَعْدَ الْأُولى ، أَمْسَكَ أَهْلُ الْأَمْصَارِ ؛ وَمَنْ أَقَامَ بِمِنًى ، فَصَلّى بِهَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ ، فَلْيُكَبِّرْ ».))(2)

(محمد بن مسلم کہتے ہیں میں نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے اللہ کے اس قول کے بارے میں پوچھا: ﴿ وَاذْكُرُوا اللهَ فِي أَيّامٍ مَعْدُوداتٍ ﴾(اللہ کو یاد کرو گنتی کے چند دن) آپ نے فرمایا: یہ تکبیر ایام تشریق سے متعلق ہے اور نماز ظہر سے یوم نحر صبح کی نماز تک تیسرے دن اور شہروں میں دس صلوات کے متعلق، جب پہلے روز تو شہر والوں کو اور ان کو جو منیٰ میں مقیم ہوں روکے اور ان کے ساتھ ظہر و عصر کی نماز پڑھے اور تکبیر کہے۔)

15. ﴿وَأَذَانٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ فَإِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾(3)

(اور اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے حج اکبر کے دن تمام لوگوں کی طرف صاف اعلان ہے کہ اللہ مشرکوں سے بری ہے اور اس کا رسول بھی۔ پس اگر تم توبہ کر لو تو وہ تمھارے لیے بہتر ہے اور اگر منہ موڑو تو جان لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں اور جنھوں نے کفر کیا انھیں دردناک عذاب کی بشارت دے دے۔)

((عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ عَمَّارٍ ، قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ ﴿ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ ﴾ فَقَالَ : « هُوَ يَوْمُ النَّحْرِ ، وَالْحَجُّ الْأَصْغَرُ الْعُمْرَةُ ».))(4)

(معاویہ بن عمار نے حضرت ابو عبداللہ علیہ السلام سے روز حج کے متعلق پوچھا، فرمایا: حج اکبر روز قربانی ہے اور عمرہ حج اصغر ہے۔)

1البقرہ:203

2کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الحج، بَابُ التَّكْبِيرِ أَيَّامَ التَّشْرِيقِ، باب196، حدیث7956/1-

3التوبہ:3

4کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الحج، بَابُ أَشْهُرِ الْحَجِّ، باب50، حدیث7011/1-

اس روایت میں حج اکبر اور حج اصغر کی وضاحت ہے، حج اکبر سے مراد قربانی کا دن ہے اور حج اصغر سے مراد عمرہ ہے۔

16. ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ﴾[1]

(بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، تو جو کوئی اس گھر کا حج کرے، یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ دونوں کا خوب طواف کرے اور جو کوئی خوشی سے کوئی نیکی کرے تو بے شک اللہ قدر دان ہے، سب کچھ جاننے والا ہے۔)

((عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ الصَّيْرَفِيِّ ، عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِنَا ، قَالَ : سُئِلَ أَبُو عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنِ السَّعْيِ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ : فَرِيضَةٌ ، أَمْ سُنَّةٌ ؟ فقَالَ : « فَرِيضَةٌ ». قُلْتُ: أَوَلَيْسَ قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِما ﴾ ؟ قَالَ : « كَانَ ذلِكَ فِي عُمْرَةِ الْقَضَاءِ ، إِنَّ رَسُولَ اللهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله شَرَطَ عَلَيْهِمْ أَنْ يَرْفَعُوا الْأَصْنَامَ مِنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ، فَتَشَاغَلَ رَجُلٌ ، وَتَرَكَ السَّعْيَ حَتّى انْقَضَتِ الْأَيَّامُ ، وَأُعِيدَتِ الْأَصْنَامُ ، فَجَاؤُوا إِلَيْهِ ، فَقَالُوا : يَا رَسُولَ اللهِ ، إِنَّ فُلَاناً لَمْ يَسْعَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَقَدْ أُعِيدَتِ الْأَصْنَامُ ، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ فَلا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِما ﴾ أَيْ وَعَلَيْهِمَا الْأَصْنَامُ ».))[2]

(حسن بن عبد اللہ نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے پوچھا کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا فرض ہے یا سنت، فرمایا فرض ہے۔ میں نے کہا آیت سے تو ایسا معلوم نہیں ہوتا اس میں تو یہ ہے کہ کوئی گناہ نہیں اس پر جو ان دونوں کا طواف کرے، فرمایا: یہ آیت عمرہ و قضا کے متعلق ہے۔ نبی کریم ﷺ نے کفار مکہ سے شرط کی تھی کہ وہ صفا و مروہ سے بت ہٹالیں، ایک مسلمان اور کام میں مشغول ہو گیا یہاں تک کہ ایام حج گزر گئے اور بت اپنی جگہ پر پھر آ گئے۔ لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا فلاں نے صفا و مروہ کے درمیان سعی نہیں کی اور بت پھر اپنی جگہ پر رکھے گئے۔ پس اللہ نے یہ آیت نازل کی کہ نہیں ہے گناہ اس کے لیے جو دوونوں کا طواف کرے جبکہ ان دونوں پر بت رکھے ہوں۔)

17. ﴿لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ﴾[3]

1البقرہ:158

2کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الحج، بَابُ السَّعْيِ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَمَا يُقَالُ فِيهِ، باب142، حدیث7636/9-

3الحج:33

(تمھارے لیے ان میں ایک مقرر وقت تک کئی فائدے ہیں، پھر ان کے حلال ہونے کی جگہ اس قدیم گھر کی طرف ہے۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ لَكُمْ فِيها مَنافِعُ إِلى أَجَلٍ مُسَمًّى ﴾ قَالَ : « إِنِ احْتَاجَ إِلى ظَهْرِهَا ، رَكِبَهَا مِنْ غَيْرِ أَنْ يَعْنُفَ عَلَيْهَا ، وَإِنْ كَانَ لَهَا لَبَنٌ ، حَلَبَهَا حِلَاباً لَايَنْهَكُهَا ».))[1]

(ابوعبداللہ علیہ السلام نے اس آیت﴿ لَكُمْ فِيها مَنافِعُ إِلى أَجَلٍ مُسَمًّى ﴾(ایک وقت معین تک تمہارے لیے اس سے نفع حاصل کرنا ہے۔) کے متعلق فرمایا: اگر ضرورت ہو تو اس کی پشت پر سواری کر لے بغیر اس پر ظلم کیے اور اگر دودھ والی ہو تو دودھ لے مگر اتنا کہ اس کا بچہ دودھ سے محروم نہ رہے۔)

18. ﴿ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ﴾[2]

(پھر وہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا خوب طواف کریں۔)

((عَنِ ابْنِ أَبِي نَصْرٍ ، قَالَ : قُلْتُ لِأَبِي الْحَسَنِ عليه‌السلام : إِنَّا حِينَ نَفَرْنَا مِنْ مِنًى ، أَقَمْنَا أَيَّاماً ، ثُمَّ حَلَقْتُ رَأْسِي طَلَبَ التَّلَذُّذِ ، فَدَخَلَنِي مِنْ ذلِكَ شَيْءٌ. فَقَالَ : « كَانَ أَبُو الْحَسَنِ - صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ - إِذَا خَرَجَ مِنْ مَكَّةَ ، فَأُتِيَ بِثِيَابِهِ ، حَلَقَ رَأْسَهُ ». قَالَ : وَقَالَ فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ ﴾ قَالَ : « التَّفَثُ : تَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ ، وَطَرْحُ الْوَسَخِ ، وَطَرْحُ الْإِحْرَامِ ».))[3]

(ابن ابی نصر سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے ابی الحسن رضی علیہ السلام سے کہا: جب ہم منیٰ سے بھاگے تو کئی دن ٹھہرے رہے، پھر میں نے لذت حاصل کرنے کے لیے اپنا سر منڈوایا، تو وہ مجھ میں داخل ہوئے۔ ایسا ہی کچھ۔ آپ نے فرمایا: جب ابو الحسن مکہ سے نکلتے تو ان کے کپڑے لائے جاتے اور سر منڈوایا جاتا۔ اس نے کہا: کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ ﴾(پھر وہ اپنی فضول باتوں کو پورا کریں اور اپنی نذر پوری کریں۔) آپ نے فرمایا: "التَّفَثُ"کا مطلب: ناخن تراشنا، گندگی کو پھینکنا اور احرام باندھنا ہے۔)

خلاصہ بحث

امام کلینیؒ نے الکافی کی کتاب الحج میں 237 ابواب اور 1485 روایات کو پیش کیا ہے۔ آپ نے انبیاء کرام کا حج سے متعلق روایات کو بھی پیش کیا، مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کا حج، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حج، اسی طرح نبی

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الحج، بَابُ الْهَدْيِ يُنْتَجُ أَوْ يُحْلَبُ أَوْ يُرْكَبُ، باب 182، حدیث 7861/1-

2 الحج: 29

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الحج، بَابُ الْحَلْقِ وَالتَّقْصِيرِ، باب 188، حدیث 7909/12-

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج سے متعلق روایات کو بیان کیا ہے۔ آپ نے حج و عمرہ کی فضیلت، استطاعت حج، مقروض کا حج، حج کی وصیت، میت کی طرف سے حج، حج کی اقسام،،حج اکبر و حج اصغر، مناسک حج کا طریقہ، حالت احرام میں ممنوں اعمال، مقدس مقامات کی زیارت اور ایام تشریق میں تکبیرات کہنے سے متعلق سیر مرویات اکٹھی کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے متعلق فرمایاہے:﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾[1]

(وہ ہر روز ایک نئی شان میں ہوتا ہے۔)

اس کی ایک شان یہ ہے کہ وہ صاحب جلال اور احکم الحاکمین ہے ہم سب اس کے عاجز و محتاج بندے اور مملوک و محکوم ہیں اور دوسری شان یہ ہے کہ وہ تمام ایسی صفات کمال سے متصف ہے جن کی وجہ سے انسان کو کسی سے محبت ہوتی ہے اس اعتبار سے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہی محبوب حقیقی ہے۔ اس کی پہلی شاہانہ اور حاکمانہ شان کا تقاضاہے کہ بندے اس کے حضور نہایت ادب و نیاز کی تصویر بن کر حاضر ہوں اور دوسری شان محبوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ بندوں کا اس کے ساتھ تعلق محبت و فدائیت کا ہو۔ فریضہ حج ادا کرتے وقت بندوں میں اس رنگ کو پورے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔

سلے ہوئے کپڑوں کے بجائے ایک کفن نما لباس زیب تن کرنا، ننگے سر رہنا، حجامت نہ بنوانا، ناخن نہ ترشوانا، بالوں کو پراگندہ چھوڑنا، ان میں تیل اور کنگھی استعمال نہ کرنا، خوشبو نہ لگانا، چیخ چیخ کر لبیک لبیک پکارنا، دیوانوں کی طرح بیت اللہ کے گرد چکر لگانا، اس کے در و دیوار سے لپٹنا، آہ وزاری کرنا، پھر صفا مروہ کے درمیان چکر لگانا، اس کے بعد مکہ سے باہر منیٰ، کبھی عرفات اور کبھی مزدلفہ کے صحراؤں میں ڈیرے لگانا، یہ تمام وہی اعمال ہیں جو محبت کے دیوانوں سے سرزد ہوا کرتے ہیں ان اعمال کے مجموعے کا نام حج ہے۔

---

1 الرحمٰن:29

باب چہارم

صحیح بخاری اور الکافی کی معاشرت سے متعلق تفسیری احادیث و آثار کا جائزہ

فصل اول: نکاح سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

فصل دوم: طلاق سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

فصل سوم: حقوق والدین سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

فصل چہارم: قرابت داروں اور دیگر مسلمانوں کے حقوق سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

فصل اول:

نکاح سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

نکاح کا مفہوم:

عربی زبان میں نکاح کے لغوی معانی ملنا، عقد، اور مباشرت کرنے کے ہیں۔

"النکاح المعنی اللغوي وهو الوطء والضم ، أنه حقيقة في العقد مجاز في الوطء "[1]

(نکاح کے معنی جماع اور مباشرت کے ہیں، یہ حقیقت ہے کہ عقد بطور استعارہ جماع کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔)

امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

" النِّكَاح فِي اللُّغَةِ الضَّمُّ وَالتَّدَاخُلُ وَتَجَوَّزَ "[2]

(نکاح کے لغوی معانی جوڑنا اور آپس میں ملانا کے ہیں اور یہ جائز ہے۔)

لفظ نکاح دو معانی میں مشترک ہے، اس کا معانی "ملاپ" لیا جائے تو یہ ایجاب و قبول کا ملاپ ہے، اور اگر اس کا معانی جماع لیا جائے تو یہ مرد وزن کا ملاپ ہے۔[3]

امام ابن منظور افریقی لسان العرب میں رقم طراز ہیں:

"فَأَعْلَمَ أَن عَقْدَ التَّزْوِيجِ يُسَمَّى النِّكَاحَ"[4]

(جان لیں! شادی کے معاہدی کو نکاح کہتے ہیں۔)

نکاح قرآن مجید کی روشنی میں

قرآن مجید میں بہت سے مقامات ہیں، جن میں نکاح کی ترغیب دی گئی ہے۔ مثلاً:﴿وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً﴾[5](اور اللہ نے تمھارے لیے خود تمھی میں سے بیویاں بنائیں اور تمھارے لیے تمھاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے بنائے)

1الجزیری، عبدالرحمن، الفقه علی المذاهب الاربعه(بیروت: دارالکتب العلمیہ، 2003ء)ج4، ص7-

2عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری(بیروت: دارالمعرفہ، س ن)ج9، ص103-

3فیروزآبادی، ابوطاہر، مجد الدین، محمد بن یعقوب، القاموس المحیط(قاہرہ: دارالحدیث، 2008ء)ص223-224-

4افریقی، ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب(بیروت: دارالفکر، 1993ء)ج2، ص625-

5النحل:72

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر احسان کے متعلق خبر دے رہے ہیں، کہ اس نے ان کے لیے بیویاں بنائیں تاکہ وہ اطمینان و سکون حاصل کریں، اور ان کے لیے ان کی بیویوں سے اولاد پیدا کی، جس کے ذریعے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں، اور وہ اولاد ان والدین کی خدمت کرتی ہیں اور ان کی ضروریات کو پورا کرتی ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:﴿وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾[1](اور اپنے میں سے بے نکاح مردوں، عورتوں کا نکاح کردو اور اپنے غلاموں اور اپنی لونڈیوں سے جو نیک ہیں ان کا بھی، اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ انھیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اولیاء اور غلاموں کے مالکوں کو حکم دے رہے ہیں کہ جو ان کی زیر سرپرستی غیر شادی شدہ افراد ہیں ان کا نکاح کروائیں، لہٰذا یتیم کے ولی پر بھی واجب ہے کہ اپنے زیر کفالت افراد میں کے محتاج لوگوں کا نکاح کروائیں۔ نکاح کرنا انبیاء کرام کی سنت ہے، اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کو بیوی اور بچوں والا بنایا تھا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً﴾[2](اور البتہ تحقیق ہم نے تجھ سے پہلے کئی رسول بھیجے اور ہم نے انہیں بیویاں اور اولاد بھی دی تھی۔)

نکاح حدیث کی روشنی میں

نکاح سے متعلق بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں، تقریباً ہر محدث نے اپنے حدیث کی کتاب میں کتاب النکاح کے باب کو شامل کیا ہے، جس میں انہوں نے نکاح سے متعلق احادیث کو پیش کیا ہے۔ مثلاً:((عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ قَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ هَلْ تَزَوَّجْتَ قُلْتُ لاَ. قَالَ فَتَزَوَّجْ فَإِنَّ خَيْرَ هَذِهِ الأُمَّةِ أَكْثَرُهَا نِسَاءً.))[3](سعید بن جبیر نے بیان کیا کہ مجھ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے دریافت فرمایا کہ تم نے شادی کرلی ہے ؟میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا: شادی کرلو، کیونکہ اس امت کے بہترین شخص جو تھے (یعنی آنحضرت ﷺ) ان کی بہت سی بیویاں تھیں۔)

خلاصہ کلام

عربی زبان میں شادی کے لیے نکاح کا لفظ مستعمل ہے، جس کے معانی ملنا، جوڑنا، عقد اور اجماع کے ہیں۔ اصطلاح میں نکاح سے مراد میاں بیوی کے درمیان ایک معاہدہ ہے، قرآن مجید میں متعدد مقامات پر نکاح کا حکم دیا گیا

---

1 النور:32

2 الرعد:38

3 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب كَثْرَةِ النِّسَاءِ، حدیث 5069-

ہے، نیز احادیث میں بھی یہی تعلیمات ہیں۔ نکاح کی بہت اہمیت ہے کیونکہ یہ عفت و عصمت، نظروں کی حفاظت اور افزائش نسل کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نکاح کی ترغیب دی ہے اور احادیث میں اس سے اعراض کرنے والے کو وعید سنائی ہے، اور فرمایا:((النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي فَمَنْ لَمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي))[1](نکاح میری سنت ہے اور جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔)

نکاح کرنا انبیاء کرام کی سنت ہے اور یہ نبی کریم ﷺ کی بھی سنت ہے۔ لہذا امت مسلمہ کے نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ نکاح کریں، اور جو نکاح کی استطاعت نہیں رکھتے، ان کو چاہیے کہ پاک دامنی کے لیے روزہ رکھیں۔

---

1 ابن ماجہ، ابو عبد اللہ، محمد بن یزید، السنن، کتاب النکاح، باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ النِّكَاحِ، حدیث 1846 - اس روایت کو علامہ البانیؒ نے "حسن" کہا ہے۔

مبحث اول:

صحیح بخاری کی نکاح سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کی کتاب النکاح میں "126" ابواب قائم کیے ہیں، اس میں انہوں نے پہلا باب "بَابُ التَّرْغِيبُ فِي النِّكَاحِ"(باب: نکاح کی فضیلت کا بیان) اور آخری باب "بَابُ قَوْلِ الرَّجُلِ لِصَاحِبِهِ هَلْ أَعْرَسْتُمُ اللَّيْلَةَ"(باب: ایک مرد کا دوسرے سے یہ پوچھنا کہ کیا تم نے رات اپنی عورت سے صحبت کی ہے؟ اور کسی شخص کا اپنی بیٹی کے کوکھ میں غصہ کی وجہ سے مارنا) قائم کیا ہے، امام بخاری نے کتاب النکاح میں "188" احادیث وآثار ذکر کیے ہیں، ذیل میں صحیح بخاری کی نکاح سے متعلق تفسیری احادیث و آثار پیش کیے جا رہے ہیں:

1. ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لاَ تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلاَثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لاَ تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ أَدْنَى أَنْ لاَ تَعُولُوا﴾[1]

(اور اگر تم ڈرو کہ یتیموں کے حق میں انصاف نہیں کرو گے تو (اور) عورتوں میں سے جو تمھیں پسند ہوں ان سے نکاح کرلو، دو دو سے اور تین تین سے اور چار چار سے، پھر اگر تم ڈرو کہ عدل نہیں کرو گے تو ایک بیوی سے، یا جن کے مالک تمھارے دائیں ہاتھ ہوں (یعنی لونڈیاں) یہ زیادہ قریب ہے کہ تم انصاف سے نہ ہٹو۔)

((عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ، أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لاَ تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلاَثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لاَ تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ أَدْنَى أَنْ لاَ تَعُولُوا﴾. قَالَتْ يَا ابْنَ أُخْتِي، الْيَتِيمَةُ تَكُونُ فِي حَجْرِ وَلِيِّهَا، فَيَرْغَبُ فِي مَالِهَا وَجَمَالِهَا، يُرِيدُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا بِأَدْنَى مِنْ سُنَّةِ صَدَاقِهَا، فَنُهُوا أَنْ يَنْكِحُوهُنَّ إِلاَّ أَنْ يُقْسِطُوا لَهُنَّ فَيُكْمِلُوا الصَّدَاقَ، وَأُمِرُوا بِنِكَاحِ مَنْ سِوَاهُنَّ مِنَ النِّسَاءِ.))[2]

(زہری نے، کہا مجھ کو عروہ بن زبیر نے خبر دی اور انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لاَ تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾کے متعلق پوچھا" اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیموں سے انصاف نہ کر سکو گے تو جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کر لو۔ دو دو سے، خواہ تین تین سے، خواہ چار چار سے، لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم انصاف نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی پر بس کرو یا جو لونڈی تمہاری ملک میں ہو، اس صورت میں قوی امید ہے کہ تم ظلم و زیادتی نہ کر سکو گے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا بھانجے! آیت میں ایسی یتیم مالدار لڑکی کا ذکر ہے جو اپنے ولی کی پرورش میں ہو۔ وہ لڑکی کے مال اور اس کے حسن

---

1 النساء:3

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب التَّرْغِيبُ فِي النِّكَاحِ، حدیث 5064-

کی وجہ سے اس کی طرف مائل ہو اور اس سے معمولی مہر پر شادی کرنا چاہتا ہو تو ایسے شخص کو اس آیت میں ایسی لڑکی سے نکاح کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ہاں اگر اس کے ساتھ انصاف کر سکتا ہو اور پورا مہر ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اجازت ہے، ورنہ ایسے لوگوں سے کہا گیا ہے کہ اپنی پرورش میں یتیم لڑکیوں کے سوا اور دوسری لڑکیوں سے شادی کر لیں۔)

اس حدیث میں حق مہر پورا دینے کی نیت سے نکاح کرنے کی ترغیب ہے کیونکہ اس سے شرمگاہ کی حفاظت، نسل کی ضمانت اور نومولود کی سفارش کی توقع ہے چنانچہ حدیث میں ہے:((إِنَّ السِّقْطَ لَيُرَاغِمُ رَبَّهُ إِذَا أَدْخَلَ أَبَوَيْهِ النَّارَ . فَيُقَالُ أَيُّهَا السِّقْطُ الْمُرَاغِمُ رَبَّهُ أَدْخِلْ أَبَوَيْكَ الْجَنَّةَ . فَيَجُرُّهُمَا بِسَرَرِهِ حَتَّى يُدْخِلَهُمَا الْجَنَّةَ)) [1](ساقط بچہ اپنے رب سے جھگڑا کرے گا، جب وہ اس کے والدین کو جہنم میں ڈالے گا، تو کہا جائے گا: رب سے جھگڑنے والے ساقط بچے! اپنے والدین کو جنت میں داخل کر، وہ ان دونوں کو اپنی ناف سے کھینچے گا یہاں تک کہ جنت میں لے جائے گا۔)

ناتمام بچہ بھی اپنے والدین کی اللہ تعالیٰ کے حضور سفارش کرے گا۔ بہر حال نکاح بظاہر دنیوی معاملہ نظر آتا ہے لیکن جب مصالح اور اغراض دینیہ پر غور کیا جاتا ہے تو اس کا تعلق امور دینیہ اور عبادت سے ہے۔ ایک حدیث میں ہے: ((تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الأُمَمَ))[2](تم ایسی عورتوں سے شادی کرو جو محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جنم دینے والی ہوں کیونکہ میں قیامت کے دن امت کے زیادہ ہونے کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔)

اس حدیث میں صیغہ امر موجود ہے جس کا ادنیٰ مرتبہ استحباب ہے اور اگر شہوت کے غلبے کی وجہ سے بدکاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو نکاح کرنا ضروری ہے۔((عَنْ عَائِشَةَ، ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لاَ، تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى﴾. قَالَتِ الْيَتِيمَةُ تَكُونُ عِنْدَ الرَّجُلِ وَهْوَ وَلِيُّهَا، فَيَتَزَوَّجُهَا عَلَى مَالِهَا، وَيُسِيءُ صُحْبَتَهَا، وَلاَ يَعْدِلُ فِي مَالِهَا، فَلْيَتَزَوَّجْ مَا طَابَ لَهُ مِنَ النِّسَاءِ سِوَاهَا مَثْنَى وَثُلاَثَ وَرُبَاعَ.))[3](حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "اور اگر تمہیں خوف ہو کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف نہیں کر سکو گے۔" کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد یتیم لڑکی ہے جو اپنے ولی کی پرورش میں ہو۔ ولی اس سے اس کے مال کی وجہ سے شادی کرتے اور اچھی طرح اس سے سلوک نہ کرتے اور نہ اس کے مال کے بارے میں انصاف کرتے ایسے شخصوں کو یہ حکم ہوا کہ

---

1 ابن ماجہ، ابو عبد اللہ، محمد بن یزید، السنن، کتاب الجنائز، باب مَا جَاءَ فِيمَنْ أُصِيبَ بِسِقْطٍ، حدیث 1608-

2 ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، کتاب النکاح، باب النَّهْيِ عَنْ تَزْوِيجِ، مِنْ لَمْ يَلِدْ مِنَ النِّسَاءِ، حدیث 2050-اس روایت کو علامہ البانی نے "حسن" کہا ہے۔

3 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب لاَ يَتَزَوَّجُ أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعٍ، حدیث 5098-

اس یتیم لڑکی سے نکاح نہ کریں بلکہ اس کے سوا جو عورتیں بھلی لگیں ان سے نکاح کرلیں۔ دو دو، تین تین یا چار چار تک کی اجازت ہے۔)

اسلامی شریعت میں بیک وقت چار سے زیادہ بیویاں رکھنا حرام ہے۔ چار کی اجازت بھی عدل و انصاف کے ساتھ مشروط ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے۔ دوسری احادیث میں اس کی وضاحت ہے:

حضرت غیلان رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو ان کی دس بیویاں تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((خُذْ مِنْهُنَّ أَرْبَعًا))[1] (ان میں سے چار کا انتخاب کرلو اور باقی عورتوں کو اپنے سے جدا کردو۔)

حضرت قیس بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں جب مسلمان ہوا تو میرے پاس آٹھ بیویاں تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((اخْتَرْ مِنْهُنَّ أَرْبَعًا))[2] (ان میں سے چار پسند کرلو۔)

حافظ ابن حجرؒ نے مذکورہ عنوان کے متعلق لکھا ہے "أَمَّا حُكْمُ التَّرْجَمَةِ فَبِالْإِجْمَاعِ"[3] کہ اس کا حکم اجماع سے ثابت ہے۔

2. ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالاَتُكُمْ وَبَنَاتُ الأَخِ وَبَنَاتُ الأُخْتِ﴾[4]

(تم پر تمھاری مائیں اور تمھاری بیٹیاں اور تمھاری بہنیں اور تمھاری پھوپھیاں اور تمھاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں حرام کی گئیں)

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، حَرُمَ مِنَ النَّسَبِ سَبْعٌ، وَمِنَ الصِّهْرِ سَبْعٌ. ثُمَّ قَرَأَ ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ﴾ الآيَةَ..))[5]

(ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، انہوں نے کہا خون کی رو سے تم پر سات رشتے حرام ہیں اور شادی کی وجہ سے (یعنی سسرال کی طرف سے) سات رشتے بھی۔ انہوں نے یہ آیت پڑھی۔ ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ﴾ آخر تک)

---

1 ابن ماجہ، ابوعبداللہ، محمد بن یزید، السنن، کتاب النکاح، بَابُ الرَّجُلِ يُسْلِمُ وَعِنْدَهُ أَكْثَرُ مِنْ أَرْبَعِ نِسْوَةٍ، حدیث 1953- اس روایت کو علامہ البانیؒ نے "صحیح" کہا ہے۔

2 ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، کتاب تفريع أبواب الطلاق، باب فِي مَنْ أَسْلَمَ وَعِنْدَهُ نِسَاءٌ أَكْثَرُ مِنْ أَرْبَعٍ أَوْ أُخْتَانِ، حدیث 2241- اس روایت کو علامہ البانیؒ نے "صحیح" کہا ہے۔

3 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ج9، ص139-

4 النساء: 23

5 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب مَا يَحِلُّ مِنَ النِّسَاءِ وَمَا يَحْرُمُ، حدیث 5105-

اس روایت کے تحت امام بخاریؒ نے کئی ایک چیزوں کو بیان کیا ہے جنہیں ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نسب کی وجہ سے سات عورتیں حرام ہیں اور سسرال کی وجہ سے بھی سات عورتیں حرام ہیں لیکن آیت کریمہ میں سات نسبی عورتوں کا ذکر ہے مثلاً ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی لیکن سسرال کی طرف سے سات عورتوں کا ذکر نہیں۔ البتہ رضاعت کو سسرال سے تعبیر کریں تو سات عورتیں حسب ذیل ہیں: رضاعی ماں، رضاعی بہن، ساس، ربیبہ، بہو، سالی اور شادی شدہ عورت۔ ان محرمات میں سات نسبی ہیں اور سات سببی، جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ آیت کریمہ میں بیک وقت دو حقیقی بہنوں کو نکاح میں رکھنا حرام ہے لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان دو عورتوں کو عقد نکاح میں جمع کیا جو ایک دوسری کے چچا کی بیٹی تھی۔ اس سے مراد محمد بن علی کی بیٹی اور عمر بن علی کی بیٹیاں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک دوسری کے چچا کی بیٹی ہے۔ امام مالک اسے مکروہ خیال کرتے ہیں حرام قرار نہیں دیتے۔ حضرت جابر بن زید نے مکروہ کی علت رحمی بیان کی ہے۔ بہر حال ایسا کرنا حرام نہیں ہے۔ اگر کسی نے سالی سے زنا کیا تو اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہو گی جیسا کہ جمہور ائمہ کا موقف ہے کیونکہ زنا حرام ہے اس کا اثر حلال چیز پر نہیں پڑتا۔ پھر شریعت میں نکاح کا اطلاق عقد پر ہوتا ہے محض وطی پر نہیں ہوتا لیکن امام ثوری اور اہل کوفہ کا موقف ہے کہ سالی سے زنا کرنا بیوی کے حرام ہونے کا باعث ہے، لیکن امام بخاریؒ نے اس موقف کو محل نظر قرار دیا ہے۔

3. ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾[1]

(اور وہ تجھ سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں، کہہ دے اللہ تمھیں ان کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے اور جو کچھ تم پر کتاب میں پڑھا جاتا ہے وہ ان یتیم عورتوں کے بارے میں ہے جنھیں تم وہ نہیں دیتے جو ان کے لیے فرض کیا گیا ہے اور رغبت رکھتے ہو کہ ان سے نکاح کر لو۔)

((عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ، أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ . رضى الله عنها . ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لاَ تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى﴾ قَالَتْ يَا ابْنَ أُخْتِي هَذِهِ الْيَتِيمَةُ تَكُونُ فِي حَجْرِ وَلِيِّهَا فَيَرْغَبُ فِي جَمَالِهَا وَمَالِهَا، وَيُرِيدُ أَنْ يَنْتَقِصَ صَدَاقَهَا، فَنُهُوا عَنْ نِكَاحِهِنَّ إِلاَّ أَنْ يُقْسِطُوا فِي إِكْمَالِ الصَّدَاقِ، وَأُمِرُوا بِنِكَاحِ مَنْ سِوَاهُنَّ، قَالَتْ وَاسْتَفْتَى النَّاسُ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم بَعْدَ ذَلِكَ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ﴾ إِلَى ﴿وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾ فَأَنْزَلَ اللَّهُ لَهُمْ أَنَّ الْيَتِيمَةَ إِذَا كَانَتْ ذَاتَ جَمَالٍ وَمَالٍ رَغِبُوا فِي نِكَاحِهَا وَنَسَبِهَا فِي إِكْمَالِ الصَّدَاقِ، وَإِذَا كَانَتْ مَرْغُوبَةً عَنْهَا فِي قِلَّةِ الْمَالِ وَالْجَمَالِ تَرَكُوهَا وَأَخَذُوا غَيْرَهَا مِنَ النِّسَاءِ،

1 النساء:127

قَالَتْ فَكَمَا يَتْرُكُونَهَا حِينَ يَرْغَبُونَ عَنْهَا فَلَيْسَ لَهُمْ أَنْ يَنْكِحُوهَا إِذَا رَغِبُوا فِيهَا إِلاَّ أَنْ يُقْسِطُوا لَهَا وَيُعْطُوهَا حَقَّهَا الأَوْفَى فِي الصَّدَاقِ.))[1]

(ابن شہاب نے، انہیں عروہ بن زبیر نے خبر دی کہ انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے آیت "اور اگر تمہیں خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں تم انصاف نہیں کر سکو گے۔"(سورۃ نساء) کے متعلق سوال کیا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا میرے بھانجے اس آیت میں اس یتیم لڑکی کا حکم بیان ہوا ہے جو اپنے ولی کی پرورش میں ہو اور اس کا ولی اس کی خوبصورتی اور مالداری پر ریجھ کر یہ چاہے کہ اس سے نکاح کرے لیکن اس کے مہر میں کمی کرنے کا بھی ارادہ ہو۔ ایسے ولی کو اپنی زیر پرورش یتیم لڑکی سے نکاح کرنے سے منع کیا گیا ہے جب وہ ان کا مہر انصاف سے پورا ادا کریں گے اگر وہ ایسا نہ کریں تو پھر آیت میں ایسے ولیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی زیر پرورش یتیم لڑکی کے سوا کسی اور سے نکاح کرلیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ لوگوں نے نبی کریم سے اس کے بعد سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ نساء میں آیت ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾ تک نازل کی۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ یتیم لڑکیاں اگر خوبصورت اور صاحب مال ہوں تو ان کے ولی بھی ان کے ساتھ نکاح کر لینا چاہتے ہیں، اس کا خاندان پسند کرتے ہیں اور مہر پورا ادا کر کے ان سے نکاح کر لیتے ہیں۔ لیکن ان میں حسن کی کمی ہو اور مال بھی نہ ہو تو پھر ان کی طرف رغبت نہیں ہو گی اور وہ انہیں چھوڑ کر دوسری عورتوں سے نکاح کر لیتے ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جیسے اس وقت یتیم لڑکی کو چھوڑ دیتے ہیں جب وہ نادار ہو اور خوبصورت نہ ہو ایسے ہی اس وقت بھی چھوڑ دینا چاہئے جب وہ مالدار اور خوبصورت ہو البتہ اگر اس کے حق میں انصاف کریں اور اس کا مہر پورا ادا کریں تب اس سے نکاح کر سکتے ہیں۔)

اس عنوان کے دو جز ہیں: ایک ہم پلہ ہونے میں مال داری کو ملحوظ رکھنا۔ دوسرا مفلس آدمی کا مال دار عورت سے نکاح کرنا۔ جب تنگدست آدمی بوجہ قلت مال یا مال دار آدمی بوجہ بخل عورت کا حق مہر پورا ادا نہ کر سکے تو مال دار عورت سے اسے نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے اس سے عنوان کا پہلا جز ثابت ہوا اور اگر اس کا حق مہر پورا پورا ادا کر دے تو اسے نکاح کرنے کی اجازت ہے اگرچہ وہ عورت اس سے زیادہ مال دار ہو۔

علامہ عینی[2] رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب الأَكْفَاءِ فِي الْمَالِ، وَتَزْوِيجِ الْمُقِلِّ الْمُثْرِيَةَ، حدیث 5092-

2 امام بدر الدین عینی (پیدائش: 30 جولائی 1361ء—وفات: 14 دسمبر 1451ء) فقہ حنفی کے بہت بڑے شارح اور فقیہ ہیں۔ آپ نے صحیح بخاری کی شرح "عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری" کے نام سے کی ہے۔

" من حَيْثُ إِن الرجل إِذا كَانَ ولي الْيَتِيمَة الغنية وَهُوَ فَقير يجوز لَهُ أَن يَتَزَوَّجهَا إِذا أقسط فِي صَدَاقهَا وَعدل، فصح أَن اكفاءة مُعْتَبرَة فِي المَال"[1]

جب یتیم لڑکی مال دار ہو اور اس کا سرپرست تنگدست ہو تو حق مہر پورا پورا ادا کرنے کی صورت میں اسے نکاح کرنے کی اجازت ہے۔ اس سے مال داری میں ہم پلہ ہونا ثابت ہوا۔

((عَنْ عَائِشَةَ، ﴿وَمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللاَّتِي لاَ تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾. قَالَتْ هَذَا فِي الْيَتِيمَةِ الَّتِي تَكُونُ عِنْدَ الرَّجُلِ، لَعَلَّهَا أَنْ تَكُونَ شَرِيكَتَهُ فِي مَالِهِ، وَهْوَ أَوْلَى بِهَا، فَيَرْغَبُ أَنْ يَنْكِحَهَا، فَيَعْضُلَهَا لِمَالِهَا، وَلاَ يُنْكِحُهَا غَيْرَهُ، كَرَاهِيَةَ أَنْ يَشْرَكَهُ أَحَدٌ فِي مَالِهَا.))[2] **(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ آیت** ﴿وَمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللاَّتِي لاَ تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾ **یعنی وہ (آیات بھی) جو تمہیں کتاب کے اندر ان یتیم لڑکوں کے بارے میں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں جنہیں تم وہ نہیں دیتے ہو جو ان کے لئے مقرر ہو چکا ہے اور اس سے بیزار ہو کہ ان کا کسی سے نکاح کرو۔ ایسی یتیم لڑکی کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو کسی شخص کی پرورش میں ہو۔ ممکن ہے کہ اس کے مال وجائیداد میں بھی شریک ہو، وہی لڑکی کا زیادہ حقدار ہے لیکن وہ اس سے نکاح نہیں کرنا چاہتا البتہ اس کے مال کی وجہ سے اسے روکے رکھتا ہے اور کسی دوسرے مرد سے اس کی شادی نہیں ہونے دیتا کیونکہ وہ نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا اس کے مال میں حصہ دار بنے۔)**

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کا نکاح منعقد ہونے کے لئے ولی کی اجازت شرط ہے اس کے بغیر اس کا نکاح نہیں ہوتا چنانچہ مذکورہ حدیث کے مطابق زیر پرورش لڑکی کا ولی نہ خود اس کا نکاح کرتا اور نہ کسی دوسرے ہی سے نکاح کرنے دیتا۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا کہ ولی کا نکاح کا اختیار ہے۔ اگر عورت اپنا نکاح خود کر سکتی تو ولی اسے کیونکر روک سکتا تھا لہٰذا نکاح کے لئے ولی کا ہونا ضروری ہے البتہ ایک حدیث میں ہے: ((الأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا))[3] **(شوہر دیدہ (بیوہ) عورت اپنے نفس کے متعلق اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے۔)**

یہ حدیث مذکورہ احادیث کے مخالف نہیں ہے کیونکہ اس کے مطابق شوہر دیدہ کو اپنے خاوند کے متعلق انتخاب کا زیادہ حق دیا گیا ہے، انتخاب کے بعد ولی کی اجازت سے نکاح ہو سکے گا۔

---

1 عینی، ابو محمد، بدر الدین، محمود بن احمد، **عمدة القاری شرح صحیح البخاری** (بیروت: دار الفکر، س ن) ج20، ص88-

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب النکاح، بَابُ مَنْ قَالَ لاَ نِكَاحَ إِلاَّ بِوَلِيٍّ، **حدیث** 5128-

3 قشیری، ابو الحسین، مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، كِتَاب النِّكَاحِ ، باب اسْتِئْذَانِ الثَّيِّبِ فِي النِّكَاحِ بِالنُّطْقِ وَالْبِكْرِ بِالسُّكُوتِ ، **حدیث** 3476(1421)-

((عَنْ عَائِشَةَ ۔ رضی اللہ عنہا ۔ فِي قَوْلِهِ ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ﴾ إِلَى آخِرِ الآيَةِ، قَالَتْ هِيَ الْيَتِيمَةُ تَكُونُ فِي حَجْرِ الرَّجُلِ، قَدْ شَرِكَتْهُ فِي مَالِهِ، فَيَرْغَبُ عَنْهَا أَنْ يَتَزَوَّجَهَا، وَيَكْرَهُ أَنْ يُزَوِّجَهَا غَيْرَهُ، فَيَدْخُلَ عَلَيْهِ فِي مَالِهِ، فَيَحْبِسُهَا، فَنَهَاهُمُ اللَّهُ عَنْ ذَلِكَ.))[1](عائشہ رضی اللہ عنہا نے آیت﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ﴾اور آپ سے عورتوں کے بارے میں مسئلہ پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئیے کہ اللہ ان کے بارے میں تمہیں مسئلہ بتاتا ہے آخر آیت تک فرمایا کہ یہ آیت یتیم لڑکی کے بارے میں نازل ہوئی، جو کسی مرد کی پرورش میں ہو۔ وہ مرد اس کے مال کے مال میں بھی شریک ہو اور اس سے خود نکاح کرنا چاہتا ہو اور اس کا نکاح کسی دوسرے سے کرنا پسند نہ کرتا ہو کہ کہیں دوسرا شخص اس کے مال میں حصہ دار نہ بن جائے اس غرض سے وہ لڑکی کو روکے رکھے تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس سے منع کیا ہے۔)

مذکورہ حدیث وضاحت ہے کہ اگر زیر پرورش بچی خوبصورت اور مال دار ہوتی تو سرپرست خود اس کے ساتھ نکاح میں دلچسپی رکھتا لیکن اس کے حق مہر کے متعلق بے انصافی سے کام لیتا اور اگر بدصورت ہوتی تو نہ خود اس سے نکاح میں دلچسپی رکھتا اور نہ کسی دوسرے ہی سے نکاح کرتا، اس بات سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے سرپرست حضرات کو عتاب فرمایا ہے کہ وہ خوبصورت نہ ہونے کی صورت میں اس کے ساتھ نکاح کرنے سے بے رغبتی کیوں رکھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سرپرست خود اپنے ساتھ نکاح کر سکتا ہے کیونکہ حرام کام کے ترک پر عتاب کرنا درست نہیں، لہٰذا اپنی زیر پرورش بچی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔

4. ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلاَ تَعْتَدُواإِنَّ اللَّهَ لاَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾[2]

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو! وہ پاکیزہ چیزیں حرام مت ٹھہراؤ جو اللہ نے تمھارے لیے حلال کی ہیں اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔)

((عَنْ قَيْسٍ، قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ كُنَّا نَغْزُو مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَلَيْسَ لَنَا شَىْءٌ فَقُلْنَا أَلاَ نَسْتَخْصِي فَنَهَانَا عَنْ ذَلِكَ ثُمَّ رَخَّصَ لَنَا أَنْ نَنْكِحَ الْمَرْأَةَ بِالثَّوْبِ، ثُمَّ قَرَأَ عَلَيْنَا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلاَ تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لاَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾))[3]

(قیس بن ابی حازم نے بیان کیا اور ان سے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ جہاد کو جایا کرتے تھے اور ہمارے پاس روپیہ نہ تھا(کہ ہم شادی کر لیتے)اس لئے ہم نے عرض

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب إِذَا كَانَ الْوَلِيُّ هُوَ الْخَاطِبَ، حدیث 5131۔

2 المائدہ:87

3 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّبَتُّلِ وَالْخِصَاءِ، حدیث 5075۔

کیا ہم اپنے کو خصی کیوں نہ کرالیں لیکن آنحضرت ﷺ نے ہمیں اس سے منع فرمایا۔ پھر ہمیں اس کی اجازت دے دی کہ ہم کسی عورت سے ایک کپڑے پر نکاح کرلیں۔ آپ نے ہمیں قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ کر سنائی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلاَ تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لاَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ (ایمان لانے والو! وہ پاکیزہ چیزیں مت حرام کرو جو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہیں اور حد سے آگے نہ بڑھو، بیشک اللہ حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔)

یہ آیت کریمہ تبتل اور خصی ہونے کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ ان دونوں صورتوں میں پاکیزہ اور حلال چیزوں کو اپنے آپ پر حرام کرلینا ہے جس کی آیت میں ممانعت ہے۔ محدود مدت تک کے لئے نکاح کرنے کو متعہ کہا جاتا ہے اسے ایک غزوے میں حلال کیا گیا تھا آخرکار غزوہ اوطاس کے بعد قطعی طور پر ہمیشہ کے لئے حرام کردیا گیا۔ ایک روایت میں ہے: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا پھر انہوں نے اسے ترک کر دیا۔ بلکہ ایک روایت میں ہے کہ بعد میں نکاح متعہ کو حرام کر دیا گیا۔[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کریمہ کی شان نزول اس طرح مروی ہے:

((أَنَّ رَجُلاً،أَتَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي إِذَا أَصَبْتُ اللَّحْمَ انْتَشَرْتُ لِلنِّسَاءِ وَأَخَذَتْنِي شَهْوَتِي فَحَرَّمْتُ عَلَيَّ اللَّحْمَ . فَأَنْزَلَ اللَّهُ : ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلاَ تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لاَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلاَلاً طَيِّبًا﴾))[2] (ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اللہ کے رسول! جب میں گوشت کھاتا ہوں تو مجھے عورتوں کی خواہش پیدا ہوتی ہے اس وجہ سے میں نے اپنے لئے گوشت حرام کرلیا ہے تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلاَ تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لاَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلاَلاً طَيِّبًا﴾ (اے لوگو جو ایمان لائے ہو! وہ پاکیزہ چیزیں حرام مت ٹھہراؤ جو اللہ نے تمھارے لیے حلال کی ہیں اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔)

5. ﴿تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ﴾[3] (آپ جس بیوی کو چاہیں علیحدہ رکھیں اور جسے چاہیں اپنے پاس رکھیں اور علیحدہ رکھنے کے بعد جسے چاہیں اپنے پاس بلا لیں، آپ پر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔)

---

1 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ج9، ص119-

2 ترمذی، ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، السنن، کتاب تفسير القرآن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، باب وَمِنْ سُورَةِ الْمَائِدَةِ ،حدیث 3054-

3 الاحزاب: 51

((حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ كَانَتْ خَوْلَةُ بِنْتُ حَكِيمٍ مِنَ اللاَّئِي وَهَبْنَ أَنْفُسَهُنَّ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَتْ عَائِشَةُ أَمَا تَسْتَحِي الْمَرْأَةُ أَنْ تَهَبَ نَفْسَهَا لِلرَّجُلِ فَلَمَّا نَزَلَتْ ﴿تُرْجِئُ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ﴾ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَرَى رَبَّكَ إِلاَّ يُسَارِعُ فِي هَوَاكَ.))(1)

(ہشام بن عروہ نے بیان کیا، ان سے ان کے والد نے بیان کیا کہ حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا ان عورتوں میں سے تھیں جنہوں نے اپنے آپ کو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے لئے ہبہ کیا تھا۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ایک عورت اپنے آپ کو کسی مرد کے لئے ہبہ کرتے شرماتی نہیں۔ پھر جب آیت﴿تُرْجِئُ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ﴾(اے پیغمبر! تو اپنی جس بیوی کو چاہے پیچھے ڈال دے اور جسے چاہے اپنے پاس جگہ دے) نازل ہوئی تو میں نے کہا، یا نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ! اب میں سمجھی اللہ تعالیٰ جلد جلد آپ کی خوشی کو پورا کرتا ہے۔)

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کو تین قسم کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی تھی۔ ان میں سے تیسری قسم ان عورتوں کی تھی جو بذات خود اپنے آپ کو نکاح کے لئے پیش کریں۔ اگر اپنا نفس ہبہ کرنے والی کوئی عورت آپ کو پسند آجائے تو اس کا حق مہر کچھ نہیں ہوگا اور نہ ولی کی اجازت اور گواہوں کی ضرورت ہی ہوگی۔ عورت کا اپنا نفس ہبہ کر دینا ہی نکاح سمجھا جائے گا۔ ایسی عورتوں کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہانے مذکورہ حدیث میں تبصرہ کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:((عَنْ عَائِشَةَ ـ رضى الله عنها ـ قَالَتْ كُنْتُ أَغَارُ عَلَى اللاَّتِي وَهَبْنَ أَنْفُسَهُنَّ لِرَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَأَقُولُ أَتَهَبُ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا فَلَمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿تُرْجِئُ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكَ﴾))(2)(مجھے ان عورتوں پر غیرت آتی تھی جو اپنے آپ کو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کو ہبہ کر دیتی تھیں۔ میں کہتی: بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ کوئی عورت اپنا آپ کسی کو ہبہ کر دے؟ لیکن قرآن کریم نے تبصرہ فرمایا: ﴿تُرْجِئُ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكَ﴾)

یہ رعایت صرف آپ کے لئے ہے دوسرے مسلمانوں کے لئے نہیں۔ ہبہ عورت کے حکم میں اختلاف ہے کہ یہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کا خاصا ہے یا یہ حکم عام ہے؟ اس اختلاف کی طرف امام بخاریؒ نے عنوان میں لفظ ”ھل“ سے اشارہ کیا ہے۔ بہر حال دوسرے مسلمانوں کے لئے حکم ہے کہ وہ نکاح کی دیگر شرائط پوری کریں، یعنی ولی کی اجازت، گواہوں کی موجودگی اور حق مہر کی تعین وغیرہ اس کے بعد نکاح صحیح ہوگا۔

---

1 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب النکاح، باب هَلْ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَهَبَ نَفْسَهَا لأَحَدٍ، حدیث 5113-

2 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كِتَاب تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ ، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿تُرْجِئُ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكَ﴾، حدیث 4788-

6. ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ﴾[1]

(اور تم پر اس بات میں کچھ گناہ نہیں جس کے ساتھ تم ان عورتوں کے پیغام نکاح کا اشارہ کرو، یا اپنے دلوں میں چھپائے رکھو، اللہ جانتا ہے کہ تم انھیں ضرور یاد کروگے، اور لیکن ان سے پوشیدہ عہد وپیمان مت کرو، مگر یہ کہ کوئی معروف بات کرو اور نکاح کی گرہ پختہ نہ کرو، یہاں تک کہ لکھا ہوا حکم اپنی مدت کو پہنچ جائے اور جان لو کہ اللہ جانتا ہے جو تمھارے دلوں میں ہے، پس اس سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت بردبار ہے)

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، ﴿فِيمَا عَرَّضْتُمْ﴾ يَقُولُ إِنِّي أُرِيدُ التَّزْوِيجَ، وَلَوَدِدْتُ أَنَّهُ تَيَسَّرَ لِي امْرَأَةٌ صَالِحَةٌ. وَقَالَ الْقَاسِمُ يَقُولُ إِنَّكِ عَلَيَّ كَرِيمَةٌ، وَإِنِّي فِيكِ لَرَاغِبٌ، وَإِنَّ اللَّهَ لَسَائِقٌ إِلَيْكِ خَيْرًا. أَوْ نَحْوَ هَذَا. وَقَالَ عَطَاءٌ يُعَرِّضُ وَلاَ يَبُوحُ يَقُولُ إِنَّ لِي حَاجَةً وَأَبْشِرِي، وَأَنْتِ بِحَمْدِ اللَّهِ نَافِقَةٌ. وَتَقُولُ هِيَ قَدْ أَسْمَعُ مَا تَقُولُ. وَلاَ تَعِدُ شَيْئًا وَلاَ يُوَاعِدُ وَلِيُّهَا بِغَيْرِ عِلْمِهَا، وَإِنْ وَاعَدَتْ رَجُلاً فِي عِدَّتِهَا ثُمَّ نَكَحَهَا بَعْدُ لَمْ يُفَرَّقْ بَيْنَهُمَا. وَقَالَ الْحَسَنُ ﴿لاَ تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا﴾الزِّنَا. وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﴿الْكِتَابُ أَجَلَهُ﴾ تَنْقَضِي الْعِدَّةُ.))[2]

(ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت ﴿فِيمَا عَرَّضْتُمْ﴾ کی تفسیر میں کہا کہ کوئی شخص کسی ایسی عورت سے جو عدت میں ہو کہے کہ میرا ارادہ نکاح کا ہے اور میری خواہش ہے کہ مجھے کوئی نیک بخت عورت میسر آجائے اور اس نکاح میں قاسم بن محمد نے کہا کہ (تعریض یہ ہے کہ عدت میں عورت سے کہے کہ تم میری نظر میں بہت اچھی ہو اور میرا خیال نکاح کرنے کا ہے اور اللہ تمہیں بھلائی پہنچائے گا یا اسی طرح کے جملے کہے اور عطاء بن ابی رباح نے کہا کہ تعریض وکنایہ سے کہے۔ صاف صاف نہ کہے (مثلاً) کہے کہ مجھے نکاح کی ضرورت ہے اور تمہیں بشارت ہو اور اللہ کے فضل سے اچھی ہو اور عورت اس کے جواب میں کہے کہ تمہاری بات میں نے سن لی ہے (بصراحت) کوئی وعدہ نہ کرے ایسی عورت کا ولی بھی اس کے علم کے بغیر کوئی وعدہ نہ کرے اور اگر عورت نے زمانہ عدت میں کسی مرد سے نکاح کا وعدہ کر لیا اور پھر بعد میں اس سے نکاح کیا تو دونوں میں جدائی نہیں کرائی جائے گی۔ حسن نے کہا کہ ﴿لاَ تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا﴾ سے یہ مراد ہے کہ عورت سے چھپ کر بدکاری نہ کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ﴿الْكِتَابُ أَجَلَهُ﴾ سے مراد عدت کا پورا کرنا ہے۔)

---

1 البقرہ:235

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب النکاح، باب قَوْلِ اللَّهِ جَلَّ وَعَزَّ : ﴿وَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ﴾ الآيَةَ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿غَفُورٌ حَلِيمٌ﴾، حدیث 5124-

امام بخاریؒ نے دوران عدت میں عورت کو پیغام دینے یا نہ دینے کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت بیان کی ہے جبکہ مرفوع احادیث بھی کتب احادیث میں مروی ہیں، مثلاً: نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہما جو آخری طلاق ملنے پر عدت کے ایام گزار رہی تھیں، سے فرمایا: ((إِذَا حَلَلْتِ فَآذِنِينِي))[1](جب تمہارے عدت کے ایام گزر جائیں تو مجھے اطلاع دینا۔)

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دوران عدت میں پیغام بھیجا: ((قَالَ فِيهِ وَأَرْسَلَ إِلَيْهَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ لاَ تَسْبِقِينِي بِنَفْسِكِ))[2](اپنے متعلق میرے مشورے کے بغیر جلدی میں کوئی فیصلہ نہ کرلینا۔)

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے:

"أَنَّ الْمُرَادَ بِهَذَا الْحُكْمِ مَنْ مَاتَ عَنْهَا زَوْجُهَا وَاخْتَلَفُوا فِي الْمُعْتَدَّةِ مِنَ الطَّلَاقِ الْبَائِنِ وَكَذَا مَنْ وَقَفَ نِكَاحُهَا وَأَمَّا الرَّجْعِيَّةُ"[3]

جو عورت بھی دوران عدت میں ہو اسے واضح طور پر پیغام نکاح دینا حرام ہے، خواہ عدت وفات میں ہو یا عدت طلاق میں اور عدت طلاق خواہ رجعی ہو یا بائنہ۔ یہ حکم ہر قسم کی عورت سے متعلق ہے البتہ اشارہ اور تعریض عدت وفات میں جائز ہے جبکہ رجعی طلاق کی عدت میں جائز نہیں۔

مقصد یہ ہے کہ بیوہ عورت کو دوران عدت میں پیغام نکاح کا اشارہ تو دیا جاسکتا ہے مگر واضح الفاظ میں کوئی بات کرنا درست نہیں۔ عدت کے بعد وضاحت کے ساتھ گفتگو کی جاسکتی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں اس کی اجازت موجود ہے۔

7. ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلاَّ أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلاَ مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لاَ يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ﴾[4]

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نبی کے گھروں میں مت داخل ہو مگر یہ کہ تمھیں کھانے کی طرف اجازت دی جائے، اس حال میں کہ اس کے پکنے کا انتظار کرنے والے نہ ہو اور لیکن جب تمھیں بلایا جائے تو داخل ہو جائو، پھر

---

1 قشیری، ابو الحسین، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، كِتَاب الطَّلَاقِ ، باب الْمُطَلَّقَةُ ثَلاَثًا لاَ نَفَقَةَ لَهَا ،حدیث3712(1480)-

2 ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، كتاب تفريع أبواب الطلاق ، باب فِي نَفَقَةِ الْمَبْتُوتَةِ ،حدیث2286-علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت " صحیح " ہے۔

3 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ج9، ص179-

4 الاحزاب:53

جب کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور نہ (بیٹھے رہو) اس حال میں کہ بات میں دل لگانے والے ہو۔ بے شک یہ بات ہمیشہ سے نبی کو تکلیف دیتی ہے، تو وہ تم سے شرم کرتا ہے اور اللہ حق سے شرم نہیں کرتا۔)

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ مَرَّ بِنَا فِي مَسْجِدِ بَنِي رِفَاعَةَ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا مَرَّ بِجَنَبَاتِ أُمِّ سُلَيْمٍ دَخَلَ عَلَيْهَا فَسَلَّمَ عَلَيْهَا، ثُمَّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَرُوسًا بِزَيْنَبَ فَقَالَتْ لِي أُمُّ سُلَيْمٍ لَوْ أَهْدَيْنَا لِرَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم هَدِيَّةً فَقُلْتُ لَهَا افْعَلِي. فَعَمَدَتْ إِلَى تَمْرٍ وَسَمْنٍ وَأَقِطٍ، فَاتَّخَذَتْ حَيْسَةً فِي بُرْمَةٍ، فَأَرْسَلَتْ بِهَا مَعِي إِلَيْهِ، فَانْطَلَقْتُ بِهَا إِلَيْهِ فَقَالَ لِي " ضَعْهَا ". ثُمَّ أَمَرَنِي فَقَالَ " ادْعُ لِي رِجَالاً . سَمَّاهُمْ . وَادْعُ لِي مَنْ لَقِيتَ ". قَالَ فَفَعَلْتُ الَّذِي أَمَرَنِي فَرَجَعْتُ فَإِذَا الْبَيْتُ غَاصٌّ بِأَهْلِهِ، فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى تِلْكَ الْحَيْسَةِ، وَتَكَلَّمَ بِهَا مَا شَاءَ اللَّهُ، ثُمَّ جَعَلَ يَدْعُو عَشَرَةً عَشَرَةً، يَأْكُلُونَ مِنْهُ، وَيَقُولُ لَهُمْ " اذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ، وَلْيَأْكُلْ كُلُّ رَجُلٍ مِمَّا يَلِيهِ ". قَالَ حَتَّى تَصَدَّعُوا كُلُّهُمْ عَنْهَا، فَخَرَجَ مِنْهُمْ مَنْ خَرَجَ، وَبَقِيَ نَفَرٌ يَتَحَدَّثُونَ قَالَ وَجَعَلْتُ أَغْتَمُّ، ثُمَّ خَرَجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَ الْحُجُرَاتِ، وَخَرَجْتُ فِي إِثْرِهِ فَقُلْتُ إِنَّهُمْ قَدْ ذَهَبُوا. فَرَجَعَ فَدَخَلَ الْبَيْتَ، وَأَرْخَى السِّتْرَ، وَإِنِّي لَفِي الْحُجْرَةِ، وَهْوَ يَقُولُ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلاَّ أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلاَ مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لاَ يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ﴾. قَالَ أَبُو عُثْمَانَ قَالَ أَنَسٌ إِنَّهُ خَدَمَ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم عَشْرَ سِنِينَ.))[1]

(اور ابراہیم بن طہمان نے ابو عثمان جعد بن دینار سے روایت کیا، انہوں نے انس بن مالک سے، ابو عثمان کہتے ہیں کہ انس رضی اللہ عنہ ہمارے سامنے سے بنی رفاعہ کی مسجد میں (جو بصرہ میں ہے) گزرے۔ میں نے ان سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ کا قاعدہ تھا آپ جب ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر کی طرف سے گزرتے تو ان کے پاس جاتے، ان کو سلام کرتے (وہ آپ کی رضاعی خالہ ہوتی تھیں) پھر انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک بار ایسا ہوا کہ آنحضرت ﷺ دولہا تھے۔ آپ نے زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا تو ام سلیم (میری ماں) مجھ سے کہنے لگیں اس وقت ہم آنحضرت ﷺ کے پاس کچھ تحفہ بھیجیں تو اچھا ہے۔ میں نے کہا مناسب ہے۔ انہوں نے کھجور اور گھی اور پنیر ملا کر ایک ہانڈی میں حلوہ بنایا اور میرے ہاتھ میں دے کر آنحضرت ﷺ کے پاس بھجوایا، میں لے کر آپ کے پاس چلا، جب پہنچا تو آپ نے فرمایا رکھ دے اور جا کر فلاں فلاں لوگوں کو بلا لا آپ نے ان کا نام لیا اور جو بھی کوئی تجھ کو راستے میں ملے اس کو بلا لے۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں آپ کے حکم کے موافق لوگوں کو دعوت دینے گیا۔ لوٹ کر جو آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سارا گھر لوگوں سے بھرا ہوا ہے۔ میں نے دیکھا کہ آنحضرت

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب الْهَدِيَّةِ لِلْعَرُوسِ، حدیث 5163–

ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اس حلوے پر رکھے اور جو اللہ کو منظور تھا وہ زبان سے کہا (برکت کی دعا فرمائی) پھر دس دس آدمیوں کو کھانے کے لئے بلانا شروع کیا۔ آپ ان سے فرماتے جاتے تھے اللہ کا نام لو اور ہر ایک آدمی اپنے آگے سے کھائے۔ (رکابی کے بیچ میں ہاتھ نہ ڈالے) یہاں تک کہ سب لوگ کھا کر گھر کے باہر چل دیئے۔ تین آدمی گھر میں بیٹھے باتیں کرتے رہے اور مجھ کو ان کے نہ جانے سے رنج پیدا ہوا (اس خیال سے کہ آنحضرت ﷺ کو تکلیف ہو گی) آخر آنحضرت ﷺ اپنی بیویوں کے حجروں پر گئے میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے گیا پھر راستے میں میں نے آپ سے کہا اب وہ تین آدمی بھی چلے گئے ہیں۔ اس وقت آپ لوٹے اور (زینب رضی اللہ عنہا کے حجرے میں) آئے۔ میں بھی حجرے ہی میں تھا لیکن آپ نے میری اور اپنے بیچ میں پردہ ڈال لیا۔ آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلاَّ أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلاَ مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لاَ يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ﴾ (مسلمانو! نبی کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر جب کھانے کے لئے تم کو اندر آنے کی اجازت دی جائے اس وقت جاؤ وہ بھی ایسا ٹھیک وقت دیکھ کر کہ کھانے کے پکنے کا انتظار نہ کرنا پڑے البتہ جب بلائے جاؤ تو اندر آ جاؤ اور کھانے سے فارغ ہوتے ہی چل دو۔ باتوں میں لگ کر وہاں بیٹھے نہ رہا کرو، ایسا کرنے سے پیغمبر کو تکلیف ہوتی تھی، اس کو تم سے شرم آتی تھی (کہ تم سے کہے کہ چلے جاؤ) اللہ تعالیٰ حق بات میں نہیں شرماتا۔) ابو عثمان (جعدی بن دینار) کہتے تھے کہ انس رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے۔)

امام بخاریؒ نے ثابت کیا ہے کہ دلہا اور دلہن کو تحائف بھیجنا مستحب ہے۔ اسلام سے پہلے بھی انہیں شادی کے موقع پر تحائف بھیجے جاتے تھے۔ اسلام نے دور جاہلیت کی اس رسم کو برقرار رکھا اور اسے پسندیدہ قرار دیا ہے۔ تحفہ اگرچہ مقدار میں کم ہو وہ محبت اور الفت میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ اس کے ذریعے بے تکلفی کو فروغ ملتا ہے جو آپس کے میل جول کی بنیاد ہے۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اسی اصول کے مطابق قلیل مقدار میں تحفہ بھیجا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں خوب خوب برکت ڈال دی۔ بعض حضرات نے اس حدیث کے متعلق ایک اشکال ظاہر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمے پر گوشت اور روٹی کھلائی تھی جب کہ اس حدیث میں ہے کہ آپ نے ام سلیم رضی اللہ عنہا کے حلوے سے ولیمے کی دعوت کی؟ دراصل ایسا معلوم ہوا ہے کہ گوشت اور روٹی کھانے کے دوران میں ہی حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی طرف سے حلوہ آگیا جو سویٹ ڈش کے طور پر استعمال کیا گیا۔ اس بنا پر ان دونوں روایات میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

8. ﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾[1]

(اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے کسی قسم کی زیادتی یا بے رخی سے ڈرے تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں کسی طرح کی صلح کر لیں اور صلح بہتر ہے، اور تمام طبیعتوں میں حرص (حاضر) رکھی گئی ہے اور اگر تم نیکی کرو اور ڈرتے رہو تو بے شک اللہ اس سے جو تم کرتے ہو، ہمیشہ سے پورا باخبر ہے۔)

((عَنْ عَائِشَةَ ۔ رضی اللہ عنھا ۔ ﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا﴾ قَالَتْ هِيَ الْمَرْأَةُ تَكُونُ عِنْدَ الرَّجُلِ، لاَ يَسْتَكْثِرُ مِنْهَا فَيُرِيدُ طَلاَقَهَا، وَيَتَزَوَّجُ غَيْرَهَا، تَقُولُ لَهُ أَمْسِكْنِي وَلاَ تُطَلِّقْنِي، ثُمَّ تَزَوَّجْ غَيْرِي، فَأَنْتَ فِي حِلٍّ مِنَ النَّفَقَةِ عَلَيَّ وَالْقِسْمَةِ لِي، فَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَصَّالَحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾))[2]

(ہم سے ابن سلام نے بیان کیا، کہا ہم کو ابو معاویہ نے خبر دی، انہیں ہشام بن عروہ نے، انہیں ان کے والد نے اور ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آیت ﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا﴾ (اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی طرف سے نفرت اور منہ موڑنے کا خوف محسوس کرے۔) کے متعلق فرمایا کہ آیت میں ایسی عورت کا بیان ہے جو کسی مرد کے پاس ہو اور وہ مرد اسے اپنے پاس زیادہ نہ بلاتا ہو بلکہ اسے طلاق دینے کا ارادہ رکھتا ہو اور اس کے بجائے دوسری عورت سے شادی کرنا چاہتا ہو لیکن اس کی موجودہ بیوی اس سے کہے کہ مجھے اپنے ساتھ ہی رکھو اور طلاق نہ دو۔ تم میرے سوا کسی اور سے شادی کر سکتے ہو، میرے خرچ سے بھی تم آزاد ہو اور تم پر باری کی بھی کوئی پابندی نہیں تو اس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں کہ ﴿فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَصَّالَحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ (پس ان پر کوئی گناہ نہیں اگر وہ آپس میں صلح کر لیں اور صلح بہر حال بہتر ہے۔)

اس حدیث کی وضاحت ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ خَشِيَتْ سَوْدَةُ أَنْ يُطَلِّقَهَا، النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَتْ لاَ تُطَلِّقْنِي وَأَمْسِكْنِي وَاجْعَلْ يَوْمِي لِعَائِشَةَ فَفَعَلَ فَنَزَلَتْ :﴿فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ﴾))

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو نبی کریم ﷺ کی طرف سے طلاق دینے کا خطرہ لاحق ہوا تو انہوں نے آپ سے عرض کی: آپ مجھے طلاق نہ دیں میں اپنی باری سیدہ عائشہ

---

1 النساء:1285

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب ﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا﴾، حدیث 5206-

رضی اللہ عنہما کو دے دیتی ہوں چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت یہ آیت ﴿فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ﴾ نازل ہوئی۔)

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

" فَمَا اصْطَلَحَا عَلَيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ جَائِزٌ "[1] (میاں بیوی جس شرط پر بھی صلح کر لیں وہ جائز ہے۔)

اس آیت کریمہ میں صلح سے مراد مہر کم کرنا یا بالکل معاف کر دینا، اپنی باری چھوڑ دینا، نان و نفقہ سے دستبردار ہو جانا اور شوہر کو کوئی ایسی چیز ہبہ کرنا جس سے اس کا میلان ہو۔ بہر حال طلاق دینے سے صلح بہتر ہے کیونکہ اس سے باہمی جھگڑا ختم ہو جاتا ہے اس قسم کی صلح پر امت کا اتفاق ہے۔

9. ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلَاقُوهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾[2]

(تمہاری عورتیں تمہارے لیے کھیتی ہیں، سو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آئو اور اپنے لیے آگے (سامان) بھیجو اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تم اس سے ملنے والے ہو، اور ایمان والوں کو خوش خبری دے دے۔)

((عَنْ نَافِعٍ، قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ . رضى الله عنهما . إِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ لَمْ يَتَكَلَّمْ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهُ، فَأَخَذْتُ عَلَيْهِ يَوْمًا، فَقَرَأَ سُورَةَ الْبَقَرَةِ حَتَّى انْتَهَى إِلَى مَكَانٍ قَالَ تَدْرِي فِيمَا أُنْزِلَتْ. قُلْتُ لاَ. قَالَ أُنْزِلَتْ فِي كَذَا وَكَذَا. ثُمَّ مَضَى .))[3]

(نافع نے بیان کیا کہ جب ابن عمر رضی اللہ عنہما قرآن پڑھتے تو اور کوئی لفظ زبان پر نہیں لاتے یہاں تک کہ تلاوت سے فارغ ہو جاتے۔ ایک دن میں (قرآن مجید لے کر) ان کے سامنے بیٹھ گیا اور انہوں نے سورۃ البقرہ کی تلاوت شروع کی۔ جب اس آیت ﴿فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ ﴾ پر پہنچے تو فرمایا، معلوم ہے یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی تھی؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ فلاں فلاں چیز (یعنی عورت سے پیچھے کی طرف سے جماع کرنے کے بارے میں) نازل ہوئی تھی اور پھر تلاوت کرنے لگے۔)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾[1] (تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں لہٰذا جس طرح تم چاہو اپنی کھیتی میں آؤ۔)

---

1 ترمذی، ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، السنن، كتاب تفسير القرآن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، باب وَمِنْ سُورَةِ النِّسَاءِ ، حدیث 3040- اس روایت کو علامہ البانیؒ نے " صحیح " کہا ہے۔

2 البقرہ: 223

3 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لأَنْفُسِكُمْ﴾ الآيَةَ، حدیث 4526-4527

یعنی آگے سے، پیچھے سے یا چت لٹا کر لیکن جگہ وہی فرج، یعنی اگلی شرم گاہ ہو۔ بہر حال بیوی سے پاخانہ کی جگہ میں مباشرت کرنا حرام ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:((لاَ يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَى رَجُلٍ أَتَى رَجُلاً أَوِ امْرَأَةً فِي الدُّبُرِ))[2](اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نہیں دیکھے گا جو کسی مرد یا عورت کی دبر میں جنسی عمل کرے۔)

جب حیض کی حالت میں مجامعت کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ اس وقت شرمگاہ محل نجاست ہوتی ہے تو جو جگہ ہمیشہ کے لئے مقام نجاست ہے وہاں مجامعت کیونکہ جائز ہو سکتی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی رجوع ثابت ہے چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے وطی فی الدبر کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا:

"وَهَلْ يَفْعَلُ ذَلِكَ أَحَدٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ "[3] (کیا مسلمانوں میں سے کوئی یہ عمل کرتا ہے؟)

بہر حال اس سلسلے میں ہمارا موقف یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں جو کچھ فرمایا ہے وہ ان کا پہلا موقف تھا جو صحیح اسناد سے ثابت ہے لیکن انہوں نے اس کے بعد رجوع کر لیا تھا جیسا کہ حدیث بالا سے معلوم ہوتا ہے۔ مذکورہ احادیث کی روشنی میں مرد کو اس برے کام سے بچنا چاہیے اور عورت کو بھی چاہیے کہ اس بدترین کام کے بارے میں اپنے شوہر کی بات نہ مانے اگر وہ ایسا کرنے کا کہے تو انکار کر دے۔

((عَنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ، سَمِعْتُ جَابِرًا ـ رضى الله عنه ـ قَالَ كَانَتِ الْيَهُودُ تَقُولُ إِذَا جَامَعَهَا مِنْ وَرَائِهَا جَاءَ الْوَلَدُ أَحْوَلَ. فَنَزَلَتْ ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾))[4](محمد بن منکدر نے اور انہوں نے جابر رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ یہودی کہتے تھے کہ اگر عورت سے ہمبستری کے لیے کوئی پیچھے سے آئے گا تو بچہ بھینگا پیدا ہو گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾(تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں، سو اپنے کھیت میں آؤ جدھر سے چاہو۔)

1البقرۃ:223

2ترمذی، ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، السنن، کتاب الرضاع، باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ إِتْيَانِ النِّسَاءِ فِي أَدْبَارِهِنَّ، حدیث1165-اس روایت کو علامہ البانیؒ نے "حسن" کہا ہے۔

3ابن کثیر، ابو الفداء، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم (بیروت: دار الکتب، 1419ھ) ج1، ص449-

4بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لأَنْفُسِكُمْ﴾ الآيَةَ، حدیث4528-

ظاہری طور پر یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے مطابق ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے ایسا نہیں ہے کیونکہ ایک روایت میں وضاحت ہے کہ جب آدمی پچھلی جانب سے اس کی فرج میں مجامعت کرے تو یہودی کہتے تھے کہ اس کا بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔
ایک روایت میں ہے کہ اسے حمل ہو جائے۔

صحیح مسلم میں یہ روایت ہے:

((أَنَّ يَهُودَ كَانَتْ تَقُولُ: إِذَا أُتِيَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ دُبُرِهَا فِي قُبُلِهَا، ثُمَّ حَمَلَتْ كَانَ وَلَدُهَا أَحْوَلَ))[1]

(یہود کہا کرتے تھے: جب عورت کے پیچھے کی طرف سے اس کی شرمگاہ میں مباشرت کی جائے، پھر وہ حاملہ ہو تو اس کا بچہ بھینگا ہو گا۔)

حمل ہونے کے الفاظ اس بات کا قرینہ ہے کہ آدمی، بیوی سے فرج میں مباشرت کرے کیونکہ دبر میں مباشرت کرنے سے حمل نہیں ہوتا۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے علامہ اسماعیلیؒ کے حوالے سے یہ الفاظ بیان کئے ہیں: عورت کو گھٹنوں کے بل بیٹھا کر اس کی پچھلی جانب سے اس کی فرج میں مباشرت کی جائے۔[2]

مختصر یہ ہے کہ مذکورہ تمام روایات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ آیت کی تفسیر کی تائید کرتی ہیں جس میں انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ تفسیر کی تردید کی ہے۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے قول کو باطل اور ایک بے بنیاد وہم قرار دیا ہے اور میاں بیوی کو ایک دوسرے سے ہر طرح لطف اندوز ہونے کی اجازت ہے بشرطیکہ وطی فی الدبر سے گریز کیا جائے کیونکہ یہ قوم لوط کا فعل ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ نے ایسا عذاب نازل کیا تھا کہ ان کی بستیوں کو تہ وبالا کر ڈالا۔ مزید یہ بھی شرط ہے کہ ایام حیض میں اس قسم کی لطف اندوزی بھی حرام ہے۔

1 قشیری، ابوالحسین، مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، كِتَاب النِّكَاحِ، باب جَوَازِ جِمَاعِهِ امْرَأَتَهُ فِي قُبُلِهَا مِنْ قُدَّامِهَا وَمِنْ وَرَائِهَا مِنْ غَيْرِ تَعَرُّضٍ لِلدُّبُرِ، حدیث 3536(1435)-

2 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، **فتح الباری بشرح صحیح البخاری**، 8/241-

مبحث دوم:

الکافی کی نکاح سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

امام کلینیؒ نے الکافی میں کتاب النکاح کو قائم کیا ہے، اس میں "192" ابواب قائم کیا ہے۔ کتاب النکاح میں پہلا باب " بَابُ حُبِّ النِّسَاءِ" ہے۔ اس میں "9419 سے 10410 تک" احادیث ہیں۔ ذیل میں الکافی کی نکاح سے متعلق تفسیری احادیث و آثار کو پیش کیا جارہاہے:

1. ﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ﴾[1]

(لوگوں کے لیے نفسانی خواہشوں کی محبت مزین کی گئی ہے، جو عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے اور نشان لگائے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی ہیں۔ یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور اللہ ہی ہے جس کے پاس اچھا ٹھکانا ہے۔)

((عَنْ جَمِيلِ بْنِ دَرَّاجٍ ، قَالَ : قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام: « مَا تَلَذَّذَ النَّاسُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ بِلَذَّةٍ أَكْثَرَ لَهُمْ مِنْ لَذَّةِ النِّسَاءِ ، وَهُوَ قَوْلُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ زُيِّنَ لِلنّاسِ حُبُّ الشَّهَواتِ مِنَ النِّساءِ وَالْبَنِينَ ﴾ إِلى آخِرِ الْآيَةِ ».ثُمَّ قَالَ : « وَإِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ مَا يَتَلَذَّذُونَ بِشَيْءٍ مِنَ الْجَنَّةِ أَشْهى عِنْدَهُمْ مِنَ النِّكَاحِ ، لَا طَعَامٍ وَلَا شَرَابٍ ».))[2]

(جمیل بن دراج سے روایت کی ہے کہ ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایالوگ دنیا و آخرت میں اپنی عوتوں سے آرام سے زیادہ کوئی آرام نہ پائیں گے۔ اور یہ اللہ عزوجل کا قول ہے مرغوب چیزوں کی محبت مزین کر دی گئی لوگوں کے لیے عورتوں اور بیٹوں۔ آخر آیت تک، پھر فرمایاجنت والے جنت میں کسی چیز سے اتنی زیادہ راحت نہ پائیں گے جتنا کہ وہ نکاح سے مرغوب ہوں گے بانسبت کھانے پینے کے۔)

2. ﴿وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾[3]

---

1 آل عمران:14

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب النکاح، بَابُ حُبِّ النِّسَاءِ، باب 1، حدیث 9428/10-

3 النور:32

(اور اپنے میں سے بے نکاح مردوں، عورتوں کا نکاح کردو اور اپنے غلاموں اور اپنی لونڈیوں سے جو نیک ہیں ان کا بھی، اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ انھیں اپنے فضل سے غنی کردے گا اور اللہ وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔)

((عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ آبَائِهِ علیهم‌السلام قَالَ : « قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی‌الله‌علیه‌وآله : مَنْ تَرَكَ التَّزْوِيجَ مَخَافَةَ الْعَيْلَةِ ، فَقَدْ أَسَاءَ ظَنَّهُ بِاللهِ عَزَّ وَجَلَّ ؛ إِنَّ اللهَ - عَزَّ وَجَلَّ - يَقُولُ : ﴿ إِن يَكُونُوا فُقَراءَ يُغْنِهِمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهِ ﴾)) .[1]

(محمد بن جعفر علیہ السلام سے اس نے اپنے باباعلیہ السلام سے انہوں نے اپنے آباعلیہ السلام سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: جو بھی اخراجات کے ڈر سے شادی نہیں کرتا پس اس نے اللہ عزوجل کے بارے میں بدگمانی کی۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے اگر وہ فقیر ہے تو اللہ اپنے فضل سے اسے غنی کردے گا۔)

3. ﴿وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّى يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾[2]

(اور حرام سے بہت بچیں وہ لوگ جو نکاح کا کوئی سامان نہیں پاتے، یہاں تک کہ اللہ انھیں اپنے فضل سے غنی کردے۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ علیه‌السلام فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لا يَجِدُونَ نِكاحاً حَتّى يُغْنِيَهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ قَالَ: « يَتَزَوَّجُوا حَتّى يُغْنِيَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ».))[3]

(اللہ عزوجل کے قول پس وہ عفت پسندی پیدا کریں جو نکاح پاتے ہیں یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کردے کے بارے میں ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا: شادی کریں تاکہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کردے۔)

4. ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ﴾[4]

(اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے بعض بعض کے دوست ہیں، اگر تم یہ نہ کروگے تو زمین میں بڑا فتنہ اور بہت بڑا فساد ہوگا۔)

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی ،کتاب النکاح، بَابُ أَنَّ التَّزْوِيجَ يَزِيدُ فِي الرِّزْقِ ،باب10، حدیث9466/5-

2 النور:33

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی ،کتاب النکاح، بَابُ أَنَّ التَّزْوِيجَ يَزِيدُ فِي الرِّزْقِ ،باب10، حدیث9468/7-

4 الانفال:73

((عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ بَشَّارٍ الْوَاسِطِيِّ ، قَالَ : كَتَبْتُ إِلى أَبِي جَعْفَرٍ عليه‌السلام أَسْأَلُهُ عَنِ النِّكَاحِ؟فَكَتَبَ إِلَيَّ: « مَنْ خَطَبَ إِلَيْكُمْ ، فَرَضِيتُمْ دِينَهُ وَأَمَانَتَهُ ، فَزَوِّجُوهُ ﴿إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسادٌ كَبِيرٌ ﴾ ».))[1]

(حسین بن بشار واسطی سے روایت کی ہے کہ میں نے ابو جعفر علیہ السلام کی طرف خط لکھا اور ان نے نکاح کے بارے میں سوال کیا انہوں نے مجھے تحریر کیا۔ جو تمہاری طرف رشتہ مانگے اگر تم اس کے دین اور اس کی امانت کو پسند کرتے ہو تو اسے بیاہ دو اگر تم نے ایسا نہ کیا ے و زمین میں بہت بڑا فتنہ اور بہت بڑا فساد کھڑا ہو گا۔)

5. ﴿الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾[2]

(زانی مرد نکاح نہیں کرے گا مگر کسی زانیہ عورت سے، یا کسی مشرکہ عورت سے، اور زانیہ عورت، اس سے نکاح نہیں کرے گا مگر کوئی زانی یا مشرک۔ اور یہ کام ایمان والوں پر حرام کر دیا گیا ہے۔)

((عَنْ زُرَارَةَ ، قَالَ : سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿الزَّانِي لا يَنْكِحُ إِلَّا زانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً ﴾؟قَالَ : « هُنَّ نِسَاءٌ مَشْهُورَاتٌ بِالزِّنى، وَرِجَالٌ مَشْهُورُونَ بِالزِّنى ، شُهِرُوا بِهِ وَعُرِفُوا بِهِ ، وَالنَّاسُ الْيَوْمَ بِذلِكَ الْمَنْزِلِ ، فَمَنْ أُقِيمَ عَلَيْهِ حَدُّ الزِّنى أَوْ مُتَّهَمٌ بِالزِّنى ، لَمْ يَنْبَغِ لِأَحَدٍ أَنْ يُنَاكِحَهُ حَتّى يَعْرِفَ مِنْهُ التَّوْبَةَ ».))[3]

(زرارہ سے روایت کی ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے اللہ عزوجل کے قول "زانی نکاح نہ کرے گا مگر زاینہ یا مشرکہ عورت سے "کے بارے میں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:"وہ ایسی عورتیں ہیں کہ جو زنا سے مشہور ہوں اور ایسے مرد ہیں کہ جو زنا سے مشہور ہوں۔ وہ مشہور ہوں اور پہچانے جاتے ہوں زنا کے ساتھ اور لوگ آج اسی نازل شدہ کی زد پر ہیں پس جس پر حد زنا قائم ہو یا اسے زنا کی تہمت لگائی گئی ہو کسی ایک کو بھی ان سے نکاح نہیں کرنا چاہیے یہاں تک کہ ان سے توبہ پہچانی جائے۔)

6. ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّى يُؤْمِنَّ وَلَأَمَةٌ مُؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّى يُؤْمِنُوا وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ ﴾[4]

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی ،کتاب النکاح، بَابٌ آخَرُ مِنْهُ، باب 24، حدیث 9518/1-

2 النور:3

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی ،کتاب النکاح، بَابُ الزَّانِي وَالزَّانِيَةِ، باب 31، حدیث 9553/1-

4 البقرہ:221

(اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو، یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں اور یقینا ایک مومن لونڈی کسی بھی مشرک عورت سے بہتر ہے، خواہ وہ تمھیں اچھی لگے اور نہ (اپنی عورتیں) مشرک مردوں کے نکاح میں دو، یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں اور یقینا ایک مومن غلام کسی بھی مشرک مرد سے بہتر ہے، خواہ وہ تمھیں اچھا معلوم ہو۔)

((عَنِ الْحَسَنِ بْنِ جَهْمٍ ، قَالَ : قَالَ لِي أَبُو الْحَسَنِ الرِّضَا عليه‌السلام : « يَا أَبَا مُحَمَّدٍ ، مَا تَقُولُ فِي رَجُلٍ يَتَزَوَّجُ نَصْرَانِيَّةً عَلى مُسْلِمَةٍ؟ ». قُلْتُ : جُعِلْتُ فِدَاكَ ، وَمَا قَوْلِي بَيْنَ يَدَيْكَ؟ قال : لتقولن ، فان ذالك يعلم به قولى بِهِ قَوْلِي ». قُلْتُ : لَايَجُوزُ تَزْوِيجُ النَّصْرَانِيَّةِ عَلى مُسْلِمَةٍ ، وَلَا غَيْرِ مُسْلِمَةٍ قَالَ : « وَلِمَ ؟ ». قُلْتُ : لِقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿وَلا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكاتِ حَتّى يُؤْمِنَّ﴾. قَالَ : « فَمَا تَقُولُ فِي هذِهِ الْآيَةِ: ﴿وَالْمُحْصَناتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾؟ ».قُلْتُ : فَقَوْلُهُ : ﴿ وَلا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكاتِ﴾ نَسَخَتْ هذِهِ الْآيَةَ. فَتَبَسَّمَ ، ثُمَّ سَكَتَ.))[1]

(حسن بن جہم سے روایت کی ہے کہ مجھے ابو الحسن رضا علیہ السلام نے فرمایا: اے ابو محمد تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو کہ جو مسلمان عورت پر بطور سوکن نصرانی عورت کو بیاہ لاتا ہے؟ میں نے عرض کی آپ علیہ السلام پر قربان جاؤں۔ آپ علیہ السلام کے سامنے میرے قول کی کیا حیثیت ہے فرمایا نہیں! تم ضرور کہو، کیونکہ اس سے میرا قول جانا جائے گا۔ میں نے عرض کی! مسلمان عورت پر نصرانی یا غیر مسلم عورت کو بیاہ لانا جائز نہیں ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا: کیوں؟ میں نے عرض کی! اللہ عزوجل کے قول کے سبب کہ تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا اس آیت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ اور وہ بے شوہر عورتیں کہ جو ان میں سے ہیں کہ جن پر تم سے پہلے کتاب اتاری گئی۔ میں نے عرض کی اللہ عزوجل نے قول تم نکاح نہ کرو مشرک عورتوں سے نے اس آیت کو منسوخ کر دیا ہے پس علیہ السلام مسکرائے پھر خاموشی اختیار کر لی)

7. ﴿وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ ﴾ [2]

(اور تم میں سے جو مالی لحاظ سے طاقت نہ رکھے کہ آزاد مومن عورتوں سے نکاح کرے تو ان میں سے جن کے مالک تمھارے دائیں ہاتھ ہوں، تمھاری مومن لونڈیوں سے (نکاح کر لے) اور اللہ تمھارے ایمان کو زیادہ جاننے والا ہے۔)

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب النکاح، بَابُ نِكَاحِ الذِّمِّيَّةِ، باب 33، حدیث 9568/6-

2 النساء:25

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام ، قَالَ : « لَا يَنْبَغِي أَنْ يَتَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْحُرُّ الْمَمْلُوكَةَ الْيَوْمَ ، إِنَّمَا كَانَ ذلِكَ حَيْثُ قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلاً ﴾ وَالطَّوْلُ الْمَهْرُ ، وَمَهْرُ الْحُرَّةِ الْيَوْمَ مَهْرُ الْأَمَةِ ، أَوْ أَقَلُّ ».))[1]

(ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا: ان دونوں کی آزاد مرد کو مملوکہ کنیز سے شادی نہیں کرنی چاہیے بے شک یہ اسی طرح ہے جیسے اللہ عزوجل نے فرمایا جو تم میں سے طول کی استطاعت نہ رکھتے ہوں اور طول مہر ہے اور آزاد عورت کا ان دونوں مہر کنیز کے مہر جتنا ہے یا اس سے کم ہے۔)

8. ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ أَدْنَى أَلَّا تَعُولُوا﴾[2]

(اور اگر تم ڈرو کہ یتیموں کے حق میں انصاف نہیں کروگے تو (اور) عورتوں میں سے جو تمھیں پسند ہوں ان سے نکاح کرلو، دو دو سے اور تین تین سے اور چار چار سے، پھر اگر تم ڈرو کہ عدل نہیں کروگے تو ایک بیوی سے، یا جن کے مالک تمھارے دائیں ہاتھ ہوں (یعنی لونڈیاں) یہ زیادہ قریب ہے کہ تم انصاف سے نہ ہٹو۔)

((عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ نُوحِ بْنِ شُعَيْبٍ وَمُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ ، قَالَ : سَأَلَ ابْنُ أَبِي الْعَوْجَاءِ هِشَامَ بْنَ الْحَكَمِ ، فَقَالَ لَهُ : أَلَيْسَ اللهُ حَكِيماً؟ قَالَ : بَلى ، هُوَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ. قَالَ : فَأَخْبِرْنِي عَنْ قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿فَانْكِحُوا ما طابَ لَكُمْ مِنَ النِّساءِ مَثْنى وَثُلاثَ وَرُباعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَواحِدَةً ﴾ أَلَيْسَ هذَا فَرْضاً ؟ قَالَ : بَلى. قَالَ : فَأَخْبِرْنِي عَنْ قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّساءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ ﴾))[3]

(علی بن ابراہیم نے اپنے باپ سے اس نے نوح بن شعیب اور محمد بن حسن سے روایت کی ہے کہ ابن ابی بن العلوجا نے حشام بن حکم سے سوال کیا اور اس سے کہا، کیا اللہ عزوجل حکیم نہیں ہے؟ اس نے کہا یقینا ہے اور وہ تو احکم الحاکمین ہے کہا مجھے اللہ عزوجل کے اس قول کے بارے میں بتاؤ اور عورتوں میں سے جو تمہیں اچھی لگیں تو اس سے نکاح کرلو دو دو، تین تین، چار چار سے لیکن اگر تمہیں عدل نہ کر پانے کا خوف ہو تو ایک ہی کافی ہے، کیا یہ فرض نہیں ہے اس نے کہا یقینا ہے، اس نے کہا تو مجھے بتاؤ اللہ عزوجل کے اس قول کے بارے میں کہ تم میں طاقت نہیں کہ تم بیویوں کے درمیان عدل کرو، خواہ کتنی کوشش کرو اس لیے صرف ایک ہی کی طرف مائل رہو۔)

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی ،کتاب النکاح، بَابُ الْحُرِّ يَتَزَوَّجُ الْأَمَةَ، باب 34، حدیث 9580/7-

2 النساء: 3

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی ،کتاب النکاح، بَابٌ فِيمَا أَحَلَّهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنَ النِّسَاءِ، باب 37، حدیث 9592/1-

9. ﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا﴾[1]

(اور وہی ہے جس نے پانی سے ایک بشر کو پیدا کیا، پھر اسے خاندان اور سسرال بنا دیا اور تیرا رب ہمیشہ سے بے حد قدرت والا ہے۔)

((كَانَ الرِّضَا عليه‌السلام يَخْطُبُ فِي النِّكَاحِ : « الْحَمْدُ لِلّهِ إِجْلَالاً لِقُدْرَتِهِ ، وَلَا إِلهَ إِلَّا اللهُ خُضُوعاً لِعِزَّتِهِ ، وَصَلَّى اللهُ عَلى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ عِنْدَ ذِكْرِهِ ، إِنَّ اللهَ ﴿خَلَقَ مِنَ الْماءِ بَشَراً فَجَعَلَهُ نَسَباً وَصِهْراً ﴾ إِلى آخِرِ الْآيَةِ.))[2]

(امام رضا علیہ السلام نے نکاح میں خطبہ دیا تمام تر حمد اللہ عزوجل کے لیے ہیں اس کی قدرت کے احترام کے طور پر کوئی معبود نہیں ماسوائے اللہ کے اس کی عزت کے سامنے خضوع کرتے ہوئے اور اللہ عزوجل محمد ﷺ اور ان کی آل علیہ السلام پر درود ہو ان کے ذکر کے وقت یقیناً اللہ عزوجل نے پانی سے بشر کو خلق کیا اور اس کے لیے نصب اور سسرال مقرر فرمایا۔ آخر آیت تک)

10. ﴿وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾[3]

(اور کوئی بھی مومن عورت اگر وہ اپنا آپ نبی کو ہبہ کر دے، اگر نبی چاہے کہ اسے نکاح میں لے لے۔ یہ خاص تیرے لیے ہے، مومنوں کے لیے نہیں۔)

((عَنْ زُرَارَةَ : عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عليه‌السلام ، قَالَ : سَأَلْتُهُ عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَها لِلنَّبِيِّ ﴾؟ فَقَالَ : « لَا تَحِلُّ الْهِبَةُ إِلَّا لِرَسُولِ اللهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله ، وَأَمَّا غَيْرُهُ فَلَا يَصْلُحُ نِكَاحٌ إِلَّا بِمَهْرٍ ».))[4]

(زرارہ سے روایت کی ہے کہ میں نے ابو جعفر علیہ السلام سے سوال کیا اللہ عزوجل کے قول اور مومنہ کہ جس نے نبی ﷺ کو اپنا نفس ہبہ کیا کے بارے میں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی کو ہبہ کرنا حلال نہیں اور جہاں تک ان کے غیر کا تعلق ہے تو نکاح کے بغیر حق مہر کے درست نہیں ہے۔)

11. ﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ رَقِيبًا﴾[1]

---

1 الفرقان:54

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی ،کتاب النکاح، بَابُ خُطَبِ النِّكَاحِ، باب44، حدیث 9621/8-

3 الاحزاب:50

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی ،کتاب النکاح، بَابُ الْمَرْأَةِ تَهَبُ نَفْسَهَا لِلرَّجُلِ، باب52، حدیث 9668/2-

(تیرے لیے اس کے بعد عورتیں حلال نہیں اور نہ یہ کہ تو ان کے بدلے کوئی اور بیویاں کرلے، اگرچہ ان کا حسن تجھے اچھا لگے مگر جس کا مالک تیرا دایاں ہاتھ بنے اور اللہ ہمیشہ سے ہر چیز پر پوری طرح نگران ہے۔)

((عَنْ أَبِي بَصِيرٍ ، قَالَ : سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿لا يَحِلُّ لَكَ النِّساءُ مِنْ بَعْدُ وَلا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْواجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلّا ما مَلَكَتْ يَمِينُكَ ﴾؟ فَقَالَ : « أَرَاكُمْ وَأَنْتُمْ تَزْعُمُونَ أَنَّهُ يَحِلُّ لَكُمْ مَا لَمْ يَحِلَّ لِرَسُولِ اللهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله ، وَقَدْ أَحَلَّ اللهُ تَعَالى لِرَسُولِهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله أَنْ يَتَزَوَّجَ مِنَ النِّسَاءِ مَا شَاءَ ، إِنَّمَا قَالَ : لَايَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدِ الَّذِي حَرَّمَ عَلَيْكَ قَوْلُهُ : ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهاتُكُمْ وَبَناتُكُمْ ﴾ إِلى آخِرِ الْآيَةِ »)).[2]

(ابو نصیر سے روایت کی ہے کہ میں نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے سوال کیا کیا اللہ عزوجل کے قول "اس کے بعد عورتیں آپ ﷺ کے لیے حلال نہیں اور یہ کہ ان کے ذریعے بیویوں کو بدل دو اگرچہ ان کی صورت تمہیں بھائے مگر یہ کہ جو تیری مملوکہ ہوں" کے بارے میں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میں دیکھتا ہوں تمہیں کہ تم گمان کرتے ہو کہ تمہارے لیے حلال ہے وہ کہ جو نبی کریم ﷺ کے لیے حلال نہیں ہے تحقیق اللہ عزوجل اپنے رسول ﷺ کے لیے حلال کیا کہ وہ عورتوں میں سے جتنی سے چاہیں نکاح کریں اور بے شک فرمایا کہ تمہارے لیے حلال نہیں ہیں۔ عورتیں اس کے بعد کہ جو تم پر حرام ہیں، اس کا قول ہے "تم پر تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں حرام ہیں۔)

12. ﴿وما كانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللهِ وَلا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْواجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَداً﴾[3]

(اور تمہارا کبھی بھی حق نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف دو اور نہ یہ کہ اس کے بعد کبھی اس کی بیویوں سے نکاح کرو۔)

((عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ :عَنْ أَحَدِهِمَا عليهما‌السلام أَنَّهُ قَالَ : « لَوْ لَمْ يَحْرُمْ عَلَى النَّاسِ أَزْوَاجُ النَّبِيِّ صلى‌الله‌عليه‌وآله لِقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ وما كانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللهِ وَلا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْواجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَداً ﴾حَرُمْنَ عَلَى الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ عليهما‌السلام ؛ بِقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿وَلَا تَنْكِحُوا ما نَكَحَ آباؤُكُمْ مِنَ النِّساءِ﴾وَلَا يَصْلُحُ لِلرَّجُلِ أَنْ يَنْكِحَ امْرَأَةَ جَدِّهِ »)).[4]

---

1 الاحزاب:52

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی ،کتاب النکاح، بَابُ مَا أُحِلَّ لِلنَّبِيِّ صلى‌الله‌عليه‌وآله مِنَ النِّسَاءِ، باب 55، حدیث 9681/2-

3 الاحزاب:53

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی ،کتاب النکاح، بَابٌ آخَرُ مِنْهُ وَفِيهِ ذِكْرُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صلى‌الله‌عليه‌وآله، باب 77، حدیث 9802/1-

(محمد بن مسلم سے اس نے صادقین علیہ السلام میں سے کسی ایک علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اگرچہ لوگوں پر ازواج نبی ﷺ حرام نہ بھی ہوتیں اللہ اعزوجل کے قول، تمہیں حق نہیں کہ تم نبی کریم ﷺ کو اذیت دو اور نہ یہ کہ تم ان کی بیویوں سے نکاح کرو ابداً کے سبب تو بھی حسن و حسین علیہا السلام پر بھی حرام تھیں کیونکہ اللہ عزوجل کا قول ہے تم نکاح مت کروان سے کہ جن عورتوں سے تمہارے آباء نے نکاح کیا اور آدمی کے لیے درست نہیں ہے کہ وہ اپنی جد کی عورت سے نکاح کرے۔)

13. ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسانَ بِوالِدَيْهِ حُسْناً﴾[1]

(اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید کی ہے۔)

((عَنْ أَبِي الْجَارُودِ ، قَالَ :سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام يَقُولُ – وَذَكَرَ هذِهِ الْآيَةَ : ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسانَ بِوالِدَيْهِ حُسْناً﴾فَقَالَ : « رَسُولُ اللهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله أَحَدُ الْوَالِدَيْنِ ». فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَجْلَانَ : مَنِ الْآخَرُ؟ قَالَ: « عَلِيٌّ عليه‌السلام ، وَنِسَاؤُهُ عَلَيْنَا حَرَامٌ ، وَهِيَ لَنَا خَاصَّةً »)).[2]

(ابوالجارود سے روایت کی ہے کہ میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے سنا فرمایا اور اس آیت کریمہ کا ذکر فرمایا :انسان کو اس کے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی ہے اور فرمایا: نبی کریم ﷺ والدین میں سے ایک ہیں عبداللہ بن عجلان نے عرض کی دوسرا کون؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا علی علیہ السلام اور ان کی بیویاں علیہم السلام ہم پر حرام ہیں اور یہ ہم سے خاص ہیں۔)

14. ﴿حَتّى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ﴾[3]

(یہاں تک کہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے۔)

((عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَمَّارٍ ، قَالَ : سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ طَلَاقاً لَاتَحِلُّ لَهُ حَتّى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ ، فَتَزَوَّجَهَا عَبْدٌ ، ثُمَّ طَلَّقَهَا: هَلْ يُهْدَمُ الطَّلَاقُ؟ قَالَ : « نَعَمْ ؛ لِقَوْلِ اللهِ – عَزَّ وَجَلَّ – فِي كِتَابِهِ ﴿ حَتّى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ ﴾» وَقَالَ : « هُوَ أَحَدُ الْأَزْوَاجِ ».))[4]

(اسحاق بن امعار سے روایت کی کہ میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے سوال کیا اس شخص کے بارے میں کہ جس نے اپنے بیوی کو ایسی طلاق دی کہ جس کے بعد اس کے لیے حلال نہ ہو گی جب تک اس کے علاوہ کسی سے نکاح نہ کرے پس اسی عورت سے ایک غلام نے شادی کر لی اور پھر اسے طلاق دے دی کیا اس سے طلاق ختم ہوگئی آپ علیہ

1العنکبوت:8

2کلینی،ابوجعفر،محمد بن یعقوب،الکافی ،کتاب النکاح،بَابٌ آخَرُ مِنْهُ وَفِيهِ ذِكْرُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صلى‌الله‌عليه‌وآله،باب77،حدیث9803/2-

3البقرہ:230

4کلینی،ابوجعفر،محمد بن یعقوب،الکافی ،کتاب النکاح،بَابُ تَحْلِيلِ الْمُطَلَّقَةِ لِزَوْجِهَا وَمَا يَهْدِمُ الطَّلَاقَ الْأَوَّلَ ،باب81،حدیث9819/3-

السلام نے فرمایاہاں کیونکہ اللہ عزوجل کا قول ہے اس کتاب میں یہاں تک یہاں تک کہ اس کے علاوہ کوئی شوہر اس سے نکاح کرے، اور فرمایاوہ شوہروں میں سے ایک شوہر ہے۔)

15. ﴿وَلٰكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلاً مَعْرُوفاً وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ﴾[1]

(اور لیکن ان سے پوشیدہ عہد وپیمان مت کرو، مگر یہ کہ کوئی معروف بات کرو اور نکاح کی گرہ پختہ نہ کرو، یہاں تک کہ لکھاہوا حکم اپنی مدت کو پہنچ جائے۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام ، قَالَ : سَأَلْتُهُ عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ وَلٰكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلاً مَعْرُوفاً ﴾ ؟قَالَ : « هُوَ الرَّجُلُ يَقُولُ لِلْمَرْأَةِ قَبْلَ أَن تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا : أُوَاعِدُكِ بَيْتَ آلِ فُلَانٍ ؛ لِيُعَرِّضَ لَهَا بِالْخِطْبَةِ ، وَيَعْنِي بِقَوْلِهِ : ﴿ إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلاً مَعْرُوفاً ﴾ التَّعْرِيضَ بِالْخِطْبَةِ ﴿وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ﴾)).[2]

(ابوعبداللہ علیہ السلام سے سوال کیا کیا اللہ عزوجل کے قول اور تم ان سے پوشیدہ وعدہ نہ کروہاں مگر تم ان سے نیکی کی بات کہو کے بارے میں تو آپ علیہ السلام نے فرمایاوہ ایسا شخص ہے کہ جو کسی عورت سے اس کی عدت ختم ہونے سے پہلے کہے میں تم سے وعدہ کرتاہوں آل فلاں کے گھر کا تاکہ اسے خطبہ نکاح کی پیش کش کرے اور اللہ عزوجل نے اپنے قول سے یہی معنی لیاہے نکاح کی پیش کش اور عقد نکاح جب ک عدت ختم نہ ہو پختہ نہ کرو۔)

16. ﴿وَ الْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾[3]

(اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دوسال دودھ پلائیں۔)

((عَنْ حَمَّادِ بْنِ عُثْمَانَ ، قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام يَقُولُ : « لَا رَضَاعَ بَعْدَ فِطَامٍ ».قَالَ : قُلْتُ : جُعِلْتُ فِدَاكَ ، وَمَا الْفِطَامُ؟قَالَ : « الْحَوْلَانِ اللَّذَانِ قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ »)).[4]

(ابوعبداللہ علیہ السلام کو فرماتے سنا، فطام کے بعد رضاعت نہیں ہوتی میں نے عرض کیا آپ علیہ السلام پر قربان جاؤں فطام کیاہوتاہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایادوسال کے جن کے بارے میں اللہ عزوجل نے فرمایاہے۔)

1البقرہ:235

2کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی ،کتاب النکاح، بَابٌ فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ ﴿ وَلٰكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا ﴾ الْآيَةَ ،باب 85، حدیث 9855/1-

3البقرہ:233

4کلینی،ابوجعفر،محمد بن یعقوب،الکافی ،کتاب النکاح،بَابُ أَنَّهُ لَا رَضَاعَ بَعْدَ فِطَامٍ،باب90،حدیث9896/3-

17. ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً وَلا جُناحَ عَلَيْكُمْ فِيما تَراضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ﴾[1]

(پھر وہ جن سے تم ان عورتوں میں سے فائدہ اٹھاؤ پس انھیں ان کے مہر دو، جو مقرر شدہ ہوں اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جس پر تم مقرر کر لینے کے بعد آپس میں راضی ہو جاؤ۔)

((عَنْ أَبِي بَصِيرٍ،قَالَ:سَأَلْتُ أَبَا جَعْفَرٍ علیہ‌السلام عَنِ الْمُتْعَةِ؟فَقَالَ:« نَزَلَتْ فِي الْقُرْآنِ:﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً وَلا جُناحَ عَلَيْكُمْ فِيما تَراضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ ﴾))[2]

(ابو نصیر سے روایت کی ہے کہ میں نے ابو جعفر علیہ السلام سے متعہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا قرآن میں نازل ہوئی ہے اور جن سے تم متعہ کرو تو ان کو ان کا اجر طے شدہ دو اور طے ہونے کے بعد اگر تم آپس میں کسی چیز پر راضی ہو جاؤ تو تم پر گناہ نہیں۔)

18. ﴿وَلا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا ما ظَهَرَ مِنْها﴾[3]

(اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ علیہ‌السلام ، قَالَ : سَأَلْتُهُ عَنْ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى : ﴿وَلا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا ما ظَهَرَ مِنْها ﴾؟قَالَ : « الْخَاتَمُ ، وَالْمَسَكَةُ ، وَهِيَ الْقُلْبُ»)).[4]

(ابو عبد اللہ علیہ السلام سے سوال کیا کہ اللہ عزوجل کے قول اور وہ اپنی زینت نہ دیکھائیں ماسوائے اس کے جو اس سے ظاہر ہوتا ہے کے بارے میں آپ علیہ السلام نے فرمایا: انگوٹھی اور اور مسکہ ہیں اور وہ کنگن ہیں۔)

خلاصہ کلام

نکاح کے لغوی معنی ہیں: دو چیزوں کو ملا دینا اور جمع کرنا اور حقیقی معنی کی تین صورتیں ہیں: عقد کے حقیقی معنی نکاح اور مجازی معنی مباشرت، یعنی جماع کرنا ہیں۔ عقد مباشرت میں حقیقت اور نکاح میں مجاز ہے۔ اسے فقہائے احناف نے اختیار کیا ہے۔ عقد، نکاح اور مباشرت دونوں میں مشترک ہے۔ ہمارے رجحان کے مطابق یہ معنی قرین قیاس ہیں۔ ابو علی فارسی کہتے ہیں کہ عرب لوگ اس میں لطیف سا فرق کرتے ہیں جب وہ کہیں کہ فلاں شخص نے فلاں عورت یا فلاں لڑکی سے نکاح کیا ہے تو اس سے ان کی مراد عقد ہے اور اگر یہ کہیں کہ فلاں مرد نے اپنی عورت یا اپنی بیوی سے نکاح کیا ہے تو اس سے مراد وطی (مباشرت) ہے۔ نکاح کے لغوی معنی کی تفصیل کے پیش نظر اس کے

1 النساء:24

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب النکاح، أَبْوَابُ الْمُتْعَةِ، باب 94، حدیث 9921/1-

3 النور:31

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب النکاح، بَابُ مَا يَحِلُّ النَّظَرُ إِلَيْهِ مِنَ الْمَرْأَةِ، باب 160، حدیث 10231/4

اصطلاحی معنی میں معمولی سا اختلاف واقع ہوا ہے مگر ان تمام تعریفات کا خلاصہ یہ ہے کہ نکاح ایک شرعی معاہدہ ہے جو دو مسلمان مرد اور عورت یا مسلمان مرد اور کتابیہ عورت جائز طریقے سے اپنی جنسی خواہش کی تکمیل اور عصمت و عزت کی حفاظت کے لئے کرتے ہیں جس طرح دیگر تمام معاملات میں دو آدمی آپس میں معاہدہ کرتے ہیں اور معاہدے کرنے کے بعد دونوں پر اس وقت تک اس کی پابندی ضروری ہوتی ہے جب تک یہ یقین نہ کر لیا جائے کہ اس معاہدے کو باقی رکھنے میں کسی نہ کسی فریق کا کوئی مادی یا اخلاقی نقصان یقینی ہے اس لئے شریعت نکاح کے تعلق کو بھی ایک مضبوط معاہدہ قرار دیتی ہے اور اس معاہدے کو اس وقت تک توڑنے کی اجازت نہیں دیتی جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ اس کے توڑنے ہی میں اچھائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اس معاہدے کو عقد نکاح سے تعبیر کیا ہے۔ عقد نکاح کے معنی گرہ دینے اور مضبوط باندھنے کے ہیں یعنی نکاح کے ذریعے سے دونوں میاں بیوی مل کر اور بندھ کر ایک خاندان کی بنیاد رکھتے ہیں اور اس عالم رنگ و بو میں ایک صالح معاشرہ تشکیل دینے کا معاہدہ کرتے ہیں جس پر ایک صالح تہذیب اور پاکیزہ تمدن کا دارومدار رہے۔ قرآن کریم نے نکاح کے مقابلے میں سفاح (بدکاری) کا لفظ اس مقصد کے پیش نظر استعمال کیا ہے کہ جس طرح نکاح کے ذریعے سے ایک پاکیزہ خاندان اور پاکیزہ معاشرہ وجود میں آتا ہے اسی طرح سفاح کے ذریعے سے خاندان کے وجود اور معاشرے کی پاکیزگی میں ایک ایسا خلا پیدا ہوتا ہے کہ اس کی موجودگی میں کوئی مضبوط تمدن پروان نہیں چڑھ سکتا۔ قرآن کریم نے بدکار مردوں کے لئے مسافحین اور فاحشہ عورتوں کے لئے مسافحات کا لفظ استعمال کیا ہے نیز قرآن کریم نے بار بار سفاع سے بچنے کی تاکید کی ہے اور نکاح کے ذریعے پاک دامنی کی ترغیب دی ہے۔

ہمارے نزدیک عقد نکاح کی دو حیثیتیں ہیں: ایک حیثیت سے اس کا تعلق عبادات سے ہے اور دوسری حیثیت سے اس کا تعلق معاملات سے ہے۔ عبادات سے اس کا تعلق اس طرح ہے کہ عقد نکاح کے بعد اولاد کی تربیت، والدین اور دیگر رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک، نیز ان کے حقوق کی ادائیگی شریعت میں عبادت کا درجہ رکھتی ہے اور اجر و ثواب کا ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ خاندانی تعلقات کے ذریعے سے انسان بے شرمی اور بے حیائی سے محفوظ رہتا ہے اور بہت سے مواقعوں پر ظلم وزیادتی سے بچتا ہے اور یہ تعلقات آپس میں ہمدردی کے جذبات کی پرورش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے تعلقات کو مضبوط کرتے ہیں۔ عقد نکاح کا معاملات سے تعلق اس طرح ہے کہ ان کے ذریعے سے حقوق العباد ادا کرنے کی ابتدا ہوتی ہے اور اس میں کچھ مالی لین دین بھی ہوتا ہے نیز اس عقد نکاح میں خرید و فروخت کی طرح ایجاب و قبول ہوتا ہے اگر اس سلسلے میں کوئی کوتاہی ہو جائے تو قانونی چارہ جوئی کی جا سکتی ہے یعنی عقد نکاح کا معاملہ دیوانی قانون کے تحت آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عقد نکاح کو اپنی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾[1]

(اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔)

دوسرے مقام پر اس رشتہ ازدواج کو ایک نعمت قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا﴾[2](وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا پھر اس نے نسب اور سسرال کا سلسلہ چلایا۔)

ہم دیکھتے ہیں کہ جب ہمارے ہاں عورت بہو بن کر آتی ہے تو اس سے نسبی رشتے داری مستحکم و مضبوط ہوتی ہے اور جب ہماری بیٹیاں دوسروں کے ہاں بہو بن کر جاتی ہیں تو اس سے سسرالی رشتہ مضبوط ہوتا ہے پھر ان دونوں قسم کی رشتے داریوں کے باہمی تعلقات سے پورا معاشرہ جڑ جاتا ہے اور ایک ہی جیسا تمدن وجود میں آتا ہے۔ عقد نکاح کی اس اہمیت کے پیش نظر قرآن و حدیث میں اس کے متعلق تفصیل سے احکام بیان ہوئے ہیں۔ ان کے حقوق و آداب کو ایک خاص انداز سے ذکر کیا گیا ہے تاکہ انسانی تہذیب کی یہ بنیادی اینٹ اپنی جگہ پر برقرار رہے بصورت دیگر یا تو پوری عمارت زمین بوس ہو جائے گی یا ایسی ٹیڑھی اور کمزور ہو گی جس کے گرنے کا ہر وقت خطرہ لگا رہے گا۔
امام بخاریؒ نے اس عنوان کے تحت اس کی اہمیت و افادیت، شرائط، حقوق و آداب اور مسائل و احکام کو بیان کیا ہے اور انہیں آسان اور سادہ اسلوب و طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ آپ نے اس میں بہت عناوین قائم کیے ہیں اور ہر عنوان ایک مستقل فتوے کی حیثیت رکھتا ہے اور ہر عنوان کو قرآنی آیات اور احادیث و آثار سے ثابت کیا ہے۔ اس عنوان میں صرف نکاح کے مسائل ہی نہیں بلکہ اس کے متعلقات کو بھی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔
بہر حال اس نکاح کے ذریعے سے ایک اجنبی اپنا اور ایک بے گانہ یگانہ بن جاتا ہے اس تعلق کی بنا پر ایک مرد کسی کا باپ اور کسی کا بیٹا بنتا ہے کسی کا دادا اور کسی کا پوتا ہوتا ہے کسی کا ماموں اور کسی کا چچا ہوتا ہے کسی کا بھائی اور کسی کا بہنوئی بنتا ہے اس تعلق کی بنیاد پر ایک عورت کسی کی ماں، کسی کی دادی، کسی کی نانی، کسی کی بیٹی اور کسی کی بہن بنتی ہے گویا تمام تعلقات نکاح کی پیداوار ہیں انہیں تعلقات سے انسان مہر و محبت، الفت و مودت، ادب و تمیز، شرم و حیا اور عفت و پاکبازی سیکھتا ہے۔ اگر نکاح کو ہٹا لیا جائے یا نکاح کی رسم تو ہو لیکن اس کے حقوق و آداب اور حدود و شرائط کا لحاظ نہ رکھا جائے تو اس کے ذریعے سے جو معاشرہ تشکیل پائے گا اس میں الفت و محبت، ہمدردی و غمگساری اور خوش خلقی

1 الروم:21

2 الفرقان:54

کے بجائے ظلم وزیادتی، سرد مہری، بے شرمی اور بے حیائی کا دور دورہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس نکاح کے ذریعے سے ان تمام مذموم صفات کی روک تھام کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾[1](اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس کی جنس سے اس کا جوڑا پیدا کیا پھر اس جوڑے کے ذریعے سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلایا۔ اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور رشتوں کے حقوق کا لحاظ رکھو، اللہ تعالیٰ تمہارا مکمل طور پر نگران ہے۔)

اس آیت کو عقد نکاح کے موقع پر خطبہ نکاح میں پڑھا جاتا ہے تاکہ رشتہ نکاح کی یہ ذمہ داری اور فرض ذہن میں تازہ ہو جائے کہ یہ رشتہ تعلقات جوڑنے کے لئے قائم کیا جارہا ہے توڑنے کے لئے نہیں اور چھوٹا سا خاندان جو آج وجود میں آرہا ہے یہ پہلی تجربہ گاہ ہے اگر وہ اس چھوٹے سے کنبے کا حق ادا نہ کر سکا تو خاندان، معاشرے اور پوری انسانی دنیا کا حق بھی ادا نہ کر سکے گا۔

---

1 النساء:1

فصل دوم:

طلاق سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

طلاق کا مفہوم:

طلاق کا مادہ 'طلق' ہے جس سے لفظ طلاق ماخوذ ہے۔ جس کا معنی 'رہائی' ہے۔ الفاظِ مخصوصہ کے ساتھ میاں بیوی کے درمیان نکاح کی بندش کھول دینا اور نکاح کی قید کو اٹھادینا طلاق کہلاتا ہے۔ مخصوص الفاظ سے مراد وہ الفاظ ہیں جو مادہ طلاق پر صراحتاً یا کنایتاً مشتمل ہوں۔ اس میں خلع بھی شامل ہے۔ نکاح کی گرہ کو کھول دینا، ترک کردینا، چھوڑ دینا، طلاق کہلاتا ہے۔

امام جرجانی[1] طلاق کی تعریف یوں لکھتے ہیں:

" الطلاق: هو في اللغة إزالة القيد والتخلية، وفي الشرع: إزالة ملك النكاح"[2]

(طلاق کا لغوی معنی قید سے رہائی اور چھٹکارا پانا ہے یعنی پابندی ہٹانا اور ترک کرنا، اور شریعت میں: اس کا مطلب ہے نکاح کی جائیداد کو ختم کرنا۔)

امام ابن حجر عسقلانیؒ طلاق کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"الطَّلَاقُ فِي اللُّغَةِ حَلُّ الْوَثَاقِ مُشْتَقٌّ مِنَ الْإِطْلَاقِ وَهُوَ الْإِرْسَالُ وَالتَّرْكُ وَفِي الشَّرْعِ حَلُّ عُقْدَةِ التَّزْوِيجِ"[3]

(طلاق کے لغوی معنی بندھن کو کھولنا، طلاق سے ماخوذ ہے، جو کہ بھیجنا اور ترک کرنا ہے اور شریعت میں نکاح کی گرہ کھولنا طلاق کہلاتا ہے۔)

طلاق قرآن کی روشنی میں

جب میاں بیوی کے درمیان صلح کی تمام کوششیں رائیگاں چلی جائیں اور کسی طور پر بھی نباہ ممکن نہ ہو، بلکہ اکٹھا رہنے سے محض عداوت، گھریلو بدامنی، بچوں کی تربیت میں نقص، اور لڑائی جھگڑے کا ہی اندیشہ ہو تو اسلام

---

1 علی بن محمد بن علی، المعروف شریف الجرجانی الحسینی الحنفی ہیں۔ آپ عربی زبان کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ کی ولادت 1340ء اور وفات 1413ء ہے۔ آپ کی تصنیفات 50 کے قریب ہیں، جن میں التعریفات، رسالہ فی فن اصول الحدیث اور تحقیق الکلیات قابل ذکر ہیں۔

2 الجرجانی، الشریف، علی بن محمد، التعریفات، ص141-

3 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ج9، ص346-

نے طلاق کے ذریعے دونوں میں تفریق کا طریقہ سکھایا ہے، کیونکہ اب دونوں کے لیے راحت اسی میں ہے کہ وہ الگ ہو جائیں اور کوئی اپنا من پسند ہم سفر تلاش کریں۔

قرآن مجید میں طلاق سے متعلق متعدد آیات وارد ہوئی ہیں جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ﴾[1] (تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو۔)

اس آیت کریمہ میں طلاق دینے کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾[2] (یہ طلاق (رجعی) دوبار ہے۔)

اسی طرح طلاق سے متعلق مزید فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾[3]

(اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انھیں ان کی عدت کے وقت طلاق دو۔)

ان تمام آیات قرانیہ سے واضح ہوا کہ اگر میاں بیوی کے درمیان صلح کا کوئی موقع موجود نہ ہو تو طلاق دی جاسکتی ہے، تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، البتہ طلاق دینے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے، اور نہ ہی بلاوجہ طلاق دینی چاہیے۔

طلاق احادیث کی روشنی میں:

طلاق سے متعلق بہت سی احادیث ہیں، تقریباً ہر محدث نے اپنی حدیث کی کتاب میں کتاب الطلاق کو قائم کیا ہے، جس میں طلاق سے متعلق احکام و مسائل بیان ہوئے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم طَلَّقَ حَفْصَةَ ثُمَّ رَاجَعَهَا))[4]

(نبی کریم ﷺ نے ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دی پھر آپ نے ان سے رجعت کرلی۔)

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے:

نبی کریم ﷺ نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ((اقْبَلِ الْحَدِيقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً))[5] (باغ قبول کرلو اور انہیں طلاق دے دو۔)

---

1 البقرہ:236

2 البقرہ:229

3 الطلاق:1

4 ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، کتاب الطلاق، باب فِي الْمُرَاجَعَةِ، حدیث 2283- اس روایت پر علامہ البانیؒ نے "صحیح" کا حکم لگایا ہے۔

5 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الطلاق، باب الْخُلْعِ وَكَيْفَ الطَّلَاقُ فِيهِ، حدیث 5273-

مبحث اول:

صحیح بخاری کی طلاق سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں کتاب الطلاق کو قائم کیا ہے، اس میں "53" ابواب قائم کیے ہیں، پہلا باب "بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ﴾" (باب: اللہ تعالیٰ کا فرمان: اے نبی! تم اور تمہاری امت کے لوگ جب عورتوں کو طلاق دینے لگیں تو ایسے وقت طلاق دو کہ ان کی عدت اسی وقت شروع ہو جائے اور عدت کا شمار کرتے رہو۔) ہے اور آخری باب "بَابُ الْمُتْعَةِ لِلَّتِي لَمْ يُفْرَضْ لَهَا" (باب: عورت کو بطور سلوک کچھ کپڑا یا زیور یا نقد دینا جب اس کا مہر نہ ٹھہرا ہو۔) ہے، کتاب الطلاق میں "5251 سے 5350 تک" احادیث ہیں، ذیل میں صحیح بخاری کی طلاق سے متعلق تفسیری احادیث و آثار پیش کیے جارہے ہیں:

1. ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾[1]

(اے نبی! تو کیوں حرام کرتا ہے جو اللہ نے تیرے لیے حلال کیا ہے؟ تو اپنی بیویوں کی خوشی چاہتا ہے، اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔)

((أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَمْكُثُ عِنْدَ زَيْنَبَ ابْنَةِ جَحْشٍ، وَيَشْرَبُ عِنْدَهَا عَسَلاً، فَتَوَاصَيْتُ أَنَا وَحَفْصَةُ أَنَّ أَيَّتَنَا دَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَلْتَقُلْ إِنِّي أَجِدُ مِنْكَ رِيحَ مَغَافِيرَ، أَكَلْتَ مَغَافِيرَ فَدَخَلَ عَلَى إِحْدَاهُمَا فَقَالَتْ لَهُ ذَلِكَ، فَقَالَ " لاَ بَلْ شَرِبْتُ عَسَلاً عِنْدَ زَيْنَبَ ابْنَةِ جَحْشٍ وَلَنْ أَعُودَ لَهُ ". فَنَزَلَتْ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ﴾ إِلَى ﴿إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ﴾ لِعَائِشَةَ وَحَفْصَةَ ﴿وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ﴾ لِقَوْلِهِ " بَلْ شَرِبْتُ عَسَلاً)).[2]

(نبی کریم ﷺ ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے یہاں ٹھہرتے تھے اور ان کے یہاں شہد پیا کرتے تھے۔ چنانچہ میں نے اور حفصہ رضی اللہ عنہ نے مل کر صلاح کی کہ آنحضرت ﷺ ہم میں سے جس کے یہاں بھی تشریف لائیں تو آنحضرت سے یہ کہا جائے کہ آپ کے منہ سے مغافیر (ایک خاص قسم کے بدبودار گوند) کی آتی ہے، کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ آنحضرت ﷺ اس کے بعد ہم میں سے ایک کے یہاں تشریف لائے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے یہی بات کہی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ میں نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ہاں شہد پیا ہے، اب دوبارہ نہیں پیوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اے نبی! آپ وہ چیز کیوں حرام کرتے ہیں جو اللہ نے آپ کے لیے حلال کی ہے" تا "﴿إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ، یہ حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ

---

1 التحریم:1

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الطلاق، باب ﴿لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ﴾، حدیث 5267۔

عنہما کی طرف خطاب ہے۔﴿وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ﴾ حَدِيثًا میں حدیث سے آپ کا یہی فرمانا مراد ہے کہ میں نے مغافیر نہیں کھایا بلکہ شہد پیا ہے۔)

جو حضرات کہتے ہیں کہ بیوی کو خود پر حرام قرار دینے سے کچھ لازم نہیں آتا انہوں نے اسی آیت سے دلیل لی ہے لیکن امام بخاریؒ نے اس موقف کی تردید کی ہے کہ یہ آیت شہد کے حرام کرنے پر نازل ہوئی تھی عورت کے حرام کرنے پر نہیں۔ نبی کریم ﷺ طبعاً بہت نفاست پسند تھے آپ کو بہت نفرت تھی کہ آپ کے بدن یا کپڑوں سے کسی قسم کی بو آئے، اسی لئے نبی کریم ﷺ اکثر اوقات خوشبو سے معطر رہتے تھے شہد کو حرام کر دینے کی بھی یہی وجہ تھی چونکہ آپ نے قسم بھی اٹھائی تھی جیسا کہ ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

((عَنْ عَائِشَةَ . رضى الله عنها . قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَشْرَبُ عَسَلاً عِنْدَ زَيْنَبَ ابْنَةِ جَحْشٍ وَيَمْكُثُ عِنْدَهَا فَوَاطَيْتُ أَنَا وَحَفْصَةُ عَنْ أَيَّتُنَا دَخَلَ عَلَيْهَا فَلْتَقُلْ لَهُ أَكَلْتَ مَغَافِيرَ إِنِّي أَجِدُ مِنْكَ رِيحَ مَغَافِيرَ. قَالَ " لاَ وَلَكِنِّي كُنْتُ أَشْرَبُ عَسَلاً عِنْدَ زَيْنَبَ ابْنَةِ جَحْشٍ فَلَنْ أَعُودَ لَهُ وَقَدْ حَلَفْتُ لاَ تُخْبِرِي بِذَلِكِ أَحَدًا ".))(1)

(عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے گھر میں شہد پیتے اور وہاں ٹھہرتے تھے پھر میں نے اور حفصہ رضی اللہ عنہا نے ایسے کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی نبی کریم ﷺ (زینب کے یہاں سے شہد پی کر آنے کے بعد) داخل ہوں تو وہ کہے کہ کیا آپ نے پیاز کھائی ہے۔ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ چنانچہ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو منصوبہ بندی کے تحت یہی کہا گیا۔ نبی کریم ﷺ بدبو کو بہت ناپسند فرماتے تھے۔ اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے مغافیر نہیں کھائی ہے البتہ زینب بنت جحش کے یہاں سے شہد پیا تھا لیکن اب اسے بھی ہرگز نہیں پیوں گا۔ میں نے اس کی قسم کھالی ہے لیکن تم کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔)

اس لئے آپ کو قسم کا کفارہ دینے کے متعلق کہا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف یہ تھا کہ بیوی کو حرام کر لینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ قسم کا کفارہ دینا ہوگا جیسا کہ ایک روایت میں ہے:

((أعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ أَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ إِنِّي جَعَلْتُ امْرَأَتِي عَلَيَّ حَرَامًا . قَالَ كَذَبْتَ لَيْسَتْ عَلَيْكَ بِحَرَامٍ ثُمَّ تَلاَ هَذِهِ الآيَةَ ﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ﴾ عَلَيْكَ أَغْلَظُ الْكَفَّارَةِ عِتْقُ رَقَبَةٍ.))(2)

1 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كِتَاب تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ، بَابُ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاةَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾، حدیث 4912-

2 نسائی، ابو عبدالرحمن، احمد بن شعیب، **السنن**، كتاب الطلاق، بَابُ تَأْوِيلِ قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ﴾، حدیث 3449- اس روایت پر علامہ البانیؒ نے " صحیح "کا حکم لگایا ہے۔

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا: میں نے اپنی بیوی کو اپنے آپ پر حرام کر لیا ہے تو انہوں نے فرمایا: تو غلط کہتا ہے وہ تجھ پر حرام نہیں ہوئی، پھر آپ نے یہ آیت ﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ﴾ پڑھی اور فرمایا: کہ تجھے ایک غلام آزاد کرنا ہو گا۔)

2. ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ﴾[1]

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تمھارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کی جانچ پڑتال کرو، اللہ ان کے ایمان کو زیادہ جاننے والا ہے۔)

((أَنَّ عَائِشَةَ . رضى الله عنها . زَوْجَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَتْ كَانَتِ الْمُؤْمِنَاتُ إِذَا هَاجَرْنَ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يَمْتَحِنُهُنَّ بِقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ﴾ إِلَى آخِرِ الآيَةِ قَالَتْ عَائِشَةُ فَمَنْ أَقَرَّ بِهَذَا الشَّرْطِ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ فَقَدْ أَقَرَّ بِالْمِحْنَةِ، فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا أَقْرَرْنَ بِذَلِكَ مِنْ قَوْلِهِنَّ قَالَ لَهُنَّ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم " انْطَلِقْنَ فَقَدْ بَايَعْتُكُنَّ "، لاَ وَاللَّهِ مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ، غَيْرَ أَنَّهُ بَايَعَهُنَّ بِالْكَلاَمِ، وَاللَّهِ مَا أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم عَلَى النِّسَاءِ إِلاَّ بِمَا أَمَرَهُ اللَّهُ يَقُولُ لَهُنَّ إِذَا أَخَذَ عَلَيْهِنَّ " قَدْ بَايَعْتُكُنَّ ". كَلاَمًا)).[2]

(ان سے نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ مومن عورتیں جب ہجرت کر کے نبی کریم ﷺ کے پاس آتی تھیں تو آنحضرت ﷺ انہیں آزماتے تھے بوجہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ﴾ کہ (اے وہ لوگو! جو ایمان لے آئے ہو، جب مومن عورتیں تمہارے پاس ہجرت کر کے آئیں تو انہیں آزماؤ۔) عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر ان (ہجرت کرنے والی) مومن عورتوں میں سے جو اس شرط کا اقرار کر لیتی (جس کا ذکر اسی سورۃ الممتحنہ میں ہے کہ "اللہ کا کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گی) تو وہ آزمائش میں پوری سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ جب وہ اس کا اپنی زبان سے اقرار کر لیتیں تو نبی کریم ﷺ ان سے فرماتے کہ اب جاؤ میں نے تم سے عہد لے لیا ہے۔ ہرگز نہیں! واللہ! آنحضرت ﷺ کے ہاتھ نے (بیعت لیتے وقت) کسی عورت کا ہاتھ کبھی نہیں چھوا۔ آنحضرت ﷺ ان سے صرف زبان سے (بیعت لیتے تھے) واللہ آنحضرت ﷺ نے عورتوں سے صرف انہیں چیزوں کا عہد لیا جن کا اللہ نے آپ کو حکم دیا تھا۔ بیعت لینے کے بعد آپ ان سے فرماتے کہ میں نے تم سے عہد لے لیا ہے۔ یہ آپ صرف زبان سے کہتے کہ میں نے تم سے بیعت لے لی۔)

---

1 الممتحنة:10

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الطلاق، باب إِذَا أَسْلَمَتِ الْمُشْرِكَةُ أَوِ النَّصْرَانِيَّةُ تَحْتَ الذِّمِّيِّ أَوِ الْحَرْبِيِّ، حدیث -5288

دلوں کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے البتہ ہجرت کر کے آنے والی خواتین کا ظاہری طور پر امتحان لینا ضروری قرار پایا کہ واقعی وہ مسلمان ہیں اور محض اسلام کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ کر آئی ہیں کوئی دینوی یا نفسانی غرض تو اس ہجرت کا سبب نہیں ہے؟ کہیں اپنے خاوندوں سے ناراض ہو کر یا خانگی معاملات اور گھریلو جھگڑوں سے تنگ آ کر یا محض سیر و سیاحت یا کوئی دوسری غرض تو اس ہجرت کا سبب نہیں بنی؟ اس حکم کے مخاطب چونکہ مومن حضرات ہیں نبی کریم ﷺ نہیں اس لئے نبی کریم ﷺ نے اس غرض کے لئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا تھا اور وہی مدینہ طیبہ پہنچنے والی خواتین کا امتحان لیتے تھے اس امتحان کے بعد ان مہاجر عورتوں بلکہ عام خواتین اسلام کو بیعت کا حکم ہوا اور یہ بیعت خود نبی کریم ﷺ لیتے تھے کیونکہ بیعت سے متعلق آیت کے مطابق آپ ہی ہیں اور جن گناہوں سے بچنے کی بیعت لی جاتی تھی وہ سب کبیرہ گناہ ہیں اور ان کا اس وقت عرب میں عام رواج تھا۔ اس بیعت کی تفصیل اس آیت کریمہ میں بیان ہوئی ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾(1)

(اے نبی! جب تیرے پاس مومن عورتیں آئیں، تجھ سے بیعت کرتی ہوں کہ وہ نہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ کوئی بہتان لائیں گی جو اپنے ہاتھوں اور اپنے پاؤں کے درمیان گھڑ رہی ہوں اور نہ کسی نیک کام میں تیری نافرمانی کریں گی تو ان سے بیعت لے لے اور ان کے لیے اللہ سے بخشش کی دعا کر۔ یقیناً اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔)

3. ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكُمْ أَزْكَى لَكُمْ وَأَطْهَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾(2)

(اور جب تم عورتوں کو طلاق دو، پس وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انھیں اس سے نہ روکو کہ وہ اپنے خاوندوں سے نکاح کر لیں، جب وہ آپس میں اچھے طریقے سے راضی ہو جائیں۔ یہ بات ہے جس کی نصیحت تم میں سے اس کو کی جاتی ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔ یہ تمھارے لیے زیادہ ستھرا اور زیادہ پاکیزہ ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔)

---

1 الممتحنة:12

2 البقرة:232

((حَدَّثَنَا الْحَسَنُ، أَنَّ مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ، كَانَتْ أُخْتُهُ تَحْتَ رَجُلٍ فَطَلَّقَهَا، ثُمَّ خَلَّى عَنْهَا حَتَّى انْقَضَتْ عِدَّتُهَا، ثُمَّ خَطَبَهَا فَحَمِيَ مَعْقِلٌ مِنَ ذَلِكَ أَنَفًا فَقَالَ خَلَّى عَنْهَا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهَا، ثُمَّ يَخْطُبُهَا فَحَالَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا، فَأَنْزَلَ اللَّهُ ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلاَ تَعْضُلُوهُنَّ﴾ إِلَى آخِرِ الآيَةِ، فَدَعَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَقَرَأَ عَلَيْهِ، فَتَرَكَ الْحَمِيَّةَ وَاسْتَقَادَ لأَمْرِ اللَّهِ.))[1]

(امام حسن بصری نے بیان کیا کہ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن ایک آدمی کے نکاح میں تھیں، پھر انہوں نے انہیں طلاق دے دی، اس کے بعد انہوں نے تنہائی میں عدت گزاری۔ عدت کے دن جب ختم ہو گئے تو ان کے پہلے شوہر نے ہی پھر معقل رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے لیے نکاح کا پیغام بھیجا۔ معقل کو اس پر بڑی غیرت آئی۔ انہوں نے کہا جب وہ عدت گزار رہی تھی تو اسے اس پر قدرت تھی (کہ دوران عدت میں رجعت کر لیں لیکن ایسا نہیں کیا) اور اب میرے پاس نکاح کا پیغام بھیجتا ہے۔ چنانچہ وہ ان کے اور اپنی بہن کے درمیان میں حائل ہو گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلاَ تَعْضُلُوهُنَّ﴾ (اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی مدت کو پہنچ چکیں تو تم انہیں مت روکو۔) آخر آیت تک " پھر نبی کریم ﷺ نے انہیں بلا کر یہ آیت سنائی تو انہوں نے ضد چھوڑ دی اور اللہ کے حکم کے سامنے جھک گئے۔)

جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہو وہ دوران عدت میں تجدید نکاح کے بغیر ہی اسے واپس لینے کا زیادہ حق دار ہے۔ اگر عدت گزر جائے تو نکاح ختم ہو جاتا ہے اب بھی رجوع ممکن ہے لیکن تجدید نکاح کے ساتھ رجوع ہو سکے گا جیسا کہ درج بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ تجدید نکاح کے لئے چار شرائط حسب ذیل ہیں: * عورت رضامند ہو۔ * سرپرست کی اجازت ہو۔ نیا حق مہر ہو۔ * گواہ موجود ہوں۔ تجدید نکاح کی سہولت پہلی یا دوسری طلاق کے بعد ہے تیسری طلاق کے بعد یہ سہولت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ دوران عدت میں رجوع دو طرح سے ہو سکتا ہے: * قولی رجوع، یعنی اپنی زبان سے اس بات کا اظہار کرے کہ میں نے رجوع کر لیا ہے * عملی رجوع، یعنی بیوی سے ہم بستری کرے تو اس سے بھی رجوع ہو جاتا ہے لیکن دل میں رجوع کی نیت کی اور عمل یا قول سے اس کا ثبوت نہ دیا تو رجوع نہیں ہو گا۔

((عَنِ الْحَسَنِ، أَنَّ أُخْتَ، مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ طَلَّقَهَا زَوْجُهَا، فَتَرَكَهَا حَتَّى انْقَضَتْ عِدَّتُهَا، فَخَطَبَهَا فَأَبَى مَعْقِلٌ، فَنَزَلَتْ ﴿فَلاَ تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾)).[2]

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الطلاق، باب: ﴿وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ﴾، حدیث 5331-

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلاَ تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾، حدیث 4529-

(امام حسن بصری نے کہا کہ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی تھی لیکن جب عدت گزر گئی اور طلاق بائن ہو گئی تو انہوں نے پھر ان کے لیے پیغام نکاح بھیجا۔ معقل رضی اللہ عنہ نے اس پر انکار کیا، مگر عورت چاہتی تھی تو یہ آیت نازل ہوئی: ﴿فلاَ تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾ کہ (تم انہیں اس سے مت روکو کہ وہ اپنے پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کریں۔)

امام بخاریؒ نے اس مقام پر حدیث مختصر طور پر بیان کی ہے دوسری روایت میں وضاحت ہے:

((إِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهَا جَاءَ يَخْطُبُهَا، فَقُلْتُ لَهُ زَوَّجْتُكَ وَفَرَشْتُكَ وَأَكْرَمْتُكَ، فَطَلَّقْتَهَا، ثُمَّ جِئْتَ تَخْطُبُهَا، لاَ وَاللَّهِ لاَ تَعُودُ إِلَيْكَ أَبَدًا، وَكَانَ رَجُلاً لاَ بَأْسَ بِهِ وَكَانَتِ الْمَرْأَةُ تُرِيدُ أَنَّ تَرْجِعَ إِلَيْهِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ هَذِهِ الآيَةَ ﴿فلاَ تَعْضُلُوهُنَّ﴾ فَقُلْتُ الآنَ أَفْعَلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ فَزَوَّجَهَا إِيَّاهُ.))(1)

(جب عدت ختم ہو گئی تو اس کے بہنوئی نے اس کی بہن سے نکاح کے لئے مجھے پیغام بھیجا میں نے غصے اور غیرت کی وجہ سے اسے جواب دیا کہ میں نے اپنی بہن سے تیرا نکاح کر کے تیری عزت افزائی کی لیکن تو نے اس کی کوئی قدر نہ کی، اللہ کی قسم! میری بہن اب تیرے پاس کسی صورت نہیں آئے گی۔ وہ آدمی معقول اور نیک سیرت تھا اور میری بہن کا رجحان بھی اس کے گھر آباد ہونے کا تھا۔ جب یہ آیت ﴿فلاَ تَعْضُلُوهُنَّ﴾ نازل ہوئی تو میں نے عرض کی: اللہ کے رسول ﷺ! میں ابھی تعمیل حکم کرتا ہوں، چنانچہ اس نے اپنی بہن کا نکاح اس سے کر دیا۔)

ایک دوسری روایت میں ہے:

((فَأَنْزَلَ اللَّهُ ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلاَ تَعْضُلُوهُنَّ﴾ إِلَى آخِرِ الآيَةِ، فَدَعَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَقَرَأَ عَلَيْهِ، فَتَرَكَ الْحَمِيَّةَ وَاسْتَقَادَ لأَمْرِ اللَّهِ.))(2)

(جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے اسے بلایا اور آیات پڑھ کر سنائیں تو اس نے ضد اور ہٹ دھرمی چھوڑ دی اور اللہ کے حکم کے سامنے اپنی گردن کو جھکا دیا۔)

ایک روایت میں ہے کہ آیت کے نزول کے بعد معقل رضی اللہ عنہ نے انہیں بلا کر کہا: ((أُزَوِّجُكَ وَأُكْرِمُكَ))(3) (اب میں تجھے نکاح بھی کر کے دیتا ہوں اور تمہاری تکریم بھی کرتا ہوں۔)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سرپرست کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا، چنانچہ معقل رضی اللہ عنہ کو اگر نکاح کرانے کا اختیار نہ ہوتا تو اسے کیوں کہا جاتا کہ وہ نکاح کرنے سے نہ روکے، علاوہ ازیں اگر عورت ازخود

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كِتَاب النِّكَاحِ، بَابُ مَنْ قَالَ لاَ نِكَاحَ إِلاَّ بِوَلِيٍّ، حدیث 5130-

2 ایضاً، بَابُ إِذَا كَانَ الْوَلِيُّ هُوَ الخَاطِبَ، حدیث 5331-

3 ترمذی، ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، **السنن**، كتاب تفسير القرآن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب وَمِنْ سُورَةِ الْبَقَرَةِ، حدیث 2981- علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت "صحیح" ہے۔

نکاح کرنے کی مجاز ہوتی تو وہ اپنے بھائی کی قطعاً محتاج نہ ہوتی، اس کے باوجود ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کی رضا کو ولی کی رضا پر مقدم رکھا ہے تاہم کسی بالغ لڑکی کو یہ حق حاصل نہیں کہ بھاگ کر یا چھپ کر اپنا نکاح خود کر لے، ہاں اگر قریبی اور حقیقی ولی ظالم اور بدکردار ہو تو دور والا والی یا عدالت نکاح کرائے گی۔

4. ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾[1]

(اور جو لوگ تم میں سے فوت کیے جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ (بیویاں) اپنے آپ کو چار مہینے اور دس راتیں انتظار میں رکھیں، پھر جب اپنی مدت کو پہنچ جائیں تو تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں جو وہ اپنی جانوں کے بارے میں معروف طریقے سے کریں اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو پوری طرح باخبر ہے۔)

((عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ قُلْتُ لِعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا﴾ قَالَ قَدْ نَسَخَتْهَا الآيَةُ الأُخْرَى فَلِمَ تَكْتُبُهَا أَوْ تَدَعُهَا قَالَ يَا ابْنَ أَخِي، لاَ أُغَيِّرُ شَيْئًا مِنْهُ مِنْ مَكَانِهِ)).[2]

(عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے آیت ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا﴾ یعنی (اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں۔) کے متعلق عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اس آیت کو دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہے۔ اس لیے آپ اسے (مصحف میں) نہ لکھیں یا (یہ کہا کہ) نہ رہنے دیں۔ اس پر عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بیٹے! میں (قرآن کا) کوئی حرف اس کی جگہ سے نہیں ہٹا سکتا۔)

عرب لوگ یہ گوارا نہیں کرتے تھے کہ ان کے فوت شدہ شخص کی بیوہ کسی اور سے نکاح کرے یا وہ اس کے گھر سے نکلے، اس لئے آغاز اسلام میں ان کے لئے سال بھر گھر میں رہنے اور ان کا نان ونفقہ کی وصیت کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس کے بعد عورت کی مدت چار ماہ دس دن مقرر کی گئی۔ مذکورہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قرآن جمع کرتے وقت کہا تھا کہ آپ منسوخ آیت کو قرآن میں کیوں لکھتے ہیں؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں قرآن کی کسی آیت کو اس کے مقام پے ہٹانا نہیں چاہتا اگرچہ وہ منسوخ ہی کیوں نہ ہو۔ منسوخ ہونے کے اعتبار سے آیات کی تین قسمیں ہیں: * جن کا حکم اور تلاوت دونوں منسوخ ہیں، ایسی آیات کو قرآن میں درج نہیں کیا گیا۔ * جن کا حکم باقی ہے لیکن ان کی تلاوت منسوخ ہے انہیں بھی

---

1 البقرہ:234

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، بَابُ: ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ إِلَى: ﴿بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾، حدیث 4530-

قرآن میں نہیں لکھا گیا۔* جن کا حکم منسوخ ہے لیکن ان کی تلاوت باقی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی قسم کی آیات کے متعلق حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا: میں اپنی طرف سے کسی آیت کو آگے پیچھے نہیں کر سکتا۔ ایسی آیات کے لکھنے کا فائدہ یہ ہے کہ ان کی تلاوت سے ثواب ملتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس آیت کے لکھنے کا ایک اور فائدہ بھی ذکر کیا ہے کہ بعض اہل علم کے نزدیک "أَنَّهَا لَيْسَتْ مَنْسُوخَةً"[1] یہ آیت منسوخ ہی نہیں ہوئی تو ان کے موقف کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ آیت کسی صورت میں محو نہیں ہو سکتی۔

5. ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾[2]

(اور جو لوگ تم میں سے فوت کیے جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں وہ اپنی بیویوں کے لیے ایک سال تک نکالے بغیر خرچہ دینے کی وصیت کریں، پھر اگر وہ نکل جائیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ معروف طریقے میں سے اپنی جانوں کے بارے میں کریں اور اللہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔)

((عَنْ مُجَاهِدٍ، ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا﴾ قَالَ كَانَتْ هَذِهِ الْعِدَّةُ تَعْتَدُّ عِنْدَ أَهْلِ زَوْجِهَا وَاجِبًا، فَأَنْزَلَ اللَّهُ ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ﴾ قَالَ جَعَلَ اللَّهُ لَهَا تَمَامَ السَّنَةِ سَبْعَةَ أَشْهُرٍ وَعِشْرِينَ لَيْلَةً وَصِيَّةً إِنْ شَاءَتْ سَكَنَتْ فِي وَصِيَّتِهَا، وَإِنْ شَاءَتْ خَرَجَتْ، وَهُوَ قَوْلُ اللَّهِ تَعَالَى ﴿غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ فَالْعِدَّةُ كَمَا هِيَ، وَاجِبٌ عَلَيْهَا، زَعَمَ ذَلِكَ)).[3]

(مجھ سے اسحاق بن منصور نے بیان کیا، کہا ہم کو روح بن عبادہ نے خبر دی، کہا ہم سے شبل بن عباد نے، ان سے ابن ابی نجیح نے اور ان سے مجاہد نے آیت کریمہ ﴿ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا﴾(یعنی اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں۔) کے متعلق کہا کہ یہ عدت جو شوہر کے گھر والوں کے پاس گزاری جاتی تھی، پہلے واجب تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ﴾ "یعنی "اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں (ان پر لازم ہے کہ) اپنی بیویوں کے حق میں نفع اٹھانے کی وصیت کر جائیں کہ وہ ایک سال تک (گھر سے) نہ نکالی جائیں لیکن اگر وہ (خود) نکل جائیں تو کوئی گناہ تم پر

---

1 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ج8 ص194-

2 البقرہ: 240

3 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الطلاق، باب: ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾، حدیث 5344-

نہیں۔" اس باب میں جسے وہ (بیویاں) اپنے بارے میں دستور کے مطابق کریں۔ مجاہد نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی بیوہ کے لیے سات مہینے بیس دن سال بھر میں سے وصیت قرار دی۔ اگر وہ چاہے تو شوہر کی وصیت کے مطابق وہیں ٹھہری رہے اور اگر چاہے (چار مہینے دس دن کی عدت) پوری کر کے وہاں سے چلی جائے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "غَيْرَ إِخْرَاجٍ "تک یعنی انہیں نکالا نہ جائے۔ البتہ اگر وہ خود چلی جائیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں" کا یہی منشا ہے۔ پس عدت تو جیسی کہ پہلی تھی، اب بھی اس پر واجب ہے۔)

امام مجاہدؒ کا موقف ہے کہ چار مہینے دس دن عدت گزارنے کا حکم پہلے نازل ہوا تھا کہ وہ یہ عدت خاوند کے گھر والوں کے پاس گزارے اور ایسا کرنا واجب تھا، پھر دوسری آیت نازل ہوئی جس میں ایک سال عدت گزارنے کے متعلق حکم تھا اب سال پورا کرنے کے لئے سات ماہ بیس دن وصیت کے مطابق عمل کرتے ہوئے اپنے خاوند کے گھر میں گزارے اگر چاہے تو اپنے میکے جاکر ان کو پورا کرے۔ ان کے نزدیک ناسخ، منسوخ سے پہلے نازل نہیں ہو سکتا اس لئے انہوں نے دونوں کو جمع کرنے کی یہ صورت بیان کی ہے جبکہ عام مفسرین کا کہنا ہے کہ ایک سال عدت گزارنے پر مشتمل آیت کریمہ منسوخ ہے اور چار ماہ دس دن کی آیت اس کی ناسخ ہے۔

ابن بطال[1] نے کہا ہے:

"وَهُوَ قَوْلٌ لَمْ يَقُلْهُ أَحَدٌ مِنَ الْمُفَسِّرِينَ غَيْرُهُ وَلَا تَابَعَهُ عَلَيْهَا مِنَ الْفُقَهَاءِ أَحَدٌ وَأَطْبَقُوا عَلَى أَنَّ آيَةَ الْحَوْلِ مَنْسُوخَةٌ وَأَنَّ السُّكْنَى تَبَعٌ لِلْعِدَّةِ فَلَمَّا نُسِخَ الْحَوْلُ فِي الْعِدَّةِ بِالْأَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ وَعَشْرٍ نُسِخَتِ السُّكْنَى أَيْضا"[2]

(کسی مفسر نے آیات مذکورہ کی یہ تفسیر نہیں کی اور نہ کسی فقیہ نے یہ کہا ہے بلکہ تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ سال والی آیت منسوخ ہے اور رہائش بھی عدت کے تابع ہے جب چار ماہ دس دن کی عدت سے سال بھر کی عدت منسوخ ہو گئی تو رہائش کے متعلق خاوند کی ذمہ داری بھی منسوخ ہو گئی۔)

ہمارے رجحان کے مطابق جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے تو اس پر چار ماہ دس دن عدت گزارنا واجب ہے اور وہ اسی مکان میں عدت گزارے جہاں وہ شوہر کے ساتھ مقیم تھی یا جہاں اسے خاوند کے متعلق وفات کی اطلاع ملی جیسا کہ حضرت فریعہ بنت مالک رضی اللہ عنہا کا خاوند فوت ہوا تو وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنے میکے لوٹ جانے کے متعلق دریافت کیا کہ میرے شوہر نے اپنی ملکیت میں کوئی مکان نہیں چھوڑا۔ آپ نے فرمایا: "تم اپنے میکے جا سکتی ہو" ابھی وہ حجرے سے باہر نہیں نکلی تھی کہ نبی کریم ﷺ نے آواز دی اور فرمایا:

---

1 آپ کا نام ابو حسن علی بن خلف (وفات: 449ھ) بن عبد الملک بن بطال تھے۔ آپ حدیث نبوی کے عالم اور مالکی علماء میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے احادیث پر بہت زیادہ توجہ دی، کئی کتابوں میں لوگوں نے اسے بیان کیا۔

2 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ج9، ص493۔

((امْكُثِي فِي بَيْتِكِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ.قَالَتْ فَاعْتَدَدْتُ فِيهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا))[1]

(تم اپنے پہلے مکان ہی میں رہو جب تک تمہاری عدت پوری نہ ہو جائے" چنانچہ انہوں نے چار ماہ دس دن کی عدت اسی سابقہ مکان میں پوری کی۔)

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:((اعْتَدِّي حَيْثُ بَلَغَكِ الْخَبَرُ))[2]"تم اس گھر میں رہو جہاں تجھے خاوند کے فوت ہونے کی خبر ملی حتی کہ ایام عدت پورے ہو جائیں۔

بعض اہل علم حدیث کے ان الفاظ سے عورت کو پابند کرتے ہیں کہ وہ ایام عدت وہیں گزارے جہاں اسے خاوند کی وفات کے متعلق اطلاع ملی ہو، خواہ وہ کسی کے گھر بطور مہمان ٹھہری ہو، اس طرح کی بے جا پابندی شریعت کے منشا کے خلاف ہے۔ بہر حال اس عورت کو اپنے خاوند کے گھر عدت کے ایام گزارنے ہوں گے البتہ اس حکم سے درج ذیل صورتیں مستثنیٰ ہیں: میاں بیوی کرائے کے مکان میں رہائش رکھے ہوئے تھے خاوند کی وفات کے بعد آمدنی کے ذرائع محدود ہو گئے یا مالک مکان نے مکان خالی کرنے کا نوٹس دے دیا یا اپنے مکان میں عزیز و اقارب نے اتنا تنگ کیا کہ وہاں ایام پورے کرنا مشکل ہو گئے تو وہ کسی دوسرے مکان میں عدت گزار سکتی ہے۔ میاں بیوی کسی دوسرے ملک میں تھے بیوی اپنے ماں باپ سے ملنے کے لئے اپنے ملک آئی تو دوسرے ملک میں اس کا خاوند فوت ہو گیا۔ اب ویزے وغیرہ کا مسئلہ بن گیا تو وہ اپنے ملک میں اپنے والدین کے ہاں عدت گزار سکتی ہے۔ عورت خانہ بدوش ہونے کی وجہ سے کسی مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھی اسی حالت میں اس کا خاوند فوت ہو گیا تو اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ چار ماہ دس دن اسی مقام پر گزارے بلکہ جہاں قافلہ ٹھہرے گا وہ اس کے ساتھ عدت کے ایام گزارتی رہے گی۔

6. ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا﴾[3]

(اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دے اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتی ہو تو آؤ میں تمھیں کچھ سامان دے دوں اور تمھیں اچھے طریقے سے رخصت کر دوں۔)

((أَنَّ عَائِشَةَ، رضى الله عنها زَوْجَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَخْبَرَتْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم جَاءَهَا حِينَ أَمَرَ اللَّهُ أَنْ يُخَيِّرَ أَزْوَاجَهُ، فَبَدَأَ بِي رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ " إِنِّي ذَاكِرٌ لَكِ

---

1 ابو داوٗد، سلیمان بن اشعت، السنن، كتاب تفريع أبواب الطلاق ، باب فِي الْمُتَوَفَّى عَنْهَا تَنْتَقِلُ ،حدیث 2300- علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت " صحیح "ہے۔

2 نسائی، ابو عبد الرحمن، احمد بن شعیب، السنن ،کتاب الطلاق، بَابُ مَقَامِ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا فِي بَيْتِهَا حَتَّى تَحِلَّ، حدیث 3559- علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت " صحیح "ہے۔

3 الاحزاب:28

أَمْرًا فَلاَ عَلَيْكِ أَنْ تَسْتَعْجِلِي حَتَّى تَسْتَأْمِرِي أَبَوَيْكِ "، وَقَدْ عَلِمَ أَنَّ أَبَوَيَّ لَمْ يَكُونَا يَأْمُرَانِي بِفِرَاقِهِ، قَالَتْ ثُمَّ قَالَ " إِنَّ اللَّهَ قَالَ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لأَزْوَاجِكَ﴾ ". إِلَى تَمَامِ الآيَتَيْنِ فَقُلْتُ لَهُ فَفِي أَيِّ هَذَا أَسْتَأْمِرُ أَبَوَيَّ فَإِنِّي أُرِيدُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الآخِرَةَ)).(1)

(انہیں نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ نبی کریم (ﷺ) اپنی ازواج کو (آپ کے سامنے رہنے یا آپ سے علیحدگی کا) اختیار دیں تو آپ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں تم سے ایک معاملہ کے متعلق کہنے آیا ہوں ضروری نہیں کہ تم اس میں جلد بازی سے کام لو، اپنے والدین سے بھی مشورہ کر سکتی ہو۔ نبی کریم ﷺ تو جانتے ہی تھے کہ میرے والد کبھی آپ سے جدائی کا مشورہ نہیں دے سکتے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لأَزْوَاجِكَ﴾ کہ "اے نبی! اپنی بیویوں سے فرما دیجئے" آخر آیت تک۔ میں نے عرض کیا، لیکن کس چیز کے لیے مجھے اپنے والدین سے مشورہ کی ضرورت ہے، کھلی ہوئی بات ہے کہ میں اللہ، اس کے رسول اور عالم آخرت کو چاہتی ہوں۔)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے یہ بھی عرض کی کہ میرا یہ جواب دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہما کو نہ بتائیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:((لَا تَسْأَلُنِي امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ إِلَّا أَخْبَرْتُهَا إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَبْعَثْنِي مُعَنِّتًا وَلَا مُتَعَنِّتًا، وَلَكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّمًا مُيَسِّرًا))(2)(اگر کسی نے پوچھ لیا تو اس جواب کو چھپاؤں گا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سخت گیر اور ترش مزاج بنا کر نہیں بھیجا بلکہ مجھے سہل پسند اور معلم بنا کر بھیجا ہے۔)

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے جب یہ آیت دوسری ازواج مطہرات کے سامنے پڑھی تو ہر ایک نے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرنے کا فیصلہ کیا، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کی صحبت اور معیت سے ہر ایک دل نور ایمان سے منور تھا وہ دنیا اور اس کی زیب وزینت کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مقابلے میں کیسے ترجیح دے سکتی تھیں چنانچہ کسی نے بھی دنیا کو ترجیح نہ دی بلکہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کیا۔ واضح رہے کہ بیوی کو محض اختیار

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب التفسیر، باب قَوْلِهِ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلاً﴾، حدیث 4785۔

2 قشیری، ابو الحسین، مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، كِتَاب الطَّلَاقِ، باب بَيَانِ أَنَّ تَخْيِيرَ امْرَأَتِهِ لاَ يَكُونُ طَلاَقًا إِلاَّ بِالنِّيَّةِ، حدیث 3690 (1478)۔

دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی جب تک وہ طلاق کا انتخاب نہ کرلے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:((خَيَّرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاخْتَرْنَاهُ فَلَمْ يَعُدَّهُ طَلَاقًا))[1]

(نبی کریم ﷺ نے ہمیں اختیار دیا تو ہم نے آپ کا انتخاب کرلیا تو صرف اختیار دینے کو طلاق شمار نہیں کیا گیا۔)

7. ﴿وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا﴾[2]

(اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخری گھر کا ارادہ رکھتی ہو تو بے شک اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔)

((أَنَّ عَائِشَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَتْ لَمَّا أُمِرَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم بِتَخْيِيرِ أَزْوَاجِهِ بَدَأَ بِي فَقَالَ " إِنِّي ذَاكِرٌ لَكِ أَمْرًا فَلاَ عَلَيْكِ أَنْ لاَ تَعْجَلِي حَتَّى تَسْتَأْمِرِي أَبَوَيْكِ ". قَالَتْ وَقَدْ عَلِمَ أَنَّ أَبَوَىَّ لَمْ يَكُونَا يَأْمُرَانِي بِفِرَاقِهِ، قَالَتْ ثُمَّ قَالَ " إِنَّ اللَّهَ جَلَّ ثَنَاؤُهُ قَالَ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا﴾ إِلَى ﴿أَجْرًا عَظِيمًا﴾ ". قَالَتْ فَقُلْتُ فَفِي أَىِّ هَذَا أَسْتَأْمِرُ أَبَوَىَّ فَإِنِّي أُرِيدُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الآخِرَةَ، قَالَتْ ثُمَّ فَعَلَ أَزْوَاجُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مِثْلَ مَا فَعَلْتُ.))[3]

(ان سے نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب نبی کریم ﷺ کو حکم ہوا کہ اپنی ازواج کو اختیار دیں تو آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ میں تم سے ایک معاملہ کے متعلق کہنے آیا ہوں، ضروری نہیں کہ تم جلدی کرو، اپنے والدین سے بھی مشورہ لے سکتی ہو۔ انہوں نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کو تو معلوم ہی تھا کہ میرے والدین آپ سے جدائی کا کبھی مشورہ نہیں دے سکتے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر نبی کریم ﷺ نے (وہ آیت جس میں یہ حکم تھا) پڑھی کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا﴾ (اے نبی! اپنی بیویوں سے فرما دیجئیے کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی ہو) سے ﴿أَجْرًا عَظِيمًا﴾ تک۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا لیکن

---

1 قشیری، ابو الحسین، مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، كِتَاب الطَّلَاقِ، باب بَيَانِ أَنَّ تَخْيِيرَ امْرَأَتِهِ لاَ يَكُونُ طَلاَقًا إِلاَّ بِالنِّيَّةِ، حدیث 3687(1477)۔

2 الاحزاب:29

3 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب التفسیر، باب قَوْلِهِ ﴿وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا﴾، حدیث 4786۔

اپنے والدین سے مشورہ کی کس بات کے لیے ضرورت ہے، ظاہر ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول اور عالم آخرت کو چاہتی ہوں۔ بیان کیا کہ پھر دوسری ازواج مطہرات نے بھی وہی کہا جو میں کہہ چکی تھی۔)

نبی کریم ﷺ کے نکاح میں اس وقت نو بیویاں تھیں: حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت سودہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا قریش سے تھیں اور باقی چار حضرت صفیہ، حضرت میمونہ، حضرت زینب اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ان کے علاوہ تھیں۔ فتوحات کے نتیجہ میں جب مسلمانوں کی حالت پہلے سے بہتر ہو گئی تو انصار اور مہاجرین کی عورتوں کو دیکھ کر ازواج مطہرات نے بھی نان و نفقے میں اضافے کا مطالبہ کر دیا۔ نبی کریم ﷺ چونکہ سادگی پسند تھے اس لئے ازواج مطہرات کے اس مطالبے سے سخت رنجیدہ ہوئے اور آپ نے بیویوں سے ایک ماہ کے لئے علیحدگی اختیار کر لی جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے ہاں تشریف لائے اور اجازت چاہی۔ آپ نے انہیں اندر آنے کی اجازت دے دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ آپ کے پاس آپ کی بیویاں غمگین اور خاموش بیٹھی ہیں۔ آپ نے فرمایا: "یہ میرے گرد بیٹھی خرچ کا مطالبہ کر رہی ہیں جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو"((ثُمَّ اعْتَزَلَهُنَّ شَهْرًا أَوْ تِسْعًا وَعِشْرِينَ))[1] پھر آپ نے ان سے ایک مہینے کے لئے علیحدگی اختیار کر لی۔)

نبی کریم ﷺ ایک ماہ کے بعد بالاخانے سے نیچے اترے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی:

((عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ ـ رضى الله عنها ـ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم آلَى مِنْ نِسَائِهِ شَهْرًا، فَلَمَّا مَضَى تِسْعَةٌ وَعِشْرُونَ يَوْمًا غَدَا أَوْ رَاحَ فَقِيلَ لَهُ إِنَّكَ حَلَفْتَ أَنْ لاَ تَدْخُلَ شَهْرًا. فَقَالَ " إِنَّ الشَّهْرَ يَكُونُ تِسْعَةً وَعِشْرِينَ يَوْمًا))[2] (آپ نے ایک ماہ کا کہا تھا آج انتیس دن ہوئے ہیں؟ آپ نے اپنی انگلیوں کے اشارے سے بتایا کہ مہینہ تیس دن کا بھی ہوتا اور انتیس دن کا بھی۔ گویا وہ مہینہ انتیس دن کا تھا۔)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مرد اگر بیوی کو اختیار دیتا ہے تو اسے طلاق قرار دیا جائے گا لیکن یہ بات غلط ہے کیونکہ اگر عورت علیحدگی اختیار نہیں کرتی تو کسی صورت میں طلاق نہیں ہو گی جیسا کہ((خَيَّرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاخْتَرْنَا اللَّهَ وَرَسُولَهُ، فَلَمْ يَعُدَّ ذَلِكَ عَلَيْنَا شَيْئًا))[3] ازواج مطہرات نے علیحدگی کے بجائے نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہنا پسند کیا تو اس اختیار کو طلاق شمار نہیں کیا گیا۔

---

1 قشیری، ابو الحسین، مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، كِتَاب الطَّلَاقِ، باب بَيَانِ أَنَّ تَخْيِيرَ امْرَأَتِهِ لاَ يَكُونُ طَلاَقًا إِلاَّ بِالنِّيَّةِ، حدیث 3690(1478)۔

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كِتَاب الصَّوْمِ، بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا رَأَيْتُمُ الهِلاَلَ فَصُومُوا وَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَأَفْطِرُوا، حدیث 1910۔

3 ایضاً، كِتَاب الطَّلَاقِ، بَابُ مَنْ خَيَّرَ نِسَاءَهُ، حدیث 5262۔

8. ﴿وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا﴾[1]

(اور وہ عورتیں جو تمھاری عورتوں میں سے حیض سے ناامید ہو چکی ہیں، اگر تم شک کرو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور ان کی بھی جنھیں حیض نہیں آیا اور جو حمل والی ہیں ان کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل وضع کر دیں اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔)

((عَنْ يَحْيَى، قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ، قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبُو هُرَيْرَةَ جَالِسٌ عِنْدَهُ فَقَالَ أَفْتِنِي فِي امْرَأَةٍ وَلَدَتْ بَعْدَ زَوْجِهَا بِأَرْبَعِينَ لَيْلَةً. فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ آخِرُ الأَجَلَيْنِ. قُلْتُ أَنَا ﴿وَأُولاَتُ الأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ أَنَا مَعَ ابْنِ أَخِي . يَعْنِي أَبَا سَلَمَةَ . فَأَرْسَلَ ابْنُ عَبَّاسٍ غُلاَمَهُ كُرَيْبًا إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ يَسْأَلُهَا فَقَالَتْ قُتِلَ زَوْجُ سُبَيْعَةَ الأَسْلَمِيَّةِ وَهْىَ حُبْلَى، فَوَضَعَتْ بَعْدَ مَوْتِهِ بِأَرْبَعِينَ لَيْلَةً فَخُطِبَتْ فَأَنْكَحَهَا رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَكَانَ أَبُو السَّنَابِلِ فِيمَنْ خَطَبَهَا)).[2]

(یحیٰ نے بیان کیا، کہا مجھے ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن نے خبر دی، انہوں نے بیان کیا کہ ایک شخص ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آنے والے نے پوچھا کہ آپ مجھے اس عورت کے متعلق مسئلہ بتایئے جس نے اپنے شوہر کی وفات کے چار مہینے بعد بچہ جنا؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جس کا خاوند فوت ہو وہ عدت کی دو مدتوں میں جو مدت لمبی ہو اس کی رعایت کرے۔ (ابو سلمہ نے بیان کیا کہ) میں نے عرض کیا کہ (قرآن مجید میں تو ان کی عدت کا یہ حکم ہے) حمل والیوں کی عدت ان کے حمل کا پیدا ہو جانا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں بھی اس مسئلہ میں اپنے بھتیجے کے ساتھ ہوں۔ ان کی مراد ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن سے تھی آخر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے غلام کریب کو ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا یہی مسئلہ پوچھنے کے لیے۔ ام المؤمنین نے بتایا کہ سبیعہ اسلمیہ کے شوہر (سعد بن خولہ رضی اللہ عنہما) شہید کر دیئے گئے تھے وہ اس وقت حاملہ تھیں شوہر کی موت کے چالیس دن بعد ان کے یہاں بچہ پیدا ہوا پھر ان کے پاس نکاح کا پیغام پہنچا اور نبی کریم ﷺ نے ان کا نکاح کر دیا۔ ابو السنابل بھی ان کے پاس پیغام نکاح بھیجنے والوں میں سے تھے۔)

عورت مطلقہ ہو یا بیوہ اگر وہ حمل سے ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ ہمارے ہاں جہالت کی وجہ سے یہ مسئلہ مشہور ہے کہ حاملہ کی طلاق نافذ نہیں ہوتی، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں حاملہ عورت کی عدت

---

1 الطلاق:4

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب ﴿وَأُولاَتُ الأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا﴾. وَأُولاَتُ الأَحْمَالِ وَاحِدُهَا ذَاتُ حَمْلٍ، حدیث 4909-

بیان کی ہے۔ اگر اسے طلاق دینا ناجائز ہے یا اس کی طلاق نافذ نہیں ہوتی تو عدت بیان کرنے کا کیا مطلب، پھر نبی کریم ﷺ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو جب طلاق دینے کا طریقہ بتایا تو اس میں صراحت ہے: ((ثُمَّ لِيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا أَوْ حَامِلًا))[1] کہ (بیوی کو طلاق حالت طہر میں دو یا حالت حمل میں اسے فارغ کرو۔)

بہر حال دوران حمل میں دی گئی طلاق بھی نافذ العمل ہے اور اس کی عدت وضع حمل ہے۔

9. ﴿وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ﴾[2]

(اور پانچویں یہ کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو، اگر وہ جھوٹوں سے ہو۔)

((عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، أَنَّ رَجُلاً، أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَرَأَيْتَ رَجُلاً رَأَى مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلاً أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ فَأَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِمَا مَا ذُكِرَ فِي الْقُرْآنِ مِنَ التَّلاَعُنِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم " قَدْ قُضِيَ فِيكَ وَفِي امْرَأَتِكَ ". قَالَ فَتَلاَعَنَا، وَأَنَا شَاهِدٌ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَفَارَقَهَا فَكَانَتْ سُنَّةً أَنْ يُفَرَّقَ بَيْنَ الْمُتَلاَعِنَيْنِ وَكَانَتْ حَامِلاً، فَأَنْكَرَ حَمْلَهَا وَكَانَ ابْنُهَا يُدْعَى إِلَيْهَا، ثُمَّ جَرَتِ السُّنَّةُ فِي الْمِيرَاثِ أَنْ يَرِثَهَا، وَتَرِثَ مِنْهُ مَا فَرَضَ اللَّهُ لَهَا.))[3]

(سہل بن سعد نے کہ ایک صاحب (یعنی عویمر) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا نبی کریم! ایسے شخص کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے جس نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک غیر مرد کو دیکھا ہو کیا وہ اسے قتل کر دے؟ لیکن پھر آپ قصاص میں قاتل کو قتل کر دیں گے۔ پھر اسے کیا کرنا چاہئے؟ انہیں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے دو آیات نازل کیں جن میں لعان کا ذکر ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تمہارے اور تمہاری بیوی کے بارے میں فیصلہ کیا جا چکا ہے۔ راوی نے بیان کیا کہ پھر دونوں میاں بیوی نے لعان کیا اور میں اس وقت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا۔ پھر آپ نے دونوں میں جدائی کرا دی اور دو لعان کرنے والوں میں اس کے بعد یہی طریقہ قائم ہو گیا کہ ان میں جدائی کرا دی جائے۔ ان کی بیوی حاملہ تھیں، لیکن انہوں نے اس کا بھی انکار کر دیا۔ چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو اسے ماں ہی کے نام سے پکارا جانے لگا۔ میراث کا یہ طریقہ ہوا کہ بیٹا ماں کا وارث ہوتا ہے اور ماں اللہ کے مقرر کئے ہوئے حصہ کے مطابق بیٹے کی وارث ہوتی ہے۔)

لعان کے بعد مرد، عورت سے حق مہر یا دیگر اخراجات کی واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتا، نیز دوران عدت میں عورت کا نان ونفقہ یا رہائش وغیرہ مرد کے ذمے نہ ہو گی۔ پیدا ہونے والا بچہ ماں کی طرف منسوب ہو گا۔ زانی یا خاوند

---

1 قشیری، مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، كِتَاب الطَّلَاقِ ، باب تَحْرِيمِ طَلَاقِ الْحَائِضِ بِغَيْرِ رِضَاهَا وَأَنَّهُ لَوْ خَالَفَ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَيُؤْمَرُ بِرَجْعَتِهَا ،حدیث3659(1471)۔

2 النور:7

3 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب التفسیر، باب ﴿وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ﴾، حدیث 4746۔

کی طرف اسے منسوب نہیں کیا جائے گا۔ اگر وضع حمل کے بعد عورت قرائن کی بنا پر مجرم ثابت ہو جائے تو بھی اسے سنگسار نہیں کیا جائے گا چونکہ خاوند اس لڑکے سے انکار کر رہا ہے اس لئے لعان کا بچہ خاوند کا وارث نہیں ہو گا لیکن ماں کا وارث ہو گا کیونکہ اس نے اسے ولد الزنا ہونا تسلیم نہیں کیا۔

10. ﴿وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ﴾[1]

(اور اس (عورت) سے سزا کو یہ بات ہٹائے گی کہ وہ اللہ کی قسم کے ساتھ چار شہادتیں دے کہ بلاشبہ یقینا وہ (مرد) جھوٹوں سے ہے۔)

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ هِلاَلَ بْنَ أُمَيَّةَ، قَذَفَ امْرَأَتَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِشَرِيكِ بْنِ سَحْمَاءَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم " الْبَيِّنَةَ أَوْ حَدٌّ فِي ظَهْرِكَ ". فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِذَا رَأَى أَحَدُنَا عَلَى امْرَأَتِهِ رَجُلاً يَنْطَلِقُ يَلْتَمِسُ الْبَيِّنَةَ. فَجَعَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ " الْبَيِّنَةَ وَإِلاَّ حَدٌّ فِي ظَهْرِكَ " فَقَالَ هِلاَلٌ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ إِنِّي لَصَادِقٌ، فَلَيُنْزِلَنَّ اللَّهُ مَا يُبَرِّئُ ظَهْرِي مِنَ الْحَدِّ، فَنَزَلَ جِبْرِيلُ، وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ﴾ فَقَرَأَ حَتَّى بَلَغَ ﴿إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾ فَانْصَرَفَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا فَجَاءَ هِلاَلٌ، فَشَهِدَ، وَالنَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ " إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ ". ثُمَّ قَامَتْ فَشَهِدَتْ فَلَمَّا كَانَتْ عِنْدَ الْخَامِسَةِ وَقَّفُوهَا، وَقَالُوا إِنَّهَا مُوجِبَةٌ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَتَلَكَّأَتْ وَنَكَصَتْ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهَا تَرْجِعُ ثُمَّ قَالَتْ لاَ أَفْضَحُ قَوْمِي سَائِرَ الْيَوْمِ، فَمَضَتْ. فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم " أَبْصِرُوهَا فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَكْحَلَ الْعَيْنَيْنِ سَابِغَ الأَلْيَتَيْنِ خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ، فَهْوَ لِشَرِيكِ بْنِ سَحْمَاءَ ". فَجَاءَتْ بِهِ كَذَلِكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم " لَوْلاَ مَا مَضَى مِنْ كِتَابِ اللَّهِ لَكَانَ لِي وَلَهَا شَأْنٌ))[2]

(ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہلال بن امیہ نے نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ تہمت لگائی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس کے گواہ لاؤ ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد لگائی جائے گی۔ انہوں نے عرض کیا: یا نبی کریم! ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ ایک غیر کو مبتلا دیکھتا ہے تو کیا وہ ایسی حالت میں گواہ تلاش کرنے جائے گا؟ لیکن آپ یہی فرماتے رہے کہ گواہ لاؤ، ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد جاری کی جائے گی۔ اس پر ہلال نے عرض کیا۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے میں سچا ہوں اور اللہ تعالیٰ خود ہی کوئی ایسی آیت نازل فرمائے گا۔ جس کے ذریعہ میرے اوپر سے حد دور ہو جائے گی۔ اتنے میں جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ﴾ سے ﴿إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾ (جس میں ایسی صورت

---

1 النور:8

2 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب ﴿وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ﴾، حدیث 4747–

میں لعان کا حکم ہے) جب نزول وحی کا سلسلہ ختم ہوا تو نبی کریم ﷺ نے ہلال کو آدمی بھیج کر بلوایا وہ آئے اور آیت کے مطابق چار مرتبہ قسم کھائی۔ نبی کریم ﷺ نے اس موقع پر فرمایا کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے تو کیا وہ توبہ کرنے پر تیار نہیں ہے۔ اس کے بعد ان کی بیوی کھڑی ہوئیں اور انہوں نے بھی قسم کھائی، جب وہ پانچویں پر پہنچیں (اور چار مرتبہ اپنی برات کی قسم کھانے کے بعد، کہنے لگیں کہ اگر میں جھوٹی ہوں تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو) تو لوگوں نے انہیں روکنے کی کوشش کی اور کہا کہ (اگر تم جھوٹی ہو تو) اس سے تم پر اللہ کا عذاب ضرور نازل ہو گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ اس پر وہ ہچکچائیں ہم نے سمجھا کہ اب وہ اپنا بیان واپس لے لیں گی۔ لیکن یہ کہتے ہوئے کہ زندگی بھر کے لیے میں اپنی قوم کو رسوا نہیں کروں گی۔ پانچویں بار قسم کھائی۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دیکھنا اگر بچہ خوب سیاہ آنکھوں والا، بھاری سرین اور بھری بھری پنڈلیوں والا پیدا ہوا تو پھر وہ شریک بن سحماء ہی کا ہو گا۔ چنانچہ جب پیدا ہوا تو وہ اسی شکل وصورت کا تھا نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ کا حکم نہ آ چکا ہوتا تو میں اسے رجمی سزا دیتا۔)

صحیح بخاری کی حدیث 4745 سے معلوم ہوا تھا کہ آیت لعان کا تعلق عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ سے ہے جبکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت لعان حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یوں جواب دیا ہے: آیات کا نزول تو ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہوا ہے اس کے بعد حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کو ایسا واقعہ پیش آ گیا اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسے پیش کر دیا۔ ممکن ہے کہ انہیں حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے واقعے کا علم نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمہارے معاملے کا فیصلہ یہ ہے اس کا قرینہ یہ ہے کہ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے واقعے میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور یہ آیات پڑھ کر سنائیں جبکہ حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کے واقعے میں یہ الفاظ ہیں:

"قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ فِيكَ فيؤول قَوْلُهُ قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ فِيكَ أَيْ وَفِيمَنْ كَانَ مثلك"[1]

(اللہ تعالیٰ نے تیرے متعلق حکم نازل فرمایا ہے جس کا یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے واقعے جیسے ایک واقعے میں اس کا حکم نازل فرمایا ہے۔)

واضح رہے کہ رجم چار گواہوں کی گواہی یا اقرار کے بغیر نہیں ہو سکتا لیکن نبی کریم ﷺ کا معاملہ کچھ اور ہے۔ ممکن ہے کہ آپ کو بذریعہ وحی معاملے کی حقیقت معلوم ہو گئی ہو کہ اس عورت میں واقعی بدکاری کا ارتکاب کیا ہے۔

1 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ج8، ص450-

11. ﴿وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾[1]

(اور پانچویں یہ کہ اس (عورت) پر اللہ کا غضب ہو، اگر وہ (مرد) سچوں سے ہو۔)

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ ـ رضى الله عنهما ـ أَنَّ رَجُلاً، رَمَى امْرَأَتَهُ فَانْتَفَى مِنْ وَلَدِهَا فِي زَمَانِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَأَمَرَ بِهِمَا رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَتَلاَعَنَا كَمَا قَالَ اللَّهُ، ثُمَّ قَضَى بِالْوَلَدِ لِلْمَرْأَةِ وَفَرَّقَ بَيْنَ الْمُتَلاَعِنَيْنِ))[2]

(ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ ایک صاحب نے اپنی بیوی پر نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک غیر مرد کے ساتھ تہمت لگائی اور کہا کہ عورت کا حمل میرا نہیں ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کے حکم سے دونوں میاں بیوی نے اللہ کے فرمان کے مطابق لعان کیا۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے بچہ کے بارے میں فیصلہ کیا کہ وہ عورت ہی کا ہو گا اور لعان کرنے والے دونوں میاں بیوی میں جدائی کروادی۔)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف لعان کرنے سے ہی میاں بیوی کے درمیان علیحدگی ہو جائے گی خاوند کو طلاق دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور اکثر اہل حدیث کا یہی موقف ہے۔ لعان کے بعد عورت عدت پوری کرنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کرنے کی حق دار ہو گی جو تین حیض یا وضع حمل ہے۔ واضح رہے کہ لعان صرف اس صورت میں ہے جب خاوند اپنی بیوی پر تہمت زنا لگائے، عام عورتوں پر تہمت کے متعلق وہی حکم ہے جو حد قذف کے متعلق سورۃ النور کی آیت 4 میں ہے۔

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾[3]

(اور وہ لوگ جو پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ نہ لائیں تو انھیں اسی (80) کوڑے مارو اور ان کی کوئی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور وہی نافرمان لوگ ہیں۔)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لعان کے بعد اس حمل سے جو بچہ پیدا ہو گا اس بچے کی نسبت شوہر کی طرف نہیں بلکہ اس کی ماں کی طرف جائے گی۔ وہ اپنی ماں کا اور ماں اس کی وارث ہو گی۔

---

1 النور:9

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب التفسیر، باب قَوْلِهِ ﴿وَالْخَامِسَةُ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾، حدیث -4748

3 النور:4

مبحث دوم:

الکافی کی طلاق سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

امام کلینیؒ نے الکافی میں کتاب الطلاق کو قائم کیا ہے، آپ نے اس میں "82" ابواب قائم کیے ہیں، پہلا باب" بَابُ كَرَاهِيَةِ طَلَاقِ الزَّوْجَةِ الْمُوَافِقَةِ" ہے اور آخری باب" بَابُ طَلَاقِ أَهْلِ الذِّمَّةِ وَعِدَّتِهِمْ فِي الطَّلَاقِ وَالْمَوْتِ إِذَا أَسْلَمَتِ الْمَرْأَةُ" ہے، آپ نے اس کتاب الطلاق میں "10636 سے 11136 تک" احادیث نقل کی ہیں، ذیل میں ہم الکافی کی طلاق سے متعلق تفسیری احادیث و آثار کو پیش کر رہے ہیں:

1. ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾[1]

(یہ طلاق (رجعی) دوبار ہے، پھر یا تو اچھے طریقے سے رکھ لینا ہے، یا نیکی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔)

((عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عليه‌السلام ، قَالَ : « طَلَاقُ السُّنَّةِ يُطَلِّقُهَا تَطْلِيقَةً يَعْنِي عَلى طُهْرٍ مِنْ غَيْرِ جِمَاعٍ بِشَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ ، ثُمَّ يَدَعُهَا حَتّى تَمْضِيَ أَقْرَاؤُهَا فَإِذَا مَضَتْ أَقْرَاؤُهَا ، فَقَدْ بَانَتْ مِنْهُ ، وَهُوَ خَاطِبٌ مِنَ الْخُطَّابِ ، إِنْ شَاءَتْ نَكَحَتْهُ ، وَإِنْ شَاءَتْ فَلَا ؛ وَإِنْ أَرَادَ أَنْ يُرَاجِعَهَا أَشْهَدَ عَلى رَجْعَتِهَا قَبْلَ أَنْ تَمْضِيَ أَقْرَاؤُهَا ، فَتَكُونُ عِنْدَهُ عَلَى التَّطْلِيقَةِ الْمَاضِيَةِ ».قَالَ: وَقَالَ أَبُو بَصِيرٍ ، عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام : « هُوَ قَوْلُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ التَّطْلِيقَةُ الثَّالِثَةُ التَّسْرِيحُ بِإِحْسَانٍ)) ».[2]

(ابو جعفر علیہ السلام نے فرمایا سنت کے طریقے پر طلاق یہ ہے کہ وہ عورت کو طلاق دے اس طہر میں کہ جس میں اس نے اس عورت سے جماع نہ کیا ہو دو گواہوں کی گواہی پر پھر عورت کو چھوڑ دے یہاں تک کہ وہ اپنے قروءٔ(حیض کے بعد دوسرے حیض سے پاکیزگی کے دن کو قراؤ کہتے ہیں) گزارے اور جب اس کے قروءٔ گزر جائیں تو وہ عورت اس مرد سے علیحدہ ہوگی اور وہ مرد اب اس سے شادی کی خواہش کا اظہار کر سکتا ہے۔ وہ عورت اگر چاہے تو اس سے نکاح کرے اور اگر چاہے تو نہ کرے اور مرد اگر اس سے رجوع کرنا چاہے تو اس کے قروءٔ ختم ہونے سے پہلے اس کی طرف رجوع پر گواہ قائم کرئے تو عورت اس کے پاس گزشتہ طلاق پر ہوگی۔ ابو بصیر نے کہا ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ رزوجل کا قول ہے طلاق دو مرتبہ ہے یا تو پھر اچھائی سے روکنا یو پھر عمدگی سے چھوڑ دینا ہے دوسری طلاق عمدگی سے چھوڑ دینا ہے)

---

1 البقرہ:229

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی ،کتاب الطلاق، بَابُ تَفْسِيرِ طَلَاقِ السُّنَّةِ وَالْعِدَّةِ وَمَا يُوجِبُ الطَّلَاقَ، باب8، حدیث10680 /1-

2. ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا﴾[1]

(اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انھیں ان کی عدت کے وقت طلاق دو اور عدت کو گنو اور اللہ سے ڈرو جو تمھارا رب ہے، نہ تم انھیں ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ نکلیں مگر یہ کہ کوئی کھلی بے حیائی (عمل میں) لائیں۔ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے تو یقیناً اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ تو نہیں جانتا شاید اللہ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دے۔)

((عَنْ زُرَارَةَ ، قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا جَعْفَرٍ عليه‌السلام يَقُولُ : « أُحِبُّ لِلرَّجُلِ الْفَقِيهِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُطَلِّقَ امْرَأَتَهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا طَلَاقَ السُّنَّةِ ».قَالَ : ثُمَّ قَالَ : « وَهُوَ الَّذِي قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْراً﴾ يَعْنِي بَعْدَ الطَّلَاقِ وَانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ التَّزْوِيجَ لَهُمَا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَزَوَّجَ زَوْجاً غَيْرَهُ ».قَالَ : « وَمَا أَعْدَلَهُ وَأَوْسَعَهُ لَهُمَا جَمِيعاً أَنْ يُطَلِّقَهَا عَلى طُهْرٍ مِنْ غَيْرِ جِمَاعٍ تَطْلِيقَةً بِشُهُودٍ ، ثُمَّ يَدَعَهَا حَتّى يَخْلُوَ أَجَلُهَا ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ أَوْ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ، ثُمَّ يَكُونَ خَاطِباً مِنَ الْخُطَّابِ)) ».[2]

(زرارۃ سے روایت کی ہے کہ میں نے سنا ابو جعفر علیہ السلام نے فرمایا میں ایک سمجھدار شخص کے لیے پسند کرتا ہوں کہ وہ جب اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کرے تو اسے طلاق سنت دے پھر فرمایا طلاق سنت وہ ہے کہ اللہ عزوجل نے جو فرمایا ہے شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات پیدا کر دے یعنی طلاق کے بعد اور عدت گزرنے کے بعد ان دونوں کی شادی اس سے پہلے کہ وہ اس کے علاوہ کسی شوہر سے شادی کرے فرمایا اس شخص کے لیے کتنی چھوٹ اور ان دونوں کے لیے ایک ساتھ کتنی وسعت ہے کہ مرد اس عورت کو پاکیزگی کی حالت میں بغیر جماع کے گواہوں کے ساتھ طلاق دے اور پھر اسے چھوڑ دے یہاں تک کہ وہ تین مہینے یا تین قروء تنہا رہے پھر وہ اسے شادی کا پیغام دے سکتا ہے۔)

3. ﴿وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا﴾[3]

(اور وہ عورتیں جو تمھاری عورتوں میں سے حیض سے ناامید ہو چکی ہیں، اگر تم شک کرو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور ان کی بھی جنھیں حیض نہیں آیا اور جو حمل والی ہیں ان کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل وضع کر دیں اور جو کوئی

---

1 الطلاق:1

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الطلاق، بَابُ تَفْسِيرِ طَلَاقِ السُّنَّةِ وَالْعِدَّةِ وَمَا يُوجِبُ الطَّلَاقَ، باب 8، حدیث 10682 /3-

3 الطلاق:4

اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔ یہ اللہ کا حکم ہے جسے اس نے تمھاری طرف نازل کیا ہے اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا وہ اس سے اس کی برائیاں دور کر دے گا اور اسے بڑا اجر دے گا۔)

((عَنْ أَبِي الْعَبَّاسِ ، قَالَ :سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ بَعْدَ مَا وَلَدَتْ وَطَهُرَتْ ، وَهِيَ امْرَأَةٌ لَا تَرى دَماً مَا دَامَتْ تُرْضِعُ : مَا عِدَّتُهَا؟ قَالَ : ﴿ثَلاثَةُ أَشْهُرٍ ﴾))[1]

(ابو العباس سے روایت کی ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے سوال کیا اس شخص کے بارے میں کہ جس نے اپنی عورت کو طلاق دی اس کے بچہ پیدا کرنے کے بعد پاک ہونے کے بعد در حالیکہ وہ ایسی عورت ہے کہ جب تک دودھ پلائے خون نہیں دیکھتی اس کی عدت کیا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا تین ماہ۔)

اس روایت سے عدت کی مدت کے بارے میں بیان ہوا ہے، لہذا اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو اس کی عدت تین ماہ ہے، اگر وہ عورت حمل سے ہے تو وضع حمل تک اس کی عدت ہے۔ اور عدت گزارنے کے بعد اگر وہ عورت شادی کرنا چاہتی ہے تو وہ کر سکتی ہے۔

4. ﴿وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾[2]

(اور ان عورتوں کے لیے جنھیں طلاق دی گئی ہے، کچھ نہ کچھ سامان دینا معروف طریقے سے (لازم) ہے، پرہیز گاروں پر یہ حق ہے۔)

((عَنْ أَبِي بَصِيرٍ ، قَالَ :قُلْتُ لِأَبِي جَعْفَرٍ عليه‌السلام : أَخْبِرْنِي عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ وَلِلْمُطَلَّقاتِ مَتاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴾ مَا أَدْنى ذلِكَ الْمَتَاعِ إِذَا كَانَ مُعْسِراً لَايَجِدُ؟ قَالَ : « خِمَارٌ أَوْ شِبْهُهُ».))[3]

(ابو بصیر سے روایت کی ہے کہ میں نے ابو جعفر علیہ السلام سے عرض کی مجھے اللہ تعالیٰ کے قول مطلقات کے لیے نیکی کے ساتھ متاع مومنین پر حق ہے، کے بارے میں بتلائیے کم سے کم یہ متاع کیا ہے کہ جب آدمی تنگ دست ہو اور کچھ نہ رکھتا ہو؟ آپ نے فرمایا! ایک بڑی چادر یا اس جیسی کوئی چیز ہو۔)

5. ﴿وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ﴾[4]

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی ،کتاب الطلاق، بَابُ عِدَّةِ الْمُسْتَرَابَةِ، باب34، حدیث10807 /7-

2 البقرہ:241

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی ،کتاب الطلاق، بَابُ مُتْعَةِ الْمُطَلَّقَةِ ،باب39، حدیث10831 /5-

4 البقرہ:237

(اور اگر تم انھیں اس سے پہلے طلاق دے دو کہ انھیں ہاتھ لگاؤ، اس حال میں کہ تم ان کے لیے کوئی مہر مقرر کر چکے ہو تو تم نے جو مہر مقرر کیا ہے اس کا نصف (لازم) ہے، مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں، یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ ما فَرَضْتُمْ إِلّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَا الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكاحِ﴾قَالَ : « هُوَ الْأَبُ أَوِ الْأَخُ أَوِ الرَّجُلُ يُوصى إِلَيْهِ ، وَالَّذِي يَجُوزُ أَمْرُهُ فِي مَالِ الْمَرْأَةِ ، فَيَبْتَاعُ لَهَا، فَتُجِيزُ ، فَإِذَا عَفَا فَقَدْ جَازَ».))[1]

(ابو عبد اللہ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے قول اگر تم عورتوں کو ان سے جماع کرنے سے پہلے طلاق دے دو اور تم نے انکا حق مہر بھی مقرر کر دیا ہو تو مقررہ حق مہر دے دو، یہ اور بات ہے کہ وہ خود معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گردہ ہے" کے بارے میں فرمایا وہ باپ بھائی یا وصی ہے کہ جس کا حکم عورت کے مال میں جائز ہو اور وہ اس کے لیے اس نے ہی نکاح باندھا ہو اور اس نے اسے جائز قرار دیا ہو پس جب وہ معاف کر دے تو جائز ہو گا۔)

6. ﴿لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فاؤُا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾[2]

(ان لوگوں کے لیے جو اپنی عورتوں سے قسم کھا لیتے ہیں، چار مہینے انتظار کرنا ہے، پھر اگر وہ رجوع کر لیں تو بے شک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔)

((عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ الثَّانِي عليه‌السلام ، قَالَ : قُلْتُ لَهُ : جُعِلْتُ فِدَاكَ ، كَيْفَ صَارَتْ عِدَّةُ الْمُطَلَّقَةِ ثَلَاثَ حِيَضٍ أَوْ ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ ، وَصَارَتْ عِدَّةُ الْمُتَوَفّى عَنْهَا زَوْجُهَا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً؟ فَقَالَ : « أَمَّا عِدَّةُ الْمُطَلَّقَةِ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ، فَلِاسْتِبْرَاءِ الرَّحِمِ مِنَ الْوَلَدِ ؛ وَأَمَّا عِدَّةُ الْمُتَوَفّى عَنْهَا زَوْجُهَا ، فَإِنَّ اللهَ – عَزَّ وَجَلَّ – شَرَطَ لِلنِّسَاءِ شَرْطاً ، وَشَرَطَ عَلَيْهِنَّ شَرْطاً ، فَلَمْ يُحَابِهِنَّ فِيمَا شَرَطَ لَهُنَّ ، وَلَمْ يَجُرْ فِيمَا اشْتَرَطَ عَلَيْهِنَّ ؛ أَمَّا مَا شَرَطَ لَهُنَّ فِي الْإِيلَاءِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ ، إِذْ يَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ﴾ فَلَمْ يُجَوِّزْ لِأَحَدٍ أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فِي الْإِيلَاءِ ؛ لِعِلْمِهِ – تَبَارَكَ وَتَعَالى – أَنَّهُ غَايَةُ صَبْرِ الْمَرْأَةِ مِنَ الرَّجُلِ. وَأَمَّا مَا شَرَطَ عَلَيْهِنَّ ، فَإِنَّهُ أَمَرَهَا أَنْ تَعْتَدَّ إِذَا مَاتَ عَنْهَا زَوْجُهَا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً ، فَأَخَذَ مِنْهَا لَهُ عِنْدَ مَوْتِهِ مَا أَخَذَ مِنْهُ لَهَا فِي حَيَاتِهِ عِنْدَ إِيلَائِهِ ، قَالَ اللهُ تَبَارَكَ

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الطلاق، بَابُ مَا لِلْمُطَلَّقَةِ الَّتِي لَمْ يُدْخَلْ بِهَا مِنَ الصَّدَاقِ، باب40، حدیث10833 /2-

2 البقرہ:226

وَتَعَالَى : ﴿يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً﴾ وَلَمْ يَذْكُرِ الْعَشَرَةَ الْأَيَّامِ فِي الْعِدَّةِ إِلَّا مَعَ الْأَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ، وَعَلِمَ أَنَّ غَايَةَ صَبْرِ الْمَرْأَةِ الْأَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ فِي تَرْكِ الْجِمَاعِ ، فَمِنْ ثَمَّ أَوْجَبَهُ عَلَيْهَا وَلَهَا».))(1)

(ابو جعفر ثانی علیہ السلام سے عرض کی آپ علیہ السلام پر قربان جاؤں مطلقہ کی عدت ین حیض یا تین ماہ جبکہ اس کا شوہر فوت ہو جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن کیسے ہو گئی؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا مطلقہ کی عدت تین قروٴ بچے سے رحم کے استبراء کے لیے ہے اور جس کا شوہر فوت ہو جائے اس کی عدت اللہ عزوجل نے مردوں کے لیے اس شرط رکھی اور عورتوں پر بھی ایک شرط رکھی ہے پس مرد اس کے مطابق خود کو اس عورت سے نہیں روک سکتا اور نہ ظلم کر سکتا ہے کیونکہ ان پر ان سے ایلاء میں چار مہینے شرط کئے گئے ہیں کیونکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھائیں وہ چار مہینے صبر کریں پس کسی کے لیے جائز قرار نہیں دیا کہ وہ قسم میں چار ماہ سے زیادہ تاخیر کریں کیونکہ اللہ تبارک تعالیٰ کو علم سے کہ وہ عورت کی مرد سے صبر کرنے کی انتہا ہے اور جو عورتوں پر شرط کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ وہ عدت رکھے جب اس کا شوہر مر جائے چار مہینے دس دن اور اللہ نے اس سے مرد کے لیے اس کی موت کے وقت وہ لیا جو مرد سے اس کے لیے اس کی زندگی میں لیا تھا اس کے ایلاء کے وقت اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے اپنے آپ کو چار مہینے دس دن روکیں اور اللہ تعالیٰ نے دس دنوں کا ذکر نہیں کیا مگر چار مہینوں کے ساتھ اور جانا گیا کہ عورت کے صبر کی انتہا چار ماہ ہے ترک جماع میں پس اسی وجہ سے اس عورت پر اور اس عورت کے لیے واجب کیا۔)

7. ﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوفٍ وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَى﴾(2)

(انھیں وہاں سے رہائش دو جہاں تم رہتے ہو، اپنی طاقت کے مطابق اور انھیں اس لیے تکلیف نہ دو کہ ان پر تنگی کرو اور اگر وہ حمل والی ہوں تو ان پر خرچ کرو، یہاں تک کہ وہ اپنا حمل وضع کر لیں، پھر اگر وہ تمھارے لیے دودھ پلائیں تو انھیں ان کی اجرتیں دو اور آپس میں اچھے طریقے سے مشورہ کرو اور اگر تم آپس میں تنگی کرو تو عنقریب اسے کوئی اور عورت دودھ پلا دے گی۔)

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الطلاق، بَابُ عِلَّةِ اخْتِلَافِ عِدَّةِ الْمُطَلَّقَةِ وَعِدَّةِ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا، باب 44، حدیث 10870/1-

2 الطلاق:6

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام ، قَالَ : « لَا يُضَارَّ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِذَا طَلَّقَهَا ، فَيُضَيِّقَ عَلَيْهَا حَتّى تَنْتَقِلَ قَبْلَ أَنْ تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا ؛ فَإِنَّ اللهَ - عَزَّ وَجَلَّ - قَدْ نَهى عَنْ ذلِكَ ، فَقَالَ: ﴿ وَلا تُضارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ﴾.))(1)

(ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا! آدمی جب اپنی بیوی کو طلاق دے تو اسے کوئی ضرر نہ دے کہ اس پر تنگی کرے کہ وہ اپنی عدت ختم ہونے سے پہلے منتقل ہو جائے۔ اللہ عزو جل نے اس چیز سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے ﴿ وَلا تُضارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ) اور تم انہیں ضرر نہ دو کہ تم ان پر تنگی کرو۔)

8. ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾(2)

(اے نبی! تو کیوں حرام کرتا ہے جو اللہ نے تیرے لیے حلال کیا ہے؟ تو اپنی بیویوں کی خوشی چاہتا ہے، اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔)

((عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عليه‌السلام ، قَالَ : سَأَلْتُهُ عَنْ رَجُلٍ قَالَ لِامْرَأَتِهِ : أَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ؟ فَقَالَ لِي : « لَوْ كَانَ لِي عَلَيْهِ سُلْطَانٌ لَأَوْجَعْتُ رَأْسَهُ ، وَقُلْتُ لَهُ: اللهُ أَحَلَّهَا لَكَ ، فَمَا حَرَّمَهَا عَلَيْكَ؟ إِنَّهُ لَمْ يَزِدْ عَلى أَنْ كَذَبَ، فَزَعَمَ أَنَّ مَا أَحَلَّ اللهُ لَهُ حَرَامٌ ، وَلَا يَدْخُلُ عَلَيْهِ طَلَاقٌ وَلَا كَفَّارَةٌ ». فَقُلْتُ: قَوْلُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿يا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ ما أَحَلَّ اللهُ لَكَ﴾ فَجَعَلَ فِيهِ الْكَفَّارَةَ؟ فَقَالَ : « إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْهِ جَارِيَتَهُ مَارِيَةَ ، وَحَلَفَ أَنْ لَايَقْرَبَهَا ، فَإِنَّمَا جَعَلَ عَلَيْهِ الْكَفَّارَةَ فِي الْحَلْفِ ، وَلَمْ يَجْعَلْ عَلَيْهِ فِي التَّحْرِيمِ ».))(3)

(ہمارے بہت سے اصحاب نے کھل بن زیاد سے اس نے ابن ابی نصر سے اس نے محمد بن سماعۃ سے اس نے زرارہ سے روایت کی ہے کہ میں نے ابو جعفر علیہ السلام سے سوال کیا اس شخص کے بارے میں کہ جو اپنی بیوی کو کہتا ہے، تو مجھ پر حرام ہے، تو آپ علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا! اگر میں اس پر با اختیار ہو جاؤں تو اس کا سر پھوڑوں، اور میں اس سے کہوں، اللہ تعالی نے اس عورت کو تیرے لیے حلال کیا ہے تو کس چیز نے اسے تم پر حرام کیا، وہ اضافہ نہیں کرتا مگر جھوٹ کا اور گمان کرتا ہے کہ جو اللہ نے اس پر حلال کیا ہے اس کے لیے حرام ہے اور اس پر نہ طلاق داخل ہو گی اور کفارہ ہو گا، میں نے عرض کی اللہ تعالی کے قول! اے نبی ﷺ آپ اسے حرام کیوں کرتے ہیں کہ جو اللہ تعالی نے آپ ﷺ کے لیے حلال کیا ہے۔" پس اس میں کفارہ قرار دیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا! بے شک

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الطلاق، بَابٌ فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ:﴿ وَلا تُضارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ﴾، باب 50، حدیث 10924/1-

2 التحریم:1

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الطلاق، بَابُ الرَّجُلِ يَقُولُ لِامْرَأَتِهِ هِيَ عَلَيْهِ حَرَامٌ، باب 59، حدیث 10973/1-

آپ ﷺ نے اپنے آپ پر اپنی لونڈی ماریہ سے اوری کا ارادہ کیا پس اللہ تعالی نے اس آیت سے کنارہ قرار دیا تحریم نے ان پر کفارہ قرار نہیں دیا۔)

9. ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا﴾[1]

(اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دے اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتی ہو تو آئو میں تمھیں کچھ سامان دے دوں اور تمھیں رخصت کر دوں، اچھے طریقے سے رخصت کرنا۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ علیه‌السلام ، قَالَ : سَأَلْتُهُ عَنْ رَجُلٍ خَيَّرَ امْرَأَتَهُ ، فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا ، بَانَتْ مِنْهُ؟ قَالَ : « لَا ، إِنَّمَا هذَا شَيْءٌ كَانَ لِرَسُولِ اللهِ صلی‌الله‌علیه‌وآله خَاصَّةً ، أُمِرَ بِذلِكَ ، فَفَعَلَ ، وَلَوِ اخْتَرْنَ أَنْفُسَهُنَّ لَطَلَّقَهُنَّ ، وَهُوَ قَوْلُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿ قُلْ لِأَزْواجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَياةَ الدُّنْيا وَزِينَتَها فَتَعالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَراحاً جَمِيلا﴾))[2]

(ابو عبد اللہ علیہ السلام سے سوال کیا اس شخص کے بارے میں کہ جو اپنی بیوی کو اختیار دیتا ہے تو وہ خود کو اختیار کرتی ہے اور اس سے علیحدہ ہو جاتی ہے ؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا! نہیں، یہ شئ فقط خاص ہے نبی کریم ﷺ کے ساتھ انہیں اس چیز کا حکم دیا گیا تو انہوں نے ایسا کیا اگر وہ خود کو اختیار کرتیں تو انہیں طلاق دے دیتے اور یہ اللہ تعالی کا قول ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیاوی زندگی اور اس کی زینت کی خواہش مند ہو تو آؤ میں تمہیں متاع دیتا ہوں اور تمہیں خوبصورت طریقے سے آزاد کرتا ہوں۔)

10. ﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾[3]

(اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے کسی قسم کی زیادتی یا بے رخی سے ڈرے تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں کسی طرح کی صلح کر لیں اور صلح بہتر ہے، اور تمام طبیعتوں میں حرص (حاضر) رکھی گئی ہے اور اگر تم نیکی کرو اور ڈرتے رہو تو بے شک اللہ اس سے جو تم کرتے ہو، ہمیشہ سے پورا باخبر ہے۔)

((عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي حَمْزَةَ ، قَالَ : سَأَلْتُ أَبَا الْحَسَنِ علیه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خافَتْ مِنْ بَعْلِها نُشُوزاً أَوْ إِعْراضاً﴾؟ فَقَالَ : « إِذَا كَانَ كَذلِكَ ، فَهَمَّ بِطَلَاقِهَا ، قَالَتْ لَهُ :

---

1 الاحزاب:28

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی ،کتاب الطلاق، بَابُ الْخِيَارِ، باب 61، حدیث 10982 /3-

3 النساء:128

أَمْسِكْنِي وَأَدَعَ لَكَ بَعْضَ مَا عَلَيْكَ ، وَأُحَلِّلَكَ مِنْ يَوْمِي وَلَيْلَتِي ، حَلَّ لَهُ ذلِكَ، وَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ».))[1]

(علی بن ابی حمزہ سے روایت کی ہے کہ میں نے ابو الحسن علیہ السلام سے اللہ تعالی کے قول﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خافَتْ مِنْ بَعْلِها نُشُوزاً أَوْ إِعْراضاً﴾(اگر بیوی کو اپنے شوہر کی سرکشی یا منہ موڑنے کا خوف ہو) کے بارے میں پو چھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا! جب ایسا ہو کہ اس کا شوہر اس کی طلاق کا سوچتا ہے تو وہ عورت اس سے کہتی ہے مجھے اپنے پاس رکھو اور میں تم پر واجب الادا میں سے کچھ چھوڑتی ہوں اور میں اپنے دن اور رات میں سے کچھ کو تمہارے لیے ممکن بناتی ہوں اور وہ اس کو ممکن بناتی ہے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے۔)

11. ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا﴾[2]

(اور اگر ان دونوں کے درمیان مخالفت سے ڈرو تو ایک منصف مرد کے گھر والوں سے اور ایک منصف عورت کے گھر والوں سے مقرر کرو۔)

((عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي حَمْزَةَ ، قَالَ : سَأَلْتُ الْعَبْدَ الصَّالِحَ علیه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقاقَ بَيْنِهِما فَابْعَثُوا حَكَماً مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَماً مِنْ أَهْلِها﴾ فَقَالَ : « يَشْتَرِطُ الْحَكَمَانِ : إِنْ شَاءَا فَرَّقَا ، وَإِنْ شَاءَا جَمَعَا ، فَفَرَّقَا أَوْ جَمَعَا جَازَ ».))[3]

(علی بن ابی حمزہ سے روایت کی ہے کہ میں نے عبد صالح علیہ السلام سے سوال کیا، اللہ عز و جل کے قول اور اگر تمہیں خوف ہو ان دونوں کے درمیان جدائی کا تو تم مرد کے اہل خانہ میں سے اور عورت کے اہل خانہ میں سے ایک ایک حکم (فیصلہ کرنے والا) بھیجو (النساء:35) کے بارے میں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا! حکمین (دونوں فیصلہ کرنے والوں) کو چاہیے کہ شرط لگائیں کہ اگر ان دونوں نے چاہا تو جدا کر دیں گے اور اگر چاہا تو جمع کر دیں گے۔ پس وہ جدا کریں یا جمع کریں جائز ہو گا۔)

12. ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ﴾[4]

(اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس کوئی گواہ نہ ہوں مگر وہ خود ہی تو ان میں سے ہر ایک کی شہادت اللہ کی قسم کے ساتھ چار شہادتیں ہیں کہ بلاشبہ یقیناوہ سچوں سے ہے۔)

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی ،کتاب الطلاق، بَابُ النُّشُوزِ ،باب66، حدیث11019/1-

2 النساء:35

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی ،کتاب الطلاق، بَابُ الْحَكَمَيْنِ وَالشِّقَاقِ ،باب67، حدیث11022/1-

4 النور:6

((عَنْ زُرَارَةَ ، قَالَ :سُئِلَ أَبُو عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْواجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَداءُ إِلّا أَنْفُسُهُمْ) ؟ قَالَ : « هُوَ الْقَاذِفُ الَّذِي يَقْذِفُ امْرَأَتَهُ ، فَإِذَا قَذَفَهَا ، ثُمَّ أَقَرَّ أَنَّهُ كَذَبَ عَلَيْهَا ، جُلِدَ الْحَدَّ ، وَرُدَّتْ إِلَيْهِ امْرَأَتُهُ ، وَإِنْ أَبى إِلَّا أَنْ يَمْضِيَ ، فَيَشْهَدُ عَلَيْهَا ﴿أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصّادِقِينَ﴾ وَالْخَامِسَةُ يَلْعَنُ فِيهَا نَفْسَهُ ﴿إِنْ كانَ مِنَ الْكاذِبِينَ﴾ فَإِنْ أَرَادَتْ أَنْ تَدْفَعَ عَنْ نَفْسِهَا الْعَذَابَ ﴿ والعذاب﴾ هُوَ الرَّجْمُ ، شَهِدَتْ ﴿ أَرْبَعَ شَهاداتٍ بِاللهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكاذِبِينَ * وَالْخامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللهِ عَلَيْها إِنْ كانَ مِنَ الصّادِقِينَ ﴾ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ رُجِمَتْ ، وَإِنْ فَعَلَتْ دَرَأَتْ عَنْ نَفْسِهَا الْحَدَّ ، ثُمَّ لَاتَحِلُّ لَهُ إِلى يَوْمِ الْقِيَامَةِ »))[1]

(ابو عبد اللہ علیہ السلام سے سوال کیا گیا اللہ عزو جل کے قول "وہ کہ جو اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس بغیر اپنی ذات کے کوئی گواہ نہ ہوں" کے بارے میں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا! وہ زنا کی تہمت لگانے والا ہے کہ جو اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے، پس جب وہ اس پر زنا کی تہمت لگائے اور پھر اقرار کرے کہ اس نے اس پر جھوٹ باندھا تھا تو اس کو حد کے مطابق کوڑے لگائیں جائیں گے اور اس کو اس کی بیوی پلٹا دی جائے گی اور اگر وہ انکار کرے یہاں تک کہ وہ اس کا امضاء کرے تو اس پر اللہ کے نام کے ساتھ چار گواہیاں دے گا کہ وہ سچوں میں سے ہے اور پانچویں گواہی میں اپنی جان پر لعنت کرے گا کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو پس اگر وہ عورت چاہے کہ خود سے عذاب کو ٹالے اور عذاب رحم ہے تو اللہ تعالیٰ کے نام کی چار گواہیاں دے کہ وہ شخص جھوٹا ہے اور پانچویں یہ کہ اللہ اس عورت پر غضب ڈھائے کہ اگر وہ شخص سچوں میں سے ہو تو، پس اگر وہ عورت ایسا نہ کرے تو اس کو رحم کیا جائے گا اور اگر وہ ایسا کرے تو اس نے اپنی جان سے حد کو ٹال دیا پھر وہ عورت اس شخص کے لیے قیامت تک حلال نہ ہو گی ۔)

13. ﴿عَبْدًا مَمْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ ﴾[2]

(ایک غلام ہے جو کسی کی ملکیت ہے، کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا۔)

((عَنْ لَيْثٍ الْمُرَادِيِّ ، قَالَ :سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنِ الْعَبْدِ : هَلْ يَجُوزُ طَلَاقُهُ؟ فَقَالَ : « إِنْ كَانَتْ أَمَتَكَ فَلَا ؛ إِنَّ اللهَ – عَزَّ وَجَلَّ – يَقُولُ : ﴿عَبْداً مَمْلُوكاً لا يَقْدِرُ عَلى شَيْءٍ ﴾وَإِنْ كَانَتْ أَمَةَ قَوْمٍ آخَرِينَ ، أَوْ حُرَّةً ، جَازَ طَلَاقُهُ ».))[3]

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الطلاق، بَابُ اللِّعَانِ ، باب74، حدیث11078/3-

2 النحل:6

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب الطلاق، بَابُ طَلَاقِ الْعَبْدِ إِذَا تَزَوَّجَ بِإِذْنِ مَوْلَاهُ ، باب76، حدیث11103/2-

(لیث مرادی سے روایت کی ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے سوال کیا غلام کے بارے میں کیا اس کی طلاق جائز ہے ؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا! اگر کنیز بھی تیری ہے تو پھر نہیں، اللہ عزو جل فرماتا ہے، مملوک غلام کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا۔ اور اگر کسی اور قوم کی کنیز ہے یا آزاد عورت ہے تو اس کی طلاق جائز ہے۔)

خلاصہ کلام

امام بخاری نے اس سے پہلے رشتہ نکاح قائم کرنے اور پھر اسے باقی رکھنے کے لئے جو قانونی، اخلاقی اور شرعی ہدایات تھیں انہیں بیان کیا تھا چونکہ وجود کے اعتبار سے نکاح، طلاق سے پہلے ہوتا ہے اس لئے امام بخاریؒ نے احکام و مسائل کے بیان کو بھی اسی اعتبار سے ملحوظ رکھا ہے اس لئے اب طلاق کے متعلق شرعی ہدایات بیان کی جائیں گی۔

یہی اسلوب امام کلینیؒ کا بھی ہے ،انہوں نے بھی پہلے کتاب النکاح کو قائم کیا، اور اس کے مسائل بیان کرنے کے بعد کتاب الطلاق کو قائم کیا ہے۔

طلاق کے لغوی معنی بندھن کھولنا ہیں اور شرعی اصطلاح میں اس گرہ اور بندھن (عقد) کے کھول دینے کو طلاق کہتے ہیں جو نکاح کے ذریعے لگائی گئی تھی۔ یہ دور جاہلیت کی اصطلاح ہے جسے اسلام نے بھی باقی رکھا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ کبھی طلاق ناجائز ہوتی ہے جیسے دوران حیض میں طلاق دی جائے یا بیک وقت تینوں طلاقیں دے دی جائیں اور کبھی مکروہ جو بلا سبب محض شہوت رانی اور نئی دلہن کی ہوس میں ہو جبکہ حالات بھی سازگار ہوں بعض اوقات طلاق واجب ہوتی ہے جب بیوی اور خاوند کے درمیان اس حد تک مخالفت ہو کہ کسی طرح بھی اتفاق ممکن نہ ہو اور فریقین کے نمائندے طلاق ہونے کو ہی مناسب خیال کریں۔ کبھی مستحب بھی ہوتی ہے جب عورت نیک چلن نہ ہو اور کبھی طلاق جواز کے درجے میں ہوتی ہے جب بیوی کی طرف دلی آمادگی نہ ہو اور خاوند اس کا خرچہ وغیرہ ناپسند اور اسے بے فائدہ خیال کرے۔[1]

زندگی کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس کا حل ہمارے دین میں موجود نہ ہو جبکہ باقی ادیان میں یہ خصوصیت نہیں پائی جاتی، چنانچہ یہودی مذہب میں خاوند کو صرف تحریری شکل میں طلاق دینے کا حق ہے۔ اس کے بغیر زبانی طلاق دینے کی اجازت نہیں ہے نیز طلاق کے بعد خاوند کو اپنی بیوی سے رجوع کرنے کی قطعاً اجازت نہیں۔ اس کے برعکس عیسائی اور ہندو مذہب میں انتہائی سنگین حالات میں بھی خاوند کو طلاق دینے کا حق نہیں جبکہ دین اسلام اس قسم کی افراط و تفریط سے بالا ہو کر ایک معتدل راستے کی نشاندہی کرتا ہے اگر ہم اعتدال پسندی کا مظاہرہ کریں تو زندگی کے کسی موڑ پر ہمیں پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ اس اعتدال کی تفصیل حسب ذیل ہے: اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے رشتے کو اپنی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا ہے پھر خاوند کو بیوی کے لئے اور بیوی کو خاوند کے لئے سکون و

---

1 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ج9، ص346-

اطمینان کا ذریعہ بنایا ہے اس طرح کہ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کے لئے طالب بھی ہیں اور مطلوب بھی اور دونوں میں اس قدر محبت رکھ دی ہے کہ وہ ایک دوسرے پر فدا ہونے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ اسی جذبہ فدائیت کا نتیجہ ہے کہ دونوں اپنے مقدس رشتے کو زندگی بھر نبھانے اور اسے برقرار رکھنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ اس رشتے کی خشت اول یہ ہے کہ نکاح سے پہلے اپنی بننے والی بیوی کو سرسری نظر سے دیکھنے کی اجازت دی گئی ہے تاکہ شکل وصورت کی ناپسندیدگی آئندہ اختلاف اور علیحدگی کا باعث نہ ہو۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک عورت کی طرف پیغام نکاح بھیجا تو نبی کریم ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا: ((اذْهَبْ فَانظُرْ إِلَيْهَا، فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا" فَفَعَلَ، فَتَزَوَّجَهَا، فَذَكَرَ مِنْ مُوَافَقَتِهَا)) [1] (تو نے اسے دیکھا ہے؟" میں نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: "اسے دیکھ لو اس طرح زیادہ توقع ہے کہ تم میں الفت پیدا ہو جائے۔)

نکاح کے بعد خاوند کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے حسن سلوک اور رواداری سے پیش آئے اور اس سے اچھا برتاؤ کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [2] (ان بیویوں کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا، وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ خُلُقًا)) [3] (اہل ایمان میں سب سے کامل وہ شخص ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اور تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں بہتر ہوں۔)

خاوند کو اس بات کا بھی پابند کیا گیا ہے کہ اپنی بیوی کی معمولی معمولی لغزشوں کو خاطر میں نہ لائے بلکہ اس کی اچھی خصلتوں کی وجہ سے اس کی کوتاہیوں کو نظر انداز کرتا رہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ [4] (اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز تمہیں ناگوار ہو مگر اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت بھلائی رکھ دی ہو۔)

---

1 ابن ماجہ، ابو عبد اللہ، محمد یزید، السنن، کتاب النکاح، بَابُ النَّظَرِ إِلَى الْمَرْأَةِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا، حدیث 1865 - علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت "صحیح" ہے۔

2 النساء: 19

3 ترمذی، ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، السنن، کتاب الرضاع، باب مَا جَاءَ فِي حَقِّ الْمَرْأَةِ عَلَى زَوْجِهَا، حدیث 1162 - علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت "صحیح" ہے۔

4 النساء: 19

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:((لاَ يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ)) [1](کوئی مومن اپنی مومنہ بیوی سے نفرت اور بغض نہ رکھے اگر اسے اس کی کوئی عادت ناپسند ہو گی تو ضروری کوئی دوسری پسند بھی ہو گی۔)

نبی کریم ﷺ نے خاوند کو عورت کی ایک فطری کمزوری سے بھی آگاہ کیا ہے تاکہ یہ جلد بازی میں کوئی ایسا اقدام نہ کر بیٹھے جس پر وہ آئندہ نادم و پریشان ہو، آپ نے فرمایا:((الْمَرْأَةُ كَالضِّلَعِ، إِنْ أَقَمْتَهَا كَسَرْتَهَا، وَإِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَفِيهَا عِوَجٌ)) [2](عورت پسلی کی طرح ہے اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اسے توڑ دو گے، اور اگر اس سے فائدہ اٹھانا چاہو تو اس ٹیڑھ کی موجودگی میں فائدہ اٹھاتے رہو۔)

صحیح مسلم میں ہے:((وَكَسْرُهَا طَلاَقُهَا)) [3](تو اسے توڑ دینا اسے طلاق دینا ہے۔)

خاوند اس بات کا بھی پابند ہے کہ اگر بیوی میں کوئی ناقابل برداشت چیز دیکھے تو طلاق دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ ممکن حد تک اصلاح احوال کی کوشش کرے جس کے تین قرآنی مراحل حسب ذیل ہیں: پہلا قدم یہ ہے کہ بیوی کو نرمی سے سمجھایا جائے اور اسے اس کے اختیار کئے ہوئے رویے کے انجام سے آگاہ کیا جائے تاکہ وہ محض اپنی بہتری اور مفاد کی خاطر گھر کی فضا کو خراب نہ کرے۔ اگر خاوند کے سمجھانے بجھانے کا اثر قبول نہیں کرتی تو خاوند اس سے الگ کسی دوسرے کمرے میں سونا شروع کر دے اور اس سے میل جول بند کر دے۔ اگر بیوی میں کچھ سمجھ بوجھ ہو گی تو وہ اس کی سرد جنگ کو برداشت نہیں کر سکے گی۔ اگر خاوند کے اس اقدام پر بیوی کو ہوش نہیں آتا تو پھر آخری حربے کے طور پر مارنے کی اجازت دی گئی ہے لیکن اس کے چند ایک شرائط حسب ذیل ہیں:((وَلَا تَضْرِبْ الْوَجْهَ، وَلَا تُقَبِّحْ)) [4](اس کے چہرے پر نہ مارا جائے۔ مارتے وقت اسے برا بھلا نہ کہا جائے اور گالی گلوچ نہ دی جائے۔)

نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا:((لَا تُؤْذِي امْرَأَةٌ زَوْجَهَا، إِلَّا قَالَتْ زَوْجَتُهُ: مِنَ الْحُورِ الْعِينِ لَا تُؤْذِيهِ قَاتَلَكِ اللَّهُ، فَإِنَّمَا هُوَ عِنْدَكِ دَخِيلٌ أَوْشَكَ أَنْ يُفَارِقَكِ إِلَيْنَا)) [5](جب بھی دنیا میں کوئی عورت اپنے خاوند کو تکلیف پہنچاتی ہے تو اس کی جنتی بیویوں میں سے ایک حور کہتی ہے: اللہ تجھے برباد کر دے! اسے تکلیف نہ دے یہ تو تیرے پاس مہمان ہے۔ عنقریب یہ تجھے چھوڑ کر ہمارے ہاں آ جائے گا۔)

---

1 قشیری، ابو الحسین، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب الرضاع، باب الْوَصِيَّةِ بِالنِّسَاءِ، حدیث: 3645(1469)-

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، النکاح، بَابُ الْمُدَارَاةِ مَعَ النِّسَاءِ، حدیث 5184-

3 قشیری، ابو الحسین، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب الرضاع، باب الْوَصِيَّةِ بِالنِّسَاءِ، حدیث: 3643(1468)-

4 ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، کتاب النکاح، باب فِي حَقِّ الْمَرْأَةِ عَلَى زَوْجِهَا، حدیث 2142- علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت "صحیح" ہے۔

5 ابن ماجہ، ابو عبد اللہ، محمد یزید، السنن، کتاب النکاح، بَابٌ فِي الْمَرْأَةِ تُؤْذِي زَوْجَهَا، حدیث 2014- علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت "صحیح" ہے۔

اگر میاں بیوی کے درمیان اختلاف انتہائی سنگین صورت اختیار کر جائے کہ مذکورہ تینوں مراحل کارگر ثابت نہ ہوں تو فریقین اپنے اپنے خاندان میں سے ثالث منتخب کریں جو پوری صورت حال سمجھ کر نیک نیتی سے اصلاح کی کوشش کریں اور بروقت مداخلت کر کے حالات پر کنٹرول کریں۔ اگر ان کی نیت بھلائی کی ہو گی تو اللہ تعالیٰ میاں بیوی میں موافقت کی ضرور کوئی راہ پیدا کرے گا۔ یہ ثالث میاں بیوی کی طرف سے ایک ایک، دو، دو اور تین تین بھی ہو سکتے ہیں۔ جو بات بھی میاں بیوی کو تسلیم ہو اختیار کی جا سکتی ہے۔

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا﴾[1] (اور اگر ان دونوں کے درمیان مخالفت سے ڈرو تو ایک منصف مرد کے گھر والوں سے اور ایک منصف عورت کے گھر والوں سے مقرر کرو، اگر وہ دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ دونوں کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا۔ بے شک اللہ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔)

اگر مذکورہ جملہ اقدامات سے حسن معاشرت کی کوئی صورت پیدا ہوتی نظر نہ آئے تو اسلام اس بات پر مجبور نہیں کرتا کہ ایک گھرانے میں ہر وقت کشیدگی کی فضا قائم رہے اور دونوں میاں بیوی کے لئے وہ گھر جہنم بنا رہے۔ اس سے بہتر ہے کہ وہ ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں خواہ مرد طلاق دے دے یا عورت خلع لے لے، پھر دونوں کا اللہ مالک ہے وہ ان کے لئے کوئی نہ کوئی متبادل صورت پیدا کر دے گا۔

﴿وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِنْ سَعَتِهِ وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا﴾[2] (اور اگر وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنی وسعت سے غنی کر دے گا اور اللہ ہمیشہ سے وسعت والا، کمال حکمت والا ہے۔)

لیکن مندرجہ ذیل امور کو پیش نظر رکھنا ہو گا: ایسے حالات میں اگرچہ طلاق دینا جائز ہے لیکن شریعت نے اسے ناپسند کیا ہے۔ طلاق دینے والے کو یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے زندگی بھر اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لئے صرف تین اختیارات دیئے ہیں وقفے وقفے سے دو مرتبہ طلاق دینے سے رجوع کا اختیار بھی اسے دیا گیا ہے اور تیسری طلاق ایک فیصلہ کن مرحلہ ہے اس کے بعد عام حالات میں رجوع کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔ طلاق دیتے وقت اسے دیکھنا ہو گا کہ اس کی بیوی بحالت حیض نہ ہو۔ شریعت نے اس حالت میں طلاق دینے سے منع کیا ہے تاکہ طلاق وقتی کراہت اور کسی عارضی ناگواری کی وجہ سے نہ ہو، نیز طلاق دیتے وقت اس بات کا بھی خیال رکھے کہ اس طہر میں بیوی سے ہم بستری بھی نہ کی ہو، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے

---

1 النساء:35

2 النساء:130

فرمایا تھا:((فَإِنْ بَدَا لَهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا، فَلْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا قَبْلَ أَنْ يَمَسَّهَا، فَتِلْكَ الْعِدَّةُ كَمَا أَمَرَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ)) [1](بیوی کو ایسے طہر میں طلاق دو جس میں اس سے ہم بستری نہ کی ہو۔)

حالت حمل میں بھی طلاق دی جاسکتی ہے ہمارے ہاں یہ بات غلط مشہور ہو چکی ہے کہ دوران حمل میں دی ہوئی طلاق نافذ نہیں ہوتی، حالانکہ نبی کریم ﷺ نے واضح طور پر فرمایا ہے: ((مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا، ثُمَّ لِيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا أَوْ حَامِلًا))[2](اسے حالت طہر یا حالت حمل میں طلاق دو، یہ طلاق جائز اور مباح ہے۔)

شریعت نے طلاق دینے کا اختیار خاوند کو دیا ہے عورت کو یہ حق نہیں دیا کہ وہ خود طلاق دے تاکہ کم عقلی کی بنا پر فطرتی جلد بازی میں کسی معمولی سی بات پر یہ اقدام نہ کر بیٹھے۔ اگر خاوند نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا عزم کر لیا ہے تو قرآن وحدیث کی ہدایات کے مطابق وہ صرف ایک طلاق دے، خواہ وہ تحریر کر کے دے یا زبانی کہے۔ اس کے بعد بیوی کو اس کے حال پر چھوڑ دے تاکہ سوچ بچار کے راستے بند نہ ہوں اور فریقین سنجیدگی اور متانت کے ساتھ اپنے آخری اقدام پر غور وفکر کر سکیں۔ ایسے حالات میں بیک وقت تین طلاقیں دینے سے شریعت نے انتہائی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں ایک آدمی نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے ڈالی تھیں تو آپ نے فرمایا:"میری موجودگی میں اللہ تعالیٰ کی کتاب سے کھیلا جا رہا ہے"۔ آپ اس قدر ناراض ہوئے کہ ایک آدمی آپ کا اظہار ناراضی دیکھ کر کہنے لگا: اللہ کے رسول! آپ مجھے اجازت دیں تاکہ میں اسے قتل کر دوں۔[3] تاہم ایسا اقدام کرنے سے ایک رجعی طلاق واقع ہو گی۔[4]

ایک طلاق دینے کے بعد رشتہ ازدواج ختم نہیں ہوتا بلکہ دوران عدت میں اگر میاں بیوی میں سے کوئی فوت ہو جائے تو انہیں ایک دوسرے کی وراثت میں باقاعدہ حصہ ملتا ہے۔ بہر حال خاوند کو شریعت نے ہدایت کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ﴾[5](انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں الا یہ کہ وہ کسی واضح برائی کی مرتکب ہوں۔)

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، حدیث 4908-

2 قشیری، ابو الحسین، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، كِتَاب الطَّلَاقِ، باب تَحْرِيمِ طَلَاقِ الْحَائِضِ بِغَيْرِ رِضَاهَا وَأَنَّهُ لَوْ خَالَفَ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَيُؤْمَرُ بِرَجْعَتِهَا، حدیث:3659(1471)-

3 نسائی، ابو عبد الرحمن، احمد بن شعیب، السنن، کتاب الطلاق، بَابُ : الثَّلَاثِ الْمَجْمُوعَةِ وَمَا فِيهِ مِنَ التَّغْلِيظِ، حدیث 3430- علامہ زبیر علی زئیؒ کے نزدیک یہ روایت "صحیح" ہے۔

4 ایضاً، بَابُ طَلَاقِ الثَّلَاثِ الْمُتَفَرِّقَةِ قَبْلَ الدُّخُولِ بِالزَّوْجَةِ، حدیث 3435- علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت "صحیح" ہے۔

5 الطلاق:1

طلاق کے بعد عورت نے عدت کے دن گزارنے ہیں جن کا شمار انتہائی ضروری ہے کیونکہ اس پر کئی ایک نازک اور قانونی مسائل کا انحصار ہے مختلف حالات کے پیش نظر عدت کے ایام میں مختلف ہیں جس کی تفصیل یہ ہے:

نکاح کے بعد اگر رخصتی عمل میں نہیں آئی تو ایسی عورت پر کوئی عدت نہیں ہے۔﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا﴾[1](اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو، پھر انھیں طلاق دے دو، اس سے پہلے کہ انھیں ہاتھ لگاؤ تو تمھارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں، جسے تم شمار کرو، سو انھیں سامان دو اور انھیں چھوڑ دو، اچھے طریقے سے چھوڑنا۔)

مطلقہ بیوی اگر حمل سے ہو تو اس کی عدت بچہ جنم دینے تک ہے۔﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾[2](اور جو حمل والی ہیں ان کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل وضع کر دیں۔)

اگر حمل کے بغیر حیض منقطع ہے یہ انقطاع بچپن، بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے ہو سکتا ہے تو ایسے حالات میں تین قمری مہینے عدت کے طور پر گزارنے ہوں گے اگر مہینوں کا شمار نہ ہو سکے تو 90 دن پورے کئے جائیں۔ اگر عورت کو ایام آتے ہوں تو تین حیض مکمل کرنا ہوں گے۔﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾[3](اور وہ عورتیں جنھیں طلاق دی گئی ہے اپنے آپ کو تین حیض تک انتظار میں رکھیں۔)

ایسی صورتحال کے پیش نظر تین ماہ یا نوے دن پورے کرنے کی ضرورت نہیں۔ دوران عدت میں خاوند کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کرے لیکن شرط یہ ہے کہ اسے بسانے اور آباد کرنے کی نیت ہو اسے روک کر مزید تکلیف پہنچانا مقصود نہ ہو۔

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا﴾[4](اور جب تم عورتوں کو طلاق دو، پس وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انھیں اچھے طریقے سے رکھ لو، یا انھیں اچھے طریقے سے چھوڑ دو اور انھیں تکلیف دینے کے لیے نہ روکے رکھو۔)

اس رجوع کے لئے کسی قسم کے کفارے کی ضرورت نہیں ہے اگر عدت گزر جائے تو بھی نئے سرے سے نکاح کر کے اپنا گھر آباد کیا جا سکتا ہے۔

---

1 الاحزاب:49

2 الطلاق:4

3 البقرة:228

4 البقرة:231

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [1] (اور جب تم عورتوں کو طلاق دو، پس وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انھیں اس سے نہ روکو کہ وہ اپنے خاوندوں سے نکاح کرلیں، جب وہ آپس میں اچھے طریقے سے راضی ہو جائیں۔)

لیکن اس نکاح کے لئے عورت کی رضامندی، سرپرست کی اجازت، حق مہر کی تعیین اور گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے نیز رجوع کا حق پہلی اور دوسری طلاق کے بعد ہے۔ اگر رجوع کا پروگرام نہ ہو تو عدت گزرنے کے بعد عورت خود بخود آزاد ہو جائے گی۔ اس کے لئے کسی مزید اقدام کی ضرورت نہیں ہے لیکن ایسے حالات میں اسے الزام تراشی یا بدتمیزی سے رخصت نہ کیا جائے بلکہ اس سلسلے میں اس کے جو حقوق ہیں انہیں فیاضی سے ادا کیا جائے۔ قرآن کریم نے ہدایت کی ہے کہ مطلقہ عورتوں کو بھی معروف طریقے سے کچھ دے کر رخصت کرو۔ ایسا کرنا اہل تقویٰ کے لئے ضروری ہے۔ ﴿وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾ [2] (اور ان عورتوں کے لیے جنھیں طلاق دی گئی ہے، کچھ نہ کچھ سامان دینا معروف طریقے سے (لازم) ہے، پرہیزگاروں پر یہ حق ہے۔)

اگر تیسری طلاق بھی دے دی جائے تو رشتہ ازدواج ہمیشہ کے لئے ٹوٹ جاتا ہے تاہم عورت کے لئے عدت گزارنا ضروری ہے لیکن عام حالات میں اس سے رجوع نہیں ہو سکے گا اب رجوع کی صرف ایک صورت ہے کہ وہ عورت کسی سازش کے طور پر نہیں بلکہ آباد ہونے کی نیت سے آگے کسی اور آدمی سے نکاح کرے اور وہ خاوند اس سے ہم بستری کے بعد اسے اپنی مرضی سے طلاق دے یا فوت ہو جائے تو عدت طلاق یا عدت وفات گزارنے کے بعد پہلے خاوند سے نکاح ہو سکتا ہے۔ ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا﴾ [3] (پھر اگر وہ اسے (تیسری) طلاق دے دے تو اس کے بعد وہ اس کے لیے حلال نہیں ہوگی، یہاں تک کہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے، پھر اگر وہ اسے طلاق دے دے تو (پہلے) دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ دونوں آپس میں رجوع کرلیں۔)

اگر عورت خاوند کی طرف سے بے اتفاقی کا شکار ہے اور وہ طلاق دے کر اسے فارغ بھی نہیں کرتا تو ایسی حالت میں عورت کو اختیار ہے کہ وہ بذریعہ عدالت اپنے خاوند سے علیحدگی اختیار کر سکتی ہے یا خود اس سے کوئی معاملہ طے کر کے طلاق حاصل کرلے جیسا کہ خلع میں ہوتا ہے۔

---

1 البقرۃ:232

2 البقرۃ:241

3 البقرۃ:230

فصل سوم:

حقوق والدین اور اولاد سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

تمہید

یہ کہا جاتا ہے کہ امید پر دنیا قائم ہے اور کسی ایک امید کے سہارے ہی بعض اوقات انسان ساری زندگی گزار لیتا ہے۔ بعینہ جب کوئی بچہ دنیا میں آتا ہے تو اس کے والدین کو بھی اس سے کئی امیدیں وابسطہ ہو جاتی ہیں مثلاً یہ کہ ہمارا بچہ بڑا ہو کر ہمارے بڑھاپے کا سہارا بنے گا ہمارے اخراجات کا بندو بست کرے گا، ہمیں سکون وراحت کا سامان مہیا کرے گا وغیرہ ۔ پھر انہی امیدوں کے سہارے وہ اس کے لیے بخوشی بے شمار تکالیف و مصائب برداشت کر جاتے ہیں مگر ذرہ بھر بھی اظہار تاسف نہیں کرتے۔ بچے کو بار بار دودھ پلانا' اس کے فضلات کو بار بار صاف کرنا اس کی ہر پکار پر لبیک کہتے ہوئے اسے سینے سے لگانا اور ان کاموں کے لیے دن کے ساتھ ساتھ رات بھی جاگ کر گزارنا یقینا کوئی معمولی کام نہیں، مگر ماں صرف امید کے سہارے ہی نہ صرف بچے کی طرف سے ان تمام تھکاوٹوں کو خندہ پیشانی سے قبول کرتی ہے بلکہ اس پر کمال صبر کا بھی مظاہرہ کرتی ہے۔ لیکن وہی بچہ جب بڑا ہوتا ہے تو والدین کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیتا ہے ان کی اطاعت کی بجائے اپنی خواہش اپنی بیوی اور اپنے دوستوں کی بات کو ترجیح دیتا ہے، والدین کا سہارا بنے کی بجائے انہیں اپنے اوپر بوجھ سمجھنے لگتا ہے اور بالآخر انہیں انہی کے گھر سے نکالنے کا ذریعہ بن جاتا ہے تو پھر والدین کے پاس سوائے آہوں سسکیوں، حزن و ملال سے بھرے آنسوؤں اور در بدر کی ٹھوکروں کے کچھ نہیں رہتا ان کی دنیا اُجڑ جاتی ہے اور ان کے پاس جینے کا کوئی مقصد نہیں رہتا، جس وجہ سے بعض تو خودکشی تک کر لیتے ہیں اور بعض اپنی باقی زندگی گھٹ گھٹ کر گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اگر بغور دیکھا جائے تو بچوں کی طرف سے اس ناروا سلوک کے ذمہ دار بچوں سے کہیں بڑھ کر خود والدین ہی ہوتے ہیں، کیونکہ انہوں نے بچوں سے توقعات تو بہت وابستہ کر رکھی ہوتی ہیں مگر انہیں وہ تربیت نہیں دی ہوتی کہ جس کے نتیجے میں وہ ان کی توقعات پر پورے اترتے۔

جب والدین بچوں کو اللہ اکبر لا الہ الا اللہ اور دیگر مسنون اذکار و تلاوت قرآن کی بجائے گندے گانے سنائیں گئے ان کے ہاتھوں میں قرآن کریم کی بجائے بے ہودہ فلمیں، فحش لٹریچر اور فضول کھیلوں کا سامان تھامیں گئے انہیں پیارے نبی محمد ﷺ کی تعلیمات کی بجائے غیر اسلامی و مغربی

تعلیمات دلائیں گے تو بچے بڑے ہو کر ڈاکٹر انجینئر سیاستدان اور وکیل وغیرہ تو بن جائیں گے مگر والدین کے فرمانبردار نہیں بن سکیں گے ۔ کیونکہ انہیں وہ تعلیم و تربیت ہی نہیں دی گئی جس میں حقوق اللہ کے بعد سب سے زیادہ حقوق الوالدین کی ادائیگی کا درس دیا گیا ہے، جس میں والدین کی رضامندی کو ہی اللہ تعالیٰ کی رضامندی قرار دیا گیا ہے، جس میں ماں کے قدموں تلے جنت اور باپ کو جنت کا بہترین دروازہ کہا گیا ہے اور وہ تعلیم و تربیت صرف دینی و اسلامی ہی ہے ۔ لہذا جو بھی والدین یہ چاہتے ہیں کہ ان کے بچے کل کو بڑے ہو کر ان کے بڑھاپے کا سہارا بنیں اور ان کی امیدوں اور توقعات پر پورے اتریں تو آج انہیں ان کی تربیت اسلامی تعلیمات کے مطابق کرنا ہوگی۔

مبحث اول:

صحیح بخاری کی والدین اور اولاد سے متعلق احادیث و آثار

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں کتاب الادب کو قائم کیا، اس میں حقوق اور آداب سے متعلق احادیث کو جمع کیا ہے۔ امام بخاریؒ نے اس میں "128" ابواب قائم کیے ہیں اور اس میں پہلا باب" بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿وَوَصَّيْنَا الإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ﴾ "ہے اور اس میں آخری باب" بَابُ إِذَا تَثَاوَبَ فَلْيَضَعْ يَدَهُ عَلَى فِيهِ" ہے۔ امام بخاریؒ نے اس میں "5970 سے 6226 تک" احادیث کو جمع کیا ہے۔ ذیل میں ہم صحیح بخاری کی والدین اور اولاد سے متعلق تفسیری احادیث و آثار کو پیش کر رہے ہیں:

1. ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا﴾[1]

(اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کی تاکید کی۔)

((سَأَلْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَىُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ قَالَ " الصَّلاَةُ عَلَى وَقْتِهَا ". قَالَ ثُمَّ أَىُّ قَالَ " ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ ". قَالَ ثُمَّ أَىّ قَالَ " الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ". قَالَ حَدَّثَنِي بِهِنَّ وَلَوِ اسْتَزَدْتُهُ لَزَادَنِي.))[2]

(عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا عمل سب سے زیادہ پسند ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وقت پر نماز پڑھنا۔ پوچھا کہ پھر کون سا؟ فرمایا کہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، پوچھا پھر کون سا؟ فرمایا کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے ان کاموں کے متعلق بیان کیا اور اگر میں اسی طرح سوال کرتا رہتا تو آپ جواب دیتے رہتے۔)

دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانا کھلانا بہترین عمل ہے یا محبوب عمل وہ ہے جس پر ہمیشگی کی جائے اگرچہ وہ قلیل ہو، روایات کا یہ اختلاف اوقات واحوال کے اختلاف یا حاضرین کے اعتبار سے ہے۔ اس حدیث میں والدین سے حسن سلوک کو جہاد فی سبیل اللہ پر مقدم کیا ہے کیونکہ جہاد والدین کی اجازت پر موقوف ہے، یعنی والدین سے حسن سلوک کا تقاضا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ بھی ان کی اجازت سے کیا جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے والدین کی اجازت کے بغیر جہاد میں شمولیت سے منع فرمایا ہے۔

---

1 الاحقاف:15

2 بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى ﴿وَوَصَّيْنَا الإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ﴾، حدیث 5970-

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو ـ رضى الله عنهما ـ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم " إِنَّ مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ أَنْ يَلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ ". قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَكَيْفَ يَلْعَنُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ قَالَ " يَسُبُّ الرَّجُلُ أَبَا الرَّجُلِ، فَيَسُبُّ أَبَاهُ، وَيَسُبُّ أُمَّهُ ".))[1]

(عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یقیناً سب سے بڑے گناہوں میں سے یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین پر لعنت بھیجے۔ پوچھا گیا یا نبی کریم (ﷺ)! کوئی شخص اپنے ہی والدین پر کیسے لعنت بھیجے گا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص دوسرے کے باپ کو برا بھلا کہے گا تو دوسرا بھی اس کے باپ کو اور اس کی ماں کو برا بھلا کہے گا۔)

نبی کریم ﷺ نے والدین کی نافرمانی کو اکبر الکبائر" قرار دیا ہے۔ والدین کو گالی دینا بھی نافرمانی ہی کی ایک قسم ہے اگرچہ معاشرے میں والدین کو گالی دینا بعید از عقل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سائل نے از راہ تعجب نبی کریم سے پوچھا کہ کوئی شخص والدین کو بھی گالی دے سکتا ہے تو آپ نے فرمایا: ((يَسُبُّ الرَّجُلُ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ وَيَسُبُّ أُمَّهُ))[2] (کسی دوسرے کے والدین کو گالی دینا اپنے والدین ہی کو گالی دینا ہے۔) کیونکہ جوابی طور پر وہ اس کے والدین کو گالی دے گا، گویا اس نے خود اپنے والدین کو گالی دی ہے کیونکہ یہ اس برے کام کا سبب بنا ہے۔

2) اس سے معلوم ہوا کہ حرام فعل کا سبب بھی حرام ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾[3]

(اے مسلمانو! یہ لوگ اللہ کے سوا جن کی پوجا کرتے ہیں تم انھیں گالیاں نہ دو ورنہ یہ لوگ جہالت کی وجہ سے چڑ کر اللہ تعالیٰ کو گالی دیں گے۔)

اس سے معلوم ہوا کہ والدین کو گالی دینے کا سبب بننا بہت بڑا جرم ہے تو جو بدبخت خود اپنے والدین کو لعن طعن کرے یا گالیاں دے وہ کس قدر سنگین جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔

امام بخاریؒ والدین کی نافرمانی پر ایک اور روایت پیش کرتے ہیں: ((عَنِ الْمُغِيرَةِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ " إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الأُمَّهَاتِ، وَمَنْعَ وَهَاتِ، وَوَأْدَ الْبَنَاتِ، وَكَرِهَ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ ".))[4] (حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ نے تم پر ماں کی نافرمانی حرام قرار دی ہے اور (والدین کے حقوق) نہ دینا اور ناحق ان سے مطالبات کرنا بھی حرام قرار دیا ہے،

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب الادب، باب لاَ يَسُبُّ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ، حدیث 5973۔

2 ایضاً، بَابُ عُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ مِنَ الْكَبَائِرِ، حدیث 5976۔

3 الانعام: 108

4 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب الادب، باب عُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ مِنَ الْكَبَائِرِ، حدیث 5975۔

لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا (بھی حرام قرار دیا ہے) اور قیل و قال (فضول باتیں) کثرت سوال اور مال کی بربادی کو بھی ناپسند کیا ہے۔)

ایک روایت میں ہے:((أَلاَ أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ ". قُلْنَا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ " الإِشْرَاكُ بِاللَّهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ".وَكَانَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ فَقَالَ " أَلاَ وَقَوْلُ الزُّورِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ، أَلاَ وَقَوْلُ الزُّورِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ ". فَمَا زَالَ يَقُولُهَا حَتَّى قُلْتُ لاَ يَسْكُتُ.))[1](کیا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟ ہم نے عرض کیا ضرور بتائیے یا نبی کریم! آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔ آنحضرت ﷺ اس وقت ٹیک لگائے ہوئے تھے اب آپ سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا آگاہ ہو جاؤ جھوٹی بات بھی اور جھوٹی گواہی بھی (سب سے بڑے گناہ ہیں) آگاہ ہو جاؤ جھوٹی بات بھی اور جھوٹی گواہی بھی۔ آنحضرت ﷺ اسے مسلسل دہراتے رہے اور میں نے سوچا کہ آنحضرت ﷺ خاموش نہیں ہوں گے۔)

امام بخاری مزید روایت پیش کرتے ہیں:((ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم الْكَبَائِرَ، أَوْ سُئِلَ عَنِ الْكَبَائِرِ فَقَالَ " الشِّرْكُ بِاللَّهِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ ". فَقَالَ " أَلاَ أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ . قَالَ . قَوْلُ الزُّورِ . أَوْ قَالَ . شَهَادَةُ الزُّورِ ". قَالَ شُعْبَةُ وَأَكْثَرُ ظَنِّي أَنَّهُ قَالَ " شَهَادَةُ الزُّورِ ".))[2](نبی کریم ﷺ نے کبائر کا ذکر کیا یا (انہوں نے کہا کہ) آنحضرت ﷺ سے کبائر کے متعلق پوچھا گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، کسی کی (ناحق) جان لینا، والدین کی نافرمانی کرنا پھر فرمایا کیا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ نہ بتادوں؟ فرمایا کہ جھوٹی بات فرمایا کہ جھوٹی شہادت (سب سے بڑا گناہ ہے) شعبہ نے بیان کیا کہ میرا غالب گمان یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جھوٹی گواہی فرمایا تھا۔)

نبی کریم ﷺ نے مختلف حالات و اشخاص کے پیش نظر مختلف گناہوں کو اکبر الکبائر قرار دیا ہے۔ مذکورہ احادیث میں والدین کی نافرمانی کو بھی بہت بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ چونکہ والدین ظاہری صورت کے اعتبار سے بیٹے کے موجد ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے ساتھ والدین کے حق کو بھی بیان کیا ہے اور ان کی حق تلفی کو اپنی حق تلفی کی طرح بڑا گناہ کہا ہے۔

والدہ نے بچے کی پرورش میں زیادہ تکلیف اور مشقت برداشت کی ہوتی ہے اور وہ نرم دل ہونے کی وجہ سے اپنی اولاد پر زور نہیں دے سکتی، اس لیے خصوصیت کے ساتھ اس کی نافرمانی سے منع فرمایا۔ ہمارے ہاں کچھ لوگ نقد رقم دے کر سمجھ لیتے ہیں کہ والدین کا حق ادا ہو گیا، یہ درست نہیں۔ اگر ان سے دور رہتا ہے تو فون پر ان سے رابطہ

---

1 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب الادب، باب عُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ مِنَ الْكَبَائِرِ، حدیث 5976-

2 ایضاً، حدیث 5977-

رکھنا، ان کی خیریت دریافت کرتے رہنا، ان سے ملاقات کے لیے جانا، ان کے ساتھ کچھ وقت گزارنا، اپنے معاملات میں ان سے مشورہ لینا، انھیں خوش رکھنے کی کوشش کرنا یہ والدین کی جذباتی اور نفسیاتی ضروریات ہیں جن کا پورا کرنا جسمانی ضروریات سے زیادہ اہم ہے۔

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے بچے کے لیے اس کے والدین کو جنت یا جہنم قرار دیا ہے۔

((عَنْ أَبِي أُمَامَةَ , أَنَّ رَجُلًا , قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ , مَا حَقُّ الْوَالِدَيْنِ عَلَى وَلَدِهِمَا؟ قَالَ: هُمَا جَنَّتُكَ وَنَارُكَ))[1] (ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: اللہ کے رسول! والدین کا حق ان کی اولاد پر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہی دونوں تیری جنت اور جہنم ہیں)

نیز فرمایا: ((الْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَإِنْ شِئْتَ فَأَضِعْ ذَلِكَ الْبَابَ أَوِ احْفَظْهُ))[2] (باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے چاہے اس دروازے کو ضائع کر لو چاہے اسے محفوظ رکھ لو۔) اسے ضائع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم اس کی نافرمانی کرو گے تو تمھارے لیے جنت کا دروازہ نہیں کھلے گا، اس طرح جنت کا دروازہ کھو بیٹھو گے۔

2. ﴿لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ﴾[3]

(اللہ تمھیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جنھوں نے نہ تم سے دین کے بارے میں جنگ کی۔)

((أَسْمَاءُ ابْنَةُ أَبِي بَكْرٍ . رضى الله عنهما . قَالَتْ أَتَتْنِي أُمِّي رَاغِبَةً فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم آصِلُهَا قَالَ " نَعَمْ ". قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى فِيهَا ﴿لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ﴾))[4]

(اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ میری والدہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں میرے پاس آئیں، وہ اسلام سے منکر تھیں۔ میں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کیا میں اس کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہوں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں۔ اس کے بعد اللہ تعالی نے یہ آیت نازل کی: ﴿لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ﴾ (اللہ پاک تم کو ان لوگوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے ہمارے دین کے متعلق کوئی لڑائی جھگڑا نہیں کرتے۔)

---

1 ابن ماجہ، ابو عبد اللہ، محمد بن یزید، السنن، کتاب الادب، بَابُ بِرِّ الْوَالِدَيْنِ، حدیث 3662-

2 ترمذی، ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، السنن، كتاب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب مَا جَاءَ مِنَ الْفَضْلِ فِي رِضَا الْوَالِدَيْنِ، حدیث 1899- علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت "صحیح" ہے۔

3 الممتحنہ: 9

4 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ صِلَةِ الْوَالِدِ الْمُشْرِكِ، حدیث 5978-

والدین کے اولاد پر دو حق ہیں: ایک اطاعت اور دوسرا حسن سلوک۔ اگر والدین شرک یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اولاد کو مجبور کریں تو ان کی اطاعت کا حق ختم ہو جاتا ہے لیکن حسن سلوک کا حق پھر بھی برقرار رہتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾(1)(اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور دیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک کرے جس کا تجھے کوئی علم نہیں تو ان کا کہنا مت مان اور دنیا میں اچھے طریقے سے ان کے ساتھ رہ اور اس شخص کے راستے پر چل جو میری طرف رجوع کرتا ہے، پھر میری ہی طرف تمھیں لوٹ کر آنا ہے، تو میں تمھیں بتاؤں گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔)

حدیث میں ذکر کردہ آیت کریمہ غیر حربی کفار سے تعلقات رکھنے کے متعلق ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے کہ اگر کافر، مسلمانوں کے ساتھ برسرپیکار نہیں۔ تو اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ بہرحال والدین اگر مشرک ہوں تو صلہ رحمی کا حق ختم نہیں ہوتا۔

ایک اور روایت میں ہے:((عَنْ أَسْمَاءَ، قَالَتْ قَدِمَتْ أُمِّي وَهْىَ مُشْرِكَةٌ فِي عَهْدِ قُرَيْشٍ وَمُدَّتِهِمْ، إِذْ عَاهَدُوا النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم مَعَ أَبِيهَا، فَاسْتَفْتَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقُلْتُ إِنَّ أُمِّي قَدِمَتْ وَهْىَ رَاغِبَةٌ ﴿أَفَأَصِلُهَا﴾ قَالَ " نَعَمْ صِلِي أُمَّكِ ".))(2)(حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میری والدہ مشرکہ تھیں وہ نبی کریم ﷺ کے قریش کے ساتھ صلح کے زمانہ میں اپنے والد کے ساتھ (مدینہ منورہ) آئیں۔ میں نے آنحضرت ﷺ سے ان کے متعلق پوچھا کہ میری والدہ آئی ہیں اور وہ اسلام سے الگ ہیں (کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہوں؟) آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ ہاں اپنے والدہ کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا شادی شدہ خاتون تھیں، ان کی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے شادی ہو چکی تھی۔

حافظ ابن حجرؒ نے لکھتے ہیں:

" مِنْ حَدِيثِ أَسْمَاءَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَاحَ لِأَسْمَاءَ أَنْ تَصِلَ أُمَّهَا وَلَمْ يَشْتَرِطْ فِي ذَلِكَ مُشَاوَرَةَ زَوْجِهَا "(3)

(نبی کریم ﷺ نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو اپنی ماں سے صلہ رحمی کرنے کی اجازت دی اور اس سلسلہ میں ان کے خاوند سے مشورہ کرنے کا حکم نہیں دیا۔)

---

1 لقمان:15

2 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب صِلَةِ الْمَرْأَةِ أُمَّهَا وَلَهَا زَوْجٌ، حدیث 5979-

3 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ج10، ص413-

لہذا اپنی ماں سے صلہ رحمی کرنے کے سلسلے میں خاوند سے مشورہ لینے کی ضرورت نہیں، عورت کو اپنی ماں سے صلہ رحمی کرنی چاہیے۔ شادی کے بعد بھی اس کا فرض اور ماں کا حق خدمت ختم نہیں ہوتا، البتہ حقوق کے ٹکراؤ کی صورت میں خاوند کا حق فائق ہوگا۔

3. ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾[1]

(اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں تاکیدی حکم دیتا ہے، مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر حصہ ہے، پھر اگر وہ دو سے زیادہ عورتیں (ہی) ہوں، تو ان کے لیے اس کا دو تہائی ہے جو اس نے چھوڑا اور اگر ایک عورت ہو تو اس کے لیے نصف ہے۔ اور اس کے ماں باپ کے لیے، ان میں سے ہر ایک کے لیے اس کا چھٹا حصہ ہے، جو اس نے چھوڑا، اگر اس کی کوئی اولاد ہو۔ پھر اگر اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث ماں باپ ہی ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے، پھر اگر اس کے (ایک سے زیادہ) بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے، اس وصیت کے بعد جو وہ کر جائے، یا قرض (کے بعد)۔ تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے تم نہیں جانتے ان میں سے کون فائدہ پہنچانے میں تم سے زیادہ قریب ہے، یہ اللہ کی طرف سے مقرر شدہ حصے ہیں، بے شک اللہ ہمیشہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔)

((جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ . رضى الله عنهما . يَقُولُ مَرِضْتُ فَعَادَنِي رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَأَبُو بَكْرٍ وَهُمَا مَاشِيَانِ، فَأَتَانِي وَقَدْ أُغْمِيَ عَلَيَّ فَتَوَضَّأَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَصَبَّ عَلَيَّ وَضُوءَهُ فَأَفَقْتُ. فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ أَصْنَعُ فِي مَالِي، كَيْفَ أَقْضِي فِي مَالِي فَلَمْ يُجِبْنِي بِشَيْءٍ حَتَّى نَزَلَتْ آيَةُ الْمَوَارِيثِ.))[2]

---

1 النساء:11

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب الفرائض، بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ﴾، حدیث 6723-

(جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ میں بیمار پڑا تو حضرت رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ میری عیادت کے لئے تشریف لائے، دونوں حضرات پیدل چل کر آئے تھے۔ دونوں حضرات جب آئے تو مجھ پر غشی طاری تھی، آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے وضو کیا اور وضو کا پانی میرے اوپر چھڑکا مجھے ہوش ہوا تو میں نے عرض کیا یا نبی کریم! اپنے مال کی (تقسیم) کس طرح کروں؟ یا اپنے مال کا کس طرح فیصلہ کروں؟ آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ میراث کی آیتیں نازل ہوئیں۔)

صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں ہے:((عَنْ جَابِرٍ . رضى الله عنه . قَالَ عَادَنِي النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَأَبُو بَكْرٍ فِي بَنِي سَلِمَةَ مَاشِيَيْنِ فَوَجَدَنِي النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لاَ أَعْقِلُ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهُ، ثُمَّ رَشَّ عَلَيَّ، فَأَفَقْتُ فَقُلْتُ مَا تَأْمُرُنِي أَنْ أَصْنَعَ فِي مَالِي يَا رَسُولَ اللَّهِ فَنَزَلَتْ ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلاَدِكُمْ﴾))[1](جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ قبیلہ بنو سلمہ تک پیدل چل کر میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مجھ پر بے ہوشی طاری ہے، اس لیے آپ نے پانی منگوایا اور وضو کر کے اس کا پانی مجھ پر چھڑکا، میں ہوش میں آگیا، پھر میں نے عرض کیا: یا نبی کریم! آپ کا کیا حکم ہے، میں اپنے مال کا کیا کروں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلاَدِكُمْ﴾ کہ (اللہ تمہیں تمہاری اولاد (کی میراث) کے بارے میں حکم دیتا ہے۔)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ آیت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی جبکہ ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ سے ہے، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ جَاءَتِ امْرَأَةُ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ بِابْنَتَيْهَا مِنْ سَعْدٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَاتَانِ ابْنَتَا سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ قُتِلَ أَبُوهُمَا مَعَكَ يَوْمَ أُحُدٍ شَهِيدًا وَإِنَّ عَمَّهُمَا أَخَذَ مَالَهُمَا فَلَمْ يَدَعْ لَهُمَا مَالاً وَلاَ تُنْكَحَانِ إِلاَّ وَلَهُمَا مَالٌ . قَالَ " يَقْضِي اللَّهُ فِي ذَلِكَ " . فَنَزَلَتْ آيَةُ الْمِيرَاثِ فَبَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم إِلَى عَمِّهِمَا فَقَالَ " أَعْطِ ابْنَتَيْ سَعْدٍ الثُّلُثَيْنِ وَأَعْطِ أُمَّهُمَا الثُّمُنَ وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَكَ "))[2](حضرت جابر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیوی، اپنی دو بیٹیوں کے ہمراہ رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی: اللہ کے رسول! یہ دونوں سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیٹیاں ہیں اور وہ آپ کے ہمراہ جنگ اُحد میں لڑتے لڑتے شہید ہو گئے ہیں، اب ان کا چچا تر کے پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس کے متعلق ضرور فیصلہ کرے گا۔

---

1 بخاری، ابوعبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر القرآن، باب ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ﴾، حدیث 4577-

2 ترمذی، ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، السنن، کتاب الفرائض عن نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم، باب مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ الْبَنَاتِ، حدیث 2092- علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت "حسن" ہے۔

تب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو نبی کریم ﷺ نے ان (لڑکیوں) کے چچا کے پاس یہ حکم بھیجا کہ سعد کی دونوں بیٹیوں کو مال کا دو تہائی حصہ دے دو اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ، اور جو بچے وہ تمہارا ہے۔)

ان دونوں روایات میں تطبیق کی یہ صورت ممکن ہے کہ مذکورہ آیت دونوں واقعات سے متعلق ہے۔ اس کا پہلا حصہ حضرت سعد بن ربیع اللہ سے متعلق ہے اور دوسرا حصہ جس میں کلالہ کی وراثت کا ذکر ہے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کلالہ تھے اور آیت کلالہ ﴿وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً﴾ ہے جو آیت میراث کے آخر میں ہے۔[1]

4. ﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ﴾[2]

(اور تمھارے لیے اس کا نصف ہے جو تمھاری بیویاں چھوڑ جائیں، اگر ان کی کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر ان کی کوئی اولاد ہو تو تمھارے لیے اس میں سے چوتھا حصہ ہے، جو انھوں نے چھوڑا، اس وصیت کے بعد جو وہ کر جائیں، یا قرض (کے بعد)۔ اور ان کے لیے اس میں سے چوتھا حصہ ہے جو تم چھوڑ جاؤ، اگر تمھاری کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر تمھاری کوئی اولاد ہو تو ان کے لیے اس میں سے آٹھواں حصہ ہے جو تم نے چھوڑا، اس وصیت کے بعد جو تم کر جاؤ، یا قرض (کے بعد)۔ اور اگر کوئی مرد، جس کا ورثہ لیا جا رہا ہے، ایسا ہے جس کا نہ باپ ہو نہ اولاد، یا ایسی عورت ہے اور اس کا ایک بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے، پھر اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں حصے دار ہیں، اس وصیت کے بعد جو کی جائے، یا قرض (کے بعد)، اس طرح کہ کسی کا نقصان نہ کیا گیا ہو۔ اللہ کی طرف سے تاکیدی حکم ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا، نہایت بردبار ہے۔)

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ . رضی الله عنهما . قَالَ كَانَ الْمَالُ لِلْوَلَدِ، وَكَانَتِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ، فَنَسَخَ اللَّهُ مِنْ ذَلِكَ مَا أَحَبَّ، فَجَعَلَ لِلذَّكَرِ مِثْلَ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ، وَجَعَلَ لِلأَبَوَيْنِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسَ وَالثُّلُثَ، وَجَعَلَ لِلْمَرْأَةِ الثُّمُنَ وَالرُّبُعَ، وَلِلزَّوْجِ الشَّطْرَ وَالرُّبُعَ.))[3]

---

1 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ج8، ص244۔

2 النساء:12

3 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر القرآن، باب ﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ﴾، حدیث4578۔

(ابن عباس رضی اللہ عنہمانے بیان کیا کہ ابتداء اسلام میں میت کا سارا مال اولاد کو ملتا تھا، البتہ والدین کو وہ ملتا جو میت ان کے لیے وصیت کر جائے، پھر اللہ تعالیٰ نے جیسا مناسب سمجھا اس میں نسخ کر دیا۔ چنانچہ اب مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے اور میت کے والدین یعنی ان دونوں میں ہر ایک کے لیے اس مال کا چھٹا حصہ ہے۔ بشر طیکہ میت کے کوئی اولاد ہو، لیکن اگر اس کے کوئی اولاد نہ ہو، بلکہ اس کے والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا ایک تہائی حصہ ہو گا اور بیوی کا آٹھواں حصہ ہو گا، جبکہ اولاد ہو، لیکن اگر اولاد نہ ہو تو چوتھائی ہو گا اور شوہر کا آدھا حصہ ہو گا، جبکہ اولاد نہ ہو لیکن اگر اولاد ہو تو چوتھائی ہو گا۔)

اس حدیث میں دور جاہلیت اور ابتدائے اسلام والی تقسیم میراث کی صورت حال کو بیان کیا گیا ہے، چنانچہ ایک دوسری روایت میں ہے:((عَنِ ابن عَبَّاسٍ أَنَّهَا لَمَّا نَزَلَتْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنُعْطِي الْجَارِيَةَ الصَّغِيرَةَ نِصْفَ الْمِيرَاثِ وَهِيَ لَا تَرْكَبُ الْفَرَسَ وَلَا تُدَافِعُ الْعَدُوِّ قَالَ وَكَانُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ لَا يُعْطُونَ الْمِيرَاثَ إِلَّا لِمَنْ قَاتَلَ الْقَوْمَ))[1](حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب آیت میراث نازل ہوئی تو لوگوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا ہم چھوٹی لڑکی کو نصف میراث دے دیا کریں جبکہ نہ تو وہ گھوڑے پر سواری کر سکتی ہے اور نہ اس سے دشمن کا دفاع ہی ممکن ہے؟ بہر حال دور جاہلیت کا یہی دستور تھا کہ میراث صرف اسے دی جاتی جو میدان کارزار میں جنگ جو ہوتا۔)

اس میں نہایت اختصار کے ساتھ ورثاء کے حصے بیان کیے گئے ہیں کیونکہ والد کو ایک تہائی کسی صورت میں نہیں دیا جاتا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک حالت میں والدین کو چھٹا چھٹا حصہ جبکہ میت کی اولاد ہو، اور ایک حالت میں ماں کو ایک تہائی ملتا ہے جب مرنے والے کی اولاد نہ ہو، اسی طرح بیوی کو آٹھواں حصہ اس صورت میں دیا جاتا ہے جب مرنے والے خاوند کی اولاد ہو، اگر اولاد نہ ہو تو بیوی کو چوتھا حصہ دیا جاتا ہے اور خاوند کو نصف، میت کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں ملتا ہے اور اگر میت کی اولاد ہو تو خاوند کو چوتھا حصہ ملتا ہے۔

5. ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا﴾[2]

(اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور نہ اس جان کو قتل کرتے ہیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو یہ کرے گا وہ سخت گناہ کو ملے گا۔)

1 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح البارى بشرح صحيح البخارى، ج8، ص244-

2 الفرقان:68

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ قَالَ " أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهْوَ خَلَقَكَ ". ثُمَّ قَالَ أَيُّ قَالَ " أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَأْكُلَ مَعَكَ ". قَالَ ثُمَّ أَيُّ قَالَ " أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ ". وَأَنْزَلَ اللَّهُ تَصْدِيقَ قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ﴿وَالَّذِينَ لاَ يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ﴾))[1]

(عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے کہا یا نبی کریم! کون سا گناہ سب سے بڑا ہے۔ فرمایا یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک بناؤ حالانکہ اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ انہوں نے کہا پھر اس کے بعد فرمایا یہ کہ تم اپنے لڑکے کو اس خوف سے قتل کرو کہ اگر زندہ رہا تو تمہاری روزی میں شریک ہوگا۔ انہوں نے کہا اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کی تائید میں یہ آیت ﴿وَالَّذِينَ لاَ يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ﴾ نازل کی کہ "اور وہ لوگ جو اللہ کے سوا کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور نہ وہ ناحق کسی کو قتل کرتے ہیں اور نہ وہ زنا کرتے ہیں۔)

صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں ہے: ((أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَبَائِرَ أَوْ سُئِلَ عَنِ الْكَبَائِرِ فَقَالَ:" الشِّرْكُ بِاللَّهِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، فَقَالَ: أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟ قَالَ: قَوْلُ الزُّورِ أَوْ قَالَ شَهَادَةُ الزُّورِ" قَالَ شُعْبَةُ: وَأَكْثَرُ ظَنِّي أَنَّهُ قَالَ: شَهَادَةُ الزُّورِ.))[2] (حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کبائر کا ذکر کیا یا نبی کریم ﷺ سے کبائر کے متعلق پوچھا گیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، کسی کی (ناحق) جان لینا، والدین کی نافرمانی کرنا پھر فرمایا کیا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ نہ بتادوں؟ فرمایا کہ جھوٹی بات یا فرمایا کہ جھوٹی شہادت (سب سے بڑا گناہ ہے) شعبہ نے بیان کیا کہ میرا غالب گمان یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جھوٹی گواہی فرمایا تھا۔)

اس حدیث میں بیان ہوا ہے کہ جھوٹ یا جھوٹی گواہی دینا اکبر الکبائر ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑا گناہ شرک ہے، اس کے بعد حالات و اشخاص کے اعتبار سے بڑے گناہ کا تعین کیا جائے گا، چنانچہ جھوٹ بولنا یا جھوٹی گواہی دینا زبان سے متعلق گناہوں میں بڑا ہے اور قتل ناحق عملی گناہوں میں بڑا گناہ ہے، پھر جن گناہوں کا لوگوں کے حقوق سے تعلق ہے ان میں ہمسائے کی بیوی سے زنا کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

بہر حال اپنے بچوں کو محدود وسائل کے پیش نظر قتل کرنا یا اس کے لیے منصوبہ بندی کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ ہمارے رجحان کے پیش نظر آج کل بچے برائے فروخت کرنا بھی اسی قسم سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی مکاری اور دھوکا دہی سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب قَتْلِ الْوَلَدِ خَشْيَةَ أَنْ يَأْكُلَ مَعَهُ، حدیث 6001-

2 ایضاً، بَابُ عُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ مِنَ الْكَبَائِرِ، حدیث 5977-

6. ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالاً وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾[1]

(وہ تجھ سے فتویٰ مانگتے ہیں، کہہ دے اللہ تمھیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے، اگر کوئی آدمی مر جائے، جس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لیے اس کا نصف ہے جو اس نے چھوڑا اور وہ (خود) اس (بہن) کا وارث ہو گا، اگر اس (بہن) کی کوئی اولاد نہ ہو۔ پھر اگر وہ دو (بہنیں) ہوں تو ان کے لیے اس میں سے دو تہائی ہو گا جو اس نے چھوڑا اور اگر وہ کئی بھائی بہن مرد اور عورتیں ہوں تو مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہو گا۔ اللہ تمھارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔)

((عَنِ الْبَرَاءِ . رضی اللہ عنه . قَالَ آخِرُ آيَةٍ نَزَلَتْ خَاتِمَةُ سُورَةِ النِّسَاءِ ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾))[2]

(براء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آخری آیت (میراث کی) سورۃ نساء کے آخر کی آیتیں نازل ہوئیں کہ " آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، کہہ دیجئیے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔)

امام بخاریؒ نے مذکورہ آیت بطور عنوان اس لیے پیش کی ہے کہ اس میں بہن بھائیوں کی وراثت کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

کلالہ وہ میت ہے" أَنَّهُ مَنْ لَا وَلَدَ لَهُ وَلَا وَالِدَ وَاخْتُلِفَ فِي بِنْتٍ وَأُخْتٍ هَلْ تَرِثُ الْأُخْتُ مَعَ الْبِنْتِ وَكَذَا فِي الْجَدِّ هَلْ يَتَنَزَّلُ مَنْزِلَةَ الْأَبِ فَلَا تَرِثُ مَعَهُ الْإِخْوَةُ"[3] (جس کے والدین اور اولاد نہ ہو۔) کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ایسی میت کے ورثاء کو کلالہ کہا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک وہ مال کلالہ ہے جس کا وارث باپ اور بیٹے کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ہو۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ بہن، بیٹی کی موجودگی میں وارث بنتی ہے یا نہیں؟ اس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔ کلالہ کے متعلق احکام سورۃ النساء آیت 12 میں پہلے بھی بیان ہو چکے ہیں، وہاں جو کلالہ کی میراث کے احکام بیان ہوئے تھے وہ مادری بہن بھائیوں سے تعلق رکھتے تھے اور اس آیت میں جو احکام بیان ہوئے ہیں وہ حقیقی یا پدری بہن بھائیوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

---

1 النساء:176

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الفرائض، باب ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالاً وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾، حدیث 6744-

3 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، 12/ 26-

کلالہ کی وراثت تقسیم کرتے وقت دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے: ایک یہ کہ اگر کلالہ کے حقیقی بہن بھائی بھی موجود ہوں اور سوتیلے بھی تو حقیقی بہن بھائیوں کی موجودگی میں پدری بہن بھائی محروم رہیں گے اور اگر حقیقی نہ ہوں تو پھر پدری بہن بھائیوں میں وراثت تقسیم ہو گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ کلالہ کے ترکے کے متعلق احکام وہی ہیں جو اولاد کی صورت میں ہوتے ہیں، یعنی اگر ایک بہن ہے تو اس کو نصف، دو یا دو سے زیادہ بہنیں ہوں تو انھیں کی، اگر صرف ایک بھائی ہو تو تمام ترکے کا واحد وارث ہو گا اور اگر بہن بھائی ملے جلے ہوں تو ان میں سے ہر بھائی کو دو حصے اور ہر بہن کو ایک حصہ ملے گا۔

کلالہ کی مزید دو صورتیں حسب ذیل ہیں: میت عورت ہو اور اس کا خاوند بھی موجود نہ ہو یا میت مرد ہو اور اس کی بیوی بھی موجود نہ ہو۔ میت عورت ہو اور اس کا خاوند موجود ہو یا میت مرد ہو اا ور اس کی بیوی بھی موجود ہو۔ دوسری صورت میں زوجین بھی وراثت میں مقررہ حصہ لیتے ہیں، مثلاً: کلالہ عورت ہے جس کا خاوند موجود ہے اور اس کی بہن بھی زندہ ہے تو آدھا حصہ خاوند کو اور آدھا بہن کو ملے گا۔ اب سوال ہے کہ پہلی صورت میں اگر کلالہ عورت کا خاوند بھی نہ ہو یا کلالہ مرد کی بیوی بھی نہ ہو اور اس کی صرف ایک بہن ہو تو آدھا اس بہن کو مل جائے گا باقی آدھے کا وارث کون ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ باقی آدھا رد (اصحاب الفرائض کے حصوں کے بعد اصل مسئلہ سے باقی ماندہ انھی پر لوٹا دینے کو رد کہتے ہیں) کے طور پر بہن کو بھی دیا جا سکتا ہے اور دور کے رشتے داروں، مثلاً: ماموں، پھوپھی کو بھی مل سکتا ہے، اور اگر وہ بھی نہ ہوں تو بقایا آدھا ترکہ بیت المال میں بھی جمع کرایا جا سکتا ہے، اور ایسے حالات شاذ و نادر ہی پیش آتے ہیں۔

7. ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا﴾[1]

(اور ہم نے اس (ترکے) میں جو والدین اور زیادہ قرابت والے چھوڑ جائیں، ہر ایک کے وارث مقرر کر دیے ہیں اور جن لوگوں کو تمھارے عہد و پیمان نے باندھ رکھا ہے انھیں ان کا حصہ دو۔ بے شک اللہ ہمیشہ سے ہر چیز پر حاضر ہے۔)

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ ﴿وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ قَالَ كَانَ الْمُهَاجِرُونَ حِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ يَرِثُ الأَنْصَارِيُّ الْمُهَاجِرِيَّ دُونَ ذَوِي رَحِمِهِ لِلأُخُوَّةِ الَّتِي آخَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بَيْنَهُمْ فَلَمَّا نَزَلَتْ ﴿جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ قَالَ نَسَخَتْهَا ﴿وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾))[2]

(حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ اور ﴿وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ کے متعلق بتلایا کہ مہاجرین جب مدینہ آئے تو ذوی الارحام کے علاوہ انصار و مہاجرین بھی ایک دوسرے کی وراثت پاتے تھے۔ اس

---

1 النساء:33

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الفرائض، باب ذَوِي الأَرْحَامِ، حدیث 6747-

بھائی چارگی کی وجہ سے جو نبی کریم ﷺ نے ان کے درمیان کرائی تھی، پھر جب آیت ﴿جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ نازل ہوئی تو فرمایا کہ اس نے ﴿وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ کو منسوخ کر دیا۔)

ایک روایت میں ہے: ((إِلاَّ النَّصْرَ وَالرِّفَادَةَ وَالنَّصِيحَةَ، وَقَدْ ذَهَبَ الْمِيرَاثُ وَيُوصِي لَهُ))[1] (اب مدد، دوستی اور خیر خواہی باقی ہے ترکے سے وراثت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور وصیت کا حکم باقی ہے۔)

ذوی الارحام کی وراثت کے متعلق دو مذہب ہیں: * انہیں وراثت سے حصہ نہ دیا جائے بلکہ اصحاب الفروض اور عصبات کی عدم موجودگی میں میت کا ترکہ بیت المال میں جمع کروا دیا جائے۔ * جب اصحاب الفروض اور عصبات نہ ہوں تو میت کا ترکہ ذوی الارحام میں تقسیم کیا جائے۔ عقلی اور نقلی اعتبار سے دوسرا مذہب راجح اور عمل کے قابل ہے، بالخصوص جب بیت المال کا نظام درہم برہم ہو چکا ہے اب چاروں مذاہب اس پر متفق ہیں کہ ذوی الارحام وارث ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ﴾[2] (کتاب اللہ میں رشتے دار ایک دوسرے کے (وراثت میں) زیادہ حق دار ہیں۔) نیز نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ((وَالْخَالُ وَارِثُ مَنْ لاَ وَارِثَ))[3] (ماموں وارث ہو گا جس کا کوئی دوسرا وارث نہ ہو۔)

عقل میں اس کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ میت کا ذوی الارحام کے ساتھ خونی اور اسلامی رشتہ ہے اور بیت المال کے ساتھ صرف اسلامی تعلق ہے۔ ظاہر ہے کہ دو تعلق رکھنے والا، ایک تعلق رکھنے والے سے زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔ ذوی الارحام کی وراثت کی دو شرطیں ہیں: * کوئی صاحب فرض موجود نہ ہو۔ * کوئی عصبہ وارث موجود نہ ہو۔ واضح رہے کہ ذوی الارحام کی چار قسمیں ہیں: * اصول المیت: نانا وغیرہ۔ * فروع المیت: بیٹیوں کی اولاد، بھانجے، بھانجیاں وغیرہ۔ * فروع اب المیت: بھائیوں کی بیٹیاں بھتیجیاں وغیرہ۔ * فروع جد المیت: چچا مادری اور چچا حقیقی کی بیٹیاں وغیرہ۔ ذوی الارحام میں ترکہ تقسیم کرنے کے متعلق علماء کے تین موقف حسب ذیل ہیں: * اصل رحم: ان کے نزدیک تمام ذوی الارحام میں ترکہ برابر تقسیم کیا جائے۔ مذکر مؤنث، قریب و بعید اور قوی و ضعیف میں کوئی فرق نہیں ہو گا۔ * اصل فرق کیا جائے گا۔ * اہل تنزیل: ان کے نزدیک ذوی الارحام کو ان اصحاب الفرائض یا عصبات کی جگہ اتارا جائے گا جن کی وجہ سے یہ میت کی طرف منسوب ہیں۔ جمہور علماء نے اہل تنزیل کے طریقے کو ترجیح دی ہے۔

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كِتَاب الْكَفَالَةِ، بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿وَالَّذِينَ عَاقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ﴾، حدیث 2292۔

2 الانفال: 75

3 ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، **السنن**، كِتَاب الْفَرَائِضِ، باب فِي مِيرَاثِ ذَوِي الأَرْحَامِ، حدیث 2899۔ علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت "حسن" ہے۔

مبحث دوم:

الکافی کی والدین اور اولاد سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

امام کلینیؒ نے الکافی کے پہلے حصہ (اصول کافی) میں کتاب الایمان والکفر اور کتاب الحجہ کو قائم کیا ہے، اس میں آپ نے والدین اور اولاد سے متعلق تفسیری احادیث و آثار پیش کی ہیں۔ ذیل میں ان احادیث و آثار کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

1. ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾[1]

(اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کروگے اور ماں باپ اور قرابت والے اور یتیموں اور مسکینوں سے احسان کروگے اور لوگوں سے اچھی بات کہو۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ وَقُولُوا لِلنّاسِ حُسْناً﴾ قَالَ : « قُولُوا لِلنَّاسِ حُسْناً ، وَلَا تَقُولُوا إِلَّا خَيْراً حَتّى تَعْلَمُوا مَا هُوَ ».))[2]

(حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپ نے اللہ تعالی کے اس قول کے ذیل میں فرمایا جس میں خدا نے فرمایا: تم لوگوں سے اچھے انداز میں گفتگو کرو۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: لوگوں سے اچھے انداز میں گفتگو اور اچھی گفتگو یہ ہے کہ ان کے ساتھ سوائے خیر سے کوئی اور بات نہ کرو۔ یہاں تک کہ وہ جان لیں کہ اس کی حقیقت کیا ہے۔)

2. ﴿وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾[3]

(اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرو۔ اگر کبھی تیرے پاس دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ ہی جائیں تو ان دونوں کو "اف" مت کہہ اور نہ انھیں جھڑک اور ان سے بہت کرم والی بات کہو۔)

---

1 البقرہ:83

2 کلینی، ابو جعفر محمد بن یعقوب، **الکافی**، كِتَابُ الْإِيمَانِ وَالْكُفْرِ، بَابُ الِاهْتِمَامِ بِأُمُورِ الْمُسْلِمِينَ وَالنَّصِيحَةِ لَهُمْ وَنَفْعِهِمْ، **باب 70**، حدیث 2036/9-

3 بنی اسرائیل:23

((عَنْ أَبِي وَلَّادٍ الْحَنَّاطِ ، قَالَ :سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿وَبِالْوالِدَيْنِ إِحْساناً﴾: مَا هذَا الْإِحْسَانُ؟ فَقَالَ : « الْإِحْسَانُ أَنْ تُحْسِنَ صُحْبَتَهُمَا ، وَأَنْ لَاتُكَلِّفَهُمَا أَنْ يَسْأَلَاكَ شَيْئاً مِمَّا يَحْتَاجَانِ إِلَيْهِ وَإِنْ كَانَا مُسْتَغْنِيَيْنِ ؛ أَلَيْسَ يَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿لَنْ تَنالُوا الْبِرَّ حَتّى تُنْفِقُوا مِمّا تُحِبُّونَ ﴾. قَالَ : ثُمَّ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام : « وَأَمَّا قَوْلُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿ إِمّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُما أَوْ كِلاهُما فَلا تَقُلْ لَهُما أُفٍّ وَلا تَنْهَرْهُما﴾ » قَالَ : « إِنْ أَضْجَرَاكَ فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ ، وَلَا تَنْهَرْهُمَا إِنْ ضَرَبَاكَ ». قَالَ : « ﴿ وَقُلْ لَهُما قَوْلاً كَرِيماً﴾» قَالَ : « إِنْ ضَرَبَاكَ فَقُلْ لَهُمَا: غَفَرَ اللهُ لَكُمَا ، فَذلِكَ مِنْكَ قَوْلٌ كَرِيمٌ ». قَالَ: « ﴿وَاخْفِضْ لَهُما جَناحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ ﴾ قَالَ : « لَا تَمْلَأْ عَيْنَيْكَ مِنَ النَّظَرِ إِلَيْهِمَا إِلَّا بِرَحْمَةٍ وَرِقَّةٍ ، وَلَا تَرْفَعْ صَوْتَكَ فَوْقَ أَصْوَاتِهِمَا ، وَلَا يَدَكَ فَوْقَ أَيْدِيهِمَا ، وَلَا تَقَدَّمْ قُدَّامَهُمَا ».))(1)

(ابو ولا دالحناط سے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو عبد اللہ امام صادق علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں سوال کیا کہ جس میں خدا نے فرمایا ہے کہ:(والدین کے ساتھ احسان کرو) اے مولا اس احسان سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: ان کے ساتھ بات کرتے وقت اچھے واحسن انداز میں بات کرو۔ اور ان کے لیے ایسے حالات پیدا نہ کرو کہ وہ کسی چیز کی ضرورت کے وقت تم سے سوال کرنے پر مجبور ہو جائیں بلکہ ان کو طلب کرنے سے قبل دو خواہ وہ بے نیاز ہوں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: تم ہرگز نیکی نہیں پاسکتے جب تک تم اس چیز کو راہ خدا میں خرچ نہ کرو جو تم کو پسند ہو۔) پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا خدا نے یہ نہیں فرمایا: اگر والدین میں سے دونوں یا ان میں سے کوئی ایک تمھارے پاس بوڑھے ہو جائیں۔ تو ان کو اُف تک نہ کہو اور ان کے ساتھ تندی د تیزی نہ کرو۔" آپ علیہ السلام نے فرمایا: اگر وہ تمھیں ڈانٹیں تو ان کے سامنے اُف کا کلمہ بھی مت کہو۔ اور اگر وہ تم کو ماریں تو بھی ان کے سامنے تند و تیزی نہ دکھاؤ۔ پھر فرمایا: ان دونوں سے اچھی بات کرو۔ یعنی اگر وہ تجھے ماریں بھی تو ان کو کہو کہ اللہ تم کو بخش دے یہ تیری طرف سے ان کے لیے قول کریم ہے۔ پھر فرمایا کہ خدا فرماتا ہے۔ ان دونوں کے سامنے اپنے کندھے جھکا کر رکھو اور ان کی طرف نظر رحمت کرو۔ یعنی ان دونوں کی طرف مت دیکھو مگر رحمت نرمی کے ساتھ اور ان کے سامنے اپنی آوازوں کو بلند مت کرو۔ اور ان دونوں کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ بلند مت کرو اور ان کے آگے مت چلو۔)

3. ﴿أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ﴾(2)

(میرا شکر کرو اور اپنے ماں باپ کا بھی شکر ادا کرو، میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔)

---

1 کلینی، ابوجعفر محمد بن یعقوب، **الکافی**، كِتَابُ الْإِيمَانِ وَالْكُفْرِ، بَابُ الْبِرِّ بِالْوَالِدَيْنِ، باب69، حدیث2007/1-

2 لقمان:14

((أَنَّهُ سَأَلَ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِهِ تَعَالى : ﴿ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴾ فَقَالَ : « الْوَالِدَانِ – اللَّذَانِ أَوْجَبَ اللهُ لَهُمَا الشُّكْرَ – هُمَا اللَّذَانِ وَلَدَا الْعِلْمَ ، وو رِثَا الْحُكْمَ، وأُمِرَ النَّاسُ بِطَاعَتِهِمَا، فَاتَّقُوا اللهَ وَلَاتَعْصُوا الْوَالِدَيْنِ ؛ فَإِنَّ رِضَاهُمَا رِضَى اللهِ ، وسَخَطَهُمَا سَخَطُ اللهِ ».[1]

(امیر المومنین علی علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں سوال کیا جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ﴾(میرا شکر کرو اور اپنے ماں باپ کا بھی شکر ادا کرو، میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔) آپ علیہ السلام نے فرمایا: وہ والدین جن کے شکر کو اللہ نے واجب قرار دیا ہے وہ والدین ہیں۔ جن سے تم علم وحکمت حاصل کرتے ہو اور اپنے مرنے کے بعد وہ حکمت کو بطور وارث چھوڑ کر جاتے ہیں اور لوگوں کو ان کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرو، اگر یہ والدین راضی تو اللہ راضی اور اگر یہ ناراض ہوگئے تو اللہ ناراض ہو جائے گا۔)

4. ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا حَتَّى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي﴾[2]

(اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کی تاکید کی، اس کی ماں نے اسے ناگواری کی حالت میں اٹھائے رکھا اور اسے ناگواری کی حالت میں جنا اور اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے، یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کو پہنچ گیا تو اس نے کہا اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام کی ہے اور یہ کہ میں وہ نیک عمل کروں جسے تو پسند کرتا ہے اور میرے لیے میری اولاد میں اصلاح فرمادے۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام ، قَالَ : « لَمَّا حَمَلَتْ فَاطِمَةُ عليهاالسلام بِالْحُسَيْنِ عليه‌السلام ، جَاءَ جَبْرَئِيلُ إِلى رَسُولِ اللهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله ، فَقَالَ : إِنَّ فَاطِمَةَ سَتَلِدُ غُلَاماً تَقْتُلُهُ أُمَّتُكَ مِنْ بَعْدِكَ ، فَلَمَّا حَمَلَتْ فَاطِمَةُ عليهاالسلام بِالْحُسَيْنِ عليه‌السلام كَرِهَتْ حَمْلَهُ ، وَ حِينَ وَ ضَعَتْهُ كَرِهَتْ وَضْعَهُ». ثُمَّ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام : « لَمْ تُرَ فِي الدُّنْيَا أُمٌّ تَلِدُ غُلَاماً تَكْرَهُهُ ، وَ لكِنَّهَا كَرِهَتْهُ ؛ لِمَا عَلِمَتْ أَنَّهُ سَيُقْتَلُ ». قَالَ : « وَفِيهِ نَزَلَتْ هذِهِ الْآيَةُ : ﴿وَ وَصَّيْنَا الْإِنْسانَ بِوالِدَيْهِ إِحْساناً حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهاً وَ وَضَعَتْهُ كُرْهاً وَحَمْلُهُ وَفِصالُهُ ثَلاثُونَ شَهْراً ﴾))[3]

---

1 کلینی، ابوجعفر محمد بن یعقوب، الکافی، كتاب الحجّة ، بَابٌ فِيهِ نُكَتٌ ونُتَفٌ مِنَ التَّنْزِيلِ فِي الْوَلَايَةِ ، باب 108، حدیث 1166/79-

2 الاحقاف: 15

3 کلینی، ابوجعفر محمد بن یعقوب، الکافی، كتاب الحجّة ، بَابُ مَوْلِدِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ عليهما‌السلام، باب 116، حدیث 1262/3-

(حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: جب حضرت فاطمۃ الزہراء علیہا السلام امام حسین علیہ السلام کے حمل سے حاملہ ہوئیں تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا: یا نبی کریم! فاطمۃ الزہراء عنقریب ایک بچہ کو جنم دیں گی جس کو آپ کے بعد آپ کی امت قتل کر دے گی۔ پس جب فاطمہ علیہا السلام حسین علیہ السلام سے حاملہ ہوئیں تو آپ نے اس حمل کو ناپسند کیا اور جب اس کا وضع حمل ہوا تب بھی آپ نے اس کو ناپسند کیا۔ پھر امام ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: تونے کبھی دنیا میں دیکھا ہے کہ کوئی ماں اپنے بیٹے کو جنم دے اور پھر اس کو ناپسند کرے کیونکہ ہو جانتی ہے کہ اس کو عنقریب قتل کر دیا جائے گا۔ پھر فرمایا یہ قرآن کی آیت بھی اسی کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس میں اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَ وَصَّيْنَا الْإِنْسانَ بِوالِدَيْهِ إِحْساناً حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهاً وَ وَضَعَتْهُ كُرْهاً وَحَمْلُهُ وَفِصالُهُ ثَلاثُونَ شَهْراً﴾ (پس ہم نے انسان کو نصیحت کی ہے، واپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے اور اس کی ماں نے اس کو ناپسند کرتے ہوئے اٹھایا اور ناپسند کرتے ہوئے اس کا وضع حمل کیا اور اس کا حمل اور دودھ کی مدت تیس (30) ماہ ہے۔)

5. ﴿وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ﴾[1]

(اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں کے ساتھ آزمایا تو اس نے انھیں پورا کر دیا۔ فرمایا بے شک میں تجھے لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ کہا اور میری اولاد میں سے بھی؟ فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔)

((قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام : وَقَدْ كَانَ إِبْرَاهِيمُ عليه‌السلام نَبِيّاً ، وَلَيْسَ بِإِمَامٍ حَتّى قَالَ اللهُ: ﴿ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِماماً قالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي﴾ فَقَالَ اللهُ: ﴿ لا يَنالُ عَهْدِي الظّالِمِينَ﴾ مَنْ عَبَدَ صَنَماً أَوْ وَثَناً، لَايَكُونُ إِمَاماً ».))[2]

(ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: "بے شک ابراہیم علیہ السلام نبی تھے یہاں تک اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں آپ کو لوگوں کا امام بنا رہا ہوں تو آپ نے عرض کی۔ کیا یہ امامت میری ذریت میں ہو گی؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ عھد ظالموں کو نہیں ملے گا پس جو بت پرست ہو وہ امام نہیں ہو سکتا۔)

6. ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ﴾[3]

(اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد کسی بھی درجے کے ایمان کے ساتھ ان کے پیچھے چلی، ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان سے ان کے عمل میں کچھ کمی نہ کریں گے۔)

---

1 البقرہ:124

2 کلینی، ابو جعفر محمد بن یعقوب، **الکافی**، كِتَابُ الْحُجَّةِ ، بَابُ طَبَقَاتِ الْأَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ وَالْأَئِمَّةِ عليهم‌السلام، باب2، حدیث2، 1/439

3 طور:21

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام ، قَالَ : « قَالَ اللهُ تَعَالى: ﴿ الَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمانٍ أَلْحَقْنا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَما أَلَتْناهُمْ﴾ ﴿مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ﴾ » ، قَالَ : « الَّذِينَ آمَنُوا : النَّبِيُّ صلى‌الله‌عليه‌وآله وَأَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عليه‌السلام ؛ وَذُرِّيَّتُهُ : الْأَئِمَّةُ وَالْأَوْصِيَاءُ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ ، أَلْحَقْنَا بِهِمْ ، وَلَمْ نَنْقُصْ ذُرِّيَّتَهُمُ الْحُجَّةَ الَّتِي جَاءَ بِهَا مُحَمَّدٌ صلى‌الله‌عليه‌وآله فِي عَلِيٍّ عليه‌السلام وَحُجَّتُهُمْ وَاحِدَةٌ ، وَطَاعَتُهُمْ وَاحِدَةٌ ».))[1]

(حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام نے خدا کے اس قول کے بارے میں فرمایا: جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:
﴿ الَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمانٍ أَلْحَقْنا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَما أَلَتْناهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ﴾ *(اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد کسی بھی درجے کے ایمان کے ساتھ ان کے پیچھے چلی، ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان سے ان کے عمل میں کچھ کمی نہ کریں گے۔) آپ علیہ السلام نے فرمایا: وہ لوگ جو ایمان لے آئے اس سے مراد نبی و علی علیہا السلام میں اور ان کی اولاد سے مراد ائمہ واوصیاء علیہم السلام ہیں۔ اور ان کو ان کے ساتھ ملحق کریں گے سے مراد ہے کہ ان کی ذریت و اولاد میں ہم حجت کو کم نہیں کریں گے وہ حجت جو رسول خدا علی علیہ السلام کے بارے میں لے کر آئے تھے۔ پس ان سب کی حجت ایک ہے اور ان کی اطاعت بھی ایک ہے۔)*

7. ﴿فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَى وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَى وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾[2]

(پھر جب اس نے اسے جنا تو کہا اے میرے رب! یہ تو میں نے لڑکی جنی ہے اور اللہ زیادہ جاننے والا ہے جو اس نے جنا اور لڑکا اس لڑکی جیسا نہیں، اور بے شک میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور بے شک میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔)

((عَنْ إِسْمَاعِيلَ الْجُعْفِيِّ ، قَالَ :قُلْتُ لِأَبِي جَعْفَرٍ عليه‌السلام : إِنَّ الْمُغِيرَةَ بْنَ سَعِيدٍ رَوى عَنْكَ أَنَّكَ قُلْتَ لَهُ : إِنَّ الْحَائِضَ تَقْضِي الصَّلَاةَ؟ فَقَالَ : « مَا لَهُ؟ لَاوَفَّقَهُ اللهُ ، إِنَّ امْرَأَةَ عِمْرَانَ نَذَرَتْ مَا فِي بَطْنِهَا مُحَرَّراً ، وَالْمُحَرَّرُ لِلْمَسْجِدِ يَدْخُلُهُ ، ثُمَّ لَايَخْرُجُ مِنْهُ أَبَداً ﴿ فَلَمّا وَضَعَتْها قالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُها أُنْثى ﴾، ﴿ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثى﴾، فَلَمَّا وَضَعَتْهَا أَدْخَلَتْهَا الْمَسْجِدَ ، فَسَاهَمَتْ عَلَيْهَا الْأَنْبِيَاءُ ، فَأَصَابَتِ الْقُرْعَةُ زَكَرِيَّا ، فَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ، فَلَمْ تَخْرُجْ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتّى بَلَغَتْ ، فَلَمَّا بَلَغَتْ مَا تَبْلُغُ النِّسَاءُ

---

1 **کلینی، ابو جعفر محمد بن یعقوب، الکافی**، كِتَابُ الْحُجَّةِ ،بَابٌ فِي أَنَّ الْأَئِمَّةَ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ فِي الْعِلْمِ وَالشَّجَاعَةِ وَالطَّاعَةِ سَوَاءٌ، باب 58، حدیث1/728-

2 آل عمران:36

، خَرَجَتْ ، فَهَلْ كَانَتْ تَقْدِرُ عَلى أَنْ تَقْضِيَ تِلْكَ الْأَيَّامَ الَّتِي خَرَجَتْ وَهِيَ عَلَيْهَا أَنْ تَكُونَ الدَّهْرَ فِي الْمَسْجِدِ؟ ».))[1]

(اسماعیل جعفی سے روایت ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کہا مغیرہ ابن شعبہ آپ سے یہ روایت کرتا ہے کہ آپ نے اس سے یہ فرمایا تھا۔ کہ حائض عورت نماز کی قضا ادا کرے گی۔ آپ نے فرمایا: اسے کیا ہو گیا ہے، اللہ کی توفیق اس سے سلب ہو (میں ایسا کیوں کہتا) زوجہ عمران (مادر مریم) نے نذر کی تھی اس بچہ کو جو ان کے شکم میں ہے اور جو بچہ خدمت بیت المقدس کے لئے نذر ہوتا تھا۔ وہ پھر کبھی اس سے باہر نہیں نکلتا تھا۔ جب مریم پیدا ہوئیں تو ان کی ماں نے کہا: اے پروردگار! میں نے تو لڑکی جنی ہے اور لڑکی لڑکے کی طرح نہیں ہوتی۔ الغرض جب داخل کیا تو انبیاء میں سے ہر ایک نے اس کی کفالت چاہی، مگر قرعہ حضرت زکریا کے نام نکلا انھوں نے مریم کی کفالت کی اور حضرت مریم بلوغت تک مسجد سے باہر نہ نکلیں۔)

8. ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ﴾[2]

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمھاری آپس کی شہادت، جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچے، وصیت کے وقت، دو عدل والے آدمی ہوں گے، جو تم میں سے ہوں، یا دو اور تمھارے غیر سے ہوں۔)

((عَنْ أَبِي الصَّبَّاحِ الْكِنَانِيِّ ، قَالَ :سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالى : ﴿يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهادَةُ بَيْنِكُمْ إِذا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنانِ ذَوا عَدْلٍ مِنْكُمْ أَوْ آخَرانِ مِنْ غَيْرِكُمْ﴾ قُلْتُ : مَا آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ ؟ قَالَ : « هُمَا كَافِرَانِ ». قُلْتُ : ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ؟ فَقَالَ : « مُسْلِمَانِ ».))[3]

(ابو صباح کنانی سے روایت کی ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے اللہ تبارک و تعالی کے قول "اے ایمان والو! تمہارے درمیان گواہی کا ہونا لازم ہے جب کہ تم میں سے کسی کو موت آنے لگے وصیت کے وقت دو ایسے اشخاص کہ جو عادل ہوں وہ تم میں سے ہوں یا کسی غیر قوم سے تعلق رکھتے ہوں۔" کے بارے میں سوال کیا تو میں نے عرض کی۔ "یا وہ دونوں تمہارے غیر ہوں سے کیا مراد ہے؟" آپ علیہ السلام نے فرمایا "کافر ہوں" میں نے عرض کی۔ تم میں سے "صاحبان عدل سے کیا مراد ہے؟" آپ علیہ السلام نے فرمایا: "مسلمان۔)

---

1 **کلینی، ابو جعفر محمد بن یعقوب، الکافی**، كِتَابُ الْحَيْضِ، بَابُ الْحَائِضِ تَقْضِي الصَّوْمَ وَلَاتَقْضِي الصَّلَاةَ، **باب**18، **حدیث**4221/4-

2 **المائدہ**:106

3 **کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی**، كِتَابُ الْوَصَايَا ، بَابُ الْإِشْهَادِ عَلَى الْوَصِيَّةِ ، **باب**2، **حدیث**13096/1-

9. ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾[1]

(تم پر لکھ دیا گیا ہے، جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچے، اگر اس نے کوئی خیر چھوڑی ہو، اچھے طریقے کے ساتھ وصیت کرنا ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیے، متقی لوگوں پر یہ لازم ہے۔)

((عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عليه‌السلام ، قَالَ : سَأَلْتُهُ عَنِ الْوَصِيَّةِ لِلْوَارِثِ؟ فَقَالَ : « تَجُوزُ» قَالَ: ثُمَّ تَلَا هذِهِ الْآيَةَ : ﴿ إِنْ تَرَكَ خَيْراً الْوَصِيَّةُ لِلْوالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ﴾))[2]

(ابو جعفر علیہ السلام سے وارث کے حق میں کی گئی وصیت کے بارے میں سوال کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ایسی وصیت جائز ہے" پھر آپ علیہ السلام نے یہ آیت مجیدہ تلاوت فرمائی" اور اگر مرنے والا اپنے والدین کیلئے اور قریبی رشتہ داروں کیلئے وصیت چھوڑے تو بہترین ہے۔)

10. ﴿فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾[3]

(پھر جو شخص اسے بدل دے، اس کے بعد کہ اسے سن چکا ہو تو اس کا گناہ انھی لوگوں پر ہے جو اسے بدلیں، یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔)

((عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ ، قَالَ : سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ رَجُلٍ أَوْصى بِمَالِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ. فَقَالَ: « أَعْطِهِ لِمَنْ أَوْصى بِهِ لَهُ وَإِنْ كَانَ يَهُودِيّاً أَوْ نَصْرَانِيّاً ؛ إِنَّ اللهَ - تَبَارَكَ وَتَعَالى - يَقُولُ: ﴿فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ ما سَمِعَهُ فَإِنَّما إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ﴾))[4]

(محمد بن مسلم سے روایت کی ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے سوال کیا اس شخص کے بارے میں کہ جس نے اپنے مال کو راہ خدا میں خرچ کرنے کے بارے میں وصیت کی ہو تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: وہ مال اسے دیا جائے گا کہ جس کے بارے میں اس نے وصیت کی ہو خواہ وہ (جس کے بارے میں وصیت کی گئی) یہودی اور نصرانی ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے اور جو سننے کے بعد سنے گئے کو تبدیل کر دے تو اس کا گناہ فقط ان لوگوں پر ہے کہ جنہوں نے اسے بدل ڈالا۔)

11. ﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾[5]

---

1 البقرہ:180

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، **الکافی** ،كِتَابُ الْوَصَايَا ، بَابُ الْوَصِيَّةِ لِلْوَارِثِ، باب5، حدیث13124 /5-

3 البقرہ:181

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، **الکافی** ،كِتَابُ الْوَصَايَا ، بَابُ إِنْفَاذِ الْوَصِيَّةِ عَلى جِهَتِهَا ،باب10، حدیث13141 /1-

5 البقرہ:182

(پھر جو شخص کسی وصیت کرنے والے سے کسی قسم کی طرف داری یا گناہ سے ڈرے، پس ان کے درمیان اصلاح کردے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، یقیناً اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔)

((عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ رِجَالِهِ ، قَالَ : قَالَ :إِنَّ اللهَ – عَزَّ وَجَلَّ – أَطْلَقَ لِلْمُوصى إِلَيْهِ أَنْ يُغَيِّرَ الْوَصِيَّةَ إِذَا لَمْ تَكُنْ بِالْمَعْرُوفِ وَكَانَ فِيهَا حَيْفٌ، وَيَرُدَّهَا إِلَى الْمَعْرُوفِ ؛ لِقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ فَمَنْ خافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفاً أَوْ إِثْماً فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلا إِثْمَ عَلَيْهِ﴾))[1]

(علی بن ابراہیم نے اپنے باپ سے اس نے اپنے اساتذہ سے روایت کی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ عزوجل نے وصی کو اختیار دیا ہے کہ وہ وصیت کو تبدیل کردے جب وصیت حق کے مطابق نہ ہو اور اس میں ظلم کا پہلو ہو تو وہ اسے حق کے مطابق کردے کیونکہ اللہ عزوجل کا قول ہے "اور جو وصیت کرنے والے کی جانبداری اور گناہ خوف رکھتا ہو اسے چاہیے کہ ان کے درمیان صلح کرادے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔)

12. ﴿وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا﴾[2]

(اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دو، پھر اگر وہ اس میں سے کوئی چیز تمھارے لیے چھوڑنے پر دل سے خوش ہو جائیں تو اسے کھالو، اس حال میں کہ مزے دار، خوشگوار ہے۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام ، قَالَ : « إِنَّمَا الصَّدَقَةُ مُحْدَثَةٌ ، إِنَّمَا كَانَ النَّاسُ عَلى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله يَنْحَلُونَ وَيَهَبُونَ ، وَلَا يَنْبَغِي لِمَنْ أَعْطى لِلّهِ – عَزَّ وَجَلَّ – شَيْئاً أَنْ يَرْجِعَ فِيهِ ». قَالَ : « وَمَا لَمْ يُعْطَ لِلّهِ وَفِي اللهِ ، فَإِنَّهُ يُرْجَعُ فِيهِ ، نِحْلَةً كَانَتْ أَوْ هِبَةً ، حِيزَتْ أَوْ لَمْ تُحَزْ ، وَلَا يَرْجِعُ الرَّجُلُ فِيمَا يَهَبُ لِامْرَأَتِهِ ، وَلَا الْمَرْأَةُ فِيمَا تَهَبُ لِزَوْجِهَا ، حِيزَ أَوْ لَمْ يُحَزْ ، أَ لَيْسَ اللهُ – تَبَارَكَ وَتَعَالى – يَقُولُ : وَلَا تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شيئا ؟ وَقَالَ : ﴿ فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْساً فَكُلُوهُ هَنِيئاً مَرِيئاً﴾ وَهذَا يَدْخُلُ فِي الصَّدَاقِ وَالْهِبَةِ ».))[3]

(ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: "صدقہ نئی چیز ہے نبی کریم ﷺ کے زمانے میں لوگ عطیات دیتے تھے اور ھبہ کیا کرتے تھے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نام پر کسی کو کچھ دے دے اسے واپس نہیں لینا چاہیے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: "اور جو اللہ کے نام پر یا اللہ کی راہ میں عطا نہ کیا گیا ہو، اس میں رجوع (واپس لینے) کا حق حاصل ہے خواہ وہ عطیہ ہو یا ھبہ، خواہ اس کی سپردگی ہو چکی ہو یا سپردگی نہ ہوئی ہو۔ البتہ شوہر اپنی بیوی کو جو ھبہ کرے یا عورت

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، **الکافی**، كِتَابُ الْوَصَايَا ، بَابُ أَنَّ مَنْ حَافَ فِي الْوَصِيَّةِ فَلِلْوَصِيِّ أَنْ يَرُدَّهَا إِلَى الْحَقِّ ، باب 14، حدیث 13168/1-

2 النساء:4

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، **الکافی**، كِتَابُ الْوَصَايَا ، بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الْوَقْفِ وَالصَّدَقَةِ وَالنُّحْلِ وَالْهِبَةِ وَالسُّكْنى وَالْعُمْرى وَالرُّقْبى وَمَا لَايَجُوزُ مِنْ ذلِكَ عَلَى الْوَلَدِ وَغَيْرِهِ ، باب 23، حدیث 13201/3-

اپنے شوہر کو ھبہ کرے خواہ سپردگی ہو چکی ہو یا سپردگی نہ ہوئی ہو اس میں رجوع (واپس لینے) کا حق نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تم جو چیزیں ان (اپنی بیویوں) کو دے چکے ہو ان سے واپس نہ لو" اور فرمایا: "اور جو چیز وہ تمھیں اپنی ذاتی مرضی سے دیں تم اسے بخوشی کھاسکتے ہو۔" اور یہ حق مہر ار اور ھبہ میں اثر انداز ہے۔)

13. ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾(1)

(صدقات تو صرف فقیروں اور مسکینوں کے لیے اور ان پر مقرر عاملوں کے لیے ہیں اور ان کے لیے جن کے دلوں میں الفت ڈالنی مقصود ہے اور گردنیں چھڑانے میں اور تاوان بھرنے والوں میں اور اللہ کے راستے میں اور مسافر میں (خرچ کرنے کے لیے ہیں)۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک فریضہ ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ يُوصِي بِسَهْمٍ مِنْ مَالِهِ ، فَقَالَ: « السَّهْمُ وَاحِدٌ مِنْ ثَمَانِيَةٍ ؛ لِقَوْلِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالى : ﴿ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْها وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقابِ وَالْغارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ﴾))(2)

(ابو عبد اللہ علیہ السلام سے سوال کیا گیا اس شخص کے بارے میں کہ جس نے اپنے مال میں سے ایک سہم کی وصیت کی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: "سہم سے مراد آٹھواں حصہ ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا قول ہے: "بے شک صدقات فقراء مساکین، اکٹھا کرنے والوں مؤلفہ القولب، غلاموں، مقروضوں، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں اور مسافروں کے لیے ہے۔)

14. ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا﴾(3)

(اور ہم نے اس (ترکے) میں جو والدین اور زیادہ قرابت والے چھوڑ جائیں، ہر ایک کے وارث مقرر کر دیے ہیں اور جن لوگوں کو تمھارے عہد و پیمان نے باندھ رکھا ہے انھیں ان کا حصہ دو۔ بے شک اللہ ہمیشہ سے ہر چیز پر حاضر ہے۔)

---

1 التوبہ:60

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی ، كِتَابُ الْوَصَايَا ، بَابُ مَنْ أَوْصى بِسَهْمٍ مِنْ مَالِهِ، باب 26، حدیث 13245 /1-

3 النساء:33

((عَنْ زُرَارَةَ ، قَالَ :سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام يَقُولُ : ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنا مَوالِيَ مِمّا تَرَكَ الْوالِدانِ وَالْأَقْرَبُونَ﴾ قَالَ :« إِنَّمَا عَنى بِذلِكَ أُولِي الْأَرْحَامِ فِي الْمَوَارِيثِ ، وَلَمْ يَعْنِ أَوْلِيَاءَ النِّعْمَةِ ، فَأَوْلَاهُمْ بِالْمَيِّتِ أَقْرَبُهُمْ إِلَيْهِ مِنَ الرَّحِمِ الَّتِي تَجُرُّهُ إِلَيْهَا ».))[1]

(زرارہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے سنا ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: "اور ہم نے ہر ایک کے لیے وارث بنائے ہیں پس جو وہ ترکہ چھوڑے وہ والدین اور اقربین کے لیے ہے" اللہ عزوجل نے اس سے فقط وراثت میں اولی الارحام کو مراد لیا ہے اولیاء نعمت کو نہیں۔ پس ان میں سے میت کے ترکہ کا وہ زیادہ حقدار ہے کہ جو ان میں سے رحم کے اعتبار سے میت کے قریب ترین ہے کہ جس سے اس کی طرف نسبت رکھتا ہے۔)

15. ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلالَةِ﴾[2]

(وہ تجھ سے فتویٰ مانگتے ہیں، کہہ دے اللہ تمھیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔)

((عَنْ زُرَارَةَ ، قَالَ :إِذَا تَرَكَ الرَّجُلُ أُمَّهُ أَوْ أَبَاهُ أَوِ ابْنَهُ أَوِ ابْنَتَهُ ، فَإِذَا تَرَكَ وَاحِداً مِنَ الْأَرْبَعَةِ ، فَلَيْسَ بِالَّذِي عَنَى اللهُ – عَزَّ وَجَلَّ – فِي كِتَابِهِ : ﴿قُلِ اللهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلالَةِ﴾ وَلَا يَرِثُ مَعَ الْأُمِّ ، وَلَا مَعَ الْأَبِ، وَلَا مَعَ الِابْنِ ، وَلَا مَعَ الِابْنَةِ أَحَدٌ خَلَقَهُ اللهُ – عَزَّ وَجَلَّ – غَيْرَ زَوْجٍ أَوْ زَوْجَةٍ ».))[3]

(زرارہ نے فرمایا: "جب آدمی جب اپنے وارث کے طور پر اپنی ماں کو یا اپنے باپ کو یا اپنے بیٹے کو یا اپنی بیٹی کو چھوڑے پس جب ان چاروں میں سے کوئی ایک بھی بطور وارث چھوڑے تو تب وہ وارث نہ ہو گا کہ جس کا ارادہ اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں کیا ہے: "کہہ دیجیے کہ اللہ عزوجل تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔"ماں کے ہوتے ہوئے کوئی مخلوق خدا میں سے کوئی وارثت نہیں لے سکتا اور نہ باپ کے ہوتے ہوئے اور نہ بیٹے کے ہوتے ہوئے اور نہ بیٹی کے ہوتے ہوئے ماسوائے شوہر اور بیوی کے۔)

16. وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَئِكَ مِنْكُمْ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾[4]

(اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمھارے ساتھ مل کر جہاد کیا تو وہ تم ہی سے ہیں، اور رشتے دار اللہ کی کتاب میں، ان کے بعض، بعض کے زیادہ حق دار ہیں۔ بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔)

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، **الکافی** ، كِتَابُ الْمَوَارِيثِ ، بَابُ ، باب 3، حدیث 13334/2-

2 النساء:176

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، **الکافی** ، كِتَابُ الْمَوَارِيثِ ، بَابُ أَنَّهُ لَايَرِثُ مَعَ الْوَلَدِ وَالْوَالِدَيْنِ إِلَّا زَوْجٌ أَوْ زَوْجَةٌ ، باب 10، حدیث 2/13358

4 الانفال:75

((عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عليه‌السلام ، قَالَ: « الْخَالُ وَالْخَالَةُ يَرِثَانِ إِذَا لَمْ يَكُنْ مَعَهُمَا أَحَدٌ ؛ إِنَّ اللهَ – عَزَّ وَجَلَّ – يَقُولُ : ﴿ وَأُولُوا الْأَرْحامِ بَعْضُهُمْ أَوْلى بِبَعْضٍ فِي كِتابِ اللهِ ﴾))[1]

(ابو جعفر علیہ السلام نے فرمایا: ماموں اور خالہ تب میراث لیں گے کہ جب ان کے ساتھ میراث لینے والا کوئی اور موجود نہ ہو۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ اللہ عزوجل کی کتاب کی رو سے قرابتداروں میں سے بعض دوسرے بعض سے افضل ہیں۔)

خلاصہ کلام

صحیح بخاری اور الکافی میں والدین کے حقوق پر بہت روز دیا گیا ہے، اور اسی طرح اولاد کے حقوق کی تاکید کی گئی ہے۔ دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں جس نے اپنے پیروکاروں کو والدین کی خدمت کی تاکید نہ کی ہو۔ اسلام نے اپنی تعلیمات میں والدین کی صرف خدمت کی تلقین نہیں کی بلکہ احسان کی تاکید بھی فرمائی ہے احسان کا درجہ خدمت سے بڑھ کر ہے۔ دور جاہلیت میں بچوں خصوصا لڑکیوں کی پرورش کو بہت برا سمجھا جاتا تھا۔ دیگر مذاہب نے والدین کے حقوق تو بیان کیے ہیں لیکن اولاد کے حقوق کی نشاندہی نہیں کی جبکہ اسلام نے اپنی تعلیمات کو اولاد کے فرائض تک محدود نہیں رکھا بلکہ اولاد کے حقوق بھی متعین کیے ہیں۔

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی ، كِتَابُ الْمَوَارِيثِ ، بَابُ مِيرَاثِ ذَوِي الْأَرْحَامِ، باب 26، حدیث 13451/2-

فصل چہارم:

قرابت داروں اور دیگر مسلمانوں کے حقوق سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

قرابت دار:

اسلام رشتہ داروں کے ساتھ احسان اور اچھے برتاؤ کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ سورہ النحل میں رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید کی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے۔﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾[1](بے شک اللہ عدل اور احسان اور قرابت والے کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور برائی اور سرکشی سے منع کرتا ہے، وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔)

رشتہ دار مفلس و محتاج ہوں اور کمانے کی طاقت نہ رکھتے ہوں تو حسبِ استطاعت ان کی مالی مدد کرتے رہنا اسی طرح ان کی خوشی و غمی میں ہمیشہ شریک رہنا، صلہ رحمی کرنا اور کبھی بھی ان کے ساتھ قطع تعلق نہ کرنا اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے۔

اسی طرح احادیث میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:((لاَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ))[2](قطع رحمی کرنے والا کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو گا۔)

اسی طرح قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ میں رشتہ داروں کے معاشی حقوق پر بھی زور دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾[3](وہ تجھ سے پوچھتے ہیں کیا چیز خرچ کریں؟ کہہ دے تم خیر میں سے جو بھی خرچ کرو سو وہ ماں باپ اور زیادہ قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے لیے ہے اور تم نیکی میں سے جو کچھ بھی کرو گے تو بے شک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے۔)

علاوہ ازیں احادیثِ مبارکہ میں حضور نبی کریم ﷺ نے غریب رشتہ داروں کی معاشی بحالی پر زور دینے کے ساتھ ساتھ کمزور اقرباء کے حقوق کی ادائیگی کی بھی تلقین فرمائی۔

---

1 النحل:90

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب إِثْمِ الْقَاطِعِ، حدیث 5984۔

3 البقرہ:215

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: یہ (باغ) اپنے غریب رشتہ دار کو دے دو، ((فَقَسَمَهَا أَبُو طَلْحَةَ فِي أَقَارِبِهِ))[1] پس انہوں نے وہ حضرت حسان اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کو دے دیا (جو ان کے چچازاد بھائی تھے۔)

دیگر مسلمان

اسلام امن و سلامتی کا داعی ہے، اسلام اپنے پیروی کرنے کو کچھ حقوق دیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں۔ مثلاً: ((حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ رَدُّ السَّلاَمِ، وَعِيَادَةُ الْمَرِيضِ، وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ، وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ، وَتَشْمِيتُ الْعَاطِسِ.))[2] (مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں سلام کا جواب دینا، مریض کا مزاج معلوم کرنا، جنازے کے ساتھ چلنا، دعوت قبول کرنا، اور چھینک پر (اس کے «الحمدللہ» کے جواب میں) «یرحمک اللہ» کہنا)

اس حدیث کی روشنی میں ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں، جن کی تفصیل ذیل میں پیش کی جارہی ہے:

1) سلام کہنا:

ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ سلام کہے اور دوسرے اس کا جواب دیں۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((أَفْشُوا السَّلاَمَ بَيْنَكُمْ))[3] (آپس میں سلام کو عام کرو۔)

گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کہنا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾[4] (اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں داخل نہ ہو، یہاں تک کہ انس حاصل کر لو اور ان کے رہنے والوں کو سلام کہو۔ یہ تمھارے لیے بہتر ہے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔)

---

1 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ إلى: ﴿بِهِ عَلِيمٌ﴾، حدیث 4554-

2 ایضاً، کتاب الجنائز، باب الأَمْرِ بِاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ، حدیث 1240-

3 ترمذی، ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، السنن، کتاب الاستئذان والآداب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب مَا جَاءَ فِي إِفْشَاءِ السَّلاَمِ، حدیث 2688- اس روایت کو علامہ البانیؒ نے "صحیح" کہا ہے۔

4 النور: 27

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:﴿فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَى أَنفُسِكُمْ﴾[1] (پھر جب تم کسی طرح کے گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں پر سلام کہو۔)

اسلام بہترین چیز ہے:

اسلام بہترین چیز ہے، اس کے بار میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:((تُطْعِمُ الطَّعَامَ، وَتَقْرَأُ السَّلاَمَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ))[2](تم کھانا کھلاؤ، اور جس کو پہچانو اس کو بھی اور جس کو نہ پہچانو اس کو بھی، الغرض سب کو سلام کرو۔) اسلام باہمی اخوت کا دین ہے۔﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾[3](مومن بھائی بھائی ہیں۔) مسلمانوں کے ایک دوسرے پر کئی حقوق ہیں جن میں سے یہ چھ بہت اہم ہیں حق المسلم کے الفاظ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ چیزیں مسلمان کے ذمے مسلمان کا حق ہیں کافر کا حق نہیں ہیں۔ اب ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ تشریح کی جاتی ہے۔

1)اسلام: سلام کے متعلق سب سے قوی بات یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:﴿هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾[4](وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ ہے، نہایت پاک، سلامتی والا، امن دینے والا، نگہبان، سب پر غالب، اپنی مرضی چلانے والا، بے حد بڑائی والا ہے، پاک ہے اللہ اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔)

عبد اللہ بن مسعود بھی اور فرماتے ہیں ہم جب نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تو یوں کہتے:

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قُلْنَا السَّلاَمُ عَلَى اللَّهِ قَبْلَ عِبَادِهِ، السَّلاَمُ عَلَى جِبْرِيلَ، السَّلاَمُ عَلَى مِيكَائِيلَ، السَّلاَمُ عَلَى فُلاَنٍ، فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ فَقَالَ " إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّلاَمُ، فَإِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلاَةِ فَلْيَقُلِ التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ، وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلاَمُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلاَمُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ. فَإِنَّهُ إِذَا قَالَ ذَلِكَ أَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالأَرْضِ، أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ. ثُمَّ يَتَخَيَّرُ بَعْدُ مِنَ الْكَلاَمِ مَا شَاءَ ".))[5]

---

1 النور:61

2 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب الایمان، باب إِطْعَامُ الطَّعَامِ مِنَ الإِسْلاَمِ، حدیث 12-

3 الحجرات:10

4 الحشر:23

5 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب الاستئذان ،بَابُ السَّلاَمُ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللَّهِ تَعَالَى، حدیث 6230-

(عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب ہم (ابتداء اسلام میں) نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تو کہتے "سلام ہو اللہ پر اس کے بندوں سے پہلے، سلام ہو جبرائیل پر، سلام ہو میکائیل پر، سلام ہو فلاں پر، پھر (ایک مرتبہ) جب آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اللہ ہی سلام ہے۔ اس لئے جب تم میں سے کوئی نماز میں بیٹھے تو((التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ، وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلاَمُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلاَمُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ.)) پڑھا کرے۔ کیونکہ جب وہ یہ دعا پڑھے گا تو آسمان وزمین کے ہر صالح بندے کو اس کی یہ دعا پہنچے گی۔((أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.))اس کے بعد اسے اختیار ہے جو دعا چاہے پڑھے۔)

جب نبی سلام نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف چہرہ کر کے فرمایا:((لَا تَقُولُوا السَّلَامُ عَلَى اللَّهِ، فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّلَامُ))[1](اللہ پر سلام ہو مت کہو کیونکہ اللہ خود سلام ہے۔)

سلام کا معنی وہ ہستی جو ہر عیب اور نقص سے سالم ہے اور جو سب کو سلامتی دینے والا ہے اور السلام علیکم کا معنی یہ ہوا کہ سلام (اللہ تعالی) تم پر سایہ فگن رہے، تمہارا نگہبان اور محافظ ہو، اللہ تمہارا ساتھی ہو۔

جب کوئی شخص دوسرے کو سلام کہتا ہے تو وہ اسے اس بات سے آگاہ کرتا ہے کہ میری طرف سے تم بے فکر ہو جاؤ کہ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا کیونکہ جو شخص اللہ سے اس کی سلامتی کی دعا کر رہا ہے وہ خود تکلیف کیسے دے سکتا ہے؟

2)جب مسلمان سے ملے اسے سلام کہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جدا ہوتے وقت سلام کی ضرورت نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:((إِذَا انْتَهَى أَحَدُكُمْ إِلَى مَجْلِسٍ فَلْيُسَلِّمْ فَإِنْ بَدَا لَهُ أَنْ يَجْلِسَ فَلْيَجْلِسْ ثُمَّ إِذَا قَامَ فَلْيُسَلِّمْ فَلَيْسَتِ الأُولَى بِأَحَقَّ مِنَ الآخِرَةِ))[2](جب تم میں سے کوئی شخص کسی مجلس میں پہنچے تو سلام کرے، پھر اگر اس کا دل بیٹھنے کو چاہے تو بیٹھ جائے۔ پھر جب اٹھ کر جانے لگے تو سلام کرے۔ پہلا (سلام) دوسرے (سلام) سے زیادہ ضروری نہیں ہے۔)

سلام کہنے کی فضیلت:

سلام کہنے کی فضیلت کتب احادیث میں مختلف روایات میں پیش ہوئی ہے۔ مثلاً:

---

1 **ایضاً**، كتاب الأذان ،باب مَا يُتَخَيَّرُ مِنَ الدُّعَاءِ بَعْدَ التَّشَهُّدِ وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ، **حدیث** 835-

2 **ترمذی، ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، السنن**، كتاب الاستئذان والآداب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمِ عِنْدَ الْقِيَامِ وَعِنْدَ الْقُعُودِ، حدیث 2706-اس روایت کو علامہ البانیؒ نے "صحیح" کہا ہے۔

((عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، أَنَّ رَجُلاً، جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ السَّلاَمُ عَلَيْكُمْ . قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم " عَشْرٌ " . ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ السَّلاَمُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم " عِشْرُونَ " . ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ السَّلاَمُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم " ثَلاَثُونَ " .))[1]

(عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کے پاس آکر کہا:((السَّلاَمُ عَلَيْكُمْ))، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:(اس کے لیے) دس نیکیاں ہیں، پھر ایک دوسرا شخص آیا اور اس نے کہا:((السَّلاَمُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ))، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:(اس کے لیے) بیس نیکیاں ہیں، پھر ایک اور آدمی آیا اور اس نے کہا:((السَّلاَمُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ))، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:(اس کے لیے) تیس نیکیاں ہیں۔)

2) بیمار کی عیادت کرنا:

مسلمان کی عیادت کرنا واجب ہے، امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں باب وُجُوبِ عِيَادَةِ الْمَرِيضِ قائم کیا ہے۔ سیدنا ابو موسی بھی ان سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:((أَطْعِمُوا الْجَائِعَ، وَعُودُوا الْمَرِيضَ، وَفُكُّوا الْعَانِيَ))[2](بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور مریض کی عیادت یعنی مزاج پرسی کرو اور قیدی کو چھڑاؤ۔)

درحقیقت بیمار کی عیادت کرنے سے مریض کو راحت قلبی سکون اور چین و تازگی میسر آتی ہے۔ کم از کم اتنی دیر بیمار کی توجہ اپنی بیماری سے کم ہو جاتی ہے جتنی دیر وہ ملنے کے لیے آنے والے کے ساتھ مشغول رہتا ہے۔ بیمار پرسی کرنے سے مریض کی ضروریات کا اندازہ ممکن ہے، یوں مریض کی خواہش کو یقینی بنایا جا سکتا ہے۔

مریض کے لیے دعا کرنا:

ایک با عمل، نیک سیرت، باکردار شخص جب سنت نبوی کے مطابق مریض کی تیمارداری کرتا ہے تو وہ مسنون دعائیہ کلمات پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس بندہ مومن کی اس دعا سے بھی متاثرہ مریض صحت یاب ہو سکتا ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی کریم علی نے ارشاد فرمایا: جب کوئی مسلمان کسی مسلمان کی بیمار پرسی کرے اور سات مرتبہ یہ کلمات کہے تو اسے عافیت دی جاتی ہے ہوائے اس کے کہ اسکی موت کا وقت آپہنچا ہو۔

---

1 ایضاً، باب مَا ذُكِرَ فِي فَضْلِ السَّلاَمِ ،حدیث 2689- اس روایت کو علامہ البانیؒ نے "صحیح" کہا ہے۔

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب المرضی، باب وُجُوبِ عِيَادَةِ الْمَرِيضِ، حدیث 5649-

((مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَعُودُ مَرِيضًا لَمْ يَحْضُرْ أَجَلُهُ فَيَقُولُ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَسْأَلُ اللَّهَ الْعَظِيمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ أَنْ يَشْفِيَكَ إِلاَّ عُوفِيَ))[1](جو مسلمان بندہ کسی ایسے مریض کی عیادت کرے جس کی موت کا ابھی وقت نہ ہوا ہو اور سات بار یہ دعا پڑھے((أَسْأَلُ اللَّهَ الْعَظِيمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ أَنْ يَشْفِيَكَ))میں عظمت والے اللہ اور عظیم عرش کے مالک سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہیں اچھا کر دے"تو ضرور اس کی شفاء ہو جاتی ہے۔)

عیادت کرنے والے پر ضروری ہے کہ وہ مریض کو تشفی دے، حوصلہ بڑھائے، یہی سنت نبوی ہے، نبی کریم ﷺ جب کسی مریض کی عیادت کو جاتے تو فرماتے:

((" لاَ بَأْسَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ ". فَقَالَ كَلاَّ بَلْ حُمَّى تَفُورُ عَلَى شَيْخٍ كَبِيرٍ كَيْمَا تُزِيرَهُ الْقُبُورَ. قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم " فَنَعَمْ إِذًا ".)) [2](((لاَ بَأْسَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ))کہ کوئی فکر نہیں اگر اللہ نے چاہا۔(یہ مرض) گناہوں سے پاک کرنے والا ہو گا لیکن اس نے یہ جواب دیا کہ ہرگز نہیں یہ تو ایسا بخار ہے جو ایک بوڑھے پر غالب آ چکا ہے اور اسے قبر تک پہنچا کر ہی رہے گا، اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر ایسا ہی ہو گا ۔)

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی کریم ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف لائے تو یہ دعا فرمائی:((ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ عَلَى جَبْهَتِهِ، ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ عَلَى وَجْهِي وَبَطْنِي ثُمَّ قَالَ " اللَّهُمَّ اشْفِ سَعْدًا وَأَتْمِمْ لَهُ هِجْرَتَهُ ". فَمَا زِلْتُ أَجِدُ بَرْدَهُ عَلَى كَبِدِي فِيمَا يُخَالُ إِلَيَّ حَتَّى السَّاعَةِ.))[3](پھر آنحضرت ﷺ نے اپنا ہاتھ ان کی پیشانی پر رکھا(حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا) اور میرے چہرے اور پیٹ پر آپ نے اپنا مبارک ہاتھ پھیرا پھر فرمایا((اللَّهُمَّ اشْفِ سَعْدًا))(اے اللہ! سعد کو شفاء عطا فرما) اور اس کی ہجرت کو مکمل کر۔حضور اکرم ﷺ کے دست مبارک کی ٹھنڈک اپنے جگر کے حصہ پر میں اب تک پا رہا ہوں۔)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کسی بیمار کی عیادت کو جاتے یا آپ کے پاس کسی کو لایا جاتا تو آپ ﷺ یہ دعا فرماتے:((أَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ، اشْفِ وَأَنْتَ الشَّافِي لاَ شِفَاءَ إِلاَّ شِفَاؤُكَ، شِفَاءً لاَ يُغَادِرُ سَقَمًا))[4](تو آپ ﷺ یہ دعا فرماتے: اے پروردگار لوگوں کے! بیماری دور کر دے، اے انسانوں کے پالنے والے! شفاء عطا فرما، تو ہی شفاء دینے والا ہے۔تیری شفاء کے سوا اور کوئی شفاء نہیں، ایسی شفاء دے جس میں مرض بالکل باقی نہ رہے۔)

1ترمذی، ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، السنن، کتاب الطب، باب ، حدیث2083-اس روایت کو علامہ البانیؒ نے "صحیح" کہا ہے۔

2بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب المرضی، باب مَا يُقَالُ لِلْمَرِيضِ وَمَا يُجِيبُ، حدیث5662-

3بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب المرضی، باب وَضْعِ الْيَدِ عَلَى الْمَرِيضِ، حدیث5659-

4ایضاً، باب دُعَاءِ الْعَائِدِ لِلْمَرِيضِ، حدیث5675-

عیادت کرنے کا ثواب:

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہا سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ عَادَ مَرِيضًا لَمْ يَزَلْ فِي خُرْفَةِ الْجَنَّةِ "، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَا خُرْفَةُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ: جَنَاهَا))[1] (مسلمان جب اپنے بھائی کی عیادت کرتا ہے تو واپس آنے تک وہ جنت میں تازہ پھلوں کے چننے میں مصروف رہتا ہے آپ نام سے پوچھا گیا خرفۃ الجنہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے تازہ پھل چنا۔)

غیر مسلم کی عیادت کو جانا:

غیر مسلم مریض کی عیادت کرنا بھی جائز ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے یہودی کے لڑکے کی عیادت کی تھی۔((عَنْ أَنَسٍ ـ رضى الله عنه ـ قَالَ كَانَ غُلاَمٌ يَهُودِيٌّ يَخْدُمُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَمَرِضَ، فَأَتَاهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَعُودُهُ، فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَقَالَ لَهُ " أَسْلِمْ ". فَنَظَرَ إِلَى أَبِيهِ وَهُوَ عِنْدَهُ فَقَالَ لَهُ أَطِعْ أَبَا الْقَاسِمِ صلى الله عليه وسلم. فَأَسْلَمَ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ يَقُولُ " الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ ".))[2] (انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک یہودی لڑکا (عبد القدوس) نبی کریم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، ایک دن وہ بیمار ہو گیا۔ آپ ﷺ اس کا مزاج معلوم کرنے کے لیے تشریف لائے اور اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ مسلمان ہو جا۔ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، باپ وہیں موجود تھا۔ اس نے کہا کہ (کیا مضائقہ ہے) ابو القاسم ﷺ جو کچھ کہتے ہیں مان لے۔ چنانچہ وہ بچہ اسلام لے آیا۔ جب نبی کریم ﷺ باہر نکلے تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ شکر ہے اللہ پاک کا جس نے اس بچے کو جہنم سے بچالیا۔)

3) جنازہ میں شرکت کرنا:

اگر کوئی مسلمان فوت ہو جائے تو اس کے جنازہ میں شرکت کرنی چاہیے:((خَمْسٌ تَجِبُ لِلْمُسْلِمِ عَلَى أَخِيهِ رَدُّ السَّلاَمِ وَتَشْمِيتُ الْعَاطِسِ وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَازَةِ))[3] (پانچ چیزیں ہر مسلمان پر اپنے بھائی کے لیے واجب ہیں، سلام کا جواب دینا، چھینکنے والے کا جواب دینا، دعوت قبول کرنا، مریض کی عیادت کرنا اور جنازے کے ساتھ جانا۔)

---

1 قشیری، ابو الحسین، مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، كِتَاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، باب فَضْلِ عِيَادَةِ الْمَرِيضِ، حدیث 6554(2568)-

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب الجنائز، باب إِذَا أَسْلَمَ الصَّبِيُّ فَمَاتَ هَلْ يُصَلَّى عَلَيْهِ وَهَلْ يُعْرَضُ عَلَى الصَّبِيِّ الإِسْلاَمُ، حدیث 1356-

3 ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، **السنن**، کتاب الادب، باب فِي الْعُطَاسِ، حدیث 5030- علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت "صحیح" ہے۔

جنازہ ادا کرنے کا اجر:

جنازہ ادا کرنے کا اجر احد پہاڑ کے برابر ہے۔ مثلاً:((مَنْ تَبعَ جَنَازَةً فَصَلَّى عَلَيْهَا فَلَهُ قِيرَاطٌ وَمَنْ تَبِعَهَا حَتَّى يُفْرَغَ مِنْهَا فَلَهُ قِيرَاطَانِ أَصْغَرُهُمَا مِثْلُ أُحُدٍ أَوْ أَحَدُهُمَا مِثْلُ أُحُدٍ))[1](جو شخص جنازہ کے ساتھ جائے اور نماز جنازہ پڑھے تو اسے ایک قیراط (کا ثواب) ملے گا، اور جو جنازہ کے ساتھ جائے اور اس کے دفنانے تک ٹھہرا رہے تو اسے دو قیراط (کا ثواب) ملے گا، ان میں سے چھوٹا قیراط یا ان میں سے ایک قیراط احد پہاڑ کے برابر ہو گا۔)

4) دعوت کو قبول کرنا:

ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ جب بھی کوئی دوسرا مسلمان دعوت دے تو اس کو قبول کرنا چاہیے، نبی کریم ﷺ بھی دعوت کو قبول کر لیا کرتے تھے۔ اس کی ایک مثال سیدہ جابر رضی اللہ عنہ کی دعوت کو نبی کریم ﷺ نے قبول کیا تھا۔

5) چھینک کا جواب دینا:

ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کی چھینک کا جواب دے، اس سے متعلق بہت سی مرویات ہیں۔ مثلاً:((إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ. وَلْيَقُلْ لَهُ أَخُوهُ أَوْ صَاحِبُهُ يَرْحَمُكَ اللَّهُ. فَإِذَا قَالَ لَهُ يَرْحَمُكَ اللَّهُ. فَلْيَقُلْ يَهْدِيكُمُ اللَّهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ ".))[2](جب تم میں سے کوئی چھینکے تو الْحَمْدُ لِلَّهِ کہے اور اس کا بھائی یا اس کا ساتھی (راوی کو شبہ تھا)((يَرْحَمُكَ اللَّهُ)) کہے۔ جب ساتھی ((يَرْحَمُكَ اللَّهُ)) کہے تو اس کے جواب میں چھینکنے والا ((يَهْدِيكُمُ اللَّهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ)) کہے۔)

6) عزت واحترام کرنا:

ایک مسلمان پر لازم ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کی تکریم کرے۔ اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ دے۔ اور اس پر کسی قسم کا ظلم وزیادتی نہ کرے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:((الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ))[3](مسلمان وہ ہے، جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے۔)

---

1 ایضاً، کتاب الجنائز، باب فَضْلِ الصَّلاَةِ عَلَى الْجَنَائِزِ وَتَشْيِيعِهَا، حدیث 3168-علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت "حسن" ہے۔

2 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب إِذَا عَطَسَ كَيْفَ يُشَمَّتُ، حدیث 6224-

3 ایضاً، کتاب الایمان، باب الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، حدیث 10-

مبحث اول:

صحیح بخاری کی قرابت داروں اور دیگر مسلمانوں کے حقوق سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں کتاب الادب کو قائم کیا، اس میں آپ نے عزیز و اقارب اور دیگر مسلمانوں کے حقوق سے متعلق تفسیری احادیث و آثار کو جمع کیا ہے۔ ذیل میں ہم ان کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

1. ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ * وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾[1]

(اور اپنے سب سے قریب رشتہ داروں کو ڈرا۔ اور اپنا بازو اس کے لیے جھکا دے جو ایمان والوں میں سے تیرے پیچھے چلے۔)

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ . رضى الله عنهما . قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الأَقْرَبِينَ﴾ صَعِدَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَلَى الصَّفَا فَجَعَلَ يُنَادِي " يَا بَنِي فِهْرٍ، يَا بَنِي عَدِيٍّ ". لِبُطُونِ قُرَيْشٍ حَتَّى اجْتَمَعُوا، فَجَعَلَ الرَّجُلُ إِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يَخْرُجَ أَرْسَلَ رَسُولاً لِيَنْظُرَ مَا هُوَ، فَجَاءَ أَبُو لَهَبٍ وَقُرَيْشٌ فَقَالَ " أَرَأَيْتَكُمْ لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلاً بِالْوَادِي تُرِيدُ أَنْ تُغِيرَ عَلَيْكُمْ، أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ ". قَالُوا نَعَمْ، مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلاَّ صِدْقًا. قَالَ " فَإِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَىْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ". فَقَالَ أَبُو لَهَبٍ تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ، أَلِهَذَا جَمَعْتَنَا فَنَزَلَتْ ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ * مَا أَغْنَى عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ﴾))[2]

(ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب آیت ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الأَقْرَبِينَ﴾ (اور آپ اپنے خاندانی قرابت داروں کو ڈراتے رہیے) نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور پکارنے لگے۔ اے بنی فہر! اور اے بنی عدی! اور قریش کے دوسرے خاندان والو! اس آواز پر سب جمع ہو گئے اگر کوئی کسی وجہ سے نہ آ سکا تو اس نے اپنا کوئی چودھری بھیج دیا، تاکہ معلوم ہو کہ کیا بات ہے۔ ابولہب قریش کے دوسرے لوگوں کے ساتھ مجمع میں تھا۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں خطاب کر کے فرمایا کہ تمہارا کیا خیال ہے، اگر میں تم سے کہوں کہ وادی میں (پہاڑی کے پیچھے) ایک لشکر ہے اور وہ تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات سچ مانو گے؟ سب نے کہا کہ ہاں، ہم آپ کی تصدیق کریں گے ہم نے ہمیشہ آپ کو سچا ہی پایا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پھر سنو، میں تمہیں اس سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو بالکل سامنے ہے۔ اس پر ابولہب بولا، تجھ پر سارے دن تباہی نازل ہو، کیا تو نے ہمیں اسی لیے اکٹھا کیا تھا۔ اسی واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ * مَا أَغْنَى عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ﴾ (ابو لہب

---

1 الشعراء: 214-215

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر القرآن، بَابُ: ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الأَقْرَبِينَ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ﴾ أَلِنْ جَانِبَكَ، حدیث 4770-

کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ برباد ہو گیا، نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی ہی اس کے آڑے آئی۔)

2. ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾[1]

(پھر یقیناتم قریب ہو اگر تم حاکم بن جاؤ کہ زمین میں فساد کرو اور اپنے رشتوں کو بالکل ہی قطع کر دو۔)

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ " إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ الْخَلْقَ حَتَّى إِذَا فَرَغَ مِنْ خَلْقِهِ، قَالَتِ الرَّحِمُ هَذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيعَةِ. قَالَ نَعَمْ أَمَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ. وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ. قَالَتْ بَلَى يَا رَبِّ. قَالَ فَهْوَ لَكِ ". قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم " فَاقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾))[2]

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا کی اور جب اس سے فراغت ہوئی تو رحم نے عرض کیا کہ یہ اس شخص کی جگہ ہے جو قطع رحمی سے تیری پناہ مانگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں کیا تم اس پر راضی نہیں کہ میں اس سے جوڑوں گا جو تم سے اپنے آپ کو جوڑے اور اس سے توڑلوں گا جو تم سے اپنے آپ کو توڑلے ؟ رحم نے کہا کیوں نہیں ، اے رب ! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پس یہ تجھ کو دیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کے بعد فرمایا کہ اگر تمہارا جی چاہے تو یہ آیت پڑھ لو۔ ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾ یعنی کچھ عجیب نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم ملک میں فساد برپا کرو اور رشتے ناطے توڑ ڈالو۔)

صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ـ رضى الله عنه ـ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ " إِنَّ الرَّحِمَ سُجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمَنِ، فَقَالَ اللَّهُ مَنْ وَصَلَكِ وَصَلْتُهُ، وَمَنْ قَطَعَكِ قَطَعْتُهُ ".))[3]

(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا رحم کا تعلق رحمن سے جڑا ہوا ہے پس جو کوئی اس سے اپنے آپ کو جوڑتا ہے اللہ پاک نے فرمایا کہ میں بھی اس کو اپنے سے جوڑ لیتا ہوں اور جو کوئی اسے توڑتا ہے میں بھی اپنے آپ کو اس سے توڑ لیتا ہوں۔)

امام بخاریؒ مزید روایت پیش کرتے ہیں:

---

1 محمد:22

2 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب مَنْ وَصَلَ وَصَلَهُ اللَّهُ، حدیث 5987-

3 ایضاً، حدیث 5988-

((عَنْ عَائِشَةَ ـ رضى الله عنها ـ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ " الرَّحِمُ شِجْنَةٌ، فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ، وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعْتُهُ ".))[1]

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ آپ ﷺ نے فرمایا رحم (رشتہ داری رحمن سے ملی ہوئی) شاخ ہے جو شخص اس سے ملے میں اس سے ملتا ہوں اور جو اس سے قطع تعلق کرے میں اس سے قطع تعلق کرتا ہوں۔)

ان احادیث سے صلہ رحمی کی اہمیت کا پتا چلتا ہے کہ رشتے داری قائم رکھنے والے سے اللہ تعالیٰ اپنا تعلق قائم رکھتا ہے اور اسے ختم کرنے والے سے اللہ تعالیٰ اپنا تعلق ختم کر لیتا ہے۔ دور حاضر میں بہت سے دیندار اپنے دنیا دار بھائیوں سے بالکل قطع تعلق ہو جاتے ہیں اور اسے تقویٰ کا اعلی معیار شمار کیا جاتا ہے۔ یہ بالکل غلط خیال ہے۔ ایسے لوگوں کو اپنے کردار پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ قرآن مجید میں قطع رحمی کی مذمت ان الفاظ میں کی گئی ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ﴾[2]

(اور وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو اسے پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور اس چیز کو کاٹ دیتے ہیں جس کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ اسے ملایا جائے اور زمین میں فساد کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے لیے لعنت ہے اور انھی کے لیے اس گھر کی خرابی ہے۔)

در حقیقت رشتے داری کے کئی مراتب ہیں: پہلا یہ کہ آپس میں ایسی رشتے داری ہو جس سے باہمی نکاح حرام ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ وہ ایک دوسرے کے وارث بنتے ہیں، تیسرے یہ کہ ان دونوں کے علاوہ کسی بھی وجہ سے قرابت ہو۔ ان میں سب سے زیادہ حق ماں کا ہے، پھر باپ کا، پھر حسب مراتب دوسرے عزیز و اقارب کا ہے۔ اگرچہ صلہ رحمی تمام عزیز و اقارب کا حق ہے مگر درجہ بدرجہ یہ حق بڑھتا چلا جاتا ہے۔ صلہ رحمی کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ آپس میں سلام و کلام کا سلسلہ قائم رہے۔ اگر یہ بھی باقی نہ رہا تو صلہ رحمی کیسی؟ اس کے بعد عزیز و اقارب کے احوال کی خبر گیری، مال و جان سے ان کا تعاون، ان کی غلطیوں سے درگزر اور ان کی عزت و آبرو کی حفاظت کرنا یہ صلہ رحی کی مختلف صورتیں ہیں۔

3. ﴿إِلاَّ الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى﴾[3]

(قرابت داری کی محبت کے سوا میں تم سے اور کچھ نہیں چاہتا۔)

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب مَنْ وَصَلَ وَصَلَهُ اللَّهُ، حدیث 5989-

2 الرعد: 25

3 الشوریٰ: 23

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ۔ رضى الله عنهما ۔۔ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ قَوْلِهِ ﴿إِلاَّ الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى﴾ فَقَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ قُرْبَى آلِ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَجِلْتَ إِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم لَمْ يَكُنْ بَطْنٌ مِنْ قُرَيْشٍ إِلاَّ كَانَ لَهُ فِيهِمْ قَرَابَةٌ فَقَالَ إِلاَّ أَنْ تَصِلُوا مَا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ مِنَ الْقَرَابَةِ.))[1]

(ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد﴿إِلاَّ الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى﴾(سوا رشتہ داری کی محبت کے) متعلق پوچھا گیا تو سعید بن جبیر نے فرمایا کہ آل محمد ﷺ کی قرابتداری مراد ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس پر کہا کہ تم نے جلد بازی کی۔ قریش کی کوئی شاخ ایسی نہیں جس میں نبی کریم ﷺ کی قرابت داری نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اس قرابت داری کی وجہ سے صلہ رحمی کا معاملہ کرو جو میرے اور تمہارے درمیان میں موجود ہے۔)

نبی کریم ﷺ کی والدہ اور آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے آپ کی رشتے داری صرف بنو عبد المطلب ہی سے نہیں بلکہ قریش کے سب قبیلوں سے تھی اور بنو عبد المطلب میں سے بھی کچھ لوگ آپ کے حق میں تھے اور کچھ سخت دشمن بھی تھے۔ ابو لہب لعین کی دشمنی تو سب جانتے ہیں۔ یہی حال قریش کے باقی قبیلوں کا تھا۔ ایسے حالات میں آپ نے فرمایا: "تم کم از کم میری قرابتداری کا تو خیال رکھو۔

بعض حضرات نے قربیٰ سے مراد قرب یا تقرب لیا ہے۔ اس اعتبار سے آیت کا مفہوم یہ ہے کہ میں تم سے اس کام پر اس بات کے سوا اور کوئی جزا نہیں چاہتا کہ تمہارے اندر اللہ کے قرب کی محبت پیدا ہو جائے، یعنی تم ٹھیک ہو جاؤ اور اللہ سے محبت کرنے لگو۔ بس یہی میرا اجر ہے، لیکن ہم نے پہلے معنی جو بیان کیے ہیں وہ اس تغیر کے مقابلے میں زیادہ وزنی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ آیت کریمہ میں اقارب سے مراد تمام قریش ہیں، صرف بنو ہاشم مراد لینا صحیح نہیں۔

4. ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾[2]

(پھر یقیناً تم قریب ہو اگر تم حاکم بن جاؤ کہ زمین میں فساد کرو اور اپنے رشتوں کو بالکل ہی قطع کردو۔)

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ۔ رضى الله عنه ۔ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ " خَلَقَ اللَّهُ الْخَلْقَ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْهُ قَامَتِ الرَّحِمُ فَأَخَذَتْ بِحَقْوِ الرَّحْمَنِ فَقَالَ لَهَا مَهْ. قَالَتْ هَذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيعَةِ. قَالَ أَلاَ

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر القرآن، بَابُ: ﴿إِلاَّ الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى﴾، حدیث 4818۔

2 محمد: 22

تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ. قَالَتْ بَلَى يَا رَبِّ. قَالَ فَذَاكِ لَكِ ". قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ اقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾))[1]

(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا کی، جب وہ اس کی پیدائش سے فارغ ہوا تو رحم نے کھڑے ہو کر رحم کرنے والے اللہ کے دامن میں پناہ لی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا کیا تجھے یہ پسند نہیں کہ جو تجھ کو جوڑے میں بھی اسے جوڑوں اور جو تجھے توڑے میں بھی اسے توڑ دوں۔ رحم نے عرض کیا، ہاں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ نے فرمایا، پھر ایسا ہی ہو گا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تمہارا جی چاہے تو یہ آیت پڑھ لو﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾(اگر تم کنارہ کش رہو تو آیا تم کو یہ احتمال بھی ہے کہ تم لوگ دین میں فساد مچادو گے اور آپس میں قطع تعلق کر لو گے۔)

1) آیت کریمہ میں ﴿إِنْ تَوَلَّيْتُمْ﴾ کے متعدد مفہوم حسب ذیل ہیں: * حکومت مل جائے، عام طور پر حکومت واقتدار کے نشے میں عدل وانصاف اور اعتدال قائم نہیں رہتا، دنیا کی حرص اور لالچ بڑھ جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عام فتنہ وفساد اور دوسروں سے قطع تعلق کر لی جاتی ہے۔ * اعراض کرنا، یعنی اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے اعراض کرو گے تو دنیا میں امن وامان قائم نہیں رہے گا۔ جب انصاف نہیں ہو گا تو فساد، بدامنی اور حق ناشناسی کا دور دورہ ہو گا۔ * ایمان لانے سے روگردانی، یعنی جب ایمان کے تقاضوں سے اعراض کرو گے تو زمانہ جاہلیت کی کیفیت واپس آجائے گی، وہ اس طرح کہ معمولی معمولی بات پر رشتے ناتے قطع کر لیے جائیں گے۔

2) یہ آیت منافقین کے متعلق بھی ہو سکتی ہے کہ تم سے ہی توقع کی جاسکتی ہے کہ اپنی منافقانہ شرارتوں سے ملک میں خرابی مچاؤ گے، جن مسلمانوں سے تمھاری قرابتیں ہیں ان کی مطلق پروا نہیں کرد گے۔ بہر حال ان احادیث میں صلہ رحمی کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

5. ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ أَدْنَى أَلَّا تَعُولُوا﴾[2]

(اور اگر تم ڈرو کہ یتیموں کے حق میں انصاف نہیں کرو گے تو (اور) عورتوں میں سے جو تمھیں پسند ہوں ان سے نکاح کر لو، دو دو سے اور تین تین سے اور چار چار سے، پھر اگر تم ڈرو کہ عدل نہیں کرو گے تو ایک بیوی سے، یا جن کے مالک تمھارے دائیں ہاتھ ہوں (یعنی لونڈیاں)۔ یہ زیادہ قریب ہے کہ تم انصاف سے نہ ہٹو۔)

---

1 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر القرآن، باب ﴿وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾، حدیث 4830۔

2 النساء: 3

((عَنْ عَائِشَةَ ۔ رضی الله عنها ۔ أَنَّ رَجُلاً، كَانَتْ لَهُ يَتِيمَةٌ فَنَكَحَهَا، وَكَانَ لَهَا عَذْقٌ، وَكَانَ يُمْسِكُهَا عَلَيْهِ، وَلَمْ يَكُنْ لَهَا مِنْ نَفْسِهِ شَيْءٌ فَنَزَلَتْ فِيهِ ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لاَ تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى﴾ أَحْسِبُهُ قَالَ كَانَتْ شَرِيكَتَهُ فِي ذَلِكَ الْعَذْقِ وَفِي مَالِهِ.))[1]

(عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ایک آدمی کی پرورش میں ایک یتیم لڑکی تھی، پھر اس نے اس سے نکاح کر لیا، اس یتیم لڑکی کی ملکیت میں کھجور کا ایک باغ تھا۔ اسی باغ کی وجہ سے یہ شخص اس کی پرورش کرتا رہا حالانکہ دل میں اس سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا۔ اس سلسلے میں یہ آیت اتری﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لاَ تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى﴾ کہ (اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے حق میں انصاف نہ کر سکو گے۔) ہشام بن یوسف نے کہا میں سمجھتا ہوں، ابن جریج نے یوں کہا یہ لڑکی اس درخت اور دوسرے مال اسباب میں اس مرد کی حصہ دار تھی۔)

مذکورہ بالا آیت دو قسم کے لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جس کی تفصیل حسب ذیل ہے: * ایک تو وہ جن کی پرورش میں کوئی یتیم لڑکی ہوتی اور وہ اس کی بدصورتی یا کسی اور وجہ سے اس کے نکاح میں کوئی رغبت تو نہ رکھتے ہوں لیکن اس وجہ سے اس کے ساتھ نکاح کر لیں کہ لڑکی مال دار ہے یا وہ ان کے مال میں شریک ہے۔ وہ کسی اور سے اس کا نکاح کر کے تیسرے آدمی کو مال میں شریک نہ کرنا چاہتے ہوں۔ دوسرے وہ جن کی پرورش میں یتیم لڑکی ہوتی اور وہ اس کے حسن و جمال اور مال و دولت کی وجہ سے اس کے ساتھ نکاح میں رغبت بھی رکھتے ہوں لیکن نکاح کرتے وقت حق مہر میں بے انصافی کریں اور پورا حق مہر نہ ادا کریں ان دونوں قسم کے لوگوں کو اس آیت کریمہ میں اپنی زیر پرورش لڑکیوں سے نکاح کرنے کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔ اس روایت کے آخر میں جو بات شک کے ساتھ بیان ہوئی ہے اسے امام بخاری نے دوسری روایت میں یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: "یہ اس آدمی کی بابت ہے جو کسی یتیم لڑکی کا سرپرست ہوتا اور وہ لڑکی اس کے ساتھ اس کے مال حتی کہ کھجور کے درخت میں بھی حصہ دار ہوتی لیکن سرپرست اس سے نکاح میں کوئی رغبت نہ رکھتا حتی کہ یہ بھی پسند نہ کرتا کہ کسی اور کے ساتھ اس کا نکاح کر دے اور اسے اپنے مال میں شریک کر لے، چنانچہ وہ اس لڑکی کو یوں ہی لٹکائے رکھتا۔ اس آیت کریمہ میں اس طرح کرنے سے منع کیا گیا ہے۔[2] بہر حال اس حدیث میں ایک ہی قسم کو بیان کیا گیا ہے جبکہ آئندہ حدیث میں اس کی تفصیل ہے۔

((عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ عَنْ قَوْلِ اللَّهِ، تَعَالَى ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لاَ تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى﴾. فَقَالَتْ يَا ابْنَ أُخْتِي، هَذِهِ الْيَتِيمَةُ تَكُونُ فِي حَجْرِ وَلِيِّهَا، تَشْرَكُهُ فِي مَالِهِ وَيُعْجِبُهُ مَالُهَا وَجَمَالُهَا، فَيُرِيدُ وَلِيُّهَا أَنْ يَتَزَوَّجَهَا، بِغَيْرِ أَنْ يُقْسِطَ فِي صَدَاقِهَا، فَيُعْطِيَهَا مِثْلَ مَا يُعْطِيهَا غَيْرُهُ، فَنُهُوا عَنْ أَنْ

---

1 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لاَ تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى﴾، حدیث 4573۔

2 ایضاً، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ﴾، حدیث 4600۔

يَنْكِحُوهُنَّ، إِلاَّ أَنْ يُقْسِطُوا لَهُنَّ، وَيَبْلُغُوا لَهُنَّ أَعْلَى سُنَّتِهِنَّ فِي الصَّدَاقِ، فَأُمِرُوا أَنْ يَنْكِحُوا مَا طَابَ لَهُمْ مِنَ النِّسَاءِ سِوَاهُنَّ. قَالَ عُرْوَةُ قَالَتْ عَائِشَةُ وَإِنَّ النَّاسَ اسْتَفْتَوْا رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم بَعْدَ هَذِهِ الآيَةِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ﴾ قَالَتْ عَائِشَةُ وَقَوْلُ اللَّهِ تَعَالَى فِي آيَةٍ أُخْرَى ﴿وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾ رَغْبَةُ أَحَدِكُمْ عَنْ يَتِيمَتِهِ حِينَ تَكُونُ قَلِيلَةَ الْمَالِ وَالْجَمَالِ قَالَتْ فَنُهُوا أَنْ يَنْكِحُوا عَنْ مَنْ رَغِبُوا فِي مَالِهِ وَجَمَالِهِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ، إِلاَّ بِالْقِسْطِ، مِنْ أَجْلِ رَغْبَتِهِمْ عَنْهُنَّ إِذَا كُنَّ قَلِيلاَتِ الْمَالِ وَالْجَمَالِ.))(1)

(عروہ بن زبیر نے خبر دی انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے آیت ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لاَ تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى﴾ کا مطلب پوچھا: انہوں نے کہا میرے بھانجے اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک یتیم لڑکی اپنے ولی کی پرورش میں ہو اور اس کی جائیداد کی حصہ دار ہو (ترکے کی روسے اس کا حصہ ہو) اب اس ولی کو اس کی مالداری خوبصورتی پسند آئے۔ اس سے نکاح کرنا چاہے پر انصاف کے ساتھ پورا مہر جتنا مہر اس کو دوسرے لوگ دیں، نہ دینا چاہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں لوگوں کو ایسی یتیم لڑکیوں کے ساتھ جب تک ان کا پورا مہر انصاف کے ساتھ نہ دیں، نکاح کرنے سے منع فرمایا اور ان کو یہ حکم دیا کہ تم دوسری عورتوں سے جو تم کو بھلی لگیں نکاح کر لو۔ (یتیم لڑکی کا نقصان نہ کرو) عروہ نے کہا عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں، اس آیت کے اترنے کے بعد لوگوں نے پھر نبی کریم ﷺ سے اس بارے میں مسئلہ پوچھا، اس وقت اللہ نے یہ آیت ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ﴾ اتاری۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا دوسری آیت میں یہ جو فرمایا ﴿وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾ یعنی وہ یتیم لڑکیاں جن کا مال و جمال کم ہو اور تم ان کے ساتھ نکاح کرنے سے نفرت کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تم ان یتیم لڑکیوں سے جن کا مال و جمال کم ہو نکاح کرنا نہیں چاہتے تو مال اور جمال والی یتیم لڑکیوں سے بھی جن سے تم کو نکاح کرنے کی رغبت ہے نکاح نہ کرو، مگر جب انصاف کے ساتھ ان کا مہر پورا ادا کرو۔)

اس حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے درج ذیل آیت: ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ﴾ ذکر کرنے کے بعد فرمایا: دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنكِحُوهُنَّ﴾ حالانکہ یہ دونوں ارشاد الٰہی ایک ہی آیت کا حصہ ہیں۔ دراصل امام بخاری کی روایت میں اختصار ہے جبکہ امام مسلم نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ حضرت عائشہ نے ﴿وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾ کو ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ﴾ کے اعتبار سے نہیں بلکہ سورۃ النساء کی ابتدائی آیت ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لاَ تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى﴾ کے اعتبار سے دوسری آیت کہا ہے۔(2)

---

1 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لاَ تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى﴾، حدیث 4574۔

2 قشیری، ابوالحسین، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، بَابٌ فِي تَفْسِيرِ آيَاتٍ مُتَفَرِّقَةٍ، حدیث 7528 (3018)۔

بہر حال اس آیت کریمہ میں یتیم لڑکیوں کے سرپرستوں کو دونوں قسم کی ناانصافیوں سے روکا گیا ہے کہ عورت، خواہ کم حسن و جمال اور کم مال والی ہو یا مالدار اور حسن و جمال والی ہو دونوں صورتوں میں اگر تم حقوق کی ادائیگی کر سکتے ہو تو خود نکاح کر لو ورنہ ان کا دوسروں سے نکاح کر دو۔ تم درمیان میں رکاوٹ نہ بنو۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سرپرست جس عورت کی کفالت کرتا ہو وہ خود بھی اس سے نکاح کر سکتا ہے۔

6. ﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا﴾[1]

(اور جو شخص نادار ہو وہ مناسب مقدار میں کھالے اور جب امانت ان یتیم بچوں کے حوالے کرنے لگو تو ان پر گواہ بھی کر لیا کرو، اور اللہ پورا حساب لینے والا کافی ہے۔)

((عَنْ عَائِشَةَ . رضی الله عنها . فِي قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ أَنَّهَا نَزَلَتْ فِي مَالِ الْيَتِيمِ إِذَا كَانَ فَقِيرًا، أَنَّهُ يَأْكُلُ مِنْهُ مَكَانَ قِيَامِهِ عَلَيْهِ، بِمَعْرُوفٍ.))[2]

(عائشہ رضی اللہ عنہا نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (بلکہ جو شخص خوشحال ہو وہ اپنے کو بالکل روکے رکھے۔ البتہ جو شخص نادار ہو وہ واجبی طور پر کھا سکتا ہے۔" کے بارے میں فرمایا کہ یہ آیت یتیم کے بارے میں اتری ہے کہ اگر ولی نادار ہو تو یتیم کی پرورش اور دیکھ بھال کی اجرت میں وہ واجبی طور پر (یتیم کے مال میں سے کچھ) کھا سکتا ہے (بشرطیکہ نیت میں فساد نہ ہو)

اس روایت میں ہے کہ یہ آیت کریمہ یتیم کے سرپرست کے متعلق نازل ہوئی ہے جو یتیم کی دیکھ بھال اور اس کے مال کی حفاظت کرتا ہے کہ اگر وہ نادار ہے تو دستور کے مطابق بطور حق الخدمت اس کے مال سے کھا سکتا ہے۔

امام بخاریؒ اس پر ایک اور روایت پیش کرتے ہیں:

((عَائِشَةَ . رضی الله عنها . تَقُولُ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾أُنْزِلَتْ فِي وَالِي الْيَتِيمِ الَّذِي يُقِيمُ عَلَيْهِ، وَيُصْلِحُ فِي مَالِهِ، إِنْ كَانَ فَقِيرًا أَكَلَ مِنْهُ بِالْمَعْرُوفِ.))[3]

---

1 النساء:6

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب ﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ﴾ الآيَةَ، حدیث 4575-

3 ایضاً، كِتَاب الْبُيُوعِ، بَابُ مَنْ أَجْرَى أَمْرَ الأَمْصَارِ عَلَى مَا يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ فِي الْبُيُوعِ وَالإِجَارَةِ وَالْمِكْيَالِ، وَالْوَزْنِ، وَسُنَنِهِمْ عَلَى نِيَّاتِهِمْ وَمَذَاهِبِهِمِ الْمَشْهُورَةِ، حدیث 2212-

(سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ فرماتی ہیں: ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾(جو شخص مالدار ہو وہ (اپنی زیر پرورش یتیم کا مال ہضم کرنے سے) اپنے کو بچائے۔ اور جو فقیر ہو وہ نیک نیتی کے ساتھ اس میں سے کھالے۔) یہ آیت یتیموں کے ان سرپرستوں کے متعلق نازل ہوئی تھی جو ان کی اور ان کے مال کی نگرانی اور دیکھ بھال کرتے ہوں کہ اگر وہ فقیر ہیں تو (اس خدمت کے عوض) نیک نیتی کے ساتھ اس میں سے کھاسکتے ہیں۔)

حضرت عائشہ ان کی بیان کردہ اس تفسیر کی تائید میں ایک مرفوع روایت بھی ہے:

((جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنَّ عِنْدِي يَتِيماً لَهُ مَالٌ، وَلَيْسَ عِنْدِي شَيْءٌ، فَمَا آكُلُ مِنْ مَالِهِ؟ قَالَ: بالمعروف غير مسرف))[1]

(نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! ایک یتیم میری کفالت میں ہے اور اس کے پاس مال بھی ہے جبکہ میرے پاس کچھ بھی نہیں، کیا میں اس کے مال سے کچھ کھا سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: "ہاں، دستور کے مطابق تو کھا سکتا ہے۔ لیکن اسراف نہیں کرنا۔)

ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا: ((كُلْ مِنْ مَالِ يَتِيمِكَ غَيْرَ مُسْرِفٍ وَلَا مُبَادِرٍ وَلَا مُتَأَثِّلٍ))[2] (تو اپنے یتیم کے مال سے کھا سکتا ہے لیکن اسراف اور فضول خرچی نہ ہو، نہ جلدی کرنے والا اور نہ تو اس کے مال سے کوئی جمع پونجی بنانے والا ہی ہو۔)

وہ دستور کیا ہے جس کے مطابق ایک نادار شخص اپنے زیر کفالت یتیم کے مال سے کھا سکتا ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ((أَنْ يَأْكُلَ مِنْ طَعَامِهِ بِأَطْرَافِ الْأَصَابِعِ))[3] (وہ اپنی انگلیوں کے پوروں سے لے لے) یعنی بہت کم خرچ کرے۔

ایک روایت میں ہے: ((يَأْكُلُ مَا سَدَّ الْجَوْعَةَ وَوَارَى الْعَوْرَةَ))[4] (وہ یتیم کے مال سے صرف اس قدر کھائے جس سے اس کی بھوک دور ہو جائے اور اس قدر پہنے جس سے اس کی ستر پوشی ہو جائے۔)

7. ﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا﴾[1]

---

1 رازی، ابو محمد، عبدالرحمن بن ابی حاتم، تفسیر القرآن العظیم (سعودی عرب: مكتبة نزار مصطفى الباز، 1419ھ) سورۃ النساء، آیت 6، ج3، ص868، حدیث 4824۔

2 ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، السنن ، كِتَاب الْوَصَايَا، باب مَا جَاءَ فِيمَا لِوَلِيِّ الْيَتِيمِ أَنْ يَنَالَ مِنْ مَالِ الْيَتِيمِ، حدیث 2872۔ علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت "حسن" ہے۔

3 طبری، ابو جعفر، محمد بن جریر، تفسیر جامع البیان فی تاویل القرآن (مکہ مکرمہ: دار التربیہ، س ن)، ج7، ص586۔

4 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ج8، ص241۔

(اور جب تقسیم کے وقت قرابت والے اور یتیم اور مسکین حاضر ہوں تو انھیں اس میں سے کچھ دو اور ان سے اچھی بات کہو۔)

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ . رضی الله عنهما . ﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينُ﴾ قَالَ هِيَ مُحْكَمَةٌ وَلَيْسَتْ بِمَنْسُوخَةٍ. تَابَعَهُ سَعِيدٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ.))(2)

(عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينُ﴾(اور جب تقسیم کے وقت عزیز و اقارب اور یتیم اور مسکین موجود ہوں۔) کے متعلق فرمایا کہ یہ محکم ہے، منسوخ نہیں ہے۔ عکرمہ کے ساتھ اس حدیث کو سعید بن جبیر نے بھی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تقسیم ترکہ کے وقت کچھ محتاج یتیم اور فقیر قسم کے لوگ آجائیں یا دور کے رشتے دار وہاں موجود ہوں تو از راہ احسان انھیں بھی کچھ نہ کچھ دیا جائے۔ تنگ دلی یا تنگ ظرفی کا مظاہرہ نہ کیا جائے۔ اگر ایسا نہ کر سکو تو کم از کم نرم لب و لہجے سے انھیں جواب دو، ان سے سختی کے ساتھ بات نہ کرو۔

بعض اہل علم کا موقف ہے کہ یہ آیت، قانون وراثت پر مشتمل آیت سے منسوخ ہو چکی ہے کیونکہ آیت میراث میں سب حقدار ورثاء کے حصے متعین ہو چکے ہیں، لیکن درج ذیل دو صورتوں میں اس آیت کو منسوخ ماننے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی: آیت میں مذکورہ رشتے داروں سے مراد عصبہ ہیں، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ . رضی الله عنهما . قَالَ إِنَّ نَاسًا يَزْعُمُونَ أَنَّ هَذِهِ الآيَةَ نُسِخَتْ، وَلاَ وَاللَّهِ مَا نُسِخَتْ، وَلَكِنَّهَا مِمَّا تَهَاوَنَ النَّاسُ، هُمَا وَالِيَانِ وَالٍ يَرِثُ، وَذَاكَ الَّذِي يَرْزُقُ، وَوَالٍ لاَ يَرِثُ، فَذَاكَ الَّذِي يَقُولُ بِالْمَعْرُوفِ، يَقُولُ لاَ أَمْلِكُ لَكَ أَنْ أُعْطِيَكَ))(3)

(آپ نے فرمایا: "کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے، اللہ کی قسم! ایسا نہیں ہے بلکہ لوگوں نے اس پر عمل کرنے میں سستی کا مظاہرہ کیا ہے۔ آیت میں مذکورہ رشتے داروں کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ عصبہ) جو وارث بن سکتا ہے اسے تو کچھ نہ کچھ ضرور دینا چاہیے اور دوسرا وہ (عصبہ) جو وارث نہیں بنتا، اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنی چاہیے اور کہا جائے کہ ہمارے پاس تمھیں دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔)

---

1 النساء:8

2 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب ﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينُ﴾ الآيَةَ، حدیث 4576-

3 ایضاً، كِتَاب الْوَصَايَا، بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ﴾، حدیث 2759-

یہ حکم مورث کے لیے ہے کہ جب وہ وفات سے پہلے وصیت کرے تو عصبہ رشتے داروں، یتیموں اور مساکین کا بھی حصہ رکھے، چنانچہ ایک روایت میں ہے:

((أَنَّ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ قَسَمَ مِيرَاثَ أَبِيهِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ فِي حَيَاةِ عَائِشَةَ فَلَمْ يَدَعْ فِي الدَّارِ ذَا قَرَابَةٍ وَلَا مِسْكِينًا إِلَّا أَعْطَاهُ مِنْ مِيرَاثِ أَبِيهِ وَتَلَا الْآيَةَ قَالَ الْقَاسِمُ فَذَكَرْتُهُ لِابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ مَا أَصَابَ لَيْسَ ذَلِكَ لَهُ إِنَّمَا ذَلِكَ إِلَى الْوَصِيِّ وَإِنَّمَا ذَلِكَ فِي الْعَصَبَةِ أَيْ نُدِبَ لِلْمَيِّتِ أَنْ يُوصِيَ لَهُمْ))[1]

(عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابو بکر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں جب اپنے باپ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کی وراثت تقسیم کی توگھر میں موجود ہر رشتے دار اور مساکین کو اپنے باپ کی جائیداد سے حصہ دیا اور مذکورہ آیت تلاوت فرمائی۔ حضرت قاسم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اس واقعے کا تذکرہ کیا تو انھوں نے فرمایا: عبداللہ بن عبدالرحمن نے درست کام نہیں کیا کیونکہ یہ کام اس کے کرنے کا نہیں بلکہ یہ تو وصیت کرنے والے کی ذمے داری تھی۔)

واضح رہے کہ ترکے میں سے دور کے رشتے داروں، یتیموں اور مساکین کو تھوڑا بہت دینا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے کیونکہ اگر یہ حکم وجوب کے لیے ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ بھی ترکہ کے حق دار اور میراث میں شریک ہیں جبکہ ان کا حصہ متعین نہیں ہے۔ یہ چیز اختلاف، انتشار اور جھگڑے کا باعث بن سکتی ہے۔

8. ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَى بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا﴾[2]

(اور وہ تجھ سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں، کہہ دے اللہ تمھیں ان کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے اور جو کچھ تم پر کتاب میں پڑھا جاتا ہے وہ ان یتیم عورتوں کے بارے میں ہے جنھیں تم وہ نہیں دیتے جو ان کے لیے فرض کیا گیا ہے اور رغبت رکھتے ہو کہ ان سے نکاح کر لو اور نہایت کمزور بچوں کے بارے میں ہے اور اس بارے میں ہے کہ یتیموں کے لیے انصاف پر قائم رہو اور تم جو بھی نیکی کرو سو بے شک اللہ ہمیشہ سے اسے خوب جاننے والا ہے۔)

((عَنْ عَائِشَةَ ۔ رضی اللہ عنها ۔ ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾. قَالَتْ هُوَ الرَّجُلُ تَكُونُ عِنْدَهُ الْيَتِيمَةُ، هُوَ وَلِيُّهَا وَوَارِثُهَا، فَأَشْرَكَتْهُ فِي مَالِهِ

1 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ج8۔ ص242۔

2 النساء:127

حَتَّى فِي الْعِذْقِ، فَيَرْغَبُ أَنْ يَنْكِحَهَا، وَيَكْرَهُ أَنْ يُزَوِّجَهَا رَجُلاً، فَيَشْرَكُهُ فِي مَالِهِ بِمَا شَرِكَتْهُ فَيَعْضُلَهَا فَنَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ.))[1]

(عائشہ رضی اللہ عنہا نے آیت ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ﴾(لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ مانگتے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ اللہ تمہیں ان کے بارے میں (وہی) فتویٰ دیتا ہے) آیت ﴿وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾ تک، انہوں نے بیان کیا کہ یہ آیت ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوئی کہ اگر اس کی پرورش میں کوئی یتیم لڑکی ہو اور وہ اس کا ولی اور وارث بھی ہو اور لڑکی اس کے مال میں بھی حصہ دار ہو۔ یہاں تک کہ کھجور کے درخت میں بھی۔ اب وہ شخص خود اس لڑکی سے نکاح کرنا چاہے، کیونکہ اسے یہ پسند نہیں کہ کسی دوسرے سے اس کا نکاح کر دے کہ وہ اس کے اس مال میں حصہ دار بن جائے، جس میں لڑکی حصہ دار تھی، اس وجہ سے اس لڑکی کا کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ ہونے دے تو ایسے شخص کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی۔)

حافظ ابن حجرؒ نے ابن ابی حاتم کے حوالے سے اس آیت کا شان نزول ذکر کیا ہے کہ

((كَانَ لِجَابِرِ بِنْتُ عَمٍّ دَمِيمَةٌ وَلَهَا مَالٌ وَرِثَتْهُ عَنْ أَبِيهَا وَكَانَ جَابِرٌ يَرْغَبُ عَنْ نِكَاحِهَا وَلَا يُنْكِحُهَا خَشْيَةَ أَنْ يَذْهَبَ الزَّوْجُ بِمَالِهَا))[2]

(حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی چچازاد بدصورت تھی اور وہ اپنے والد کی میراث پانے کی وجہ سے مال دار بھی تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ہاں وہ زیر کفالت تھی۔ بدصورت ہونے کی وجہ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس سے نکاح کرنے میں کوئی رغبت نہیں رکھتے تھے لیکن کسی سے نکاح کر دینے میں بھی رضامند نہ تھے کیونکہ اس طرح اس کا مال اس کے شوہر کو مل جاتا۔ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔)

عربی زبان میں "رغب" کا لفظ صلہ کے اعتبار سے دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے: اگر اس کے بعد "فی" ہو تو اس کے معنی ہیں: رغبت کرنا اور شوق رکھنا اور اگر اس کے بعد "عن" آجائے تو یہ روگردانی اور نفرت کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ آیت کریمہ میں دونوں معنوں کی گنجائش کے پیش نظر اس کا صلہ حذف کر دیا گیا ہے۔ اس میں رغبت کرنا اور نفرت کرنا دونوں معنی مقصود ہیں کیونکہ دور جاہلیت میں یتیم لڑکیوں کے ساتھ دو قسم کا ظلم روا رکھا جاتا تھا: اگر وہ مال دار اور صاحب جمال ہوتی تو خود سرپرست اس کے ساتھ نکاح کرنے میں رغبت رکھتا اور نکاح کر لیتا لیکن یتیم ہونے کی وجہ سے حق مہر دینے میں بخل اور بے انصافی کی جاتی اور اگر وہ مال دار ہونے کے ساتھ ساتھ بدصورت ہوتی تو اس کے ساتھ نکاح کرنے سے نفرت کی جاتی اور آگے اس کا نکاح کر دینے میں بھی کوئی دلچسپی نہ

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب قَوْلِهِ ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ﴾، حدیث 4600۔

2 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری شرح الجامع الصحیح، 8/335۔

رکھی جاتی تاکہ اس کا مال ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ اس آیت کریمہ سے دونوں طرح کے ظلم و ستم کا سد باب کیا گیا ہے اور قرآن کریم کا یہ اعجاز ہے کہ اس میں نفرت اور دلچسپی دونوں معنوں کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

9. ﴿لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا﴾ [1]

(وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے۔)

((قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم " لَيْسَ الْمِسْكِينُ الَّذِي تَرُدُّهُ التَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ وَلاَ اللُّقْمَةُ وَلاَ اللُّقْمَتَانِ. إِنَّمَا الْمِسْكِينُ الَّذِي يَتَعَفَّفُ وَاقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ يَعْنِي قَوْلَهُ ﴿لاَ يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا﴾)) [2]

(نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "مسکین وہ نہیں ہے جسے ایک یا دو کھجور، ایک یا دو لقمے در بدر لیے پھریں، بلکہ مسکین وہ ہے جو مانگنے سے بچتا رہے اور اگر تم دلیل چاہو تو (قرآن سے) اس آیت کو پڑھ لو ﴿لاَ يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا﴾ (وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے۔)

نبی کریم ﷺ نے ہمیں محنت مزدوری کرنے کا سبق دیا ہے کسی کے سامنے دست سوال پھیلانے سے منع کیا ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لأَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ حَبْلَهُ فَيَحْتَطِبَ عَلَى ظَهْرِهِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَأْتِيَ رَجُلاً، فَيَسْأَلَهُ، أَعْطَاهُ أَوْ مَنَعَهُ.)) [3] (مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر کوئی شخص اپنی رسی اٹھائے اور لکڑیوں کا گٹھا اپنی کمر پر لاد کر لائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے جا کر دست سوال پھیلائے اور وہ دیں یا نہ دیں۔)

ایک دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتَّى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ)) [4] (سوالی جو ہمیشہ لوگوں سے مانگتا رہتا ہے، قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کے منہ پر گوشت کی ایک بوٹی نہ ہوگی۔)

اس آیت اور حدیث میں ان حق دار مساکین کی تعیین کی گئی ہے جو مسلمانوں کے صدقات و خیرات کے حق دار ہیں، چنانچہ جو لوگ در بدر پھر کر مانگتے رہتے ہیں اور دست سوال پھیلا کر ایک یا دو لقمے لے کر واپس پلٹ جاتے ہیں وہ حق دار مساکین نہیں ہیں بلکہ حق دار مساکین وہ ہیں جو محتاج ہونے کے باوجود سوال نہیں کرتے بلکہ چھٹ کر مانگنے سے بچتے ہیں کیونکہ یہ بھکاریوں کا طریقہ ہے۔

---

1 البقرہ:273

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ: ﴿لاَ يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا﴾، حدیث 4539۔

3 ایضاً، کتاب الزکوۃ، بَابُ الِاسْتِعْفَافِ عَنِ الْمَسْأَلَةِ، حدیث 1470۔

4 ایضاً، بَابُ مَنْ سَأَلَ النَّاسَ تَكَثُّرًا، حدیث 1474۔

مسکین کون ہوتا ہے اس کی وضاحت ہمیں اس روایت سے ملتی ہیں:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ " لَيْسَ الْمِسْكِينُ بِهَذَا الطَّوَّافِ الَّذِي يَطُوفُ عَلَى النَّاسِ فَتَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ " . قَالُوا فَمَا الْمِسْكِينُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ " الَّذِي لاَ يَجِدُ غِنًى يُغْنِيهِ وَلاَ يُفْطَنُ لَهُ فَيُتَصَدَّقَ عَلَيْهِ وَلاَ يَسْأَلُ النَّاسَ شَيْئًا "))[1]

(سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:"مسکین وہ نہیں جو گھومتا رہتا ہے اور لوگوں کے گرد رہتا ہے اور ایک دو لقمہ یا ایک دو کھجور لے کر لوٹ جاتا ہے۔" پھر لوگوں نے عرض کی کہ مسکین کون ہے؟ اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا:"جس کو اتنا خرچ نہیں ملتا جو اس کی ضرورت بشری کی کفایت کرتا ہو اور نہ لوگ اسے مسکین جانتے ہیں کہ اس کو صدقہ دیں اور نہ وہ لوگوں سے کچھ مانگتا ہے۔)

10. ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾[2]

(اور جو تمہیں سلام کرے اسے یہ نہ کہہ دیا کرو کہ تو تو مسلمان ہی نہیں۔)

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ۔ رضى الله عنهما ۔ ﴿وَلاَ تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلاَمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾. قَالَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَانَ رَجُلٌ فِي غُنَيْمَةٍ لَهُ فَلَحِقَهُ الْمُسْلِمُونَ فَقَالَ السَّلاَمُ عَلَيْكُمْ، فَقَتَلُوهُ وَأَخَذُوا غُنَيْمَتَهُ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ فِي ذَلِكَ إِلَى قَوْلِهِ ﴿عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ تِلْكَ الْغُنَيْمَةُ. قَالَ قَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ السَّلاَمَ.))[3]

(ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت ﴿وَلاَ تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلاَمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾(اور جو تمہیں سلام کرتا ہو اسے یہ مت کہہ دیا کرو کہ تو تو مومن ہی نہیں ہے۔) کے بارے میں فرمایا کہ ایک صاحب (مرداس نامی) اپنی بکریاں چرا رہے تھے، ایک مہم پر جاتے ہوئے کچھ مسلمان انہیں ملے تو انہوں نے کہا((السَّلاَمُ عَلَيْكُمْ)) لیکن مسلمانوں نے بہانہ خور جان کر انہیں قتل کر دیا اور ان کی بکریوں پر قبضہ کر لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی تھی آخر آیت ﴿عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ اس سے اشارہ انہیں بکریوں کی طرف تھا۔ بیان کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہمانے السَّلاَمَ قرآت کی ہے، مشہور قرآت بھی یہی ہے۔)

چونکہ ایک آدمی کے متعلق ایسا گمان شرعی نقطۂ نگاہ سے غلط ہے، لہذا اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے واقعے کے متعلق پوری چھان بین کا حکم دیا۔ تحقیق کے بغیر چھوڑ دینے میں اگر یہ امکان ہے کہ ایک کافر جھوٹ بول کر اپنی جان

---

1 قشیری، ابو الحسین، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب الْمِسْكِينِ الَّذِي لاَ يَجِدُ غِنًى وَلاَ يُفْطَنُ لَهُ فَيُتَصَدَّقَ عَلَيْهِ، حدیث -1039

2 النساء:94

3 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب ﴿وَلاَ تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلاَمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ السِّلْمُ وَالسَّلَمُ وَالسَّلاَمُ وَاحِدٌ، حدیث 4591-

بچانے میں کامیاب ہو گیا ہے تو قتل کرنے میں اس امر کا بھی امکان ہے کہ ایک بے گناہ مومن تمھارے ہاتھوں مارا جائے اور تمھارا ایک کافر کو چھوڑ دینے میں غلطی کرنا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ تم ایک مومن کو قتل کرنے میں غلطی کرو۔ مقصد یہ ہے کہ جہاد میں پوری وضاحت کے بعد معاملہ کرنا چاہیے کیونکہ شریعت کے احکام ظاہر کے مطابق جاری ہوتے ہیں اور باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے اسی قسم کی بے احتیاطی پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو ڈانٹا تھا۔[1]

اس کی وضاحت صحیح بخاری کی ایک اور روایت سے بھی ہوتی ہے:

((أُسَامَةَ بْنَ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ ـ رضى الله عنهما ـ يُحَدِّثُ قَالَ بَعَثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم إِلَى الْحُرَقَةِ مِنْ جُهَيْنَةَ ـ قَالَ ـ فَصَبَّحْنَا الْقَوْمَ فَهَزَمْنَاهُمْ ـ قَالَ ـ وَلَحِقْتُ أَنَا وَرَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ رَجُلاً مِنْهُمْ ـ قَالَ ـ فَلَمَّا غَشِينَاهُ قَالَ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ ـ قَالَ ـ فَكَفَّ عَنْهُ الأَنْصَارِيُّ، فَطَعَنْتُهُ بِرُمْحِي حَتَّى قَتَلْتُهُ ـ قَالَ ـ فَلَمَّا قَدِمْنَا بَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ فَقَالَ لِي " يَا أُسَامَةُ أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ ". قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّمَا كَانَ مُتَعَوِّذًا. قَالَ " أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ أَنْ قَالَ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ ". قَالَ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا عَلَىَّ حَتَّى تَمَنَّيْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ أَسْلَمْتُ قَبْلَ ذَلِكَ الْيَوْمِ.))

(اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں نبی کریم ﷺ نے قبیلہ جہینہ کی ایک شاخ کی طرح (مہم پر) بھیجا۔ بیان کیا کہ پھر ہم نے ان لوگوں کو صبح کے وقت جالیا اور انہیں شکست دے دی۔ راوی نے بیان کیا کہ میں اور قبیلہ انصار کے ایک صاحب قبیلہ جہینہ کے ایک شخص تک پہنچے اور جب ہم نے اسے گھیر لیا تو اس نے کہا:((لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ)) انصاری صحابی نے تو (یہ سنتے ہی) ہاتھ روک لیا لیکن میں نے اپنے نیزے سے اسے قتل کر دیا۔ راوی نے بیان کیا کہ جب ہم واپس آئے تو اس واقعہ کی خبر نبی کریم ﷺ کو ملی ۔ بیان کیا کہ پھر آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا اسامہ! کیا تم نے کلمہ ((لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ)) کا اقرار کرنے کے بعد اسے قتل کر ڈالا۔ میں نے عرض کیا یا نبی کریم! اس نے صرف جان بچانے کے لیے اس کا اقرار کیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے پھر فرمایا تم نے اسے ((لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ)) کا اقرار کرنے کے بعد قتل کر ڈالا۔ بیان کیا کہ آنحضرت اس جملہ کو اتنی دفعہ دہراتے رہے کہ میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوگئی کہ کاش میں اس سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا۔)

یہ بھی واضح رہے کہ یہ حکم ہر جگہ نہیں ہے۔ دارالحرب میں اگر کوئی کافر السلام علیکم کہے اور اس کی آڑ میں اپنا مطلب نکالنا چاہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ اگرچہ مذکورہ واقعہ سفر میں پیش آیا تھا لیکن حضر میں بھی پوری چھان بین کرنے کا حکم ہے۔

11. ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ﴾[2]

---

1 ایضاً، كِتَاب الدِّيَاتِ، بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿وَمَنْ أَحْيَاهَا﴾، حدیث 6872-

2 الحشر: 9

(اور دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں۔)

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ . رضى الله عنه . قَالَ أَتَى رَجُلٌ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَصَابَنِي الْجَهْدُ فَأَرْسَلَ إِلَى نِسَائِهِ فَلَمْ يَجِدْ عِنْدَهُنَّ شَيْئًا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم " أَلاَ رَجُلٌ يُضَيِّفُ هَذِهِ اللَّيْلَةَ يَرْحَمُهُ اللَّهُ ". فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ فَقَالَ أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ. فَذَهَبَ إِلَى أَهْلِهِ فَقَالَ لاِمْرَأَتِهِ ضَيْفُ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم لاَ تَدَّخِرِيهِ شَيْئًا. قَالَتْ وَاللَّهِ مَا عِنْدِي إِلاَّ قُوتُ الصِّبْيَةِ. قَالَ فَإِذَا أَرَادَ الصِّبْيَةُ الْعَشَاءَ فَنَوِّمِيهِمْ، وَتَعَالَىْ فَأَطْفِئِي السِّرَاجَ وَنَطْوِي بُطُونَنَا اللَّيْلَةَ. فَفَعَلَتْ ثُمَّ غَدَا الرَّجُلُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ " لَقَدْ عَجِبَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ . أَوْ ضَحِكَ . مِنْ فُلاَنٍ وَفُلاَنَةَ ". فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾))(1)

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک صاحب خود (ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) حاضر ہوئے اور عرض کیا: یانبی کریم! میں فاقہ سے ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں ازواج مطہرات کے پاس بھیجا (کہ وہ آپ کی دعوت کریں) لیکن ان کے پاس کوئی چیز کھانے کی نہیں تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا کوئی شخص ایسا نہیں جو آج رات اس مہمان کی میزبانی کرے؟ اللہ اس پر رحم کرے گا۔ اس پر ایک انصاری صحابی (ابوطلحہ) کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یانبی کریم! یہ آج میرے مہمان ہیں پھر وہ انہیں اپنے ساتھ گھر لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ یہ نبی کریم ﷺ کے مہمان ہیں، کوئی چیز ان سے بچاکے نہ رکھنا۔ بیوی نے کہا اللہ کی قسم! میرے پاس اس وقت بچوں کے کھانے کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔ انصاری صحابی نے کہا اگر بچے کھانا مانگیں تو انہیں سلادو اور آؤ یہ چراغ بھی بجھادو، آج رات ہم بھوکے ہی رہ لیں گے۔ بیوی نے ایسا ہی کیا۔ پھر وہ انصاری صحابی صبح کے وقت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فلاں (انصاری صحابی) اور ان کی بیوی (کے عمل) کو پسند فرمایا۔ یا (آپ ﷺ نے یہ فرمایا) اللہ تعالیٰ مسکرایا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ یعنی اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود فاقہ میں ہی ہوں۔

انصار کی مہاجرین کے بارے میں ایثار اور ہمدردی لازوال، باکمال اور بے مثال تھی۔ اس کے متعلق درج ذیل خوبصورت واقعہ بھی درج کیا جاتا ہے:

((عَنْ أَنَسٍ . رضى الله عنه . أَنَّهُ قَالَ قَدِمَ عَلَيْنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ، وَآخَى رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم بَيْنَهُ وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ، وَكَانَ كَثِيرَ الْمَالِ، فَقَالَ سَعْدٌ قَدْ عَلِمَتِ الأَنْصَارُ أَنِّي مِنْ

1 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ﴾، حدیث 4889۔

أَكْثَرِهَا مَالاً، سَأَقْسِمُ مَالِي بَيْنِي وَبَيْنَكَ شَطْرَيْنِ، وَلِي امْرَأَتَانِ، فَانْظُرْ أَعْجَبَهُمَا إِلَيْكَ فَأُطَلِّقُهَا، حَتَّى إِذَا حَلَّتْ تَزَوَّجْتَهَا))[1]

(حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب عبد الرحمن بن عوف شاہ مدینہ طیبہ آئے تو نبی کریم ﷺ نے ان کے اور سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی چارا کروادیا۔ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ بہت دولت مند تھے۔ انھوں نے حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا: انصار کو معلوم ہے کہ میں ان میں سب سے زیادہ مال دار ہوں، اب میں اپنا آدھا مال اپنے اور آپ کے درمیان بانٹ دیتا چاہتا ہوں اور میری دو بیویاں ہیں، ان میں سے جو آپ کو پسند ہو میں اسے طلاق دے دوں گا۔ اس کی عدت گزر جانے کے بعد آپ اس سے نکاح کرلیں۔)

یہ صحابہ کرام کا ایثار تھا، کیا اس قسم کا ایثار دنیا کی تاریخ میں ہے؟ یقیناً اس طرح کا ایثار تاریخ میں نہیں ملتا، ضرورت اس امر کی ہے، دوسروں کی ترجیحات کا خیال بھی رکھنا چاہیے اور یہ ایثار سے ہی ممکن ہے۔

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كِتَاب مَنَاقِبِ الْأَنْصَارِ، بَابُ إِخَاءُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالأَنْصَارِ، حدیث 3781۔

مبحث دوم:

الکافی کی قرابت داروں اور دیگر مسلمانوں کے حقوق سے متعلق تفسیری احادیث و آثار

امام کلینیؒ نے الکافی میں عزیز و اقارت اور دیگر مسلمانوں کے حقوق سے متعلق تفسیری احادیث و آثار کو بھی پیش کیا ہے۔ ذیل میں ہم ان کا جائزہ پیش کریں گے۔

1. ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾[1]

(اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی پیدا کی اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتوں سے بھی، بے شک اللہ ہمیشہ تم پر پورا نگہبان ہے۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام ،قَالَ:« قَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عليه‌السلام:صِلُوا أَرْحَامَكُمْ وَلَوْ بِالتَّسْلِيمِ ، يَقُولُ اللهُ تَبَارَكَ‌وَتَعَالى:﴿وَاتَّقُوا اللهَ الَّذِي تَسائَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحامَ إِنَّ اللهَ كانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً ﴾))[2]

(حضرت ابو عبد اللہ امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: صلہ رحمی کرو خواہ ایک سلام کرنے کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اللہ سے ڈرو جس سے تم سوال کرتے ہو ارحام کے بارے میں ڈرو۔ یقیناً اللہ تم پر پورا نگہبان ہے۔)

2. ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَى قُلْ إِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ﴾[3]

(اور وہ تجھ سے یتیموں کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دے ان کے لیے کچھ نہ کچھ سنوارتے رہنا بہتر ہے اور اگر تم انھیں ساتھ ملالو تو تمھارے بھائی ہیں۔)

((عَنْ حَنَانِ بْنِ سَدِيرٍ ، قَالَ :قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام : « سَأَلَنِي عِيسَى بْنُ مُوسى عَنِ الْقَيِّمِ لِلْأَيْتَامِ فِي الْإِبِلِ ، وَ مَا يَحِلُّ لَهُ مِنْهَا؟ قُلْتُ: إِذَا لَاطَ حَوْضَهَا ، وَطَلَبَ ضَالَّتَهَا ، وَهَنَأَ جَرْبَاهَا ، فَلَهُ أَنْ يُصِيبَ مِنْ لَبَنِهَا مِنْ غَيْرِ نَهْكٍ بِضَرْعٍ ، وَلَا فَسَادٍ لِنَسْلٍ ».))[4]

---

1 النساء:1

2 کلینی، ابو جعفر محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الْإِيمَانِ وَالْكُفْرِ، بَابُ صِلَةِ الرَّحِمِ، باب68، حدیث1995 /22-

3 البقرہ:220

4 کلینی، ابو جعفر محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الْمَعِيشَةِ، بَابُ مَا يَحِلُّ لِقَيِّمِ مَالِ الْيَتِيمِ مِنْهُ، باب44، حدیث8603 /4-

(حنان بن سدیر سے روایت کی ہے کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا مجھ سے عیسیٰ بن موسیٰ نے یتامی کے اونٹ کی حفاظت کرنے والے کے بارے میں سوال کیا کہ اس کے لیے ان میں سے کیا حلال ہے؟ تو میں نے اس سے کہا جب اس نے انکی چار دیواری کی اصلاح کی ان کے لیے گھاس تلاش کی اور انکی پیٹھ پر قطران ملا تو اس کے لیے جائز ہے ان کے دودھ میں سے حصہ لے البتہ اتنا زیادہ بھی نہیں کہ ان کو نقصان ہو یا ان کی نسل کے لیے خطرہ پیدا ہو جائے۔)

3. ﴿ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾[1]

(اور جو محتاج ہو تو وہ جانے پہچانے طریقے سے کھالے۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ قَالَ : « الْمَعْرُوفُ هُوَ الْقُوتُ، وَإِنَّمَا عَنَى الْوَصِيَّ أَوِ الْقَيِّمَ فِي أَمْوَالِهِمْ وَمَا يُصْلِحُهُمْ ».))[2]

(ابو عبد اللہ علیہ السلام نے اللہ عزوجل کے قول فليا كل بالمعروف کے بارے میں فرمایا معروف سے مراد صرف کھانا ہے اور اللہ کی مراد اس شخص سے وصی یا ان کے اموال کی حفاظت کرنے یا انکے اموال کی درستگی کرنے والا ہے۔)

4. ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا﴾[3]

(بے شک جو لوگ یتیموں کے اموال ظلم سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ کے سوا کچھ نہیں کھاتے اور وہ عنقریب بھڑکتی آگ میں داخل ہوں گے۔)

((عَنْ عَجْلَانَ أَبِي صَالِحٍ ، قَالَ : سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ أَكْلِ مَالِ الْيَتِيمِ؟ فَقَالَ : « هُوَ كَمَا قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوالَ الْيَتامى ظُلْماً إِنَّما يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ ناراً وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيراً ﴾ ». ثُمَّ قَالَ مِنْ غَيْرِ أَنْ أَسْأَلَهُ : « مَنْ عَالَ يَتِيماً حَتّى يَنْقَطِعَ يُتْمُهُ ، أَوْ يَسْتَغْنِيَ بِنَفْسِهِ ، أَوْجَبَ اللهُ – عَزَّ وَجَلَّ – لَهُ الْجَنَّةَ ، كَمَا أَوْجَبَ النَّارَ لِمَنْ أَكَلَ مَالَ الْيَتِيمِ ».))[4]

(عجلان ابو صالح سے روایت کی ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے یتیم کا مال کھانے کے بارے میں سوال کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ "وہ ویسے ہی ہے جیسے اللہ عزوجل نے فرمایا۔ "وہ لوگ جو ظلم سے یتامی کا مال کھاتے ہیں۔ بے شک وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب وہ جہنم کی وادی میں ہوں گے۔" پھر آپ علیہ

---

1 النساء:6

2 کلینی، ابو جعفر محمد بن یعقوب، **الکافی**، كِتَابُ الْمَعِيشَةِ، بَابُ مَا يَحِلُّ لِقَيِّمِ مَالِ الْيَتِيمِ مِنْهُ، باب 44، حدیث 8602/3-

3 النساء:10

4 کلینی، ابو جعفر محمد بن یعقوب، **الکافی**، كِتَابُ الْمَعِيشَةِ، بَابُ أَكْلِ مَالِ الْيَتِيمِ، باب 43، حدیث 8596/2-

السلام نے میرے ان سے سوال کیے بغیر فرمایا" جو بھی یتیم کی پرورش کرے یہاں تک کہ اس کا یتیم پن ختم ہو جائے یا بذات خود بے نیاز ہو جائے تو اللہ عزوجل اس شخص کیلئے جنت واجب قرار دیتا ہے۔ جس طرح کہ یتیم کا مال کھانے والے کیلئے جہنم کو واجب قرار دیا ہے۔)

5. ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾[1]

(اور جان لو کہ تم جو کچھ بھی غنیمت حاصل کرو تو بے شک اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور قرابت دار اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے لیے ہے، اگر تم اللہ پر اور اس چیز پر ایمان لائے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلے کے دن نازل کی، جس دن دو جماعتیں مقابل ہوئیں اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام فِي قَوْلِ اللهِ تَعَالى : ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّما غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبى ﴾ قَالَ : « أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ والْأَئِمَّةُ عليهم‌السلام ».))[2]

(حضرت عبد اللہ امام صادق علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں سوال کیا کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّما غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبى ﴾(اور جان لو کہ یہ غنیمت تم نے حاصل کی ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور قرابت دار کا ہے۔) آپ نے فرمایا: اس قرابت دار سے مراد امیر المومنین علی علیہ السلام اور ائمہ ہوئی ہیں۔)

6. ﴿وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا﴾[3]

(اور رہ گئی دیوار تو وہ شہر میں دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کے لیے ایک خزانہ تھا۔)

((عَنْ صَفْوَانَ الْجَمَّالِ ، قَالَ : سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ وَأَمَّا الْجِدارُ فَكانَ لِغُلامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُما﴾ فَقَالَ : « أَمَا إِنَّهُ ما كَانَ ذَهَباً وَلَا فِضَّةً ، وَإِنَّمَا كَانَ أَرْبَعَ كَلِمَاتٍ: لَا إِلهَ إِلَّا أَنَا؛ مَنْ أَيْقَنَ بِالْمَوْتِ لَمْ يَضْحَكْ سِنُّهُ ، وَمَنْ أَيْقَنَ بِالْحِسَابِ لَمْ يَفْرَحْ قَلْبُهُ ، وَمَنْ أَيْقَنَ بِالْقَدَرِ لَمْ يَخْشَ إِلَّا اللهَ ».))[4]

---

1 الانفال:41

2 کلینی، ابو جعفر محمد بن یعقوب، الکافی، كتاب الحجّة ، بَابٌ فِيهِ نُكَتٌ ونُتَفٌ مِنَ التَّنْزِيلِ فِي الْوَلَايَةِ، باب 108، حدیث 1099/12-

3 الکھف:82

4 کلینی، ابو جعفر محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الْإِيمَانِ وَالْكُفْرِ ، بَابُ فَضْلِ الْيَقِينِ، باب 30، حدیث 1572/6-

(حضرت ابو عبد اللہ امام صادق علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس قول﴿وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا ﴾ کے بارے میں سوال کیا جس میں اللہ فرماتا ہے۔ بہر حال وہ دیوار شہر کے دو یتیم بچوں کی ہے اور ان کا اس کے نیچے خزانہ تھا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: وہ خزانہ سونے اور چاندی کا نہیں تھا بلکہ وہ چار کلمات تھے اور وہ یوں تھے۔

1) اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔

2) جس کو موت کا یقین ہو وہ ہنستا نہیں ہے۔

3) جس کو قیامت کے دن کے حساب کا یقین ہو، وہ خوش نہیں ہوتا ہے۔

4) اور جس کو خدائی قدرت کا یقین ہو وہ خدا کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتا۔)

7. ﴿ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ﴾[1]

(سو ان میں سے کھاؤ اور تنگ دست محتاج کو کھلاؤ۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿وَأَطْعِمُوا الْبائِسَ الْفَقِيرَ ﴾قَالَ : « هُوَ الزَّمِنُ الَّذِي لا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَخْرُجَ لِزَمَانَتِهِ ».))[2]

(حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں ﴿ وَأَطْعِمُوا الْبائِسَ الْفَقِيرَ ﴾ فرمایا: اس سے مراد وہ مجبور ہے جو اپنے اپاہج ہونے کی وجہ سے زکوۃ نکالنے کے قابل نہیں۔)

8. ﴿مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ﴾[3]

(جو کچھ بھی اللہ نے ان بستیوں والوں سے اپنے رسول پر لوٹایا تو وہ اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور قرابت دار اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے لیے ہے۔)

((عَنْ سُلَيْمِ بْنِ قَيْسٍ ، قَالَ : سَمِعْتُ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عليه‌السلام يَقُولُ : « نَحْنُ وَاللهِ الَّذِينَ عَنَى اللهُ بِذِي الْقُرْبى ، الَّذِينَ قَرَنَهُمُ اللهُ بِنَفْسِهِ وَنَبِيِّهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله ، فَقَالَ : ﴿ما أَفاءَ اللهُ عَلى رَسُولِهِ مِنْ

---

1 الحج:28

2 کلینی، ابو جعفر محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الزَّكَاةِ، بَابُ النَّوَادِرِ ،باب 84، حدیث 6182/4-

3 الحشر:7

أَهْلِ الْقُرى فَلِلّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبى وَالْيَتامى وَالْمَساكِينِ﴾ مِنَّا خَاصَّةً ، وَ لَمْ يَجْعَلْ لَنا سَهْماً فِي الصَّدَقَةِ ، أَكْرَمَ اللهُ نَبِيَّهُ وَأَكْرَمَنَا أَنْ يُطْعِمَنَا أَوْسَاخَ مَا فِي أَيْدِي النَّاسِ ».))[1]

(سلیم بن قیس بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امیر المومنین علی سے سنا ہے آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم !ذی القربیٰ سے مراد ہم ہیں جن کو اللہ نے اپنے اور اپنے رسول کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے اور فرمایا: ﴿ما أَفاءَ اللهُ عَلى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرى فَلِلّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبى وَالْيَتامى وَالْمَساكِينِ ﴾ اللہ نے ان بستی والوں کے مال سے جو کچھ بھی اپنے رسول کی آمدنی قرار دی ہے وہ اللہ اور اس کے رسول اور ان کے قریب ترین رشتہ داروں اور یتیموں اور مساکین اور مسافروں کے لیے ہے۔)

یہ مال فقط ہمارے ساتھ خاص ہے اللہ تعالیٰ نے صدقہ میں سے ہمارے لیے کوئی حصہ نہیں قرار دیا، اللہ نے اپنے نبی کو عزت دی ہے اور اپنے ایسے ہی ہمیں مکرم قرار دیا ہے اور ہمیں اس سے بلند و بالا قرار دیا ہے کہ ہم لوگوں کے ہاتھوں کی میل (صدقہ) میں سے کچھ کھائیں۔

9. ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ﴾[2]

(صدقات تو صرف فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں۔)

((عَنْ أَبِي بَصِيرٍ ، قَالَ : قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام : قَوْلُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿إِنَّمَا الصَّدَقاتُ لِلْفُقَراءِ وَالْمَساكِينِ﴾ ؟ فَقَالَ: « الْفَقِيرُ : الَّذِي لَايَسْأَلُ النَّاسَ ، وَالْمِسْكِينُ أَجْهَدُ مِنْهُ ، وَالْبَائِسُ أَجْهَدُهُمْ. فَكُلُّ مَا فَرَضَ اللهُ – عَزَّ وَجَلَّ – عَلَيْكَ ، فَإِعْلَانُهُ أَفْضَلُ مِنْ إِسْرَارِهِ ، وَكُلُّ مَا كَانَ تَطَوُّعاً ، فَإِسْرَارُهُ أَفْضَلُ مِنْ إِعْلَانِهِ ، وَلَوْ أَنَّ رَجُلاً يَحْمِلُ زَكَاةَ مَالِهِ عَلى عَاتِقِهِ فَقَسَمَهَا عَلَانِيَةً ، كَانَ ذلِكَ حَسَناً جَمِيلاً ».))[3]

(ابو بصیر سے ، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے اس آیت ﴿إِنَّمَا الصَّدَقاتُ لِلْفُقَراءِ وَالْمَساكِينِ﴾ کے متعلق پوچھا: صدقات فقراء و مساکین کے لئے ہیں؟ پس آپ نے فرمایا: فقیر وہ ہے جو لوگوں سے سوال نہیں کرتا اور مسکین وہ ہے جو حصول روزی کے لئے سوال کرتا ہے اور اس میں جد وجہد کرتا ہے اور بائس وہ ہے جو مانگنے میں زیادہ کوشش کرتا ہے پس اللہ نے جو تم پر فرض کیا ہے تو اس کو باعلان دینا پوشیدہ دینے سے بہتر ہے

1 کلینی، ابو جعفر محمد بن یعقوب، **الکافی**، كتاب الحجة ، بَابُ الْفَيْءِ وَالْأَنْفَالِ وَتَفْسِيرِ الْخُمُسِ وَحُدُودِهِ وَمَا يَجِبُ فِيهِ ، باب 130، حدیث 1/1421-

2 التوبہ: 60

3 کلینی، ابو جعفر محمد بن یعقوب، **الکافی**، كِتَابُ الزَّكَاةِ، بَابُ فَرْضِ الزَّكَاةِ وَ مَا يَجِبُ فِي الْمَالِ مِنَ الْحُقُوقِ ، باب 1، حدیث 5736/17-

اور اگر یہ فرض تحصیل ثواب کچھ دے تو اس کا چھپانا اعلان سے بہتر ہے اور کسی کے پاس مال زکوۃ رکھا ہے تو اس کو اعلانیہ تقسیم کر دے یہ بہت اچھی صورت ہے۔)

10. ﴿وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ * لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾[1]

(اور وہ جن کے مالوں میں ایک مقرر حصہ ہے۔ سوال کرنے والے کے لیے اور (اس کے لیے) جسے نہیں دیا جاتا۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿وَالَّذِينَ فِي أَمْوالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ * لِلسّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾ أَهُوَ سِوَى الزَّكَاةِ؟ فَقَالَ : « هُوَ الرَّجُلُ يُؤْتِيهِ اللهُ الثَّرْوَةَ مِنَ الْمَالِ ، فَيُخْرِجُ مِنْهُ الْأَلْفَ وَالْأَلْفَيْنِ وَالثَّلَاثَةَ الْآلَافِ وَالْأَقَلَّ وَالْأَكْثَرَ ، فَيَصِلُ بِهِ رَحِمَهُ ، وَيَحْمِلُ بِهِ الْكَلَّ عَنْ قَوْمِهِ »))[2]

(حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے پوچھا کہ اس آیت ﴿وَالَّذِينَ فِي أَمْوالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ * لِلسّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾ سے کیا مراد ہے؟ وہ لوگ ہیں جن کے اموال میں سائل و محروم کا حق ہے کیا زکوۃ کے علاوہ ہے؟ آپ نے فرمایا: اس سے مراد وہ شخص ہے جسے اللہ نے بہت سا مال دیا ہو اور وہ اس میں سے ایک ہزار یا دو ہزار یا تین ہزار یا کم یا زیادہ نکالے اور اس سے صلہ رحم کرے اور اپنی قوم کا بوجھ اٹھائے۔)

11. ﴿وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾[3]

(اور ان کے مالوں میں سوال کرنے والے اور محروم کے لیے ایک حصہ تھا۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام فِي قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿لِلسّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾ قَالَ: « الْمَحْرُومُ : الْمُحَارَفُ الَّذِي قَدْ حُرِمَ كَدَّ يَدِهِ فِي الشِّرَاءِ وَالْبَيْعِ ».))[4]

(حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے محروم کے متعلق پوچھا؟ آپ نے فرمایا: وہ وہ ہے جسے نہ کسی شے کے بیچنے پر قدرت ہو اور نہ کسی شے کے خریدنے پر قدرت ہو۔)

12. ﴿وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾[5]

(اور اللہ کے راستے میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت کی طرف مت ڈالو اور نیکی کرو، بے شک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔)

---

1 المعارج:24-25

2 کلینی، ابو جعفر محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الزَّكَاةِ ، بَابُ فَرْضِ الزَّكَاةِ وَ مَا يَجِبُ فِي الْمَالِ مِنَ الْحُقُوقِ ، باب 1، حدیث 5729/10-

3 الذاریات:19

4 کلینی، ابو جعفر محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الزَّكَاةِ ، بَابُ فَرْضِ الزَّكَاةِ وَ مَا يَجِبُ فِي الْمَالِ مِنَ الْحُقُوقِ ، باب 1، حدیث 5731/12-

5 البقرہ:195

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ علیہ‌السلام ، قَالَ : « لَوْ أَنَّ رَجُلاً أَنْفَقَ مَا فِي يَدَيْهِ فِي سَبِيلٍ مِنْ سُبُلِ اللهِ ، مَا كَانَ أَحْسَنَ ، وَلَاوُفِّقَ ، أَلَيْسَ يَقُولُ اللهُ تَعَالى : ﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ يَعْنِي الْمُقْتَصِدِينَ».))[1]

(ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: اگر کوئی راہ خدا میں اپنا مال غلط طریقہ سے صرف کرے تو توفیق سے محروم رہے گا، کیا خدا نے یہ ہیں فرمایا اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو، احسان کرو اللہ احسان کرنے والوں یعنی کفایت شعاروں کو دوست رکھتا ہے۔)

13. ﴿قُلْ يَا عِبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَأَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾[2]

(کہہ دے اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو! اپنے رب سے ڈرو، ان لوگوں کے لیے جنھوں نے اس دنیا میں نیکی کی، بڑی بھلائی ہے اور اللہ کی زمین وسیع ہے، صرف کامل صبر کرنے والوں ہی کو ان کا اجر کسی شمار کے بغیر دیا جائے گا۔)

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ علیہ‌السلام ، قَالَ : « إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ ، يَقُومُ عُنُقٌ مِنَ النَّاسِ ، فَيَأْتُونَ بَابَ الْجَنَّةِ ، فَيَضْرِبُونَهُ ، فَيُقَالُ لَهُمْ: مَنْ أَنْتُمْ؟ فَيَقُولُونَ : نَحْنُ أَهْلُ الصَّبْرِ ، فَيُقَالُ لَهُمْ: عَلى مَا صَبَرْتُمْ؟ فَيَقُولُونَ : كُنَّا نَصْبِرُ عَلى طَاعَةِ اللهِ ، وَنَصْبِرُ عَنْ مَعَاصِي اللهِ ، فَيَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ : صَدَقُوا ، أَدْخِلُوهُمُ الْجَنَّةَ ، وَهُوَ قَوْلُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿ إِنَّمَا يُوَفَّى الصّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسابٍ﴾))[3]

(حضرت ابو عبد اللہ امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہو گا لوگوں میں سے ایک گروہ کھڑا ہو جائے گا اور وہ جنت کے دروازے پر آئے اور دروازے پر دستک دیں تو ان سے کہا جائے کہ تم کون لوگ ہو؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم اہل صبر ہیں۔ ان سے کہا جائے کہ تم نے کس چیز پر صبر کیا ہے۔ تو وہ جواب دیں گے کہ ہم نے اللہ کی اطاعت کرنے پر صبر کیا ہے اور اس کی نافرمانی کرنے سے صبر کیا ہے۔ تو آواز قدرت آئے گی تم سچ کہہ رہے ہو تم سب جنت میں داخل ہو جاؤ۔ وہ یہ قول اللہ کا مطلب ہے کہ جس میں﴿ إِنَّمَا يُوَفَّى الصّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسابٍ ﴾ اللہ فرماتا ہے "ہم صبر کرنے والوں کے اجر کو بغیر حساب کے ادا کریں گے۔)

1 کلینی، ابو جعفر محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الزَّكَاةِ، بَابُ فَضْلِ الْقَصْدِ، باب86، حدیث6213/7-

2 الزمر:10

3 کلینی، ابو جعفر محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الْإِيمَانِ وَالْكُفْرِ، بَابُ الطَّاعَةِ وَالتَّقْوى، باب36، حدیث1623/4-

خلاصہ کلام

معاشرتی زندگی میں انسان کا واسطہ خاندان کے بعد سب سے زیادہ قرابت داروں سے پڑتا ہے۔اسی لیے اسلام قرابت داروں کے حقوق پر زور دیتا ہے۔ ﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّه﴾ [1] (اور رشتہ داروں کو ان کا حق دو۔)اسلام ہمیں قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کرتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے :﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَى﴾ [2](اور والدین اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔)ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَى﴾ [3](اور والدین اور قرابت داروں سے حسن سلوک سے پیش آئے۔)نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ))[4](جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے قرابت داروں سے نیک سلوک کرے۔)

1بنی اسرائیل:26

2النساء:36

3البقرہ:83

4بخاری،ابوعبداللہ،محمد بن اسماعیل،الجامع الصحیح،کتاب الادب، بَابُ إِكْرَامِ الضَّيْفِ وَخِدْمَتِهِ إِيَّاهُ بِنَفْسِهِ،حدیث6138-

باب پنجم

صحیح بخاری اور الکافی کی مشترکات و مختلفات کا مطالعہ

فصل اول: عقائد سے متعلق مشترکات و مختلفات

فصل دوم: عبادات سے متعلق مشترکات و مختلفات

فصل سوم: معاشرت سے متعلق مشترکات و مختلفات

فصل اول:

عقائد سے متعلق مشترکات و مختلفات

مبحث اول:

صحیح بخاری اور الکافی کی ختم نبوت سے متعلق احادیث و آثار کا مطالعہ

تعارف

اسلام ایک ایسا دین ہے جس کی دعوت انبیاء کرام علیہم السلام دیتے رہے، انبیاء کرام علیہم السلام کی ابتداء سیدنا آدم علیہ السلام سے ہوئی اور انتہاء سیدنا محمد ﷺ سے ہوئی۔ اس طرح نبی کریم ﷺ آخری پیغمبر کی حیثیت سے اس دنیا میں تشریف لائے، آپ ﷺ کے بعد کوئی اور نبی یا رسول نہیں آئے گا، آپ ﷺ پر نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ یعنی آپ خاتم النبیین کی حیثیت سے ہیں۔ یہ مبحث صحیح بخاری (از محمد بن اسماعیلؒ) اور الکافی (محمد بن یعقوب الکلینیؒ) میں ختم نبوت سے متعلق احادیث و آثار کے تجزیاتی مطالعہ تک محدود ہو گا۔ صحیح بخاری اہل سنت کی معتبر ترین کتاب ہے اور اسی طرح الکافی اہل تشیع کی معتبر ترین کتاب ہے۔ لہذا ان دونوں کتب میں ختم نبوت سے متعلق جو احادیث و آثار ہیں ان کو پیش کیا جائے گا۔

ختم کا مفہوم:

عربی میں کسی چیز پر مہر لگانے اور اس کو انتہاء اور تکمیل تک پہنچانے کا نام ختم کہلاتا ہے۔

خلیل بن احمد کہتے ہیں:

" خَتَمَ يَخْتِمُ خَتْماً أي: طبع فهو خَاتِمٌ. و الخَاتَمُ: ما يوضع على الطينة، اسم مثل العالم، و الخِتَامُ: الطين الذي يختم به على كتاب."[1]

(ختم مہر لگانے کو کہتے ہیں، جو کیچڑ پر لگایا جائے اور خاتم، عالم کے وزن پر ہے، اور ختام مٹی سے بنی ہوئی وہ مہر ہے جس سے کسی کتاب پر مہر لگائی جاتی ہے۔)

ختم کے سابقہ مطالب کے بنیاد ہمارے زیر غور موضوع سے متعلق جو معانی ہم لے سکتے ہیں وہ یہ ہیں کہ رسالت کا سلسلہ اپنی انتہاء کو پہنچ گیا ہے، اس موضوع کو بند کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے خیر کی تکمیل فرما دی ہے اور اس سلسلے میں کوئی کمی نہیں رہنے دی ہے۔

---

1 الفراہیدی، خلیل بن احمد، کتاب العین، تحقیق: المخزومی وغیرہ (دار مکتبہ الہلال، س ن) ج4، ص241-

ختم نبوت کا معنی و مفہوم:

ختم کے معنی بند کرنے اور مہر لگانے اور آخری کے ہیں۔ اصطلاح میں ختم نبوت کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ نبوت کا جو سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا وہ آپ ﷺ پر ختم ہو گیا۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی حقیقی، ظلی یا بروزی اور مجازی نبی دنیا میں بحیثیت رسول نہیں آسکتا۔

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

" أنه قد أرسل إليهم رسوله محمدا صلّى الله عليه وسلّم خَاتَمَ النَّبِيِّينَ، الَّذِي لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ وَلَا رَسُولَ، بَلْ هُوَ الْمُعَقِّبُ لِجَمِيعِهِمْ "(1)

(اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی طرف اپنے رسول محمد ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر بھیجا، آپ کے بعد نہ کوئی نبی ہے اور نہ کوئی رسول، آپ سب انبیاء کے آخر میں آئے ہیں۔)

آپ ﷺ کی شریعت و نبوت آخری ہے اور آپ ﷺ کی امت بھی آخری ہے۔ اس لیے آپ ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں۔ اور جو نبوت کا دعویٰ کرے گا، وہ کذاب، اور دجال ہے۔

علامہ ابن ابی العز الحنفی لکھتے ہیں:

" فَالْوَاجِبُ اتِّبَاعُ الْمُرْسَلِينَ، وَاتِّبَاعُ مَا أَنْزَلَهُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ. وَقَدْ خَتَمَهُمُ اللَّهُ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَعَلَهُ آخِرَ الْأَنْبِيَاءِ، وَجَعَلَ كِتَابَهُ مُهَيْمِنًا عَلَى مَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنْ كُتُبِ السَّمَاءِ، وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ، وَجَعَلَ دَعْوَتَهُ عَامَّةً لِجَمِيعِ الثَّقَلَيْنِ، الْجِنِّ وَالْإِنْسِ، بَاقِيَةً إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَانْقَطَعَتْ بِهِ حُجَّةُ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ. وَقَدْ بَيَّنَ اللَّهُ بِهِ كُلَّ شَيْءٍ "(2)

(رسولوں کی پیروی فرض ہے اور جو کچھ اللہ تعالی نے ان پر نازل کیا ہے اس کی پیروی کرنا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کا یہ سلسلہ محمد ﷺ پر ختم کر دیا، آپ ﷺ کو آخری نبی بنایا ہے، آپ ﷺ کی کتاب کو دوسری کتب سماویہ پر گواہ بنایا ہے، آپ ﷺ پر کتاب اور حکمت نازل کی۔ آپ ﷺ کی دعوت کو قیامت تک تمام مخلوقات جن وانس کے لیے عام کیا ہے آپ ﷺ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے بندوں کی حجت پوری کر دی، جو اللہ تعالیٰ کے ذمے تھی اور آپ ﷺ کے ذریعے ہر چیز کو واضح بیان کر دیا ہے۔)

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظامؒ، تبع تابعینؒ ائمہ مجتہدینؒ اور مفسرین، محدثین، اور علماء سمیت پوری امت مسلمہ کا اس بات پر اجماع رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت کے ساتھ ہی نبوت و رسالت کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ کے بعد کسی نئے نبی کے آنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

---

1 ابن کثیر، ابو الفداء، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم (بیروت: دار الكتب العلمية، 1419ھ) ج 3، ص 63-

2 حنفی، ابی العز، علی بن محمد، شرح العقيدة الطحاوية (بیروت: دار السلام، 2005ء) ص 73-

لفظ "خاتم النبیین" کی لغوی تحقیق:

لفظ "خاتم "کا مادہ "ختم " ہے۔ جس کے معانی مہر لگانے اور کسی چیز کے آخر تک پہنچنے اور اسے ختم کر دینے کے ہیں۔ اور یہ لفظ دو طرح سے پڑھا جاتا ہے۔ "خاتِم "(زیر کے ساتھ) اور خاتَم (زبر کے ساتھ) لیکن دو قاریوں (حسن اور عاصم) کے علاوہ خاتِم (زیر کے ساتھ) مشہور لغت ہے۔ ان دو قاریوں نے لفظ "خاتَم "زبر کے پڑھا ہے۔

مثلاً:

احمد بن محمد بن علی (م770ھ) صاحب "مصباح المنیر" میں لکھتے ہیں: "والكسر اشهرت"[1]

(کسرہ (زیر کے ساتھ) زیادہ مشہور ہے۔)

صاحب "روح المعانی"، شہاب الدین محمود بن عبد اللہ (م1270ھ) تحریر فرماتے ہیں:

"وقر الجمهور بكسر التاء و فتحها و قراعاصم و خاتم النبيين با لفتح"[2]

(لفظ خاتم "زیر وزبر تا" دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور عاصم نے خاتم النبیین کو زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔)

لفظ خاتم النبیین کی لغوی تحقیق کتب لغت کے تناظر میں:

1) **مفرادت القرآن:** یہ کتاب امام راغب اصفہانیؒ (م502ھ) کی تصنیف ہے۔ آپ نے قرآن کے لغات کو نہایت عمدہ انداز میں بیان کیا ہے۔ لفظ "خاتم النبیین" کے متعلق اس کے الفاظ یہ ہیں:

وخاتم النبيين لانه النبوة اى تممها بمجيئة[3]

(آپ ﷺ کو خاتم النبیین اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے نبوت کو ختم کر دیا، یعنی آپ ﷺ نے تشریف لا کر نبوت کو تمام فرما دیا۔)

2) **الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیہ:** یہ کتاب ابو نصر اسماعیل بن حماد الجوہری کی ہے۔ آپ لفظ "خاتم النبیین" کے متعلق تحریر کرتے ہیں:

"والخاتم والخاتم بكسر التاء و فتحها و الخيتام والخاتام كله بمعنى و الجمع الخواتيم و خاتمة الشئى آخره و محمد ﷺ خاتم الانبياء عليهم السلام "[4]

---

1 فیومی، احمد بن محمد علی، المصباح المنير في غريب الشرح الكبير للرافعي (بیروت: المکتبۃ العلمیہ، 1994ء) کتاب الخاء، ج1، ص163-

2 آلوسی، شہاب الدین، محمود بن عبد اللہ، تفسیر روح المعانی (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1415ھ) ج11، ص213-

3 اصفہانی، ابو القاسم، الحسین بن محمد، مفردات القرآن (بیروت: دار القلم، 2009ء) ص275-

4 الجوہری، ابو نصر، اسماعیل بن حماد، الصحاح تاج اللغة و صحاح العربيه (بیروت: دار العلم للملایین، 1407ھ) ج5، ص1908-

(خاتم ت کی زیر کے ساتھ اور خاتم ت کی زبر کے ساتھ اور خیتام اور خاتام سب کے ایک ہی معنی ہیں اور خواتیم جمع آتی ہے اور خاتمہ کے معنی آخر کے ہیں اور اسی معنی سے محمد ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔)

3) **لسان العرب:** کہ کتاب ابن منظور افریقی کی ہے۔ یہ لغت کی مقبول کتاب ہے اور عرب و عجم میں اس کو کافی مستند تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس میں یہ عبارت بیان کی گئی ہے:

"وخاتِمُهُم وخاتَمُهُم: آخرُهم؛ عَنِ اللِّحْيَانِيِّ؛ وَمُحَمَّدٌ، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، خاتِمُ الأَنبياء، عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ" [1]

(خاتم القوم بالکسر اور خاتم القوم بالفتح کے معنی آخر القوم ہیں اور انہی معانی پر لحیانی سے نقل کیا جاتا ہے۔ محمد ﷺ خاتم الانبیاء (یعنی آخر الانبیاء) ہیں۔)

4) **تاج العروس من جواہر القاموس:** یہ کتاب محمد بن محمد بن عبد الرزاق الحسینی، الزبیدی کی ہے۔ آپ خاتم سے متعلق فرماتے ہیں:

"عَنِ اللّحياني وَمن أسمائِه: الخاتَم والخاتِم، وَهُوَ الَّذِي خَتَم النُّبُوَّة بمَجيئه "[2]

(نبی کریم ﷺ کے اسماء میں سے الخاتم اور الخاتم بھی ہیں اور خاتم وہ شخص ہے جس نے اپنے تشریف لانے سے نبوت کو ختم کر دیا ہو۔)

5) **القاموس المحیط:** یہ کتاب ابو طاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی کی ہے۔ آپ اس کو یوں بیان کرتے ہیں:

"الخاتم من كلِّ شيء: عاقِبَتُهُ، وآخِرَتُهُ، كخاتِمَتِهِ، وآخِرُ القَوْمِ، كالخاتِمِ"[3]

(خاتم بالکسر کے معنی انجام و آخرت ہر شے مثل خاتمہ کے اور آخر قوم کے ہیں۔)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ معتبر کتب لغات سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ خاتم کے زبر و زیر کے سے ساتھ ایک ہی معانی ہیں اور جب کبھی قوم یا جماعت کی طرف مضاف ہو تو عربی لغت میں اس کے معانی آخر کے ہی ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی معانی نہیں آتے۔

لفظ "خاتم" کی قرآنی تفسیر:

قرآن مجید کے سات مقامات پر "ختم" استعمال ہوا ہے۔ جس کو ذیل میں پیش کیا جارہا ہے:

1) ﴿خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ﴾[4] (اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگادی۔)

---

1 افریقی، ابن منظور، جمال الدین، لسان العرب (بیروت: دار صادر، 2010ء) باب المیم، فصل الخاء، ج12، ص164-

2 الزبیدی، محمد بن عبد الرزاق، تاج العروس من جواهر القاموس (الکویت: دار الهدایہ، 2001ء) ج32، ص48-

3 فیروزآبادی، محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، باب المیم، فصل الخاء، ج4، ص104-

4 البقرہ: 7

2) ﴿وَخَتَمَ عَلَى قُلُوبِكُمْ﴾[1] (اور تمھارے دلوں پر مہر کر دے۔)

3) ﴿خَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ﴾[2] (اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگا دی۔)

4) ﴿الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ﴾[3] (آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے۔)

5) ﴿فَإِنْ يَشَإِ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَى قَلْبِكَ﴾[4](سو اگر اللہ چاہے تو تیرے دل پر مہر کر دے۔)

6) ﴿رَحِيقٍ مَخْتُومٍ﴾[5] (جس پر مہر لگی ہو گی۔)

7) ﴿خِتَامُهُ مِسْكٌ﴾[6] (اس کی مہر کستوری ہو گی۔)

ان ساتوں مقامات کے اول و آخر سیاق و سباق کو دیکھ لیں۔ "ختم" کے مادہ کو لفظ جہاں کہیں استعمال ہوا ہے۔ان تمام مقامات پر قدر مشترک یہ ہے کہ کسی چیز کو ایسے طور پر بند کرنا۔ اس کی ایسی بندش کرنی کہ باہر سے کوئی چیز اس میں داخل نہ ہو سکے۔ اور اندر سے کوئی چیز اس سے باہر نہ نکالی جا سکے۔ وہاں پر "ختم" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً پہلی آیت کو دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے دلوں میں مہر لگا دی۔ اس کا معنی یہ ہے کہ کفر ان کے دلوں سے باہر نہیں نکل سکتا اور باہر سے ایمان ان کے دلوں کے اندر داخل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ﴾[7] (اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی۔)

زیر بحث آیت خاتم النبیین کا اس قرآنی تفسیر کے اعتبار سے ترجمہ کریں تو اس کا معنی ہو گا کہ نبی کریم ﷺ کے آمد پر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے سلسلہ پر ایسے طور پر بندش کر دی، بند کر دیا، مہر لگا دی، کہ اب کسی نبی کو نہ اس سلسلہ سے نکالا جا سکتا ہے اور نہ کسی نئے شخص کو سلسلہ نبوت میں داخل کیا جا سکتا ہے۔

ختم نبوت سے متعلق قرآنی آیات:

جس طرح یہ بات مسلم حقیقت ہے کہ انسان اس دنیا میں خود اپنے ارادہ سے پیدا نہیں ہوا ہے۔ اسی طرح انسان کی راہنمائی کا معاملہ بھی کسی کی خواہش پر نہیں چھوڑا گیا بلکہ جس کو اللہ تعالیٰ نے چاہا اور جب چاہا نبی بنا کے بھیجا۔ ارشاد ربانی ہے:﴿اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾[1](رسالت کی جگہ کو اللہ ہی بخوبی جانتا ہے)

---

1 الانعام:46

2 الجاثیہ:23

3 یسین:65

4 الشوریٰ:24

5 المطففین:25

6 المطففین:26

7 البقرہ:7

سیدنا آدمؑ جیسے پہلے انسان ہیں ویسے ہی پہلے نبی بھی تھے اور اسی طرح آخری نبی ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کا انتخاب کیا ہے۔ اور یہ بات بھی اللہ تعالیٰ کو منظور تھی کہ نبوت کا سلسلہ آپ ﷺ پر تمام ہو۔ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾[2]

(محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن آپ نبی کریم اور خاتم النبیین ہیں۔)

اس آیتِ کریمہ کی تشریح میں مشہور مفسرِ قرآن امام ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری رحمہ اللہ (متوفی 310ھ) نے لکھا ہے: "بمعنى أنه آخر النبيين" اس معنی میں کہ آپ آخری نبی ہیں۔[3]

اس آیتِ کریمہ کی متفقہ تفسیر سے ثابت ہوا کہ خاتم النبيين کا مطلب آخر النبيين ہے اور اسی پر اہلِ اسلام کا اجماع ہے۔

تنبیہ: مدینہ منورہ والے قرآن مجید میں خاتِم النبیین (تاء کی زیر کے ساتھ) ہے اور یہ قراءت بھی اسی کی دلیل ہے کہ اس سے مراد آخر النبيين ہیں۔

اور قدرتی طور پر وہ اسباب نہیں رہے جن کے لیے اب نبی کو بھیجا جاتا تھا۔ اور نہ مزید احکام شریعت میں کوئی تبدیلی اللہ تعالیٰ کو مقصود رہی، اس لیے قرآن مجید کو آخری الہامی کتاب اور احادیث رسول ﷺ کو تشریح کے ساتھ تشریح الٰہی کا حصہ بنایا، جس سے شریعت الٰہی کمال کو پہنچ گیا اور نعمت ہدایت کا تکمیل ہو چکا ہے۔ جیسے ارشاد ربانی ہے: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾[4]

(آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا۔)

دین کے مکمل ہو جانے کا یہی مطلب ہے کہ اب کوئی اور نبی یا دین و شریعت نہیں آئے گی۔ دین اسلام کو اللہ تعالیٰ نے کامل کر دیا ہے۔ آپ ﷺ سے پہلے جو کتابیں نازل ہوئیں ان میں آپ ﷺ کے بارے میں پیشین گویاں کی گیئں۔ اگر آپ ﷺ کے بعد کسی اور نبی نے آنا ہوتا تو اس کے بارے میں قرآن مجید میں کوئی نہ کوئی پیشین گوئی ہوتی۔ یہ حقائق اس بات پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

---

1 الانعام:124

2 الاحزاب:40

3 طبری، محمد بن جریر، جامع البيان في تأويل القرآن (القاہرہ: دار الحدیث، س ن) ج9، ص244-

4 المائدہ:3

اس کی تکمیل نعمت وہدایت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس کو محفوظ بھی کر دیا ہے، جس سے تحریف و تخریب کا خطرہ بھی ختم ہو گیا۔ آپ ﷺ سے پہلے بہت سارے انبیاء کرام اس دنیا میں تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر کتابیں اور صحیفے نازل کیے۔ جب بھی کوئی نبی اس دنیا سے چلا جاتا تو اللہ اس کا جانشین مقرر فرماتا جو اس نبی کی تعلیمات کی حفاظت کرتا اور اسے لوگوں تک پہنچاتا۔ جب آپ ﷺ پر قرآن مجید نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾(1)

(بے شک ہم نے ہی یہ نصیحت نازل کی ہے اور بے شک ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں۔)

چونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو نہیں بھیجنا تھا چنانچہ کتاب کی حفاظت کر کے انسانوں کی رہنمائی کا دائمی بندوبست کر دیا ہے اس لیے اب نبی کے آنے کا جواز باقی نہیں رہتا۔

قرآن مجید سے پہلے آسمانی صحائف میں ہمیشہ سے اگلے رسول کے آنے کے بارے میں پیش گوئی ہوتی تھی، اور امت سے عہد لیا جاتا تھا کہ وہ ان پر ایمان لائیں گے، لیکن یہ طریقہ اس آخری شریعت میں موجود نہیں، بلکہ موقوف کر دیا گیا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ﴾(2)

(اور جب اللہ نے سب نبیوں سے پختہ عہد لیا کہ میں کتاب و حکمت میں سے جو کچھ تمھیں دوں، پھر تمھارے پاس کوئی رسول آئے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمھارے پاس ہے تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے اور ضرور اس کی مدد کرو گے۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری عہد قبول کیا؟ انھوں نے کہا ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو گواہ رہو اور تمھارے ساتھ میں بھی گواہوں سے ہوں۔)

اگر نبی کریم ﷺ کے بعد کسی اور نبی کی آمد ممکن ہوتی تو ضرور اللہ تعالیٰ امت کو وضاحت کے ساتھ اس کا ذکر فرما دیتے، لیکن نہ صرف یہ کہ قرآن کریم میں کسی جگہ اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا، احادیث نبوی ﷺ بھی اس کے ذکر سے خالی ہے۔ بلکہ دین کی تکمیل اور قرآنی حفاظت اس بات کی روشن دلیل ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں۔ اگر آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول نہ ہوتے تو دین کی تکمیل اور قرآنی حفاظت نہ ہوتی۔

---

1 الحجر: 9

2 ال عمران: 81

صحیح بخاری کی ختم نبوت سے متعلق احادیث و آثار

1) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:((كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لاَ نَبِيَّ بَعْدِي))[1](بنی اسرائیل کے انبیاء ان کی سیاسی رہنمائی بھی کیا کرتے تھے، جب بھی ان کا کوئی نبی فوت ہو جاتا تو دوسرے ان کی جگہ آ جاتے، لیکن یاد رکھو میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔)

سیاست کے معنی کسی چیز کی اصلاح کرنے کے ہیں۔ بنی اسرائیل کی اصلاح حضرات انبیاء علیہم السلام کرتے تھے۔ جب ان میں کوئی فتنہ و فساد رونما ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے دور کرنے کیلئے کسی نبی کا بندوبست کر دیتا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:"میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا جو پہلے انبیاء علیہم السلام جیسا فریضہ ادا کرے، البتہ میرے خلفاء، بکثرت ہونگے۔ ان کی اطاعت کرنا امت پر واجب ہے"۔

2) سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:((لِي خَمْسَةُ أَسْمَاءٍ أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَحْمَدُ، وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللَّهُ بِي الْكُفْرَ، وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدَمِي، وَأَنَا الْعَاقِبُ))[2](میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمد، احمد اور ماحی ہوں (یعنی مٹانے والا ہوں) کہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ کفر کو مٹائے گا اور میں حاشر ہوں کہ تمام انسانوں کا (قیامت کے دن) میرے بعد حشر ہو گا اور میں عاقب ہوں یعنی خاتم النبیین ہوں۔)

نبی کریم ﷺ کے کئی نام ہیں۔ اس حدیث میں صرف پانچ ناموں پر اکتفا کیا گیا ہے کیونکہ یہ نام پہلی کتابوں میں موجود ہیں اور پہلی امتیں ان ناموں کو جانتی ہیں پھر عدد کے مفہوم کا اعتبار نہیں ہوتا کیونکہ ایک عدد اپنے سے زیادہ عدد کی نفی نہیں کرتا۔ آخری نام عاقب ہے۔ اس کی تفسیر اس طرح کی گئی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نیا پیغمبر نہیں آئے گا۔

3) سیدنا جابر بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ایک بہترین اور مکمل گھر (محل) کی مثال کو نبیوں کی مثال قرار دیا۔ جس کی ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:((مَثَلِي وَمَثَلُ الأَنْبِيَاءِ كَرَجُلٍ بَنَى دَارًا فَأَكْمَلَهَا وَأَحْسَنَهَا، إِلاَّ مَوْضِعَ لَبِنَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَدْخُلُونَهَا وَيَتَعَجَّبُونَ، وَيَقُولُونَ لَوْلاَ مَوْضِعُ اللَّبِنَةِ))[3](میری اور دوسرے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسی کسی شخص

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كِتَاب أَحَادِيثِ الْأَنْبِيَاءِ، باب مَا ذُكِرَ عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، **حدیث** 3455-

2 **ایضاً**، كِتَاب الْمَنَاقِبِ ، بَابُ مَا جَاءَ فِي أَسْمَاءِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، **حدیث** 3532-

3 بخاری، بو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كِتَاب الْمَنَاقِبِ ، بَابُ خَاتِمِ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، **حدیث** 3534-

نے کوئی گھر بنایا، اسے خوب آراستہ پیراستہ کر کے مکمل کر دیا۔ صرف ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی۔ لوگ اس گھر میں داخل ہوتے اور تعجب کرتے اور کہتے کاش یہ ایک اینٹ کی جگہ خالی نہ رہتی تو کیسا اچھا مکمل گھر ہوتا۔)

امام بخاریؒ نے مذکورہ عنوان سے ایک آیت کریمہ کی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾[1]

(محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔)

حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ اگر اینٹ کی جگہ خالی نہ ہوتی تو مکان مکمل ہو جاتا۔ اگلی روایت میں ہے: "میں وہ اینٹ ہوں کیونکہ میرے ذریعے سے نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے"۔ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ قادیانیوں کا دعویٰ کہ مرزا غلام احمد بھی نبی ہے محض فریب اور دھوکا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے بعد نبوت جاری رہنے کا امکان نہیں رہا۔ اور نہ آپ کے بعد کسی اور نبی کو تجویز کرنا ہی ممکن ہے۔

4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (("إِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ، إِلاَّ مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ وَيَعْجَبُونَ لَهُ، وَيَقُولُونَ هَلاَّ وُضِعَتْ هَذِهِ اللَّبِنَةُ قَالَ فَأَنَا اللَّبِنَةُ، وَأَنَا خَاتِمُ النَّبِيِّينَ))[2] (بے شک میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس آدمی کی طرح ہے، جس نے بہت اچھے طریقے سے ایک گھر بنایا اور اسے ہر طرح سے مزین کیا، سوائے اس کے کہ ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ (چھوڑ دی) پھر لوگ اس کے چاروں طرف گھومتے ہیں اور (خوشی کے ساتھ) تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ اینٹ یہاں کیوں نہیں رکھی گئی؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: پس میں وہ (نبیوں کے سلسلے کی) آخری اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔)

واضح رہے کہ وہ اینٹ مکان کے ایک کونے میں رکھی گئی جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اینٹ مکان کے لئے بنیادی حیثیت نہیں رکھتی کہ اس کے بغیر مکان کا وجود ہی باقی نہ رہے بلکہ اس اینٹ سے مکان کی خوبصورتی میں اضافہ ہوا ہے۔ اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ اس کے بغیر مکان ناقص تھا کیونکہ ہر نبی کی شریعت اپنے زمانے کے اعتبار سے کامل تھی۔ مقصد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی شریعت تمام شریعتوں سے اکمل اور احسن ہے جبکہ پہلے انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں کامل اور حسن تھیں۔

---

1 الاحزاب:40

2 بخاری، بوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كِتَاب الْمَنَاقِبِ ، بَابُ خَاتِمِ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، **حدیث** 3535۔

5) نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:((أَلاَ تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى إِلاَّ أَنَّهُ لَيْسَ نَبِيٌّ بَعْدِي))[1](کیا تم راضی نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھے؟ مگر فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔)

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد رسالت و نبوت کا دروازہ قیامت تک کیلئے بند ہو چکا ہے۔ اب جو بھی کسی قسم کی نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ جھوٹا دجال ہے۔

6) سیدنا جبیر بن معظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:((إِنَّ لِي أَسْمَاءً، أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَنَا أَحْمَدُ، وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللَّهُ بِيَ الْكُفْرَ، وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدَمِي، وَأَنَا الْعَاقِبُ))[2](میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کفر کو مٹا دے گا اور میں حاشر ہوں کہ اللہ تعالیٰ سب کو حشر میں میرے بعد جمع کرے گا اور میں عاقب ہوں۔ یعنی سب پیغمبروں کے بعد دنیا میں آنے والا ہوں۔)

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علہیم السلام کے نام پر بچوں کے نام رکھے جاسکتے ہیں۔ خود نبی کریم ﷺ نے اپنے لخت جگر کا نام "جد اعلیٰ" حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر ابراہیم رکھا۔ حضرت عبد اللہ بن سلام کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو انہوں نے نام یوسف رکھا تھا اور اسے اپنی گود میں بٹھایا۔[3]

سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ انھیں انبیاء کرام علیہم السلام کے نام رکھنے بہت محبوب ہیں۔[4]

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کے بارے میں بھی اشارہ ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ کے بعد نبوت کا سلسلہ جاری رہنا ہوتا تو آپ کے صاحبزادے زندہ رہتے لیکن آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

7) سیدنا عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے بیٹے ابراہیم (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں فرمایا:((مَاتَ صَغِيرًا، وَلَوْ قُضِيَ أَنْ يَكُونَ بَعْدَ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم نَبِيٌّ عَاشَ ابْنُهُ، وَلَكِنْ لاَ نَبِيَّ بَعْدَهُ))[5](وہ بچپن میں ہی وفات پا گئے اور اگر محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی ہوتا تو آپ کے بیٹے زندہ رہتے، لیکن آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔)

8) امام سعید بن المسیب کی سند سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب المغازی، بَابُ غَزْوَةُ تَبُوكَ، وَهِيَ غَزْوَةُ الْعُسْرَةِ، حدیث 4416-

2 ایضاً، كِتَاب تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ، بَابُ قَوْلُهُ تَعَالَى: مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ، حدیث 4896-

3 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الادب المفرد، حدیث 838-

4 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، 10/709-

5 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، كِتَاب الْأَدَبِ، بَابُ مَنْ سَمَّى بِأَسْمَاءِ الْأَنْبِيَاءِ، حدیث 6194-

((لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ إِلاَّ الْمُبَشِّرَاتُ ". قَالُوا وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ " الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ))[1](نبوت میں سے سوائے مبشرات کے کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ لوگوں نے کہا: مبشرات کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نیک خواب۔)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اب نبوت کا خاتمہ ہوا ہے، البتہ مبشرات باقی ہیں، یعنی نیک خواب باقی ہیں۔

ان تمام احادیث و آثار سے معلوم ہوا اب نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ اگر نبی کریم ﷺ کے بعد نبوت جاری رہتی تو عمر بن خطاب نبی ہوتے[2]، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبوت کا اعلان نہیں کیا، اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی نہیں تو اور کوئی نبی کیسے بن سکتا ہے؟

لیکن تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد بہت سے لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کر دیا، اگر ہم دیکھیں تو اس کے پیچھے بھی نبی کریم ﷺ کی پیش گوئی نظر آتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے پیش گوئی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:((لاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُبْعَثَ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ قَرِيبًا مِنْ ثَلاَثِينَ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ))[3](قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک تقریباً تیس جھوٹے دجال پیدا نہ ہو لیں۔ ان میں ہر ایک کا یہی گمان ہو گا کہ وہ اللہ کا نبی ہے۔)

اس حدیث میں قیامت سے پہلے تیس دجال کے پیدا ہونے کا بیان ہے۔ جو نبوت کا دعویٰ کریں گے، ان میں سر فہرست مسلیمہ کذاب، اسود عنسی، مختار ثقفی وغیرہ ہیں۔ حدیث میں وہ لوگ مراد ہیں، جنہیں دنیوی شان و شوکت اور دبدبہ حاصل تھا، انہوں نے شیطان کے فریب میں آکر نبوت کا اعلان کر دیا، ان میں سے ایک شخص برصغیر میں بھی پیدا ہوا، جس نے نبوت کا دعویٰ کر کے خلق کثیر کو گمراہ کیا۔ اور پھر وہ دنیا میں عبرت کا شکار ہوا۔

الکافی کی ختم نبوت سے متعلق احادیث و آثار

1) شیخ محمد بن یعقوب کلینیؒ(م329ھ) فرماتے ہیں:

" إِذِ الرَّبُّ – عَزَّوَجَلَّ – وَاحِدٌ ، وَالرَّسُولُ مُحَمَّدٌ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ – صَلَوَاتُ اللهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ – وَاحِدٌ ، وَالشَّرِيعَةُ وَاحِدَةٌ ، وَحَلَالُ مُحَمَّدٍ حَلَالٌ ، وَحَرَامُهُ حَرَامٌ إِلى يَوْمِ الْقِيَامَةِ."[4]

---

1 ایضاً، كِتَاب التَّعْبِيرِ، بَابُ الْمُبَشِّرَاتِ،حدیث6990-

2 ترمذی، ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، السنن(الریاض: دار السلام،1999ء) كتاب المناقب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم،باب فِي مَنَاقِبِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضى الله عنه،حدیث3686-علامہ البانی کے نزدیک یہ روایت "حسن" ہے۔

3 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، كِتَاب الْمَنَاقِبِ، بَابُ عَلاَمَاتِ النُّبُوَّةِ فِي الإِسْلاَمِ،حدیث3609-

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، ج1،ص18-

(ہمارا پروردگار بزرگ و برتر ایک ہے اور ہمارے رسول حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ ایک ہیں، ہماری شریعت ایک ہے اور قیامت کے دن تک حضرت محمد ﷺ کا حلال کیا ہوا حلال ہے اور آپ ﷺ کا حرام کیا ہو احرام ہے۔)

صاحب الکافی امام محمد بن یعقوب الکلینیؒ نے مذکورہ قول سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ واحد ہے اور محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں۔ شریعت اسلامیہ بھی ایک اور حلال و حرام نبی کریم ﷺ نے واضح کر دیا گیا ہے۔

2) حضرت امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہما السلام ارشاد فرماتے ہیں:((لَقَدْ خَتَمَ اللهُ بِكِتَابِكُمُ الْكُتُبَ وَخَتَمَ بِنَبِيِّكُمُ الانْبِيَاءَ.))[1](بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری کتاب (قرآن مجید) پر (آسمانی) کتابیں ختم کر دیں اور تمہارے نبی ﷺ پر انبیاء کرام کو ختم کر دیا ہے۔)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ آخری آسمانی کتب ہے، اور نبی کریم ﷺ پر نبوت و رسالت کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔

3) حضرت امام موسیٰ کاظم نے فرمایا:((مَبْلَغُ عِلْمِنَا عَلى ثَلَاثَةِ وُجُوهٍ : مَاضٍ ، وَغَابِرٍ ، وَحَادِثٍ ؛ فَأَمَّا الْمَاضِي ، فَمُفَسَّرٌ ؛ وَأَمَّا الْغَابِرُ ، فَمَزْبُورٌ ؛ وَأَمَّا الْحَادِثُ ، فَقَذْفٌ فِي الْقُلُوبِ وَنَقْرٌ فِي الْأَسْمَاعِ وَهُوَ أَفْضَلُ عِلْمِنَا ، وَلَانَبِيَّ بَعْدَ نَبِيِّنَا.))[2](ہمارا علم تین طرف سے پہنچتا ہے: گذشتہ، آئندہ اور جو حادث ہوتا ہے۔ گذشتہ علم ہمارے لئے تفسیر کیا گیا ہے اور آئندہ کا علم لکھا جا چکا ہے اور جو حادث ہوتا ہے، وہ کبھی تو دل میں آتا ہے اور کبھی کانوں کے ذریعے اور یہی ہمارا بہترین علم ہے؛ جبکہ ہمارے نبی کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔)

امام موسیٰ کاظم کی اس روایت سے یہ مسائل اخذ کیے جاسکتے ہیں کہ گذشتہ علم ہمارے لیے تفسیر کیا گیا ہے۔ آئندہ علم ہمارے لیے لکھا جا چکا ہے اور وہ آج قرآن و حدیث کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ جو حادث ہوتا ہے وہ کبھی دل میں کشف کی صورت اختیار کرتا ہے اور کبھی سماع کی صورت اختیار کر کے کانوں کی زینت بن جاتا ہے۔ اور ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔

4) ایوب بن حر سے روایت ہے کہ میں حضرت اما جعفر صادقؑ فرماتے ہوئے سنا کہ:((إِنَّ اللهَ – عَزَّ ذِكْرُهُ – خَتَمَ بِنَبِيِّكُمُ النَّبِيِّينَ ؛ فَلَا نَبِيَّ بَعْدَهُ أَبَداً ، وَخَتَمَ بِكِتَابِكُمُ الْكُتُبَ ؛ فَلَا كِتَابَ بَعْدَهُ أَبَداً ، وَأَنْزَلَ فِيهِ تِبْيَانَ

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كتاب الحجّة ، بَابُ الْفَرْقِ بَيْنَ الرَّسُولِ وَالنَّبِيِّ وَالْمُحَدَّثِ، باب 3، حدیث 446/4-

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كتاب الحجّة ، بَابُ جِهَاتِ عُلُومِ الْأَئِمَّةِ عليهم السلام، باب 50، حدیث 689/1-

كُلِّ شَيْءٍ ، وَخَلْقَكُمْ ، وَخَلْقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ، وَنَبَأَ مَا قَبْلَكُمْ ، وَفَصْلَ مَا بَيْنَكُمْ ، وَخَبَرَ مَا بَعْدَكُمْ ، وَأَمْرَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ ، وَ مَا أَنْتُمْ صَائِرُونَ إِلَيْهِ.))[1] (بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کے ذریعے انبیاء کا سلسلہ ختم کیا پس اس کے بعد ہر گز کوئی نبی نہیں آئے گا اور تمہاری کتاب (قرآن) کے ساتھ آسمانی کتابوں کا سلسلہ ختم کر دیا اور اس کے بعد ہر گز کوئی آسمانی نہیں اور اس میں ہر چیز کا صحیح اور کامل بیان نازل کیا اور تمہاری خلقت اور زمین وآسمانوں کی خلقت اور تم سے پہلے کے واقعات کی خبر اور تمہارے درمیان ہونے والے جھگڑوں کو ختم کرنے کا وسیلہ ہے اور تمہارے بعد بہشت ودوزخ اور تمہارے انجام کی خبریں ہیں۔)

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ذریعے انبیاء کرام کا سلسلہ ختم کر دیا ہے۔ پس آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اسی طرح قرآن مجید بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری اسمانی کتب کی شکل میں نازل ہوئی ہے۔ اس کتاب میں ہر چیز کو کامل انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں تمہاری پیدائش، زمین و آسمان کی خلقت، تم سے پہلے کے واقعات، تمہارے درمیان ہونے والے جھگڑوں کو ختم کرنے کا وسیلہ ہے، اور آخرت (جنت و جہنم) کی خبریں کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں۔

5) حضرت ابو سعید غانم ہندی فرماتے ہیں:((إِنَّا نَقْرَأُ فِي كُتُبِنَا أَنَّ مُحَمَّداً خَاتَمُ النَّبِيِّينَ ، لَانَبِيَّ بَعْدَهُ))[2] (ہم اپنی کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں، کیونکہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔)

مندرجہ بالا احادیث و آثار اس بات پر دلالت کرتی ہیں نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور جو نبوت کا دعوی کرے گا وہ کذاب اور جھوٹا ہے۔ اس لئے تمام امت اسلامیہ کے مقتدر علماء نے نبوت کا دعویٰ کرنے والے کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔

اجماع صحابہ اور ختم نبوت

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اجماع تھا کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد بہت سے لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ ان لوگوں میں مسیلمہ کذاب، طلحیہ اور سجاح نامی لوگ شامل تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان لوگوں کے خلاف آواز جہاد بلند کیا۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ لڑی گئی۔ اس کے علاوہ صحابہ کرام نے اجتماعی طور پر متفق ہو کے ان کا سامنا کیا اور ان کو جہنم واصل کیا۔

---

1 **ایضاً**،بَابٌ فِي أَنَّ الْأَئِمَّةَ عليهم‌السلام بِمَنْ يُشْبِهُونَ مِمَّنْ مَضى وَكَرَاهِيَةِ الْقَوْلِ فِيهِمْ بِالنُّبُوَّةِ،**باب**53،**حدیث**706/3-

2 **کلینی**،ابو جعفر،**محمد بن یعقوب**،**الکافی** ،كتاب الحجّة، بَابُ مَوْلِدِ الصَّاحِبِ عليه‌السلام،**باب**125،**حدیث**1359/3-

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: "﴿وَخَاتَمَ النَّبِيين﴾ ختم الله بِهِ النَّبِيين قبله فَلَا يكون نَبِي بعده"[1] (خاتم النبیین کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سلسلہ انبیاء حضور ﷺ کی ذات اقدس پر ختم فرما دیا ہے پس آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو گا۔)

گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع تھا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا اور آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں۔

ختم نبوت پر علمائے امت کا اجماع:

1) امام ابن قیم لفظ عاقب اور خاتم کو ہم معنی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والعاقب: الذي جاء عقيب الأنبياء، فليس بعده نبي. فإن العاقب هو الآخر، فهو بمنزلة الخاتم"[2]

(اور آپ ﷺ عاقب ہیں جو تمام انبیاء کے پیچھے تشریف لائے۔ پس آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں، سو عاقب سے مراد آخری ہے اور یہ خاتم کے ہم معنی ہے۔)

2) امام ابن حجر عسقلانی یوں رقم طراز ہیں:

"وَفَضْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى سَائِرِ النَّبِيِّينَ وَأَنَّ اللَّهَ خَتَمَ بِهِ الْمُرْسلين وأكمل بِهِ شرائع الدّين"[3]

(نبی اکرم ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت رکھتے ہیں اور اللہ نے آپ ﷺ پر رُسلِ عظام کی بعثت کا سلسلہ ختم کر دیا اور آپ ﷺ کے ذریعے شریعت کی تکمیل فرما دی۔)

3) محسن علی نجفی فرماتے ہیں:

"حدیث نبوی میں تواتر سے ثابت ہے کہ رسول خاتم ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اسی لیے ختم نبوت پر امت کا اجماع قائم ہے۔"[4]

پس عقیدہ ختم نبوت جس طرح قرآن کریم کے نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اسی طرح نبی کریم ﷺ کی احادیث متواترہ سے بھی ثابت ہے اور تمام علمائے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور اگر کوئی نبوت کا دعویٰ کرے گا تو وہ کافر قرار پائے گا۔ پہلی صدی

---

1 فیروز آبادی، ابو طاہر، محمد بن یعقوب، عبد اللہ بن عباس، تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس (لبنان: دار الکتب العلمیہ، س ن) ص 354۔

2 ابن قیم الجوزیہ، زاد المعاد في هدى خير العباد (بیروت: دار ابن حزم، 2019ء) ج 1، ص 82۔

3 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری (بیروت: دار المعرفۃ، 1379ھ) ج 6، ص 559۔

4 نجفی، محسن علی، الکوثر فی تفسیر القرآن (لاہور: مصباح القرآن ٹرسٹ، 2016ء) ج 7، ص 78۔

سے لے کر آج تک جتنے بھی علماء اسلام آئے اگر ان کی زندگی کو پرکھا جائے تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ انہوں نے نہ صرف ختم نبوت کا پرچار کیا بلکہ نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کو کافر قرار دیا۔

خلاصہ بحث

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رشد وہدایت کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلہ سیدنا آدم علیہم السلام سے شروع ہوا اور اس کا اختتام نبی کریم ﷺ پر ہوا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ہیں، لفظ "خاتم" کے معانی مہر لگانے، اور آخری کے ہیں۔ نبی کریم ﷺ انبیاء کرام علیہم السلام کی فہرست میں سب سے آخر میں مبعوث ہوئے ہیں، اس لیے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں، آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ قرآن مجید میں بھی ختم نبوت سے متعلق نصوص موجود ہیں، اسی طرح صحیح بخاری الکافی کی احادیث وآثار کے مطالعہ سے بھی یہ معلوم ہوا کہ آپ خاتم النبیین ہیں، آپ ﷺ کی ختم نبوت پر صحابہ کرام اور امت مسلمہ کا اجماع بھی ہے۔ جو نبوت کا دعویٰ کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے، اور ایسے شخص کے خلاف جنگ کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثابت ہے۔

نتائج

1) لفظ خاتم کو دونوں قراءت (زبر وزیر تاء) کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے۔ دونوں قرآءت سے معنی میں کوئی فرق نہیں آتا۔
2) قرآنی نصوص سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ہیں۔
3) صحیح بخاری اور الکافی کے مطالعہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں آپ کے بعد کوئی اور نبی یا رسول نہیں آئے گا، اور جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے وہ کذاب اور جھوٹا ہے۔
4) حدیث کے تواتر سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔
5) جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے ان کے خلاف جنگ کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثابت ہے۔

امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی اور نبی یا رسول نہیں آئے گا۔

مبحث دوم:

صحیح بخاری اور الکافی کی تحریف قرآن سے متعلق احادیث و آثار کا مطالعہ

تعارف

صحیح بخاری اہل سنت کی کتاب ہے، جبکہ الکافی اہل تشیع کی کتاب ہے۔ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن مجید محفوظ ترین کتاب ہے۔ اور تحریف سے مبرا کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ﴾[1]
(یہ کتاب، اس میں کوئی شک نہیں۔)

اس کتاب میں شک و شبہ نہیں ہے کیونکہ اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ اور جس کتاب کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے ذمے ہو، اس میں تحریف کیسے ممکن ہو سکتی ہے؟ اہل تشیع کے چند مفسرین تحریف قرآن کے قائل ہیں، لیکن اکثر اہل تشیع مفسرین تحریف قرآن کے قائل نہیں ہیں۔ عصر حاضر میں جو قرآن مجید مسلمانوں کے پاس ہے، اہل تشیع بھی اسی قرآن مجید کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی آخری کتاب مانتے ہیں اور اس میں تحریف و تبدل کے قائل نہیں ہیں۔ البتہ اہل تشیع کے چند قدیم مفسرین تحریف قرآن کے قائل ہیں، اور وہ ان کی مختلف توجہات پیش کرتے ہیں، تحریف قرآن کے قائلین کے نزدیک اصل قرآن وہ تھا جس کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جمع کیا ہے اور اس کے بعد اہل بیت کے ائمہ اس قرآن مجید کے وارث بنے، یہی قرآن ہر قسم کی تبدیلیوں اور تحریفات سے مبرا تھا۔ اس کے علاوہ تمام نسخے تحریف شدہ ہیں۔

الکافی میں تحریف قرآن سے متعلق روایات:

امام محمد بن یعقوب الکلینی نے امام جعفر صادق سے روایت کی ہے:

((إِنَّ الْقُرْآنَ الَّذِي جَاءَ بِهِ جَبْرَئِيلُ عليه‌السلام إِلَى مُحَمَّدٍ صلى‌الله‌عليه‌وآله سَبْعَةَ آلَافِ آيَةٍ))

[2](جبرئیل علیہ السلام جو قرآن نبی کریم ﷺ پر لے کر آئے تھے، اس کی آیات ستر ہزار تھیں۔)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی آیات ستر ہزار تھیں، لیکن موجودہ قرآن مجید میں آیات کی مشہور تعداد 6666 اور جدید تحقیق کے مطابق قرآنی آیات کی تعداد 6236 ہے۔۔ بقیہ آیات اس نسخے میں محفوظ ہیں جو حضرت علی نے جمع کیا تھا۔

امام کلینیؒ نے ایک اور روایت بیان کی ہے:

---

1 البقرہ:2

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی (ایران: دار الحدیث، 1429ھ) حدیث 3597(29)-

((عَنْ جَابِرٍ ، قَالَ :سَمِعْتُ أَبَا جَعْفَرٍ عليه‌السلام يَقُولُ : « مَا ادَّعى أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ أَنَّهُ جَمَعَ الْقُرْآنَ كُلَّهُ كَمَا أُنْزِلَ إِلَّا كَذَّابٌ ، وَمَا جَمَعَهُ وَحَفِظَهُ كَمَا نَزَّلَهُ اللهُ تَعَالى إِلَّا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَالْأَئِمَّةُ مِنْ بَعْدِهِ عليهم‌السلام ».))(1)

(حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر علیہ السلام سے سنا ہے، آپ نے فرمایا: جو شخص دعویٰ کرے کہ میں پورا قرآن جیسے نازل ہوا تھا، ویسے ہی جمع کیا ہے وہ بہت بڑا جھوٹا ہے۔ قرآن مجید جیسے نازل ہوا ویسے کسی نے جمع نہیں کیا اور نہ ہی سوائے علی بن ابی طالب اور ان کے بعد ائمہ کے کسی نے اس کو یاد کیا ہے۔)

اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام کلینیؒ تحریف قرآن کے قائل ہیں۔

امام کلینیؒ نے الکافی میں ایک روایت اور پیش کی ہے:

((عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عليه‌السلام ،قَالَ:«نَزَلَ جَبْرَئِيلُ عليه‌السلام بِهذِهِ الْآيَةِ عَلى مُحَمَّدٍ صلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم هكَذَا: ﴿بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ يَكْفُرُوا بِما أَنْزَلَ اللهُ ﴾ فِي عَلِيٍّ ﴿بَغْياً﴾))(2)

(حضرت ابو جعفر علیہ السلام فرماتے ہیں: جبرائیل علیہ السلام نے اس آیت کو رسول اللہ ﷺ پر یوں نازل کیا ہے۔﴿بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ يَكْفُرُوا بِما أَنْزَلَ اللهُ ﴾ فِي عَلِيٍّ ﴿بَغْياً﴾(بری ہے وہ چیز جس کے بدلے انھوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا کہ اس چیز کا انکار کر دیں جو اللہ نے (علی کے بارے میں) نازل فرمائی۔))

اس روایت میں امام کلینیؒ جو آیت کریمہ بیان کی ہیں اس میں فِي عَلِيٍّ کے الفاظ پیش کیے ہیں جبکہ جو موجودہ قرآن ہے، اس میں یہ الفاظ موجود نہیں ہیں۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام کلینیؒ تحریف قرآن کے قائل ہیں۔

امام کلینیؒ مزید روایت بیان کرتے ہیں:

((عَنْ جَابِرٍ ، قَالَ : نَزَلَ جَبْرَئِيلُ عليه‌السلام بِهذِهِ الْآيَةِ عَلى مُحَمَّدٍ صلى‌الله‌عليه‌وآله هكَذَا : ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمّا نَزَّلْنا عَلى عَبْدِنا ﴾ فِي عَلِيٍّ ﴿ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ ﴾))(3)

(حضرت جابر نے فرمایا: جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ پر یہ آیت اس طرح نازل کی۔﴿وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمّا نَزَّلْنا عَلى عَبْدِنا ﴾ فِي عَلِيٍّ ﴿ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ ﴾(اور اگر تم اس کے بارے میں کسی شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے (محمد) پر اتارا ہے (علی کے بارے میں) تو اس کی مثل ایک سورت لے آو۔))

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، **الکافی**، كتاب الحجّة ، بَابُ أَنَّهُ لَمْ يَجْمَعِ الْقُرْآنَ كُلَّهُ إِلَّا الْأَئِمَّةُ عليهم‌السلام وَأَنَّهُمْ يَعْلَمُونَ عِلْمَهُ كُلَّهُ، باب 35، حدیث 610(1)۔

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، **الکافی**، كتاب الحجّة ،بَابٌ فِيهِ نُكَتٌ ونُتَفٌ مِنَ التَّنْزِيلِ فِي الْوَلَايَةِ، باب 108، حدیث 1112(25)۔

3 ایضاً، حدیث 1113(26)۔

امام کلینیؒ الکافی میں ایک اور روایت پیش کرتے ہیں:

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ علیه‌السلام ، قَالَ : « نَزَلَ جَبْرَئِيلُ علیه‌السلام عَلى مُحَمَّدٍ صلی‌الله‌علیه‌وآله بِهذِهِ الْآيَةِ هكَذَا : ﴿يا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتابَ آمِنُوا بِما نَزَّلْنا ﴾ فِي عَلِيٍّ ﴿ نُوراً مُبِيناً ﴾ ».))[1]

(حضرت ابو عبداللہ علیہ السلام فرمایا: جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ پر یہ آیت اس طرح نازل کی ۔﴿يا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتابَ آمِنُوا بِما نَزَّلْنا ﴾ فِي عَلِيٍّ ﴿ نُوراً مُبِيناً ﴾(اے لوگو جنھیں کتاب دی گئی ہے! اس پر ایمان لاؤ جو ہم نے (علی کے بارے میں) نازل کیا ہے، وہ نور مبین ہیں۔))

اس روایت میں جو آیت کریمہ بیان کی گئی ہے اس میں فِي عَلِيٍّ کے الفاظ ہیں جو کہ موجودہ قرآن میں نہیں ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ امام کلینیؒ تحریف قرآن کے قائل ہیں۔

تحریف قرآن کی نوعیت

اہل تشیع کے مشہور مفسر قمی نے تحریف کی تین حالتیں بیان کی ہیں:

1) لفظی تحریف

کسی بھی آسمانی کتاب کے نازل شدہ الفاظ کو بدل کر اپنے من مانی الفاظ بیان کرنا "تحریف لفظی" کہلاتا ہے۔[2]

مثلا: سورۃ النمل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا مُوسَى لَا تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ ☆ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ﴾[3]

(اے موسیٰ! مت ڈر، بے شک میں، میرے پاس رسول نہیں ڈرتے۔ مگر جس نے ظلم کیا۔)

اہل تشیع مفسر قمی اس آیت میں تحریف ثابت کرتے ہوئے کہتے ہیں: کہ اصل عبارت " إِلَّا" نہیں "لَا مَنْ ظَلَمَ" تھی۔[4] گویا مفسر قمی کے نزدیک اس آیت میں حرف استثناء کی جگہ اصل میں "لَا" تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً﴾[5]

(اور کسی مومن کا کبھی یہ کام نہیں کہ کسی مومن کو قتل کرے مگر غلطی سے)

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كتاب الحجة ،بَابٌ فِيهِ نُكَتٌ ونُتَفٌ مِنَ التَّنْزِيلِ فِي الْوَلَايَةِ، باب 108، حدیث 1114(27)-

2 بستوی، قاسمی، افتخار احمد، اصطلاحات اصول تفسیر (یوپی: مکتبہ ابو عبد الفتاح، 2013ء) ص 33-

3 النمل: 10-11

4 قمی، علی بن ابراہیم، تفسیر قمی (قم: دار الکتاب، 1404ھ)، ج 1، ص 9-

5 النساء: 92

مفسر قمی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

" وَ ما كانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِناً إِلَّا خَطَأً أي لا عمدا و لا خطأ و إلا في موضع لا و ليست باستثناء "[1]

یہ بھی محرف ہے۔ اصل میں " لا خطأ " تھا۔ گویا عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو قتل کرے جان بوجھ کر یا غلطی سے۔ گویا اس آیت میں لفظ " إِلَّا "(حرف استثناء) نہیں بلکہ " لَا " ہے۔

2) معنوی تحریف

کسی بھی آسمانی کتاب کے الفاظ کو اس کے متعین معانی سے ہٹا کر بے جوڑ معانی پر زبردستی محمول کرنا "معنوی تحریف" کہلاتا ہے۔[2] اہل تشیع مفسرین معنوی تحریف کے بھی قائل ہیں۔ مثلاً:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾[3]

(تم سب سے بہتر امت چلے آئے ہو، جو لوگوں کے لیے نکالی گئی، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔)

مفسر قمی اس قرآنی آیت کے متعلق لکھتے ہیں:

" فَقَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ عليه السلام لِقَارِئِ هَذِهِ الْآيَةِ «خَيْرُ أُمَّةٍ» يَقْتُلُونَ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ وَ الْحَسَنَ وَ الْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ عليه السلام فَقِيلَ لَهُ وَ كَيْفَ نَزَلَتْ يَا ابْنَ رَسُولِ اللَّهِ فَقَالَ إِنَّمَا نَزَلَتْ «كُنْتُمْ خَيْرَ أَئِمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ» أَ لَا تَرَى مَدْحَ اللَّهِ لَهُمْ فِي آخِرِ الْآيَةِ "[4]

اہل تشیع مفسر قمی اس آیت سے عقیدہ تحریف قرآن ثابت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ساری امت کو " خَيْرُ أُمَّةٍ "کا لقب نہیں دیا بلکہ آیت میں تحریف ہوئی ہے۔ اصل عبارت﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أَئِمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ تھی۔ مفسر نے اس کی دلیل یہ دی ہے کہ اگر تحریف نہ مانی جائے تو لازم آئے گا کہ امت محمدیہ کے ہر فرد کو خیر امت کہا جائے۔ حالانکہ جو لوگ حضرت حسن وحسین اور حضرت علی

---

1 قمی، علی بن ابراہیم، تفسیر قمی (قم: دار الکتاب، 1404ھ) ج1، ص147-

2 بستوی، قاسمی، افتخار احمد، اصطلاحات اصول تفسیر (یوپی: مکتبہ ابو عبد الفتاح، 2013ء) ص33-

3 آل عمران: 110

4 قمی، علی بن ابراہیم، تفسیر قمی (قم: دار الکتاب، 1404ھ) ج1، ص10-

کے قاتل ہیں، وہ کیسے خیر امت ہوسکتے ہیں؟۔ آیت کے اگلے حصے میں ائمہ کرام کے جو فضائل بیان کیے گئے ہیں ،اس سے آیت کا ائمہ کے لیے ہی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

3) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں تحریف

اہل تشیع مفسر قمی نے قرآن مجید کی بہت آیات نقل کرکے ثابت کیاہے کہ ان آیات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام شامل تھا، مگر موجودہ قرآن میں اسے حذف کر دیا گیا۔ اس سے لازم آتا ہے کہ قرآن محرف ہے۔

پہلی مثال: قرآن مجید میں ہے: ﴿لكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا﴾[1] (لیکن اللہ شہادت دیتا ہے اس کے متعلق جو اس نے تیری طرف نازل کیا ہے کہ اس نے اسے اپنے علم سے نازل کیا ہے اور فرشتے شہادت دیتے ہیں اور اللہ کافی گواہ ہے۔)

مفسر قمی کہتے ہیں: اصل عبارت یوں تھی:

﴿«لَكِنَّ اللّٰهَ يَشْهَدُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ فِي عَلِيٍّ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ وَ الْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ- وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيداً» ﴾[2]

اس مثال سے مفسر قمی نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن مجید تحریف شدہ ہے اور اس آیت کریمہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے الفاظ تھے، جو کہ موجودہ قرآن مجید میں نہیں ہے۔ لہذا قرآن مجید تحریف شدہ ہے۔

دوسری مثال: قرآن مجید میں ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾[3] (اے رسول! پہنچادے جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اور اگر تو نے نہ کیا تو تو نے اس کا پیغام نہیں پہنچایا۔)

مفسر قمی سورۃ المائدہ کی آیت کے متعلق لکھتے ہیں کہ اصل عبارت یوں تھی:

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ فی علی فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾[4]

---

1 النساء:166

2 قمی، علی بن ابراہیم، تفسیر قمی (قم: دار الکتاب، 1404ھ) ج1، ص159-

3 المائدہ:67

4 قمی، علی بن ابراہیم، تفسیر قمی (قم: دار الکتاب، 1404ھ) ج1، ص10-

مفسر قمی نے ان مثالوں کو پیش کر کے تحریف قرآن ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، ان کے نزدیک تحریف قرآن کی نوعیت تین (تحریف لفظی، تحریف معنوی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں تحریف) طرح سے ہے۔ اگر ہم اس مختصرا بیان کریں تو اہل تشیع کے نزدیک تحریف قرآن کی دو (تحریف لفظی، تحریف معنوی) اقسام ہیں۔ لیکن بعض اہل تشیع مفسرین تحریف قرآن کے قائل نہیں ہیں۔

خلاصہ بحث

امام بخاریؒ تحریف قرآن کے قائل نہیں اس لیے انہوں تحریف قرآن پر مبنی کوئی روایت پیش نہیں کی جبکہ اکثر اہل تشیع مفسرین نے اپنی تفاسیر کے مقدمات میں یہ بات بیان کی ہے کہ قرآن تحریف شدہ ہے، اصل قرآن مجید وہ تھا جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمع کیا اور دیگر اہل بیت اور ائمہ معصومین اس کے وارث بنے۔ یہی وہ قرآن ہے جو تحریف سے پاک ہے۔ اس کے علاوہ باقی قرآنی نسخے تحریف شدہ ہیں۔ امام کلینی اور مفسر قمی نے قرآن مجید کی متعدد آیات نقل کر کے ثابت کیا ہے کہ ان آیات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام شامل تھا، مگر موجودہ قرآن میں اسے حذف کر دیا گیا۔ اس سے لازم آتا ہے کہ قرآن محرف ہے۔ لیکن اہل تشیع کے جدید مفسرین تحریف قرآنی کے قائل نہیں ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا روایات کی اسناد صحیح کے درجہ تک نہیں پہنچتی ہیں۔ لہذا اہل سنت اور اہل تشیع تحریف قرآنی کے قائل نہیں ہیں۔

فصل دوم:

عبادات سے متعلق مشترکات و مختلفات

مبحث اول:

صحیح بخاری اور الکافی کی جمع بین الصلاتین سے متعلق احادیث و آثار کا مطالعہ

تعارف

صحیح بخاری اہل سنت کی معتبر حدیث کی کتاب ہے جبکہ الکافی اہل تشیع کی معتبر حدیث کی کتاب ہے۔اس دونوں کتب میں کچھ چیزیں مشترک ہیں۔جمع بین الصلاتین کے بارے میں صحیح بخاری والکافی کی مشترکات ومختلفات کا ذکر کیا جائے گا۔

اہل سنت کے نزدیک نماز کے اوقات پانچ (فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء) ہیں، اور ان کو ان کے اوقات میں ادا کرنا چاہیے تاہم سفر میں، بارش میں یا دیگر وجوہات کے تحت دو نماز کو ایک ساتھ ادا کیا جاسکتا ہے۔اور یہ نمازیں ظہر اور عصر کی ایک ساتھ ادا کی جا سکتی ہے۔مغرب اور عشاء کی ایک ساتھ ادا کی جاسکتی ہے۔اور فجر کی اکیلی نماز ادا کی جائے گی۔

اہل تشیع کے نزدیک نماز کے اوقات تین (فجر، ظہر وعصر، مغرب وعشاء) ہیں۔اور ان کے نزدیک بھی نمازوں کو ان کے مقرر اوقات میں ہی ادا کرنا چاہیے۔اہل تشیع فجر کی نماز اکیلی ادا کرتے ہیں اور ظہر وعصر کی نماز ایک ساتھ ادا کرتے ہیں، اس کو ظہرین کا نام دیا جاتا ہے۔اسی طرح مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ ادا کی جاتی ہے جس کو مغربین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اہل سنت واہل تشیع میں جمع بین الصلاتین کے معاملے میں مشترکات یہ ہیں کہ نماز ظہر وعصر کو ایک ساتھ ادا کیا جاسکتا ہے اور مغرب وعشاء کو ایک ساتھ ادا کیا جاسکتا ہے۔لیکن ان دونوں مسالک میں جمع بین الصلاتین کے معاملے میں مختلفات یہ ہیں کہ اہل سنت دن میں پانچ اوقات میں نماز ادا کرتے ہیں اور اہل تشیع تین اوقات میں نماز ادا کرتے ہیں۔اہل سنت روزانہ کی بنیاد پر جمع بین الصلاتین کے قائل نہیں ہیں اور اہل تشیع روزانہ جمع بین الصلاتین کے قائل ہیں۔

دو نمازوں کو جمع کرنے کے اسباب

دو نمازوں کو ایک ساتھ جمع کرنے کے کئی ایک اسباب ہو سکتے ہیں مثلاً بارش، سفر، خوف، بیماری یا کوئی اہم مصروفیات وغیرہ

جمع بین الصلاتین کی صورتیں

جمع بین الصلاتین کی دو صورتیں ہیں: 1) جمع حقیقی 2) جمع صوری

1) جمع حقیقی:

ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت اس طرح ادا کرنا کہ پہلی نماز کا وقت گزر چکا ہو یا دوسری نماز کا وقت ابھی نہ ہوا ہو۔ پھر اس کی دو ممکن صورتیں ہیں: 1) جمع تقدیم 2) جمع تاخیر

1) جمع تقدیم:

ظہر کے ساتھ عصر اور مغرب کے ساتھ عشاء کی نماز ادا کرنا جمع تقدیم کہلاتا ہے۔

2) جمع تاخیر:

عصر کے ساتھ ظہر اور عشاء کے ساتھ مغرب کی نماز ادا کرنا جمع تاخیر کہلاتا ہے۔

2) جمع صوری:

پہلی نماز کو مؤخر کر کے آخری وقت میں اور دوسری نماز کو جلدی کر کے اول وقت میں ادا کرنا جمع صوری کہلاتا ہے۔ اس طرح بظاہر دونوں نمازیں جمع ہو جائیں گی لیکن انہیں اپنے اپنے اوقات میں ہی ادا کیا جائے گا۔ ذیل میں ہم ان دونوں کتب سے جمع بین الصلاتین کی روایات کا تجزیہ پیش کرتے ہیں۔

صحیح بخاری کی جمع بین الصلاتین سے متعلق احادیث و آثار

1. مزدلفہ میں جمع بین الصلاتین کا حکم:

((عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ:" دَفَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَةَ، فَنَزَلَ الشِّعْبَ فَبَالَ، ثُمَّ تَوَضَّأَ وَلَمْ يُسْبِغْ الْوُضُوءَ، فَقُلْتُ لَهُ: الصَّلَاةُ، فَقَالَ: الصَّلَاةُ أَمَامَكَ، فَجَاءَ الْمُزْدَلِفَةَ فَتَوَضَّأَ فَأَسْبَغَ، ثُمَّ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ، ثُمَّ أَنَاخَ كُلُّ إِنْسَانٍ بَعِيرَهُ فِي مَنْزِلِهِ، ثُمَّ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَصَلَّى وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا".))[1]

(اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے سنا کہ میدان عرفات سے نبی کریم ﷺ روانہ ہو کر گھاٹی میں اترے (جو مزدلفہ کے قریب ہے) وہاں پیشاب کیا، پھر وضو کیا اور پورا وضو نہیں کیا (خوب پانی نہیں بہایا ہلکا وضو کیا) میں نے نماز کے متعلق عرض کی تو فرمایا کہ نماز آگے ہے۔ اب آپ ﷺ مزدلفہ تشریف لائے وہاں پھر وضو کیا اور پوری طرح کیا پھر نماز کی تکبیر کہی گئی اور آپ ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھی پھر ہر شخص نے اپنے اونٹ ڈیروں پر بٹھا دیئے پھر دوبارہ نماز عشاء کے لیے تکبیر کہی گئی اور آپ ﷺ نے نماز پڑھی، آپ ﷺ نے ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی (سنت یا نفل) نماز نہیں پڑھی تھی۔)

2. سفر کی حالت میں دو نماز ایک ساتھ ادا کرنا:

---

1 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الحج، بَابُ الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلاَتَيْنِ بِالْمُزْدَلِفَةِ، حدیث 1672۔

((عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ:"كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ".))[1]

(سالم سے اور انہوں نے اپنے باپ عبد اللہ بن عمر سے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اگر سفر میں جلد چلنا منظور ہو تا تو مغرب اور عشاء ایک ساتھ ملا کر پڑھتے۔)

ایک اور روایت میں ہے:

((عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ إِذَا كَانَ عَلَى ظَهْرِ سَيْرٍ، وَيَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ.))[2]

(عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سفر میں ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ملا کر پڑھتے، اسی طرح مغرب اور عشاء کی بھی ایک ساتھ ملا کر پڑھتے تھے۔)

امام بخاریؒ مزید روایت بیان کرتے ہیں:

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فِي السَّفَرِ))[3]

(انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سفر میں مغرب اور عشاء ایک ساتھ ملا کر پڑھتے تھے۔)

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے:

((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ فِي السَّفَرِ يَعْنِي الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ".))[4]

(نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ان دو نمازوں یعنی مغرب اور عشاء کو سفر میں ایک ساتھ ملا کر پڑھا کرتے تھے۔)

3. بارش کے موقع پر دو نمازیں ایک ساتھ ادا کرنا:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ،" أَنّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِالْمَدِينَةِ سَبْعًا وَثَمَانِيًا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ"، فَقَالَ أَيُّوبُ: لَعَلَّهُ فِي لَيْلَةٍ مَطِيرَةٍ، قَالَ: عَسَى.))[5]

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كِتَاب تَقْصِيرِ الصَّلَاةِ، بَابُ الْجَمْعِ فِي السَّفَرِ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ، **حدیث** 1106-

2 ایضاً، حدیث 1107-

3 ایضاً، حدیث 1108-

4 ایضاً، بَابُ هَلْ يُؤَذِّنُ أَوْ يُقِيمُ إِذَا جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ، **حدیث** 1110-

5 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كِتَاب مَوَاقِيتِ الصَّلَاةِ، بَابُ تَأْخِيرِ الظُّهْرِ إِلَى الْعَصْرِ، **حدیث** 543-

(ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں رہ کر سات رکعات (ایک ساتھ) اور آٹھ رکعات (ایک ساتھ) پڑھیں۔ ظہر اور عصر (کی آٹھ رکعات) اور مغرب اور عشاء (کی سات رکعات) ایوب سختیانی نے جابر بن زید سے پوچھا شاید برسات کا موسم رہا ہو۔ جابر بن زید نے جواب دیا کہ غالباً ایسا ہی ہو گا۔)

الکافی کی جمع بین الصلاتین سے متعلق احادیث و آثار

امام کلینیؒ نے بھی الکافی میں جمع بین الصلاتین سے متعلقاحادیث و آثار پیش کیے ہیں:

1. ((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام ، قَالَ : « صَلّى رَسُولُ اللهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله بِالنَّاسِ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ حِينَ زَالَتِ الشَّمْسُ فِي جَمَاعَةٍ مِنْ غَيْرِ عِلَّةٍ ، وَصَلّى بِهِمُ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ الْآخِرَةَ قَبْلَ سُقُوطِ الشَّفَقِ مِنْ غَيْرِ عِلَّةٍ فِي جَمَاعَةٍ ، وَإِنَّمَا فَعَلَ رَسُولُ اللهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله لِيَتَّسِعَ الْوَقْتُ عَلى أُمَّتِهِ ».))[1]

(ابو عبد اللہ علیہ السلام سے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ نے زوال آفتاب کے بعد، بغیر کسی وجہ کے ظہر و عصر کی جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور اسی طرح سرخی شفق دور ہونے سے پہلے مغرب و عشاء کی ایک ساتھ نماز ادا کی۔ اور نبی کریم ﷺ نے یہ عمل اس لیے کیا کہ میری امت کے لیے وقت میں وسعت ہو جائے۔)

2. ((عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سِنَانٍ ، قَالَ :شَهِدْتُ الْمَغْرِبَ لَيْلَةً مَطِيرَةً فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله ، فَحِينَ كَانَ قَرِيباً مِنَ الشَّفَقِ ، نَادَوْا ، وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ، فَصَلَّوُا الْمَغْرِبَ ، ثُمَّ أَمْهَلُوا بِالنَّاسِ حَتّى صَلَّوْا رَكْعَتَيْنِ ، ثُمَّ قَامَ الْمُنَادِي فِي مَكَانِهِ فِي الْمَسْجِدِ ، فَأَقَامَ الصَّلَاةَ ، فَصَلَّوُا الْعِشَاءَ ، ثُمَّ انْصَرَفَ النَّاسُ إِلى مَنَازِلِهِمْ ، فَسَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْ ذلِكَ ، فَقَالَ : « نَعَمْ ، قَدْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله عَمِلَ بِهذَا».))[2]

(عبد اللہ بن سنان سے، وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن بارش کے موقع پر نماز مغرب کے بعد مسجد رسول ﷺ میں موجود تھا، جب شفق کا وقت قریب تھا تو اذان اور اقامت ہوئی اور لوگوں سے نماز ادا کی، پھر لوگوں نے ذرا توقف کیا اور دو رکعت نماز ادا کی، پھر اقامت کے بعد نماز عشاء ادا کی، پھر لوگ اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے۔ میں نے یہ صورت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے بیان کی تو انہوں نے فرمایا: ہاں! نبی کریم ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا۔)

3. ((عَنْ أَبِي الْحَسَنِ عليه‌السلام ، قَالَ : سَمِعْتُهُ يَقُولُ: إِذَا جَمَعْتَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ ، فَلَا تَطَوَّعْ بَيْنَهُمَا.))[3]

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ، باب 9، حدیث 4875/1-

2 ایضاً، حدیث 4876/2-

3 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ، باب 9، حدیث 4877/3-

(ابو الحسن علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جمع بین الصلاتین کی صورت یہ ہے کہ دو نمازوں کے درمیان نوافل ادا نہ کیے جائیں، اور اگر دو نمازوں کے درمیان نوافل ادا کیے جائیں تو یہ جمع بین الصلاتین نہیں ہے۔)

4. ((أَبَا الْحَسَنِ عليه‌السلام يَقُولُ : « الْجَمْعُ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ إِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا تَطَوُّعٌ ، فَإِذَا كَانَ بَيْنَهُمَا تَطَوُّعٌ ، فَلَا جَمْعَ ».))[1]

(ابو الحسن علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر دو نمازیں ایک ساتھ پڑھی جائیں تو ان کے درمیان نوافل نہیں ہوتے۔)

5. ((عَنْ صَفْوَانَ الْجَمَّالِ ، قَالَ :صَلّى بِنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ عِنْدَ مَا زَالَتِ الشَّمْسُ بِأَذَانٍ وَإِقَامَتَيْنِ ، وَقَالَ: « إِنِّي عَلى حَاجَةٍ ، فَتَنَفَّلُوا ».))[2]

(صفوان بن جمال سے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام کے ساتھ ظہر و عصر کی نماز ادا کی، یہ نماز زوال سورج کے بعد ایک اذان اور دو اقامتوں کے تحت ادا کی گئی۔ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: کہ مجھے بوجہ حاجت یہاں سے جانا ہے آپ نوافل ادا کریں۔)

6. ((عَنْ عَبَّاسٍ النَّاقِدِ ، قَالَ : تَفَرَّقَ مَا كَانَ فِي يَدِي ، وَتَفَرَّقَ عَنِّي حُرَفَائِي، فَشَكَوْتُ ذلِكَ إِلى أَبِي مُحَمَّدٍ عليه‌السلام ، فَقَالَ لِي : « اجْمَعْ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ: الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ ، تَرى مَا تُحِبُّ ».))[3]

(عباس ناقد سے وہ فرماتے ہیں کہ جو میرے ہاتھ میں تھا وہ منتشر ہو گیا میں نے یہ شکایت ابو محمد علیہ السلام سے کی، پس انہوں نے مجھے فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو تو ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کر لو۔)

صحیح بخاری کی جمع بین الصلاتین سے متعلق احادیث و آثار کا تجزیہ

راوی حدیث ابو الشعثاء جابر بن زید کا یہ کہنا ہے کہ شائد بارش کی بنا پر نبی کریم ﷺ نے ایسا کیا ہو، محل نظر ہے کہ انہیں خود بھی اس پر یقین نہیں۔ پھر وہ اس توجیہ پر بھی قائم نہیں رہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے:

((صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيًا جَمِيعًا وَسَبْعًا جَمِيعًا , قُلْتُ: يَا أَبَا الشَّعْثَاءِ أَظُنُّهُ أَخَّرَ الظُّهْرَ وَعَجَّلَ الْعَصْرَ وَعَجَّلَ الْعِشَاءَ وَأَخَّرَ الْمَغْرِبَ، قَالَ: وَأَنَا أَظُنُّهُ".))[4]

(میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ آٹھ رکعت ایک ساتھ (ظہر اور عصر) اور سات رکعت ایک ساتھ (مغرب اور عشاء ملا کر) پڑھیں۔ (بیچ میں سنت وغیرہ کچھ نہیں) ابو الشعثاء سے میں نے کہا میرا خیال ہے کہ آپ

---

1 ایضاً، حدیث 4878/4-

2 ایضاً، حدیث 4879/5-

3 ایضاً، حدیث 4880/6-

4 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كِتَاب التَّهَجُّد، بَابُ مَنْ لَمْ يَتَطَوَّعْ بَعْدَ الْمَكْتُوبَةِ، حدیث 1174-

ﷺ نے ظہر آخر وقت میں اور عصر اول وقت میں پڑھی ہو گی۔ اسی طرح مغرب آخر وقت میں پڑھی ہو گی اور عشاء اول وقت میں۔ ابو الشعثاء نے کہا کہ میرا بھی یہی خیال ہے۔)

ایک اور روایت میں صراحت ہے کہ دشمن کے خوف اور بارش کے بغیر نبی کریم ﷺ نے ان نمازوں کو جمع کیا :((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ: " جَمَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمَدِينَةِ، فِي غَيْرِ خَوْفٍ، وَلَا مَطَرٍ))(1)

(سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے ظہر اور عصر کو اور مغرب اور عشاء کو مدینہ میں بغیر خوف اور بارش کے جمع کیا۔)

نیز بارش کی وجہ سے جمع تقدیم ہو سکتی ہے جمع تاخیر نہیں، جبکہ اس حدیث میں جمع تاخیر کا ذکر ہے۔ معلوم ہوا کہ بارش کی وجہ سے ان دو نمازوں کو جمع نہیں کیا گیا تھا۔

واضح رہے کہ بادلوں کی وجہ سے بھی ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ ظہر اور عصر میں تو یہ احتمال ہو سکتا ہے۔ لیکن مغرب اور عشاء میں یہ ممکن نہیں ہے۔ نیز بیماری کی وجہ سے بھی ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر بیماری کی وجہ سے ایسا ہوتا تو نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ باجماعت ایسا نہ کرتے، اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو بیمار نہیں تھے۔

نبی کریم ﷺ سے دوران سفر میں جمع تقدیم اور جمع تاخیر دونوں طرح پڑھنا ثابت ہے مثلاً:

((عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الظُّهْرَ حَتَّى يَجْمَعَهَا إِلَى الْعَصْرِ فَيُصَلِّيَهُمَا جَمِيعًا، وَإِذَا ارْتَحَلَ بَعْدَ زَيْغِ الشَّمْسِ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيعًا ثُمَّ سَارَ، وَكَانَ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ الْمَغْرِبِ أَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتَّى يُصَلِّيَهَا مَعَ الْعِشَاءِ، وَإِذَا ارْتَحَلَ بَعْدَ الْمَغْرِبِ عَجَّلَ الْعِشَاءَ فَصَلَّاهَا مَعَ الْمَغْرِبِ".))(2)

(معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ غزوہ تبوک میں سورج ڈھلنے سے پہلے کوچ فرماتے تو ظہر کو مؤخر کر دیتے یہاں تک کہ اسے عصر سے ملا دیتے، اور دونوں کو ایک ساتھ ادا کرتے، اور جب سورج ڈھلنے کے بعد کوچ کرتے تو ظہر اور عصر کو ایک ساتھ پڑھتے پھر روانہ ہوتے، اور جب مغرب سے پہلے کوچ فرماتے تو مغرب

---

1 قشیری، ابو الحسین، مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح** ،كِتَاب صَلَاةِ الْمُسَافِرِينَ وَقَصْرِهَا، باب الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فِي الْحَضَرِ، حدیث 1633(705)-

2 ابو داؤد ، سلیمان ابن اشعث، **السنن** ،كتاب صلاة السفر، باب الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ، حدیث 1220-علامہ البانیؒ کے نزدیک یہ روایت" صحیح"ہے-

کو مؤخر کرتے یہاں تک کہ اسے عشاء کے ساتھ ملا کر ادا کرتے، اور اگر مغرب کے بعد کوچ کرتے تو عشاء میں جلدی فرماتے اور اسے مغرب کے ساتھ ملا کر پڑھتے۔)

نیز حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلَى وَقْتِ الْعَصْرِ ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا، فَإِنْ زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَرْتَحِلَ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ))[1](نبی کریم ﷺ جب سورج ڈھلنے سے پہلے سفر شروع کرتے تو ظہر عصر کا وقت آنے تک نہ پڑھتے۔ پھر کہیں (راستے میں) ٹھہرتے اور ظہر اور عصر ملا کر پڑھتے لیکن اگر سفر شروع کرنے سے پہلے سورج ڈھل چکا ہوتا تو پہلے ظہر پڑھتے پھر سوار ہوتے۔)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ دوران سفر میں نمازوں کو جمع کرنے کی صورتیں جائز ہیں۔ حالات وظروف کے پیش نظر جمع وتقدیم اور جمع تاخیر دونوں طرح سے نماز ادا کرنا جائز ہے اور اس میں قباحت نہیں۔ سفر کے علاوہ حضر میں بھی دو نمازوں کو جمع کیا جاسکتا ہے، بشرطیہ کہ کسی اہم ضرورت کے پیش نظر کبھی کبھار ایسا ہو اور اسے عادت نہ بنایا جائے۔ جیسا کہ مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ راوی حدیث نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے جمع بین الصلاتین سے متعلق دریافت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ((كَيْ لَا يُحْرِجَ أُمَّتَهُ))[2] ایسا امت کی سہولت کے پیش نظر کیا گیا تاکہ امت کسی تنگی اور مشقت میں مبتلا نہ ہو۔

اس کی مزید وضاحت ایک اور روایت میں بھی بیان ہوئی ہے:((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَقِيقٍ ، قَالَ: خَطَبَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ ، يَوْمًا بَعْدَ الْعَصْرِ، حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ، وَبَدَتِ النُّجُومُ، وَجَعَلَ النَّاسُ، يَقُولُونَ: الصَّلَاةَ، الصَّلَاةَ، قَالَ: فَجَاءَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ، لَا يَفْتُرُ، وَلَا يَنْثَنِي، الصَّلَاةَ، الصَّلَاةَ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَتُعَلِّمُنِي بِالسُّنَّةِ، لَا أُمَّ لَكَ؟ ثُمَّ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، " جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ "، قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ شَقِيقٍ: فَحَاكَ فِي صَدْرِي مِنْ ذَلِكَ شَيْءٌ، فَأَتَيْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ ، فَسَأَلْتُهُ، فَصَدَّقَ مَقَالَتَهُ.))[3](شقیق کے بیٹے عبد اللہ نے کہا کہ ہم میں ایک دن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وعظ کہا عصر کے بعد جب آفتاب ڈوب گیا اور تارے نکل آئے اور لوگ کہنے لگے نماز، نماز، پھر ایک شخص آیا قبیلہ بنی تمیم کا کہ وہ دم نہ

---

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كِتَاب تَقْصِيرِ الصَّلَاةِ، بَابُ إِذَا ارْتَحَلَ بَعْدَ مَا زَاغَتِ الشَّمْسُ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ، حدیث 1112۔

2 قشیری، ابو الحسین، مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، كِتَاب صَلَاةِ الْمُسَافِرِينَ وَقَصْرِهَا، باب الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فِي الْحَضَرِ، حدیث 1633(705)۔

3 ایضاً، حدیث 1636(705)۔

لیتا تھا، نہ باز رہتا تھا، برابر کہے جاتا تھا نماز، نماز، تب سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تو مجھے سنت سکھاتا ہے؟ تیری ماں مرے پھر کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے جمع کیا ظہر اور عصر کو اور مغرب اور عشاء کو عبد اللہ بن شقیق نے کہا کہ میرے دل میں خلش رہی تو میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول سچا ہے۔)

اس سے معلوم ہوا کہ شدید ناگزیر قسم کے حالات کے پیش نظر حالت اقامت میں بھی دو نمازوں کو جمع کر کے ادا کیا جا سکتا ہے۔ تاہم سخت ضرورت کے بغیر ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ ہمارے ہاں عام طور پر کاروباری حضرات کا معمول ہے کہ وہ سستی یا کاروباری مصروفیات کے باعث دو نمازوں کو جمع کر لیتے ہیں، یہ درست نہیں ہے۔ بلکہ بعض روایات کے مطابق ایسا کرنا سخت گناہ ہے۔[1] الغرض ناگزیر حالات کے علاوہ ہر نماز کو اس کے وقت میں ہی ادا کرنا چاہیے۔ اس لیے تمام احادیث اپنے اپنے مقام پر درست اور صحیح ہیں، ان میں کوئی تعارض یا اختلاف نہیں ہے۔

الکافی کی جمع بین الصلاتین سے متعلق احادیث و آثار کا تجزیہ

الکافی کی کتاب الصلاۃ میں امام محمد بن یعقوب الکلینیؒ نے جمع بین الصلاتین کے باب میں چھ روایات ذکر کی ہیں۔ ان روایات میں یہ بیان ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ظہر و عصر کو ایک ساتھ ادا کیا اور مغرب و عشاء کو ایک ساتھ ادا کیا۔ نبی کریم ﷺ نے یہ عمل اس لیے کیا تھا کہ میری امت مشکلات سے بچ سکے۔ ایک اور روایات میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بارش کے موقع پر ان نمازوں کو ایک ساتھ ادا کیا تھا، نیز اگر ان دو نمازوں کے درمیان نوافل ادا کیے جائیں تو یہ جمع بین الصلاتین نہیں ہے۔

خلاصہ کلام

صحیح بخاری کی اور الکافی کی روایات کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ جمع بین الصلاتین کے معاملے میں اہل سنت اور اہل تشیع متفق ہیں۔ دونوں مسالک اس پر عمل کرتے ہیں اور دونوں اپنے اپنے دلائل رکھتے ہیں۔ ان دونوں مسالک میں جمع بین الصلاتین کے معاملے قدرے اختلاف بھی ہے۔ کہ اہل سنت کے نزدیک کسی مجبوری یا ناگزیر حالات و واقعات کے تحت نمازوں کو ایک ساتھ ادا کیا جا سکتا ہے اور اگر یہ حالات ناگزیر نہ ہوں تو ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ جبکہ اہل تشیع کے نزدیک جمع بین الصلاتین ناگزیر وجوہات کے علاوہ بھی نمازوں کو ایک ساتھ اکٹھا کیا جا سکتا ہے۔

---

1 ترمذی، ابوعیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، **السنن**، كِتَاب الصَّلَاةِ، باب مَا جَاءَ فِي الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فِي الْحَضَرِ، حدیث 188۔

مبحث دوم:

صحیح بخاری اور الکافی کی نمازتراویح سے متعلق احادیث و آثار کا مطالعہ

نماز تراویح جو رمضان المبارک میں ادا کی جاتی ہے، اس کے بارے میں صحیح بخاری اور الکافی کی مرویات مختلف فیہ ہیں، یعنی صحیح بخاری میں نماز تراویح سے متعلق روایات ہیں اور امام بخاریؒ نے اس سے متعلق "كِتَاب صَلَاةِ التَّرَاوِيحِ" قائم کیاہے۔اور پھر اس کے تحت ایک باب "بَابُ فَضْلِ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ" قائم کیاہے،اس باب میں امام بخاریؒ نے 6 احادیث ذکر کی ہیں، جبکہ الکافی میں اس سے متعلق کوئی روایت نہیں ملی، اس لیے اہل سنت نماز تراویح کے قائل ہیں اور اہل تشیع نماز تراویح کے قائل نہیں ہیں۔ ذیل میں نماز تراویح سے متعلق اہل سنت کا مؤقف پیش کیاجائے گیا۔

نماز تراویح کا وقت:

نماز تراویح کا وقت عشاء کے بعد سے لے کر طلوع فجر تک ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِيمَا بَيْنَ أَنْ يَفْرُغَ مِنْ صَلَاةِ الْعِشَاءِ (وَهِيَ الَّتِي يَدْعُو النَّاسُ الْعَتَمَةَ) إِلَى الْفَجْرِ، إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً. يُسَلِّمُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ. وَيُوتِرُ بِوَاحِدَةٍ))[1]

(نبی کریم ﷺ عشاء کی نماز سے لے کر فجر کی نماز تک گیارہ رکعات ادا کرتے، آپ ﷺ ہر دو رکعات کے بعد سلام پھیرتے اور آخر میں ایک وتر ادا کرتے۔)

صحیح بخاری کے نماز تراویح سے متعلق احادیث و آثار

1. نماز تراویح ادا کرنے سے انسان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں:

((أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ:" سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ لِرَمَضَانَ: مَنْ قَامَهُ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ".))[2]

---

1 قشیری، ابوالحسین، مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، كِتَاب صَلَاةِ الْمُسَافِرِينَ وَقَصْرِهَا، باب صَلَاةِ اللَّيْلِ وَعَدَدِ رَكَعَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي اللَّيْلِ وَأَنَّ الْوِتْرَ رَكْعَةٌ وَأَنَّ الرَّكْعَةَ صَلَاةٌ صَحِيحَةٌ، حدیث 1718(736)-نیز بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **صحیح بخاری**، كِتَاب التَّهَجُّد، بَابُ كَيْفَ كَانَ صَلَاةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَمْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ، حدیث 1140-

2 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كِتَاب صَلَاةِ التَّرَاوِيحِ، بَابُ فَضْلِ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ، حدیث 2008-

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ ﷺ رمضان کے فضائل بیان فرمارہے تھے کہ جو شخص بھی اس میں ایمان اور نیت اجر وثواب کے ساتھ (رات میں) نماز کے لیے کھڑا ہو اس کے اگلے تمام گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔)

2. ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:" مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ".))(1)

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے رمضان کی راتوں میں (بیدار رہ کر) نماز تراویح پڑھی، ایمان اور ثواب کی نیت کے ساتھ، اس کے اگلے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔)

3. حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز تراویح کی جماعت کے لیے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو امام بنایا:

((عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ، أَنَّهُ قَالَ:" خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَيْلَةً فِي رَمَضَانَ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُونَ، يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهِ، وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّي بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ، فَقَالَ عُمَرُ:إِنِّي أَرَى لَوْ جَمَعْتُ هَؤُلَاءِ عَلَى قَارِئٍ وَاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَلَ، ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ لَيْلَةً أُخْرَى وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ قَارِئِهِمْ، قَالَ عُمَرُ: نِعْمَ الْبِدْعَةُ هَذِهِ، وَالَّتِي يَنَامُونَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِي يَقُومُونَ يُرِيدُ آخِرَ اللَّيْلِ، وَكَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ أَوَّلَهُ".))(2)

(عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے روایت کی کہ انہوں نے بیان کیا میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان کی ایک رات کو مسجد میں گیا۔ سب لوگ متفرق اور منتشر تھے، کوئی اکیلا نماز پڑھ رہا تھا، اور کچھ کسی کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میرا خیال ہے کہ اگر میں تمام لوگوں کو ایک قاری کے پیچھے جمع کردوں تو زیادہ اچھا ہوگا، چنانچہ آپ نے یہی ٹھان کر ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ان کا امام بنادیا۔ پھر ایک رات جو میں ان کے ساتھ نکلا تو دیکھا کہ لوگ اپنے امام کے پیچھے نماز (تراویح) پڑھ رہے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یہ نیا طریقہ بہتر اور مناسب ہے اور (رات کا) وہ حصہ جس میں یہ لوگ سو جاتے ہیں اس حصہ سے بہتر اور افضل ہے جس میں یہ نماز پڑھتے ہیں۔ آپ کی مراد رات کے آخری حصہ (کی فضیلت) سے تھی کیونکہ لوگ یہ نماز رات کے شروع ہی میں پڑھ لیتے تھے۔)

4. نبی کریم ﷺ نے رمضان میں ایک نماز کا اہتمام کیا، جس کو نماز تراویح کے نام سے یاد کیا جاتا ہے:

---

1 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كِتَاب صَلَاةِ التَّرَاوِيحِ، بَابُ فَضْلِ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ، حدیث 2009-

2 ایضاً، حدیث 2010-

((عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،" أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى وَذَلِكَ فِي رَمَضَانَ".))[1]

(نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک بار نماز (تراویح) پڑھی اور یہ رمضان میں ہوا تھا۔)

5. نبی کریم ﷺ نے صرف تین دن نماز تراویح کا اہتمام کیا، اس خدشہ سے کہ کہیں یہ نماز فرض نہ ہو جائے:

((أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَخْبَرَتْهُ،" أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَيْلَةً مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ فَصَلَّى فِي الْمَسْجِدِ وَصَلَّى رِجَالٌ بِصَلَاتِهِ، فَأَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوا، فَاجْتَمَعَ أَكْثَرُ مِنْهُمْ فَصَلَّى فَصَلَّوْا مَعَهُ، فَأَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوا، فَكَثُرَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَصَلَّى فَصَلَّوْا بِصَلَاتِهِ، فَلَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الرَّابِعَةُ، عَجَزَ الْمَسْجِدُ عَنْ أَهْلِهِ حَتَّى خَرَجَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ، فَلَمَّا قَضَى الْفَجْرَ، أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَتَشَهَّدَ، ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ، وَلَكِنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْتَرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجِزُوا عَنْهَا، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ".))[2]

(عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ (رمضان کی) نصف شب میں مسجد تشریف لے گئے اور وہاں تراویح کی نماز پڑھی۔ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہو گئے۔ صبح ہوئی تو انہوں نے اس کا چرچا کیا۔ چنانچہ دوسری رات میں لوگ پہلے سے بھی زیادہ جمع ہو گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ دوسری صبح کو اور زیادہ چرچا ہوا اور تیسری رات اس سے بھی زیادہ لوگ جمع ہو گئے۔ آپ نے (اس رات بھی) نماز پڑھی اور لوگوں نے آپ ﷺ کی اقتداء کی۔ چوتھی رات کو یہ عالم تھا کہ مسجد میں نماز پڑھنے آنے والوں کے لیے جگہ بھی باقی نہیں رہی تھی۔ (لیکن اس رات آپ برآمد ہی نہیں ہوئے) بلکہ صبح کی نماز کے لیے باہر تشریف لائے۔ جب نماز پڑھ لی تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر شہادت کے بعد فرمایا۔ امابعد! تمہارے یہاں جمع ہونے کا مجھے علم تھا، لیکن مجھے خوف اس کا ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے اور پھر تم اس کی ادائیگی سے عاجز ہو جاؤ، چنانچہ جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو یہی کیفیت قائم رہی۔)

6. رمضان و غیر رمضان میں نماز تراویح کی رکعات کی تعداد:

((عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا:" كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ؟ فَقَالَتْ: مَا كَانَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ

---

1 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كِتَاب صَلَاةِ التَّرَاوِيحِ، بَابُ فَضْلِ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ، حدیث 2011-

2 ایضاً، حدیث 2012-

رَكْعَةً، يُصَلِّي أَرْبَعًا، فَلَا تَسَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا، فَلَا تَسَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ، قَالَ: يَا عَائِشَةُ، إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي".))[1]

(ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن نے کہا کہ انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ (تراویح یا تہجد کی نماز) رمضان میں کتنی رکعتیں پڑھتے تھے؟ تو انہوں نے بتلایا کہ رمضان ہو یا کوئی اور مہینہ آپ گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ آپ ﷺ پہلی چار رکعت پڑھتے، تم ان کے حسن وخوبی اور طول کا حال نہ پوچھو، پھر چار رکعت پڑھتے، ان کے بھی حسن وخوبی اور طول کا حال نہ پوچھو، آخر میں تین رکعت (وتر) پڑھتے تھے۔ میں نے ایک بار پوچھا، یا نبی کریم ﷺ! کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا، عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا۔)

صحیح بخاری کی ان روایات کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نماز تراویح کا اہتمام رمضان المبارک میں کیا ہے، اس کی جماعت نبی کریم ﷺ نے تین دن کروائی اور اس خدشہ کی وجہ سے کہ یہ فرض نہ ہو جائے۔

اہل علم کی نماز تراویح کی رکعات کے بارے میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں: بعض اہل علم گیارہ رکعت کے قائل ہیں، ان کے پاس سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ کی روایت بطور دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ رمضان وغیر رمضان گیارہ رکعت ہی ادا کیا کرتے تھے۔

بعض اہل علم بیس رکعات کے قائل ہیں، وہ اس حدیث کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں:

((عن ابن عباس أن رسول -صلى الله عليه وسلم- كان يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر))[2]

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ رمضان میں بیس رکعات نماز اور تر پڑھا کرتے تھے۔)

اس روایت کے بارے میں ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

" مَا رَوَاهُ بن أَبِي شيبَة من حَدِيث بن عَبَّاسٍ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ فَإِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ"[3]

1 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، كِتَاب صَلَاةِ التَّرَاوِيحِ، بَابُ فَضْلِ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ، حدیث 2013-

2 ابی شیبہ، ابو بکر، عبداللہ بن محمد، المصنف (الریاض: دار کنوز، 2015ء) حدیث 5/157-

3 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، 4/254-

(جو مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ رمضان میں بیس رکعات نماز اور وتر پڑھا کرتے تھے، اس کی سند ضعیف ہے۔)

معلوم ہوا کہ نماز تراویح کی رکعات گیارہ ہی ہیں، جو سند کے لحاظ سے صحیح ہیں اور بیس رکعات نماز تراویح کی حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہے۔ اور امام بخاریؒ گیارہ رکعات نماز تراویح کے ہی قائل ہیں۔

الکافی میں عام نوافل سے متعلق روایات ملتی ہیں البتہ نماز تراویح باجماعت کی روایات نہیں ملتی، اس لیے اہل تشیع اس نماز کے قائل نہیں ہیں۔

خلاصہ بحث

1. اہل سنت نماز تراویح کے قائل ہیں، صحیح بخاری میں اس کی بہت سی روایات ملتی ہیں، اہل تشیع نماز تراویح کے قائل نہیں ہیں کیونکہ اس سے متعلق الکافی میں روایات نہیں ملتی۔
2. نبی کریم ﷺ نے تین دن نماز تراویح کا اہتمام کیا، اس خدشہ کی وجہ سے کہ کہی یہ نماز فرض نہ ہو جائے، بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جماعت کے لیے امت کو اکٹھا کیا۔
3. نماز تراویح کی گیارہ رکعات ہی سنت ہے البتہ بیس رکعات سے متعلق احادیث ضعیف ہیں۔
4. نماز تراویح عشاء کی نماز کے بعد سے طوع فجر تک ادا کی جا سکتی ہے، اس نماز میں قیام کیا جاتا ہے اور اس میں قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے، تاہم اگر کوئی شخص حافظ نہ ہو اگر قرآن مجید سے دیکھ کر قراءت کرنا چاہتا ہے تو بھی جائز ہے کیونکہ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے غلام ذکوان قیام رمضان میں قرآن مجید سے دیکھ کر تلاوت کرتے اور امامت کرواتے تھے۔[1] تاہم اگر کوئی شخص حافظ ہے اور قرآن مجید کی زبانی قراءت کرتا ہے تو یہ بہتر ہے۔

1 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح (دمشق: دار ابن کثیر، 1993ء) کتاب الاذان، بَابُ إِمَامَةِ الْعَبْدِ وَالْمَوْلَى، 1/245-

فصل سوم:

معاشرت سے متعلق مشترکات و مختلفات

مبحث اول:

صحیح بخاری اور الکافی کی حقوق انسانی سے متعلق احادیث و آثار کا مطالعہ

تعارف

حقوق "حق" کی جمع ہے، جس کا معنی ہے "ضروری حصہ" اور حقوق انسانی کا مطلب ہے مسلمانوں کے وہ تمام کام اور معاملات جن کا اہتمام کرنا ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

حقوق انسانی میں بنیادی بات یہ ہے کہ دوسروں کو تکلیف سے بچانا اور سہولت و راحت پہنچانا ہے۔ اس کے تحت یہ باتیں شامل ہوں گی کہ اپنی زبان اور ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچانا، بدکلامی اور بدگمانی سے بچنا، کسی کا عیب نہ بیان کرنا، کسی پر الزام نہ لگانا، تلخ کلامی سے بچنا، نرمی و پیار و محبت سے گفتگو کرنا، مسکراہٹیں بکھیرنا۔ جو اپنے لئے پسند ہو وہی دوسروں کے لئے پسند کرنا، دوسروں کو اپنے شر سے بچانا، ان کے لئے باعثِ خیر بننا، استاد کا ادب کرنا، شاگردوں پر مہربانی کرنا، بڑوں کی عزت کرنا، چھوٹوں پر شفقت کرنا، اولاد کی اچھی تربیت کرنا اور اس کے علاوہ دیگر کئی حقوق ہیں۔

حقوق انسانی کی تعریف:

حقوق عربی لفظ ہے جس کا واحد حق ہے، جبکہ حق کا لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ زیر تحقیق موضوع میں حق کا وہ معنی مد نظر اور ملحوظ رکھا گیا ہے جو فرض کے مقابلے میں آتا ہے۔ حق کا لغوی معنی متعدد اہل لغت نے (مادہ حق کے تحت) الفاظ کے قدرے اختلاف کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ

"حق حقاً الامرثبت ووجب وحقا الامر اثبته واوجبه والحق (جمع حقوق) الموجود الثابت الامر المقضی"(1)

(حق (باب نصر) کا لفظ جب لازمی معنٰی میں آئے تو اس کا مطلب ہے کسی معاملے کا ثابت اور واجب ہونا۔ اور یہی لفظ جب متعدی معنوں میں مستعمل ہو تو اس کا مطلب ہوتا ہے کسی معاملے کو ثابت اور واجب کرنا۔ جبکہ لفظ حق (جس کی جمع حقوق ہے) کا معنی ہے: موجود چیز، ثابت چیز، ایسا معاملہ جس کا فیصلہ ہو چکا ہو۔

---

1 لوئس معلوف، المنجد فی اللغھة، ص144-

معجم لغه الفقهاء میں لفظ حق کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"الحق جمع حقوق الصواب، ضد الباطل الثابت الذي لا يجوز انكارة–Right"[1]

(حق (جمع حقوق) سے مراد ہے صحیح، باطل کی ضد، ایسی ثابت چیز جس کا انکار جائز نہ ہو۔ انگریزی زبان میں حق کے لئے Right کا لفظ بولا جاتا ہے۔)

عربی زبان میں حق کے ذمہ دار کی تعیین کے لیے حق کے ساتھ "علی" کا صلہ آتا ہے جبکہ حقدار کی تعین کے لیے حق کے ساتھ لام کا صلہ لایا جاتا ہے۔ پہلے کی مثال یہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ﴾[2]

(اور تم انہیں (مطلقہ عورتوں کو جوڑا دے کر) نفع پہنچاؤ۔ مالدار پر اس کی طاقت کے مطابق اور تنگدست پر اس کی طاقت کے مطابق (پیروں کا جوڑ دینا لازم ہے۔ دستور کے مطابق انہیں فائدہ پہنچاؤ۔ یہ بھلائی کا کام کرنے والوں پر واجب ہے۔)

جبکہ صلہ لام کی مثال درج ذیل آیت کریمہ ہے: ﴿وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾[3]

(اور ان کے مالوں میں سوال کرنے والے اور محروم کے لیے ایک حصہ تھا۔)

اصطلاحی مفہوم:

دیوانی قانون کے سیاق وسباق میں حق سے مراد وہ استحقاق یا Entitlement ہے جس کا مطالبہ عدالت کے ذریعے یا کسی قانونی ادارے یا حکومت کے ذریعے کیا جاسکے۔ علامہ سید سلیمان ندوی کے نزدیک حق کا مفہوم یہ ہے:

"ہر انسان پر دوسرے انسانوں بلکہ حیوانوں اور بے جان چیزوں تک کے کچھ فرائض عائد ہیں اور یہ ان کے حقوق ہیں جنہیں ہر انسان کو اپنے امکان بھر ادا کرنا ضروری ہے۔"[4]

پھر سید سلیمان ندوی نے مذکور حقوق کی مزید تشریح میں سورۃ البقرہ کی آیت 29 سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

انسان کو دنیا کی ہر اس چیز سے جس سے اس کے نفع کا تعلق ہے، ایک گونہ لگاؤ ہے۔ اس لگاؤ کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی ترقی وحفاظت میں کوشش کی جائے۔ اس شے سے وہ نفع اٹھایا جائے جس کے لئے خدا نے اس کو پیدا کیا ہے

---

1 قلعہ جی، محمد رواس، معجم لغه الفقهاء (بیروت: دار النفائس، 1996ء) ص 182-

2 البقرہ: 236

3 الذاریات: 19

4 ندوی، سید سلیمان، سیرۃ النبی ﷺ (لاہور: الفیصل، 1991ء) ج 6، ص 107-

اور ان موقعوں پر اس کو صرف کیا جائے جن میں خدا نے اس کے صرف کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کو ہر اس پہلو سے بچایا جائے جس سے اس کی نفع رسانی کو نقصان پہنچے۔ اسی ذمہ داری کا نام "حق" ہے جس کو از خود ادا کرنا ضروری ہے۔

محمد صلاح الدین نے اس چیز کی مزید وضاحت کرتے ہوئے حقوق کا اصطلاحی مفہوم یوں بیان کیا ہے:

"انسان طبعاً معاشرت پسند ہے۔ اس کی گروہی جبلت اسے اپنے ہم جنسوں کے ساتھ مل جل کر رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ وہ اپنی پیدائش سے لے کر تادم زیست بے شمار افراد کی خدمات، توجہ، امداد اور سہاروں کا محتاج ہے۔ اپنی پرورش، خوراک، لباس، رہائش اور تعلیم و تربیت کی ضروریات ہی کے لیے نہیں بلکہ اپنی فطری صلاحیتوں کے نشوو ارتقاء اور ان کے عملی اظہار کے لئے بھی وہ اجتماعی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ یہ اجتماعی زندگی اس کے گرد تعلقات کا ایک وسیع تانا بانا تیار کرتی ہے۔ خاندان، برادری، محلے، شہر، ملک اور بحیثیت مجموعی پوری نوع انسانی تک پھیلے ہوئے تعلقات کے لیے چھوٹے بڑے دائرے اس کے حقوق و فرائض کا تعین کرتے ہیں۔ ماں، باپ، بیٹے، شاگرد، استاد، مالک، ملازم، تاجر، خریدار، شہری اور حکمران کی بے شمار مختلف حیثیتوں میں اس پر کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں وہ کچھ متعین حقوق کا مستحق قرار پاتا ہے۔"[1]

انگریزی زبان میں جیسا کہ اوپر گزرا، حق کے لیے Right کا لفظ مستعمل ہے۔ جس کی تعریف ماہر قانون Henry Campbell کے مطابق یوں ہے:

"A power, privilege or immunity guaranteed under a constitution, statutes or decisional laws or claimed as a result of long usage"[2]

(ایک اختیار، استحقاق یا تحفظ جس کو دستور تحریری قانون یا (عدالتی فیصلوں سے وجود میں آنے والے قوانین کے تحت ضمانت دی گئی ہو یا جسے طویل رواج و استعمال کے نتیجے میں حاصل کیا گیا ہو۔)

انسان کا مفہوم:

لفظ "انسان" ا، ن، س کے مادہ سے مل کر بنا ہے، اس کے علاوہ "الناس" اور انس کے الفاظ بھی مستعمل ہے۔ عرف عام میں اس سے مراد بنی آدم کا ایک فرد ہوتا ہے۔ اناسین اور اناسی اس کی جمع ہے۔[3]

---

1 صلاح الدین، محمد، **بنیادی حقوق** (لاہور: ترجمان القرآن، س ن) ص 31-

2Campbell, Henry, Black Law Dictionary (USA: West Publishing Co.,1990)P1324-

3 افریقی، ابن منظور، ابو الفضل، محمد بن مکرم، **لسان العرب**، ج6، ص10-11-

قرآن مجید میں لفظ انسان متعدد مقامات میں موجود ہے، اور اسی طرح اناسی کا تذکرہ بھی ہے۔ مثلاً: ﴿يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا﴾[1] (اللہ چاہتا ہے کہ تم سے (بوجھ) ہلکا کرے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔)

اسی طرح اناسی کا لفظ بھی قرآن مجید میں ہے۔ مثلاً: ﴿وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنَاسِيَّ كَثِيرًا﴾[2] (اور اسے اس (مخلوق) میں سے جو ہم نے پیدا کی ہے، بہت سے جانوروں اور انسانوں کو پینے کے لیے مہیا کریں۔)

قرآن مجید کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد ہے۔

حقوق انسانی سے متعلق قرآنی تعلیمات

اللہ تعالیٰ نے حقوق انسانی سے متعلق بہت زیادہ تاکید کی ہے، مثلاً: ﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ﴾[3] (اور رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو بھی حق دو۔)

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہوا: ﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾[4] (اور ماں باپ کے ساتھ، قرابت والے کے ساتھ، یتیموں و مسکینوں، قرابت والے ہمسائے، اجنبی ہمسائے، پہلو کے ساتھی اور مسافر کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔)

ان دونوں قرآنی آیات سے متعلق ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حقوق انسانی کی بہت تاکید کی ہے۔ لہذا معاشرے کو پرامن بنائے کے لیے ہمیں ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھنا لازم ہے۔

صحیح بخاری کی حقوق انسانی سے متعلق احادیث و آثار

صحیح بخاری میں بہت سی مرویات حقوق انسانی پر وارد ہوئی ہیں، جن میں سے چند ذیل میں پیش کی جا رہی ہیں:

1) ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:" مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَأَنْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ".))[5]

---

1 النساء:28

2 الفرقان:49

3 بنی اسرائیل:26

4 النساء:36

5 بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كِتَاب الْأَدَبِ، بَابُ مَنْ بُسِطَ لَهُ فِي الرِّزْقِ بِصِلَةِ الرَّحِمِ، حدیث 5985-

(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے سنا، نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: کہ جسے پسند ہے کہ اس کی روزی میں فراخی ہو اور اس کی عمر دراز کی جائے تو وہ صلہ رحمی کیا کرے۔)

اس حدیث نبوی سے معلوم ہوا کہ حقوق انسانی کی ادائیگی سے رزق میں فروانی اور عمر میں برکت ہوتی ہے۔

2) ((أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هَكَذَا" وَقَالَ: بِإِصْبَعَيْهِ السَّبابةِ وَالْوُسْطَى.))[1](میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور آپ نے شہادت اور درمیانی انگلیوں کے اشارہ سے (قرب کو) بتایا۔)

3) ((أَنَّ سَعِيدَ بْنَ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ:" مَنْ ظَلَمَ مِنَ الْأَرْضِ شَيْئًا طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ".))[2](سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے سنا، آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا جس نے کسی کی زمین ظلم سے لے لی، اسے قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔)

4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو فرماتے ہوئے سنا:

((حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ: رَدُّ السَّلَامِ , وَعِيَادَةُ الْمَرِيضِ , وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ , وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ , وَتَشْمِيتُ الْعَاطِسِ))[3](مسلمان کے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں، سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا، جنازوں کے پیچھے چلنا، دعوت قبول کرنا اور چھینک مارنے والے کو جواب دینا۔)

5) سیدنا جبیر بن معطم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:((لا يدخل الجنة قاطع".))[4](قطع تعلقی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا۔)

6) سیدنا عبد اللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:((الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ))[5](مسلمان وہ ہیں جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔)

الکافی کی حقوق انسانی سے متعلق احادیث و آثار

الکافی میں بھی حقوق انسانی سے متعلق بہت سی مرویات ہیں جن کو ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے:

---

1 ایضاً، بَابُ فَضْلِ مَنْ يَعُولُ يَتِيمًا، حدیث 6005-

2 ایضاً، كِتَاب الْمَظَالِمِ، بَابُ إِثْمِ مَنْ ظَلَمَ شَيْئًا مِنَ الأَرْضِ، حدیث 2452-

3 ایضاً، كِتَاب الْجَنَائِزِ ،بَابُ الأَمْرِ بِاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ، حدیث 1240-

4 ایضاً، كِتَاب الْأَدَبِ، بَابُ إِثْمِ الْقَاطِعِ، حدیث 5984-

5 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، كِتَاب الْإِيمَانِ، بَابُ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، حدیث 10-

1) ((عَنْ أَبِي عَبْدِاللهِ علیہ‌السلام،قَالَ:قُلْتُ:أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟قَالَ:« الصَّلَاةُ لِوَقْتِها،وَبِرُّ الْوَالِدَيْنِ، وَالْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ))[1]

(امام جعفر ابو عبد اللہ علیہ السلام سے پوچھا کہ اعمال میں سب سے بہترین کون سا عمل ہے ؟تو آپ نے فرمایا: نماز کو مقررہ وقت پر پڑھنااوور والدین کے ساتھ نیکی کرنااور راہ خدا میں جہاد کرنا۔)

اس حدیث میں تین ایسے کاموں کی طرف اشارہ فرمایاہے جو باقی سارے اعمال سے افضل ہیں نماز کو اس کے مقررہ وقت پر انجام دیناکہ ہمارے معاشرے میں نماز تو انجام دیتے ہیں لیکن وقت کی رعایت نہیں کرتے ایسے افراد کو اگرچہ تارک الصلوۃ نہیں کہاجاتا مگر نماز کو عذر شرعی کے بغیر اسکے مقررہ وقت پر انجام نہ دینے کی خاطر ثواب میں کمی ہو جاتی ہے۔دوسرا والدین کی خدمت ہے.والدین عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے جتنے ضعیف ہوں،بڑھاپے کی وجہ سے ظاہری حلیے میں تبدیلی آگئی ہو اور مزاج کے اعتبار سے ہمارے مخالف ہوں پھر بھی انکی خدمت خدا کی نظر میں بہترین کاموں میں سے ہے۔تیسرا راہ خدا میں جہاد ہے جو اس مادی دور میں انسان کے لئے بہت مشکل کام ہے لیکن نتیجہ اور عاقبت کے لحاظ سے بہترین اعمال میں سے شمار ہوتا ہے۔

2) والدین اگر غیر مسلم بھی ہوں تو ان کے ساتھ بھی نیک سلوک کرنے کا حکم ہے۔

((عَنْ جَابِرٍ،قَالَ:سَمِعْتُ رَجُلاً يَقُولُ لِأَبِي عَبْدِ اللهِ علیہ‌السلام : إِنَّ لِي أَبَوَيْنِ مُخَالِفَيْنِ؟ فَقَالَ :« بَرَّهُمَا كَمَا تَبَرُّ الْمُسْلِمِينَ ».))[2](حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ میں ایک شخص سے سنا ہے جو حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کر رہاتھا کہ میرے والدین میرے مذہب کے مخالف ہیں،ان کے ساتھ کیسا سلوک کیاجائے ؟تو آپ نے فرمایا:ان دونوں کے ساتھ ویسے سلوک کرنا جسے مسلمانوں سے کیاجاتا ہے۔)

3) اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے افضل عبادت حقوق انسانی کی ادائیگی ہے۔

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ علیہ‌السلام ، قَالَ : « مَا عُبِدَ اللهُ بِشَيْءٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَاءِ حَقِّ الْمُؤْمِنِ »))[3](حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا:اللہ تعالیٰ کی سب سے افضل عبادت یہ ہے کہ مومن بھائی کے حق کو ادا کیا جائے۔)

4) ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر کچھ حقوق ہیں:

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ علیہ‌السلام ، قَالَ:« حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ أَنْ لَايَشْبَعَ وَيَجُوعُ أَخُوهُ ، وَلَا يَرْوى وَيَعْطَشُ أَخُوهُ ، وَلَا يَكْتَسِيَ وَيَعْرى أَخُوهُ »))[1](حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا:ایک مسلمان

---

1 کلینی،ابو جعفر،محمد بن یعقوب،الکافی، كِتَابُ الْإِيمَانِ وَالْكُفْرِ، بَابُ الْبِرِّ بِالْوَالِدَيْنِ،باب69،حدیث2010(4)-

2 ایضاً،حدیث2020(14)-

3 کلینی،ابو جعفر،محمد بن یعقوب،الکافی، كِتَابُ الْإِيمَانِ وَالْكُفْرِ، بَابُ حَقِّ الْمُؤْمِنِ عَلى أَخِيهِ وَأَدَاءِ حَقِّهِ،باب75،حدیث2059(4)-

کے دوسرے مسلمان پر حقوق ہیں: اس کا مسلمان بھائی بھوکا ہو، تو وہ سیر ہو کر کھانا نہ کھائے، جب اس کا مسلمان بھائی پیاسا ہو تو وہ پانی نہ پیے اور جب اس کے مسلمان بھائی کے پاس لباس نہ ہو تو نیا لباس زیب تن نہ کرے۔)

اس روایت میں ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر تین حقوق بیان ہوئے ہیں تاہم بعض روایات میں یہ حقوق زیادہ بھی بیان ہوئے ہیں۔ مثلاً:

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه السلام، قَالَ: لِلْمُسْلِمِ عَلى أَخِيهِ الْمُسْلِمِ مِنَ الْحَقِّ أَنْ يُسَلِّمَ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَهُ، وَيَعُودَهُ إِذَا مَرِضَ ، وَيَنْصَحَ لَهُ إِذَا غَابَ ، وَيُسَمِّتَهُ إِذَا عَطَسَ ، وَيُجِيبَهُ إِذَا دَعَاهُ ، وَيَتْبَعَهُ إِذَا مَاتَ))[2]

(ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حقوق ہیں: جب مسلمان بھائی سے ملاقات ہو تو سلام کرے، جب وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرے، جب وہ غائب ہو جائے تو اس کی خیر خواہی کرے، جب اس کو چھینک آئے تو اس کے لیے دعا کرے، اور جب وہ دعا دے تو اس کی دعا کا جواب دے اور جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرے۔)

5) چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کی عزت کرنی چاہیے:

((قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ عليه السلام :« لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يُوَقِّرْ كَبِيرَنَا ، وَيَرْحَمْ صَغِيرَنَا».))[3]

(حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: جو ہمارے بڑے کا احترام نہ کرے اور چھوٹوں پر رحم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔)

اس روایت میں بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر رحم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس اور روایت میں اس کی صراحت ملتی ہے۔((قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ عليه السلام :« عَظِّمُوا كِبَارَكُمْ ، وَصِلُوا أَرْحَامَكُمْ ، وَلَيْسَ تَصِلُونَهُمْ بِشَيْءٍ أَفْضَلَ مِنْ كَفِّ الْأَذى عَنْهُمْ ».))[4] (حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: تم اپنے بڑوں کا احترام کرو اور صلہ رحمی کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ افضل ترین صلہ رحمی یہ ہے کہ ان کو اذیت دینے سے باز رہو۔)

خلاصہ بحث

صحیح بخاری اور الکافی کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ان دونوں کتب میں حقوق العباد مشترکات میں سے ہیں، اور ان دونوں کتب میں ایسی احادیث و آثار پیش ہوئی ہیں جن میں حقوق انسانی پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔

---

1 ایضاً، حدیث 2060(5)-

2 ایضاً، حدیث 2061(6)-

3 ایضاً ، بَابُ إِجْلَالِ الْكَبِيرِ، باب 71، حدیث 2040(2)-

4 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، كِتَابُ الْإِيمَانِ وَالْكُفْرِ، بَابُ إِجْلَالِ الْكَبِيرِ، باب 71، حدیث 2041(3)-

حقوق انسانی میں والدین، اولاد، میاں بیوی، رشتہ دار، یتیم، محتاج، پڑوسی، مسکین اور ان کے علاوہ دیگر کئی افراد شامل ہے۔ والدین کے ساتھ احسان یہ ہے کہ والدین کا ادب کرے، اطاعت کرے، نافرمانی سے بچے، ہر وقت ان کی خدمت کے لئے تیار رہے، اپنی قدرت کے مطابق ان پر خرچ کرنے میں کمی نہ کرے۔ وغیرہ

رشتہ داروں سے حسن سلوک یہ ہے کہ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے، قطع تعلقی سے اجتناب کرے۔ یتیم کے ساتھ حسن سلوک یہ ہے کہ ان کی پرورش کرے، نرمی سے پیش آئے، سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرے۔

مسکین سے حسنِ سلوک یہ ہے کہ ان کی امداد کرے، انہیں خالی ہاتھ نہ لوٹائے۔ پاس بیٹھنے والے جیسے رفیقِ سفر، ساتھ پڑھنے والا یا مجلس و مسجد میں برابر بیٹھنے والا حتّٰی کہ لمحہ بھر کے لئے بھی جو پاس بیٹھے اس کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کا حکم ہے۔ مسافر کی حاجت پوری کی جائے، راستہ پوچھے تو رہنمائی کی جائے اور مہمان کی خوش دلی سے خدمت کی جائے۔

مبحث دوم:

صحیح بخاری اور الکافی کی متعہ سے متعلق احادیث و آثار کا جائزہ

صحیح بخاری اہل سنت کی معتبر ترین حدیث کی کتاب ہے اور الکافی اہل تشیع کی معتبر ترین حدیث کی کتاب ہے، ان کتب میں متعہ کے مسئلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اہل سنت کے نزدیک متعہ پہلے جائز تھا اور بعد میں منسوخ ہو گیا، جبکہ اہل تشیع کے نزدیک متعہ اب بھی جائز ہے اور یہ منسوخ نہیں ہوا، ان دونوں کتب کی روایات کی روشنی سے متعہ سے متعلق جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ کیا یہ جائز ہے یا نہیں۔؟

نکاح متعہ کا مفہوم:

کسی عورت سے ایک مقررہ مدت تک (مقررہ معاوضے کے بدلے) نکاح کر لینے کو "متعہ" کہتے ہیں، مثلاً دو دن یا تین دن یا اس کے علاوہ کسی اور مدت تک [1]

متعہ قرآن مجید کی روشنی سے:

قرآن کریم کی رو سے "متعہ" حرام ہے جیسا کہ یہ آیت اس پر دلیل ہے "سورہ مؤمنون" میں اللہ تعالیٰ مؤمنین کی کچھ صفات بیان فرمارہے ہیں چنانچہ ارشاد گرامی ہے: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ * إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ * فَمَنِ ابْتَغَى وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ﴾[2]

(اور وہی جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں، یا ان (عورتوں) پر جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ بنے ہیں تو بلاشبہ وہ ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں۔ پھر جو اس کے سوا تلاش کرے تو وہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو قسم کی عورتوں کیساتھ شہوت پورا کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ (1) زوجہ (بیوی)، (2) کنیز (لونڈی)۔ اس کے علاوہ کو حد سے تجاوز قرار دیدیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ متعہ حرام ہے کیونکہ ممنوعہ عورت نہ بیوی ہوتی ہے اور نہ ہی کنیز اور لونڈی۔

ان آیات سے کوئی تاویل ممکن نہیں ہے جبکہ " فما استمتعتم به منهن" میں بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد "استمتاع" بالنکاح الصحیح" ہے اور فقہائے کرام نے نکاح صحیحہ کی چار شرائط بیان کیں ہیں وہ یہ ہیں

---

1 البانی، ناصر الدین، التعلیقات الرضی ہ، 2/864۔

2 المؤمنون: 5-7

(1) دونوں کی طرف سے ایجاب و قبول ہو۔(2) اس میں تائید بھی ہو، یعنی وقت اور مدت کی اس پر کوئی اثر اندازی نہ ہو۔(3) مہر مقرر ہوا ہو۔(4) گواہوں کی موجودگی میں ہو۔

حالانکہ "متعہ" میں شرط تابید نہ ہوتی بلکہ وقت اور مدت مقرر ہوتا ہے جس کے بعد نکاح خود بخود ختم ہو جاتا ہے اور اس طرح بغیر گواہوں کے متعہ ہوتا ہے۔ گواہوں کی موجودگی ضروری نہیں ہوتی۔ لہٰذا شرائط نکاح میں سے یہ شرط بھی ٹوٹ گئی۔ مندرجہ بالا آیت کی تفسیر کے بارے میں حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

" قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: " فَكُلُّ فَرْجٍ سِوَى هَذَيْنِ فَهُوَ حَرَامٌ "[1]

(ان دونوں کے علاوہ ہر شرم گاہ حرام ہے۔)

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ نے اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیا تھا۔

الکافی کے متعہ سے متعلق احادیث و آثار

امام محمد بن یعقوب الکلینیؒ نے متعہ سے متعلق کافی احادیث و آثار کو جمع کیا ہے، جن سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک متعہ حلال اور جائز ہے۔ متعہ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے منع کیا ہے۔

((عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سُلَيْمَانَ ، قَالَ :سَمِعْتُ أَبَا جَعْفَرٍ عليه‌السلام يَقُولُ : « كَانَ عَلِيٌّ عليه‌السلام يَقُولُ : لَوْ لَامَا سَبَقَنِي بِهِ بُنَيُّ الْخَطَّابِ ، مَا زَنى إِلَّا شَقِيٌّ ».))[2]

(عبد اللہ بن سلیمان سے روایت کی ہے کہ میں نے ابو جعفر علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے، اگر میری خلافت کے زمانے سے پہلے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے متعہ کے بارے میں منع نہ کیا ہوتا تو کوئی بدبخت ہی زنا کرتا۔)

متعہ کرنا قرآن مجید میں نازل ہوا ہے اور نبی کریم ﷺ نے سنت کے ذریعے جاری کیا ہے۔

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام ، قَالَ : « الْمُتْعَةُ نَزَلَ بِهَا الْقُرْآنُ ، وَجَرَتْ بِهَا السُّنَّةُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صلى‌الله‌عليه‌وآله ».))[3] (ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: متعہ کے بارے میں قرآن مجید نازل ہوا اور نبی کریم ﷺ سے اس کی سنت جاری ہوئی۔)

((عَنْ أَبِي سَارَةَ ، قَالَ : سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام عَنْهَا - يَعْنِي الْمُتْعَةَ -؟ فَقَالَ لِي : « حَلَالٌ ، فَلَا تَتَزَوَّجْ إِلَّا عَفِيفَةً ؛ إِنَّ اللهَ - عَزَّ وَجَلَّ - يَقُولُ : (وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حافِظُونَ) فَلَا تَضَعْ فَرْجَكَ حَيْثُ لَا تَأْمَنُ عَلى دِرْهَمِكَ ».))[1]

---

1 ترمذی، ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، السنن، کتاب النکاح عن نبی کریم ﷺ، باب مَا جَاءَ فِي تَحْرِيمِ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ، حدیث 1122-

2 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب النکاح، أَبْوَابُ الْمُتْعَةِ، باب 94، حدیث 9922/2-

3 ایضاً، حدیث 9925/5-

(ابو سارۃ سے، روایت کی ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے متعہ کے بارے میں سوال کیا؟ تو آپ نے فرمایا: حلال ہے پس تم عفیفہ کے علاوہ سے تزویج نہ کرو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ پس تم اپنی شرم گاہوں کو ایسا مت چھوڑو کہ وہ تمہارے درہم کے بر خلاف مامون نہ ہو۔)

نکاح کی صورت میں ایک وقت میں چار سے زائد ازواج نہیں رہ سکتیں، لیکن متعہ میں تعداد ازواج چار سے بھی زائد ہو سکتی ہیں۔

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ علیہالسلام ، قَالَ : ذَكَرْتُ لَهُ الْمُتْعَةَ ، أَهِيَ مِنَ الْأَرْبَعِ؟ فَقَالَ : « تَزَوَّجْ مِنْهُنَّ أَلْفاً ؛ فَإِنَّهُنَّ مُسْتَأْجَرَاتٌ ».))[2](ابو عبد اللہ علیہ السلام سے میں نے تذکرہ کیا کہ متعہ کے لیے تعدار عورت چار ہی ہے ؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: متعہ کے ذریعے ہزار عورتوں سے تزویج کرلو کیونکہ وہ تو اجرت پر ہی ہوتی ہیں۔)

متعہ کے ذریعے اپنی پاک دامنی کی حفاظت کرنی چاہیے اور اگر وہ متعہ سے مستغنیٰ ہے تو تزویج کے سبب پاک دامنی کی حفاظت کرنی چاہیے، نیز اگر وہ اپنی بیوی سے غائب ہو تو بھی متعہ اس کے لیے حلال ہے۔

((عَنِ الْفَتْحِ بْنِ يَزِيدَ ، قَالَ :سَأَلْتُ أَبَا الْحَسَنِ علیہالسلام عَنِ الْمُتْعَةِ؟ فَقَالَ : « هِيَ حَلَالٌ مُبَاحٌ مُطْلَقٌ لِمَنْ لَمْ يُغْنِهِ اللهُ بِالتَّزْوِيجِ ، فَلْيَسْتَعْفِفْ بِالْمُتْعَةِ ؛ فَإِنِ اسْتَغْنى عَنْهَا بِالتَّزْوِيجِ ، فَهِيَ مُبَاحٌ لَهُ إِذَا غَابَ عَنْهَا ».))[3](فتح بن یزید سے روایت کی ہے کہ میں ابو الحسن علیہ السلام سے متعہ کے بارے میں سوال کیا؟ تو آپ نے فرمایا: متعہ وہ حلال ہے، مباح مطلق ہے، اس کے لیے بھی کہ جسے اللہ تعالیٰ نے جو کو تزویج کے ذریعے غنی نہیں کیا تو اس کو چاہیے کہ وہ متعہ کے ذریعے اپنی پاک دامنی کی حفاظت کرے، اور اگر وہ متعہ سے مستغنیٰ ہے تو تزویج کے ذریعے اپنی پاک دانی کی حفاظت فرمائے اور جب وہ اپنی بیوی سے غائب ہو تو پھر بھی متعہ اس کے لیے حلال ہے۔)

الکافی میں متعہ کی شرائط:

الکافی میں متعہ کی دو شرطیں ہیں: 1) معین مدت 2) معین اجر

متعہ نکاح کے لیے یہ دو شرطیں ہیں، اگر کسی متعہ نکاح میں یہ دو شرطیں نہ ہوں تو وہ متعہ نہیں ہو گا۔

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی ،کتاب النکاح، بَابُ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ التَّمَتُّعُ إِلَّا بِالْعَفِيفَةِ، باب97، حدیث 9941/2-

2 ایضاً، بَابُ أَنَّهُنَّ بِمَنْزِلَةِ الْإِمَاءِ وَلَيْسَتْ مِنَ الْأَرْبَعِ، باب95، حدیث 9935/7-

3 ایضاً، بَابُ أَنَّهُ يَجِبُ أَنْ يَكُفَّ عَنْهَا مَنْ كَانَ مُسْتَغْنِياً، باب96، حدیث 9937/2-

((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام ، قَالَ : « لَا تَكُونُ مُتْعَةٌ إِلَّا بِأَمْرَيْنِ : أَجَلٍ مُسَمًّى ، وَأَجْرٍ مُسَمًّى ».))[1](ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: دو چیزوں کے بغیر متعہ نہیں ہوتا، معین مدت اور معین اجر)

((عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُكَيْرٍ ، قَالَ : قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ عليه‌السلام : « مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ قَبْلَ النِّكَاحِ ، هَدَمَهُ النِّكَاحُ ؛ وَمَا كَانَ بَعْدَ النِّكَاحِ ، فَهُوَ جَائِزٌ ». وَقَالَ : « إِنْ سُمِّيَ الْأَجَلُ فَهُوَ مُتْعَةٌ ، وَإِنْ لَمْ يُسَمَّ الْأَجَلُ فَهُوَ نِكَاحٌ بَاتٌّ ».))[2](عبد اللہ بن بکیر سے روایت کی ہے کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: نکاح سے پہلے جو بھی شرط ہو اسے ختم کر دیتا ہے اور جو نکاح کے بعد ہو وہ جائز ہوتی ہے اور فرمایا: اگر مدت معین کی جائے تو وہ متعہ ہو گا اور اگر مدت معین نہ کی گئی ہو تو وہ نکاح دائمی ہو گا۔)

ابتداء میں متعہ مباح تھا:

1)حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، رضى الله عنه قَالَ كُنَّا نَغْزُو مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَلَيْسَ مَعَنَا نِسَاءٌ فَقُلْنَا أَلاَ نَخْتَصِي فَنَهَانَا عَنْ ذَلِكَ، فَرَخَّصَ لَنَا بَعْدَ ذَلِكَ أَنْ نَتَزَوَّجَ الْمَرْأَةَ بِالثَّوْبِ، ثُمَّ قَرَأَ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ ﴾))[3]

(عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہو کر جہاد کیا کرتے تھے اور ہمارے ساتھ ہماری بیویاں نہیں ہوتی تھیں۔ اس پر ہم نے عرض کیا کہ ہم اپنے آپ کو خصی کیوں نہ کر لیں۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے ہمیں اس سے روک دیا اور اس کے بعد ہمیں اس کی اجازت دی کہ ہم کسی عورت سے کپڑے (یا کسی بھی چیز) کے بدلے میں نکاح کر سکتے ہیں۔ پھر عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ ﴾"اے ایمان والو! اپنے اوپر ان پاکیزہ چیزوں کو حرام نہ کرو جو اللہ نے تمہارے لیے جائز کی ہیں۔)

2)ابو جمرہ بیان کرتے ہیں کہ:

((سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ سُئِلَ عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ، فَرَخَّصَ، فَقَالَ لَهُ مَوْلًى لَهُ: إِنَّمَا ذَلِكَ فِي الْحَالِ الشَّدِيدِ، وَفِي النِّسَاءِ قِلَّةٌ أَوْ نَحْوَهُ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: نَعَمْ".))[4]

---

1 کلینی، ابو جعفر، محمد بن یعقوب، الکافی ، کتاب النکاح، بَابُ شُرُوطِ الْمُتْعَةِ، باب98، حدیث9946/1-

2 ایضاً، بَابٌ فِي أَنَّهُ يَحْتَاجُ أَنْ يُعِيدَ عَلَيْهَا الشَّرْطَ بَعْدَ عُقْدَةِ النِّكَاحِ، باب99، حدیث9951/1-

3 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر القرآن، باب﴿لاَ تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ﴾، حدیث4615-

4 بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، بَابُ نَهْيِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ آخِرًا، حدیث -5116

(میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، ان سے عورتوں کے ساتھ نکاح متعہ کرنے کے متعلق سوال کیا گیا تھا تو انہوں نے اس کی اجازت دی، پھر ان کے ایک غلام نے ان سے پوچھا کہ اس کی اجازت سخت مجبوری یا عورتوں کی کمی یا اسی جیسی صورتوں میں ہو گی؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہاں۔)

(نوٹ: یہ حرمت سے قبل کی بات ہے بعد میں ہر حالت میں ہر شخص کے لیے متعہ حرام قرار دیا گیا جو قیامت تک کے لیے ہے۔)

متعہ نکاح کی منسوخیت احادیث کی روشنی میں

متعہ نکاح کی پہلی اجازت تھی لیکن بعد میں نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اسے منسوخ کر دیا، اس سے متعلق مرویات ذیل میں پیش کی جا رہی ہیں:

1) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" نَهَى عَنْ الْمُتْعَةِ، وَعَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ زَمَنَ خَيْبَرَ".))[1]

(نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے متعہ اور پالتو گدھے کے گوشت سے جنگ خیبر کے زمانہ میں منع فرمایا تھا۔)

2) حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((رَخَّصَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ أَوْطَاسٍ، فِي المتعة ثلاثا. ثم نهى عنها))[2]

(نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عام اوطاس میں تین بار متعہ کی رخصت دی اور پھر منع فرما دیا۔)

3) حضرت سبرہ جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

((أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فقَالَ: " يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنِّي قَدْ كُنْتُ أَذِنْتُ لَكُمْ فِي الِاسْتِمْتَاعِ مِنَ النِّسَاءِ، وَإِنَّ اللَّهَ قَدْ حَرَّمَ ذَلِكَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ مِنْهُنَّ شَيْءٌ فَلْيُخَلِّ سَبِيلَه، وَلَا تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا ".))[3]

(وہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ تھے سو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: "اے لوگو! میں نے تم کو عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی اور اب االلہ تعالیٰ نے اس کو قیامت کے دن تک کے لئے حرام کر دیا ہے سو جس کے پس کوئی ان میں کی ہو تو چاہیئے کہ اس کو چھوڑ دے اور جو چیز تم ان کو دے چکے ہو وہ واپس نہ لو۔)

---

1 ایضاً، حدیث 5115-

2 قشیری، ابوالحسین، مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، کتاب النکاح، باب نِكَاحِ الْمُتْعَةِ وَبَيَانِ أَنَّهُ أُبِيحَ ثُمَّ نُسِخَ ثُمَّ أُبِيحَ ثُمَّ نُسِخَ وَاسْتَقَرَّ تَحْرِيمُهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، حدیث 3418(1405)-

3 قشیری، ابوالحسین، مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح**، کتاب النکاح، باب نِكَاحِ الْمُتْعَةِ وَبَيَانِ أَنَّهُ أُبِيحَ ثُمَّ نُسِخَ ثُمَّ أُبِيحَ ثُمَّ نُسِخَ وَاسْتَقَرَّ تَحْرِيمُهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، حدیث 3422(1406)-

3)حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوران خطبہ فرمایا:

((عَنْ ابْنِ عُمَرَ ، قَالَ: لَمَّا وَلِيَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ خَطَبَ النَّاسَ، فَقَالَ:" إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذِنَ لَنَا فِي الْمُتْعَةِ ثَلَاثًا، ثُمَّ حَرَّمَهَا، وَاللَّهِ لَا أَعْلَمُ أَحَدًا تَمَتَّعَ وَهُوَ مُحْصَنٌ إِلَّا رَجَمْتُهُ بِالْحِجَارَةِ، إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنِي بِأَرْبَعَةٍ يَشْهَدُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ أَحَلَّهَا بَعْدَ إِذْ حَرَّمَهَا".))[1]

(عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، تو انہوں نے خطبہ دیا اور کہا: نبی کریم ﷺ نے ہم لوگوں کو تین بار متعہ کی اجازت دی پھر اسے حرام قرار دیا، قسم ہے اللہ کی اگر میں کسی کے بارے میں جانوں گا کہ وہ شادی شدہ ہوتے ہوئے متعہ کرتا ہے تو میں اسے پتھروں سے رجم کردوں گا، مگر یہ کہ وہ چار گواہ لائے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے حرام قرار دینے کے بعد حلال کیا تھا۔)

حرمت متعہ اور اجماع امت

امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ متعہ پہلے جائز تھا بعد میں منسوخ ہو گیا ہے۔

1) امام بخاریؒ فرماتے ہیں:

"قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ وَبَيَّنَهُ عَلِيٌّ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُ مَنْسُوخٌ."[2]

(حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے ایسی روایت بیان کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح متعہ کی حلت منسوخ ہے۔)

2) امام ابن حجرؒ عسقلانی فرماتے ہیں:

"رَخَّصَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ أَوْطَاسَ فِي الْمُتْعَةِ ثَلَاثًا ثُمَّ نَهَى"[3]

(نبی کریم ﷺ نے اوطاس کے سال متعہ کی تین بار اجازت دی پھر آپ ﷺ نے منع کر دیا۔)

3) امام خطابیؒ فرماتے ہیں:

"تَحْرِيمُ الْمُتْعَةِ كَالْإِجْمَاعِ إِلَّا عَنْ بَعْضِ الشِّيعَةِ"[4]

(متعہ کی حرمت مسلمانوں میں اجماع کی طرح ہے، الا کہ بعض اہل تشیع حضرات اس کے جواز کے قائل ہیں۔)

---

1 ابن ماجہ، ابو عبداللہ، محمد بن یزید، السنن، کتاب النکاح، بَابُ النَّهْيِ عَنْ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ، حدیث 1963- علامہ البانیؒ نے اس روایت کو "حسن" کہا ہے۔

2 بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، بَابُ نَهْيِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ آخِرًا، حدیث 5119-

3 عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ج9، ص172-

4 ایضاً، ص173-

جمہور کے نزدیک حرمت متعہ:

جمہور صحابہ کرامؓ، تابعین، فقہاء اور محدثین متعہ کو حرام اور ناجائز سمجھتے ہیں۔ اگرچہ وہ اس بات کے منکر نہیں ہیں کہ "متعہ" اسلام میں کبھی جائز نہیں رہا ہے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ ابتدائے اسلام میں بعض مواقع پر حضور اقدس ﷺ نے اس کو جائز رکھا تھا لیکن پھر بعد میں اس کو تاقیامت منسوخ کر دیا۔ اس کی حرمت کو قرآن کریم، احادیث صحابہؓ کے اقوال اور فقہائے کرام کے اقوال سے بھی ثابت ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک بھی یہی ہے کہ "أَنَّهُ مَنْسُوخٌ"[1] نکاح متعہ منسوخ ہو چکا ہے۔

متعہ از روئے عقل:

اللہ تعالیٰ نے نکاح کا نظام اس دنیا میں چلایا ہے اور اس میں کئی سارے اجتماعی مقاصد رکھے ہیں مثلاً نفس کا سکون، اولاد کا حصول، خاندانی زندگی اور پاکدامنی جبکہ یہ تمام مقاصد "متعہ" میں ناپید نظر آتے ہیں کیونکہ اس میں تو صرف "قضائے شہوت" ہے اور محض قضائے شہوت سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اور اسی طرح ہر ذی عقل شعور انسان متعہ سے انکاری نظر آتا ہے۔

متعہ کے نقصانات:

1) اس سے اولاد ضائع ہو جاتی ہے کیونکہ جب انسان کی اولاد ہر شہر میں منتشر ہوں گی اور وہ والد کے پاس نہ ہوں یعنی اس سے دور ہوں تو اس کیلئے ممکن نہیں ہے کہ وہ ان کی صحیح طریقے سے تربیت کرے اور بفرض محال اگر یہ اولاد لڑکیاں ہوں اور ان کی تربیت کیلئے کوئی نہ ہو تو اس کی رسوائی اس سے بھی زیادہ ہو گی۔

2) اس میں یہ احتمال بھی موجود ہے کہ بیٹا اپنے باپ کی "مَوْطوۃ" سے وطی کرے گا اگرچہ یہ وطی یا تو متعہ کی بنا پر ہو گی یا نکاح صحیح کی بنا پر اور اس کے برعکس ہونے کا بھی احتمال ہے یعنی کہ والد اپنے بیٹے کے مَوْطوۃ سے وطی کر لے حالانکہ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ مَوْطوۃ الأَب" کے ساتھ مجامعت حرام ہے اور اس طرح "مَوْطوۃ الابن" کے ساتھ بھی مجامعت حرام ہے۔

3) اس سے نسب خلط ملط ہو جاتا ہے اور یہ پتہ نہیں چلے گا کہ یہ اولاد کس کی ہے۔

4) میراث کی تقسیم کا نظام درہم برہم ہو جائے گا کیونکہ جب یہ پتہ نہیں چلے گا کہ یہ کس کی اولاد ہے اور ورثا کی تعداد کتنی ہے ظاہر ہے کہ جب ورثا کی مکمل تعداد معلوم نہ ہو تو تقسیم میراث کا عمل ممکن نہیں ہے۔

---

1 ایضاً

5) اس سے بے حیائی بڑھ جاتی ہے کیونکہ "نکاح متعہ" بغیر ولی اور بغیر گواہوں کے منعقد ہوتا ہے حالانکہ شریعت نے گواہوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے نکاح کو جائز نہیں کیا ہے۔

6) "نکاح" میں مرد کے عورت پر اور عورت کے مرد پر کچھ حقوق و فرائض عائد ہوتے ہیں جن کی پابندی ان دونوں کو کرنی پڑتی ہے جبکہ متعہ میں ایسا نہیں ہے بلکہ عورت کو صرف "اجر" ملے گا باقی وہ نان نفقہ کی حقدار نہیں ہوگی اور نہ ہی ان دونوں کے درمیان وراثت جاری ہوگی۔

نتائج

صحیح بخاری اور الکافی کی متعہ سے متعلق مرویات کا جائزہ لینے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ان دونوں کتب میں متعہ مختلفات کی حیثیت رکھتا ہے، صحیح بخاری میں متعہ کے جواز کی روایات ہیں اور پھر اس کی منسوخیت پر روایات بھی موجود ہیں، کہ نبی کریم ﷺ نے متعہ سے منع کیا تھا، جبکہ الکافی میں متعہ کے جواز پر مبنی مرویات موجود ہیں، اس میں متعہ کی منسوخیت پر کوئی روایت مبنی نہیں ہے۔ البتہ الکافی میں متعہ سنت کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ متعہ قرآن مجید اور سنت سے ثابت ہے اور اس سے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے منع کیا ہے۔ جبکہ جمہور علماء اس کی منسوخیت کے قائل ہیں۔

خلاصہ بحث

مقالہ ہذا پانچ ابواب، خلاصہ بحث، نتائج بحث، سفارشات اور فہارس پر مشتمل ہے۔ باب اول میں تعارفی مباحث کے تحت تین فصول قائم کی ہیں، فصل اول تعارفی مباحثِ مقالہ کے تحت مقدمہ ذکر کیا ہے۔ جس میں موضوع کا تعارف، موضوع تحقیق کی ضرورت واہمیت، موضوع کی وجہ انتخاب، موضوع پر سابقہ کام کا جائزہ، تحقیق میں موجود خلاء، بیان مسئلہ، مقاصد تحقیق، تحقیقی سوالات اور منہج تحقیق کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ فصل دوم میں اہل سنت واہل تشیع کے تفسیری اصولوں پر بحث کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ اہل سنت نے قرآنی تفسیر کے اصول پیش کیے ہیں۔ جن کو اصول تفسیر کہتے ہیں۔ مثلاً: تفسیر القرآن بالقرآن، تفسیر القرآن بالحدیث، اقوال صحابہ کے ذریعے تفسیر، اقوال تابعین کے ذریعے تفسیر، اسباب نزول، اسرائیلیات وغیرہ۔ اہل تشیع نے بھی قرآنی تفسیر اصول کے تحت ہی تفسیر کی ہے۔ مثلاً: تفسیر القرآن بالقرآن، تفسیر القرآن بالحدیث، ائمہ معصومین کے اقوال کی روشنی میں تفسیر وغیرہ۔ فصل سوم تفسیر آیات میں صحیح بخاری اور الکافی کے اسالیب ومناہج کے تحت امام بخاریؒ کا تعارف، امام کلینیؒ کا تعارف پیش کرتے ہوئے تفسیر آیات میں صحیح بخاری کے اسالیب و مناہج اور تفسیر آیات میں الکافی کے اسالیب ومناہج کو واضح کیا ہے۔ صحیح بخاری میں امام بخاریؒ نے تفسیری روایات کے لیے کتاب التفسیر کا اہتمام کیا ہے، جبکہ امام کلینیؒ نے الکافی میں تفسیری احادیث و آثار کے لیے کتاب التفسیر کا اہتمام نہیں کیا ہے بلکہ عمومی ابواب بندی کے تحت قرآنی آیات کی تفسیر کی ہے۔

باب دوم صحیح بخاری اور الکافی میں عقائد سے متعلق تفسیری احادیث و آثار کا مطالعہ کے تحت چار فصول کو قائم کیا ہے۔ فصل اول میں توحید سے متعلق تفسیری احادیث وآثار کو پیش کیا ہے۔ توحید کی تین اقسام ہیں ربوبیت، الوہیت اور اسماء والصفات، ان تینوں اقسام پر صحیح بخاری اور الکافی کی مرویات موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کتاب التوحید کو قائم کیا ہے، جس میں انہوں توحید سے متعلق احادیث وآثار کو پیش کیا ہے، اسی طرح امام کلینیؒ نے بھی الکافی میں کتاب التوحید کو قائم کیا ہے۔ جس میں انہوں نے توحید سے متعلق روایات پیش کی ہیں۔ فصل دوم رسالت سے متعلق تفسیری احادیث و آثار کو پیش کیا ہے۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں رسالت کو امامت میں شامل نہیں کیا جبکہ امام کلینیؒ نے رسالت کے ساتھ امامت کو بھی بیان کیا ہے۔ صحیح بخاری اور الکافی کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ان دونوں کتب میں ختم نبوت سے متعلق روایات بھی پائی جاتی ہیں جو کہ مشترکات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ فصل سوم کتب اور ملائکہ سے متعلق تفسیری احادیث و آثار ہے، جس میں الہامی کتب اور بلخصوص قرآن مجید سے متعلق احادیث وآثار ہیں۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں کتاب فضائل القرآن کو قائم کیا، اور اسی طرح امام کلینیؒ نے بھی الکافی میں کتاب فضل القرآن کو قائم کیا ہے، جس سے عیاں ہے کہ امام بخاریؒ اور امام

کلینیؒ فضائل قرآن کے قائل ہیں، اور یہ مشترکات میں سے ہے، تاہم ان دونوں سے کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ اس باب میں کچھ اختلافات بھی ہیں اور وہ تحریف قرآن سے متعلق ہے۔ صحیح بخاری میں ایک روایت بھی تحریف قرآن سے متعلق نہیں ملتی تاہم الکافی میں کئی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کلینیؒ تحریف قرآن کے قائلین میں سے ہیں۔ لیکن جدید اہل تشیع مفسرین تحریف قرآن کے قائل نہیں ہیں۔ فصل چہارم آخرت سے متعلق تفسری احادیث و آثار سے متعلق ہیں۔ دونوں کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ وہ آخرت کے قائل ہیں اور یہ مشترکات میں سے ہیں۔ امام کلینیؒ نے اس کو اصول کافی میں ذکر کیا ہے۔

باب سوم صحیح بخاری اور الکافی میں عبادات سے متعلق تفسیری احادیث و آثار کا مطالعہ کے تحت چار فصول کو قائم کیا ہے۔ فصل اول صلاۃ سے متعلق تفسیری احادیث وآثار ہے۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں کتاب الصلاۃ کو قائم کیا ہے، اور اسی طرح امام کلینیؒ نے بھی الکافی میں کتاب الصلاۃ کو قائم کیا ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ دونوں امام صلاۃ کے قائل ہیں اور یہ مشترکات میں سے ہے، تاہم اس میں کچھ اختلاف بھی پایا جاتا ہے کہ وہ نماز کا طریقہ اور نماز کے اوقات سے متعلق ہیں۔ امام بخاریؒ ایک دن میں پانچ نمازوں کے قائل ہیں اور کے علیحدہ علیحدہ اوقات ہیں، تاہم امام کلینیؒ تین اوقات میں پانچ نمازوں کے قائل ہیں۔ فصل دوم صوم سے متعلق تفسیری احادیث و آثار ہے۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں کتاب الصوم کو قائم کیا ہے اسی طرح امام کلینیؒ نے الکافی میں کتاب الصیام کو قائم کیا ہے۔اس میں روزہ کے فضائل سے متعلق روایات بھی پیش کی ہیں اور یہ مشترکات میں سے تاہم ان دونوں کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ روزہ کے باب میں کچھ مختلفات بھی ہیں، اور وہ روزہ کے افطار کے اوقات سے متعلق ہے۔ امام بخاریؒ کے نزدیک روزہ کے افطار کا وقت غروب آفتاب ہے جبکہ امام کلینیؒ افطار روزہ کا وقت غروب آفتاب کے کافی ٹائم بعد بیان کیا ہے۔ نیز امام بخاریؒ رمضان المبارک میں نماز تراویح کے قائل ہیں اور امام کلینیؒ نماز تراویح کے قائل نہیں ہیں۔ فصل سوم زکوۃ سے متعلق احادیث وآثار ہے۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں کتاب الزکوۃ کو قائم کیا ، اور اسی طرح امام کلینیؒ نے الکافی میں بھی کتاب الزکوۃ کو قائم کیا ہے۔ جس میں انہوں نے زکوۃ سے متعلق احکام و مسائل واضح انداز میں بیان کیے ہیں۔ یہ مشترکات میں سے ہیں، اسی طرح ان میں کچھ مختلفات بھی پائے جاتے ہیں اور زکوۃ کن کن چیزوں کی ادا کی جائے گی؟ اس سے متعلق ہے۔ امام بخاریؒ سونا، چاندی، اجناس، جانور، عشر اور زر کے قائل ہیں جبکہ امام کلینیؒ سونا، چاندی اجناس اور جانور کی زکوۃ کے قائل ہیں اور زر کی زکوۃ کے قائل نہیں ہیں۔ فصل چہارم حج سے متعلق تفسیری احادیث وآثار سے متعلق ہے۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں کتاب الحج کو قائم کیا ہے اور اسی طرح امام کلینیؒ نے بھی الکافی میں کتاب الحج کو قائم کیا ہے، جس میں انہوں نے حج سے متعلق احکام و مسائل بیان کیے ہیں۔ اور یہ مشترکات میں سے ہے۔ امام بخاریؒ کے نزدیک ارکان اسلام کلمہ شہادت، نماز، روزہ،

زکوۃ اور حج ہیں۔ جبکہ امام کلینیؒ کے نزدیک بھی ارکان اسلام نماز، زکوۃ، حج، روزہ اور ولایت ہیں۔ امام کلینیؒ نے اس کو فروع کافی میں ذکر کیا ہے۔

باب چہارم صحیح بخاری اور الکافی میں معاشرت سے متعلق تفسیری احادیث و آثار کا جائزہ کے تحت چار فصول قائم کیا ہے۔ فصل اول نکاح سے متعلق تفسیری احادیث وآثار ہے۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں کتاب النکاح کو قائم کیا ہے، اور اسی طرح امام کلینیؒ نے بھی کتاب النکاح کو قائم کیا، جس میں دونوں اماموں نے نکاح سے متعلق احکام ومسائل پیش کیے ہیں۔ اور یہ مشترکات میں سے ہے۔ تاہم ان میں مختلفات بھی ہیں۔ امام بخاریؒ کے نزدیک نکاح کی ایک ہی قسم ہے، جبکہ امام کلینیؒ کے نزدیک نکاح کی دو اقسام ہیں، ایک وہ نکاح جس کی مدت مقرر کی جائے، اور دوسرا وہ نکاح جس کی مدت کا تعین نہ ہو۔ امام بخاریؒ متعہ کے عدم قائلین میں سے ہیں جبکہ امام کلینیؒ متعہ کے قائلین میں سے ہیں۔ فصل دوم طلاق سے متعلق تفسیری احادیث وآثار ہے۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں کتاب الطلاق کو قائم کیا ہے، اسی طرح امام کلینیؒ نے بھی کتاب الطلاق کو قائم کیا ہے۔ جس میں انہوں نے طلاق سے متعلق احکام ومسائل بیان کیے ہیں۔ فصل سوم حقوق والدین سے متعلق تفسیری احادیث و آثار ہے اور فصل چہارم میں قرابت داروں اور دیگر مسلمونوں کے حقوق سے متعلق تفسیری احادیث و آثار ہے۔ ان دونوں فصول میں حقوق سے متعلق بحث ہوئی ہے۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں کتاب الادب کو قائم کر کے اخلاقیات کا درس دیا ہے اور اسی طرح امام کلینیؒ نے بھی اخلاقیات سے متعلق روایات بیان کی ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ دونوں امام اخلاقیات اور حقوق کی ادائیگی کے قائل ہیں۔

باب پنجم صحیح اور الکافی کی مشترکات ومختلفات کا مطالعہ کے تحت تین فصول کو قائم کیا ہے۔ فصل اول عقائد سے متعلق مشترکات ومختلفات ہے ان میں دونوں کتب کی روشنی میں عقیدہ ختم نبوت سے متعلق بحث کی گئی ہے اور اسی طرح نظریہ تحریف قرآن سے متعلق بحث ہوئی ہے۔ فصل دوم میں عبادات سے متعلق مشترکات ومختلفات ہے، اس میں جمع بین الصلاتین یعنی دو نمازوں کو اکٹھا کرنے سے متعلق بحث ہوئی ہے، اور اسی طرح نماز تراویح سے متعلق بحث کی گئی ہے۔ فصل سوم میں معاشرت سے متعلق مشترکات ومختلفات پر مشتمل ہے، اس میں دونوں کتب کی روشنی میں انسانی حقوق کو زیر بحث لایا گیا نیز متعہ سے متعلق روایات پیش کی گئی ہیں۔

مقالہ کے اختتام پر خلاصہ بحث، نتائج بحث، سفارشارت اور فہارس (فہرست قرآنی آیات، فہرست احادیث، فہرست اصطلاحات، فہرست اعلام اور فہرست مصادر و مراجع) پیش کی گئی ہیں۔

نتائج بحث

تحقیق ہذا سے جو نتائج حاصل ہوئے ان کو ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

1. تحقیق ہذا سے یہ بات ثابت ہوئی کہ صحیح بخاری اور الکافی میں تفسیری احادیث و آثار موجود ہیں۔ صحیح بخاری میں تفسیری احادیث و آثار کو تین بنیادی حصوں میں بیان کیا گیا ہے۔ (الف) کتاب التفسیر میں (ب) کتاب فضائل القرآن میں (ج) عمومی ابواب میں جبکہ الکافی میں تفسیری احادیث و آثار کو دو بنیادی حصوں میں بیان کیا گیا ہے۔ (الف) کتاب فضل القرآن میں (ب) عمومی ابواب میں
2. امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں کتاب التفسیر کو قائم کیا ہے۔ جبکہ امام کلینیؒ نے الکافی میں کتاب التفسیر کو قائم نہیں کیا۔ بلکہ عمومی ابواب میں تفسیری احادیث و آثار بیان کیے ہیں۔
3. امام بخاریؒ نے قرآنی آیات کے معانی و مفاہیم اور احادیث پیش کر کے تفسیری احادیث و آثار پیش کیے ہیں ۔ جبکہ امام کلینیؒ نے مفہومی تفسیر پیش کی ہے۔
4. امام کلینیؒ نے الکافی کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ (الف) اصول کافی (ب) فروع کافی (ج) روضہ کافی
5. اہل سنت نے قرآنی تفسیر کے اصول پیش کیے ہیں ۔ جن کو اصول تفسیر کہتے ہیں ۔ مثلاً: تفسیر القرآن بالقرآن، تفسیر القرآن بالحدیث، اقوال صحابہ کے ذریعے تفسیر، اقوال تابعین کے ذریعے تفسیر، اسباب نزول، اسرائیلیات وغیرہ۔
6. اہل تشیع نے بھی قرآنی تفسیر اصول کے تحت ہی تفسیر کی ہے۔ مثلاً: تفسیر القرآن بالقرآن، تفسیر القرآن بالحدیث، ائمہ معصومین کے اقوال کی روشنی میں تفسیر وغیرہ۔
7. امام بخاریؒ نے کتاب التفسیر میں ہر سورت کی الگ الگ ابواب بندی کر کے تفسیر کی ہے، جبکہ امام کلینیؒ نے چونکہ کتاب التفسیر کو قائم نہیں کیا، اس لیے انہوں نے قرآنی سورتوں کی الگ الگ ابواب بندی نہیں کی ہے۔
8. صحیح بخاری اور الکافی میں علوم القرآن کی مباحث سے متعلق احادیث وآثار کو بھی بیان کیا ہے۔ مثلاً: ناسخ و منسوخ، اسباب نزول، مکی و مدنی سورتوں کا بیان، قرآنی آیات کی تعداد کا بیان وغیرہ۔
9. صحیح بخاری اور الکافی میں قراءت اور فقہی مباحث سے متعلق احادیث وآثار کا بیان بھی ملتا ہے۔
10. صحیح بخاری اور الکافی میں توحید ربوبیت، الوہیت اور اسماء والصفات سے متعلق احادیث و آثار کو بیان کیا ہے۔
11. امام بخاریؒ نماز تراویح کے قائل ہیں، جبکہ امام کلینیؒ نماز تراویح کے قائل نہیں ہیں۔

12. امام بخاریؒ نماز تراویح کی گیارہ رکعات کے قائل ہیں، اور وہ روایت پیش کرتے ہیں کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ رمضان و غیر رمضان میں گیارہ رکعات نماز ادا کرتے تھے۔

13. صحیح بخاری اور الکافی کی احادیث و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ جمع بین الصلاتین جائز ہیں۔

14. امام بخاریؒ کسی مجبوری، سفر اور بارش کے موقع پر جمع بین الصلاتین کے قائل ہیں۔ البتہ روازنہ کی بنیاد پر جمع بین الصلاتین کے قائل نہیں ہیں۔ جبکہ امام کلینیؒ روزانہ کی بنیاپر جمع بین الصلاتین کے قائل ہیں۔

15. ان دونوں کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ سفر اور بیماری کے سبب روزہ کی رخصت ہے۔ البتہ سفر جب مکمل ہو جائے اور بیماری جب تندرستی میں تبدیل ہو جائے تو وہ چھوڑے ہوئے روزے رکھنے ہوں گے۔

16. دونوں مسالک کے درمیان روزہ کا وقت افطار میں قدرے اختلاف ہے، اہل سنت کے نزدیک وقت افطار غروب آفتاب ہے جبکہ اہل تشیع اس میں تاخیر کے قائل ہیں۔

17. فرض زکوٰۃ اعلانیہ دینی چاہیے، جبکہ نفلی صدقات پوشیدہ طریقے سے ادا کرنے چاہیے۔ البتہ زکوٰۃ و صدقات ادا کرتے وقت ریاکاری سے اجتناب لازم ہے۔

18. امام بخاریؒ نے ارکان اسلام میں سب سے آخر میں حج کو ذکر کیا ہے۔ جبکہ امام کلینیؒ نے ارکان اسلام میں سب سے آخر میں ولایت کو ذکر کیا ہے۔

19. صحیح بخاری کی احادیث و آثار سے معلوم ہوا کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔

20. صحیح بخاری کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ نکاح متعہ پہلے جائز تھا لیکن بعد میں نبی کریم ﷺ نے منسوخ کر دیا تھا۔ جبکہ الکافی کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ نکاح متعہ منسوخ نہیں ہوا۔ بلکہ ان کے نزدیک نکاح کی دو قسمیں ہیں: (الف) مقررہ مدت کے لیے نکاح (ب) غیر مقررہ مدت کے لیے نکاح

21. صحیح بخاری اور الکافی کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ان دونوں کتب میں کچھ مشترکات بھی ہیں۔ مثلاً: ختم نبوت، جمع بین الصلاتین وغیرہ

22. صحیح بخاری اور الکافی کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں، اور آپ ﷺ کے بعد جو نبوت کا دعویٰ کرئے گا وہ کذاب و دجال ہو گا۔

23. صحیح بخاری اور الکافی کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ان دونوں کتب میں کچھ مختلفات بھی ہیں۔ مثلاً: متعہ، نماز تراویح وغیرہ۔

24. صحیح بخاری اور الکافی میں موجود مشترکات سے بین المسالک ہم آہنگی کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

سفارشات

1. صحیح بخاری اور الکافی کی روشنی میں علوم القرآن کا تجزیاتی مطالعہ پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔
2. صحیح بخاری اور الکافی میں ثلاثیات موجود ہیں، صحیح بخاری میں 22 ثلاثی روایات ہیں جبکہ الکافی میں 135 ثلاثی روایات ہیں اس لیے ان دونوں کتب کی روشنی میں ثلاثی روایات پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔
3. یونیورسٹیز میں مختلف ورکشاپس کا انعقاد ہو۔ جو صحیح بخاری اور الکافی کی مشترکات و مختلفات کو واضح کرے۔
4. عصر حاضر میں بین الاقوامی تعلقات عامہ کے تناظر میں حدیث و تفسیر کا مطالعہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے، اس لیے تفاسیر و احادیث کی روشنی میں موضوعاتی اعتبار سے کام کیا جا سکتا ہے۔

فہارس

فہرست قرآنی آیات

فہرست احادیث

فہرست اصطلاحات

فہرست اعلام

فہرست مصادر و مراجع

فہرست قرآنی آیات

نمبر شمار	آیت	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
.1	﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ﴾	الفاتحہ	1	98
.2	﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾	الفاتحہ	6	27
.3	﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ﴾	البقرہ	2	450
.4	﴿وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ﴾	البقرہ	4	163
.5	﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾	البقرہ	22	78
.6	﴿وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ...﴾	البقرہ	284	165
.7	﴿لا يُكَلِّفُ اللهُ نَفساً إِلَّا وُسْعَها ﴾	البقرہ	286	194
.8	﴿نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا...﴾	آل عمران	3	158
.9	﴿ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِلنَّاسِ وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ﴾	آل عمران	4	158
.10	﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ ...﴾	آل عمران	7	158
.11	﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ...﴾	آل عمران	14	326
.12	﴿وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللهُ كُلًّا مِنْ سَعَتِهِ...﴾	النساء	130	371
.13	﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ...﴾	النساء	136	145
.14	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ...﴾	المائدہ	87	316
.15	﴿يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ ...﴾	المائدہ	106	395
.16	﴿وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ ﴾	الانعام	19	159
.17	﴿فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ...﴾	الانعام	33	160
.18	﴿خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾	الاعراف	31	229
.19	﴿وَلَمَّا جَاءَ مُوسَى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ...﴾	الاعراف	143	115
.20	﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ ...﴾	الانفال	41	428
.21	﴿إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ﴾	الانفال	73	328
.22	﴿فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ﴾	التوبہ	2	297
.23	﴿ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ ﴾	التوبہ	3	301

.24	﴿وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ...﴾	يونس	2	136
.25	﴿ وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ﴾	يونس	101	136
.26	﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ...﴾	هود	7	85
.27	﴿اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَى...﴾	الرعد	8	86
.28	﴿اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾	الرعد	16	77
.29	﴿بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَى نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ﴾	ابراهيم	25	252
.30	﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾	الحجر	9	441
.31	﴿فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي...﴾	الحجر	29	137
.32	﴿عَبْداً مَمْلُوكاً لا يَقْدِرُ عَلى شَيْءٍ ﴾	النحل	6	367
.33	﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾	بنی اسرائيل	110	215
.34	﴿أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ ...﴾	مريم	67	104
.35	﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾	طه	5	102
.36	﴿وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذابٍ أَلِيمٍ﴾	الحج	25	294
.37	﴿الزَّانِي لا يَنْكِحُ إِلَّا زانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً ﴾	النور	3	328
.38	﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا ...﴾	النور	4	358
.39	﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا...﴾	الفرقان	70	179
.40	﴿قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ...﴾	الفرقان	77	180
.41	﴿ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴾	الشعراء	214	409
.42	﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ...﴾	النمل	65	87
.43	﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ...﴾	القصص	52	160
.44	﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ ...﴾	الروم	21	336
.45	﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ ...﴾	الروم	30	90
.46	﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ...﴾	لقمان	34	181
.47	﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ ﴾	الاحزاب	6	121
.48	﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ...﴾	الاحزاب	56	122
.49	﴿إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ﴾	سباء	56	124

184	68	الزمر	﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ...﴾	.50
185	22	حم السجده	﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ ...﴾	.51
174	71	الزخرف	﴿مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ﴾	.52
92	24	الجاثيه	﴿وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ﴾	.53
412	22	محمد	﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا ...﴾	.54
63	24	محمد	﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ﴾	.55
126	1	الحجرات	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ...﴾	.56
127	2	الحجرات	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ﴾	.57
217	39	ق	﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ...﴾	.58
230	17	الذاريات	﴿كانُوا قَلِيلاً مِنَ اللَّيْلِ ما يَهْجَعُونَ﴾	.59
393	21	الطور	﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ ...﴾	.60
180	1	القمر	﴿اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾	.61
304	29	الرحمن	﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾	.62
100	3	الحديد	﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ...﴾	.63
69	2-1	المجادله	﴿قَدْ سَمِعَ اللهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ...﴾	.64
128	7	الحشر	﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ...﴾	.65
344	12	الممتحنه	﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ...﴾	.66
129	6	الصف	﴿وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ...﴾	.67
217	11	الجمعه	﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً﴾	.68
162	7	التغابن	﴿زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا...﴾	.69
364	6	الطلاق	﴿ وَلا تُضارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ﴾	.70
169	22	الملک	﴿أَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبًّا عَلَى وَجْهِهِ أَهْدَى...﴾	.71
186	42	القلم	﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ﴾	.72
25	11	الحاقة	﴿إِنَّا لَمَّا طَغَى الْمَاءُ حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ﴾	.73
222	34	المعارج	﴿الَّذِينَ هُمْ عَلى صَلاتِهِمْ يُحافِظُونَ﴾	.74
230	6	المزمل	﴿إِنَّ ناشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئاً وَأَقْوَمُ قِيلاً﴾	.75

.76	﴿يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ* قُمْ فَأَنْذِرْ* وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ...﴾	المدثر	1-5	153
.77	﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلى حُبِّهِ مِسْكِيناً... ﴾	الدهر	8	274
.78	﴿إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ﴾	المرسلات	32	187
.79	﴿يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ﴾	النباء	18	190
.80	﴿فَأَمَّا مَنْ طَغَى وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا...﴾	النازعات	37	162
.81	﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ... ﴾	الانفطار	13	162
.82	﴿أَلَا يَظُنُّ أُولَئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ...﴾	المطففين	4-6	163
.83	﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾	الاعلی	1	229
.84	﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى﴾	الاعلی	14	257
.85	﴿وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ﴾	الفجر	3	26
.86	﴿وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ﴾	البلد	10	106
.87	﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾	الشمس	8	106
.88	﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا﴾	الشمس	9	257
.89	﴿وَالضُّحَى * وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى ...﴾	الضحی	1-3	46
.90	﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾	العلق	19	221
.91	﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ﴾	القدر	3	253
.92	﴿الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلاتِهِمْ ساهُونَ﴾	الماعون	5	222
.93	﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾	الکوثر	2	227
.94	﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ...﴾	اللهب	1-2	409
.95	﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾	الاخلاص	1	76
.96	﴿اللَّهُ الصَّمَدُ﴾	الاخلاص	2	95

فہرست احادیث

نمبر شمار	حدیث کا متن	کتاب کا نام	صفحہ نمبر
.1	اتَّخَذَ إِبْرَاهِيمَ عليه‌السلام عَبْداً قَبْلَ أَنْ يَتَّخِذَهُ نَبِيّاً	الکافی	132
.2	اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ	الکافی	160
.3	أُتِيَ بِالْمَوْتِ مُلَبَّبًا فَيُوقَفُ عَلَى السُّورِ بَيْنَ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَهْلِ النَّارِ	سنن ترمذی	176
.4	اخْتَرْ مِنْهُنَّ أَرْبَعًا	سنن ابوداؤد	311
.5	إِذَا أُتِيَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ دُبُرِهَا فِي قُبُلِهَا، ثُمَّ حَمَلَتْ كَانَ وَلَدُهَا أَحْوَلَ	صحیح مسلم	325
.6	إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ لَايَسْأَلَ رَبَّهُ شَيْئاً إِلَّا أَعْطَاهُ	الکافی	197
.7	إِذَا أَرَادَ بِعَبْدٍ خَيْراً ، نَكَتَ فِي قَلْبِهِ نُكْتَةً مِنْ نُورٍ	الکافی	106
.8	إِذَا اسْتَقْبَلْتَ الْقِبْلَةَ بِوَجْهِكَ ، فَلَا تُقَلِّبْ وَجْهَكَ عَنِ الْقِبْلَةِ	الکافی	226
.9	إِذَا انْتَهَى أَحَدُكُمْ إِلَى مَجْلِسٍ فَلْيُسَلِّمْ	سنن ترمذی	404
.10	إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ	صحیح بخاری	408
.11	إِذَا قُمْتَ فِي الصَّلَاةِ ، فَعَلَيْكَ بِالْإِقْبَالِ عَلَى صَلَاتِكَ	الکافی	225
.12	إِذَا كَانَ كَذلِكَ ، فَهَمَّ بِطَلَاقِهَا	الکافی	365
.13	إِذَا كُنْتَ دَخَلْتَ فِي صَلَاتِكَ	الکافی	226
.14	أَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ	صحیح بخاری	406
.15	أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ الْعَدُوَّ يُصَبِّحُكُمْ	صحیح بخاری	125
.16	أَسْأَلُ اللَّهَ الْعَظِيمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ أَنْ يَشْفِيَكَ	سنن ترمذی	406
.17	اسْتَوى عَلى كُلِّ شَيْءٍ	الکافی	102
.18	الإِشْرَاكُ بِاللَّهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ	صحیح بخاری	379
.19	أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ	صحیح بخاری	111
.20	أَطْعِمُوا الْجَائِعَ، وَعُودُوا الْمَرِيضَ، وَفُكُّوا الْعَانِيَ	صحیح بخاری	405
.21	اعْتَدِّي حَيْثُ بَلَغَكِ الْخَبَرُ	سنن نسائی	350
.22	أَعْطِ ابْنَتَيْ سَعْدٍ الثُّلُثَيْنِ وَأَعْطِ أُمَّهُمَا الثُّمُنَ وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَكَ	سنن ترمذی	383
.23	أَعْطِهِ لِمَنْ أَوْصى بِهِ لَهُ وَإِنْ كَانَ يَهُودِيّاً أَوْ نَصْرَانِيّاً	الکافی	396
.24	أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ	سنن ترمذی	402

25.	أَفْضَلُ الذِّكْرِ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ	سنن ترمذی	77
26.	اقْبَلِ الْحَدِيقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً	سنن ابوداؤد	340
27.	أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنَ اللهِ	الکافی	221
28.	اقْرَءُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ قُلُوبُكُم	صحیح بخاری	39
29.	أَكْثِرُوا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ	سنن نسائی	163
30.	أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا	سنن ترمذی	369
31.	أَلاَ إِنِّي أُوتِيتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهُ	سنن ابوداؤد	10
32.	أُمُّ الْقُرْآنِ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ	صحیح بخاری	44
33.	بَادِرُوا بِالأَعْمَالِ سِتًّا طُلُوعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا	صحیح مسلم	163
34.	الْبَاءُ بَهَاءُ اللهِ وَالسِّينُ سَنَاءُ اللهِ	الکافی	98
35.	تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الأُمَمَ	سنن ابوداؤد	310
36.	تُطْعِمُ الطَّعَامَ، وَتَقْرَأُ السَّلاَمَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ	صحیح بخاری	403
37.	التَّكْبِيرُ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ	الکافی	301
38.	ثُمَّ لِيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا أَوْ حَامِلًا	صحیح بخاری	355
39.	حَبَسُونَا عَنْ صَلاَةِ الْوُسْطَى	صحیح بخاری	209
40.	الْحَجُّ الأَكْبَرُ يَوْمُ النَّحْرِ	الکافی	297
41.	خُذْ مِنْهُنَّ أَرْبَعًا	سنن ابن ماجہ	311
42.	خُذُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ	صحیح بخاری	5
43.	خَلْقٌ أَعْظَمُ مِنْ جَبْرَئِيلَ وَمِيكَائِيلَ	الکافی	196
44.	خَمْسٌ تَجِبُ لِلْمُسْلِمِ عَلَى أَخِيهِ	سنن ابوداؤد	407
45.	خَيَّرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاخْتَرْنَاهُ فَلَمْ يَعُدَّهُ طَلَاقًا	صحیح مسلم	352
46.	الَّذِي يَظْهَرُ لَهُ الْمَلَكَ	الکافی	139
47.	الَّذِينَ كَانُوا يُطِيقُونَ الصَّوْمَ	الکافی	245
48.	رُبُعُ الْقُرْآنِ	الکافی	67
49.	الرَّحِمُ شِجْنَةٌ، فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ، وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعْتُهُ	صحیح بخاری	411
50.	رَسُولُ اللهِ صلی‌اللہ‌علیہ‌وآلہ أَحَدُ الْوَالِدَيْنِ	الکافی	333

.51	رُفِعَ عَنْ أُمَّتِي أَرْبَعُ خِصَالٍ	الکافی	195
.52	السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيتُهُ	صحیح بخاری	205
.53	الطَّاعَةُ لِلْإِمَامِ بَعْدَ مَعْرِفَتِهِ	الکافی	133
.54	عَنْ أَفْضَلِ مَا يَتَقَرَّبُ بِهِ الْعِبَادُ إِلى رَبِّهِمْ	الکافی	221
.55	فَاتَّقُوا اللهَ وَلاتَعْصُوا الْوَالِدَيْنِ	الکافی	392
.56	فَإِذَا قَرَأْتُ فَاتِحَةَ الْقُرْآنِ	الکافی	227
.57	لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ	صحیح بخاری	15
.58	لَا تَقُولُوا السَّلَامُ عَلَى اللَّهِ، فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّلَامُ	صحیح بخاری	404
.59	لاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا	صحیح بخاری	83
.60	لَيْسَ الْمِسْكِينُ الَّذِي تَرُدُّهُ التَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ وَلاَ اللُّقْمَةُ وَلاَ اللُّقْمَتَانِ	صحیح بخاری	421
.61	مَا بَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ أَرْبَعُونَ	صحیح بخاری	190
.62	مَا تَلَذَّذَ النَّاسُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ بِلَذَّةٍ أَكْثَرَ لَهُمْ مِنْ لَذَّةِ النِّسَاءِ	الکافی	326
.63	نَجْدَ الْخَيْرِ وَالشَّرِّ	الکافی	105
.64	نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ	صحیح بخاری	164
.65	نَزَلَ جَبْرَئِيلُ علیه‌السلام بِهَذِهِ الْآيَةِ عَلى مُحَمَّد	الکافی	451
.66	النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي فَمَنْ لَمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي	سنن ابن ماجہ	308
.67	النُّورُ هُوَ الْإِمَامُ	الکافی	141
.68	النُّورُ وَاللهِ الْأَئِمَّةُ علیهم‌السلام	الکافی	143
.69	هُوَ الْأَوَّلُ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ	الکافی	100
.70	هُوَ الَّذِي أَمَرَ رَسُولَهُ بِالْوَلَايَةِ لِوَصِيِّهِ	الکافی	142
.71	هُوَ الرَّجُلُ يُؤْتِيهِ اللهُ الثَّرْوَةَ مِنَ الْمَالِ	الکافی	270
.72	هُوَ الزَّمِنُ الَّذِي لا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَخْرُجَ لِزَمَانَتِهِ	الکافی	277
.73	هُوَ وَاحِدٌ وَاحِدِيُّ الذَّاتِ	الکافی	101
.74	الْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَإِنْ شِئْتَ فَأَضِعْ ذَلِكَ الْبَابَ أَوِ احْفَظْهُ	سنن ترمذی	380
.75	وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ	صحیح بخاری	44
.76	وَالرُّوحُ الَّتِي فِي عِيسى مَخْلُوقَةٌ	الکافی	103

77.	وَالْعَلَامَاتُ هُمُ الْأَئِمَّةُ علیهم‌السلام	الکافی	138
78.	وَأَمَرَ كُلَّ نَبِيٍّ بِالْأَخْذِ بِالسَّبِيلِ وَالسُّنَّةِ	الکافی	134
79.	وَإِنْ كَانَتْ أَمَةَ قَوْمٍ آخَرِينَ ، أَوْ حُرَّةً	الکافی	367
80.	وَسَجَدَ مَعَهُ الْمُسْلِمُونَ	صحیح بخاری	94
81.	وَكَسْرُهَا طَلَاقُهَا	صحیح مسلم	370
82.	وَلاَ أَقُولُ إِنَّ أَحَدًا أَفْضَلُ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى عَلَيْهِ السَّلاَمُ	صحیح مسلم	126
83.	وَلَا تَضْرِبْ الْوَجْهَ، وَلَا تُقَبِّحْ	سنن ابوداؤد	370
84.	وَلَا تَقُولُوا إِلَّا خَيْراً حَتَّى تَعْلَمُوا مَا هُوَ	الکافی	390
85.	وَلَايَةُ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ علیه‌السلام	الکافی	136
86.	وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ	صحیح بخاری	433
87.	وَهُوَ قَائِمٌ بِعَرَفَةَ يَوْمَ جُمُعَةٍ	صحیح بخاری	167
88.	وَيَزْدَادُ أَهْلُ النَّارِ حُزْنًا إِلَى حُزْنِهِمْ	صحیح بخاری	176
89.	يَا عَمِّ، قُلْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ، كَلِمَةً أَشْهَدُ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللَّهِ	صحیح بخاری	84
90.	يَتَزَوَّجُوا حَتّى يُغْنِيَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ	الکافی	327
91.	يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلاَئِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلاَئِكَةٌ بِالنَّهَارِ	صحیح بخاری	215
92.	يَخْرُجُ مِنْ ضِئْضِئِ هَذَا قَوْمٌ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ	صحیح بخاری	263
93.	يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا وَلَايَةَ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ علیه‌السلام بِأَفْوَاهِهِمْ	الکافی	141
94.	يَسُبُّ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ	صحیح بخاری	93
95.	يَسُبُّ الرَّجُلُ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ وَيَسُبُّ أُمَّهُ	صحیح بخاری	378
96.	يَعْرَقُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ	صحیح بخاری	191
97.	يَقْبِضُ اللَّهُ الأَرْض	صحیح بخاری	183
98.	يَقُومُ أَحَدُهُمْ فِي رَشْحِهِ إِلَى أَنْصَافِ أُذُنَيْهِ	صحیح بخاری	191
99.	يَكْشِفُ رَبُّنَا عَنْ سَاقِهِ فَيَسْجُدُ لَهُ كُلُّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ	صحیح بخاری	186
100.	يَهْلِكُ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا وَجْهَ اللهِ	الکافی	103
101.	يُؤْتَى بِالْمَوْتِ كَهَيْئَةِ كَبْشٍ أَمْلَحَ فَيُنَادِي مُنَادٍ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ	صحیح بخاری	175

فہرست اصطلاحات

نمبر شمار	اصطلاحات	صفحہ نمبر
.1	اسباب نزول	13
.2	اسرائیلیات	14
.3	اصول	2
.4	اہل تشیع	17
.5	اہل سنت	1
.6	آخرت	162
.7	تابعی	12
.8	تحریف قرآن	450
.9	تفسیر	3
.10	توحید	76
.11	جمع بین الصلاتین	456
.12	حج	282
.13	ختم نبوت	435
.14	رسالت	109
.15	زکوٰۃ	256
.16	صحابی	11
.17	صلاۃ	203
.18	صوم	233
.19	طلاق	339
.20	عبادت	200

21.	عقیدہ	74
22.	غریب القرآن	46
23.	متعہ	477
24.	ناسخ منسوخ	24
25.	نظائر قرآنی	46
26.	نکاح	306

فہرست اعلام

نمبر شمار	اعلام	صفحہ نمبر
1.	ابن اثیر	17
2.	ابن بطال	349
3.	ابن حجر عسقلانی	54
4.	ابن منظور افریقی	18
5.	ابوالحسن علی رضا	251
6.	ابوالقاسم موسوی الخوئی	20
7.	ابوخالد کابلی	143
8.	ابوعبداللہ صادق علیہ السلام	28
9.	ابوعلی فضل بن حسن طبرسی	21
10.	ابوجعفر محمد بن حسن طوسی	22
11.	احمد بن علی نجاشی	53
12.	امام شریف جرجانی	339
13.	حسین بن عبدالصمد الحارثی الھمدانی	55
14.	سید رضی الدین ابن طاؤس	54
15.	سید محمد باقر الصدر	19
16.	سید محمد حسین طباطبائی	20
17.	سید ہاشم بحرانی	27
18.	علامہ بدر الدین عینی	313
19.	علامہ محمد باقر مجلسیؒ	56
20.	علامہ محمد تقی مجلسی	56

25	علی بن ابراہیم قمی	.21
55	قاضی نور اللہ الشوشتری	.22
30	محمد بن اسماعیل	.23
53	محمد بن علی بن شہر آشوب	.24
26	محمد بن مرتضیٰ کاشانی	.25
51	محمد بن یعقوب	.26
25	محمد صالح مازندرانی	.27

فہرست مصادر و مراجع

عربی کتب

1. **القرآن الکریم**
2. ابراہیم مصطفی، **المعجم الوسیط** (قاہرہ: دار الدعوۃ، س ن)
3. ابن اثیر، مبارک بن محمد، **النهاية في غريب الحديث والأثر** (بیروت: المكتبة العلمية، 1399ھ)
4. ابن الصلاح، ابو عمرو، تقی الدین، عثمان بن عبد الرحمن، **معرفة أنواع علوم الحديث ويُعرف بمقدمة ابن الصلاح** (بیروت: دار الکتب، 2002ء)
5. ابن تیمیہ، تقی الدین، احمد بن عبد الحلیم، **مجموعہ الفتاویٰ** (مدینہ نبویہ: مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، 1995ء)
6. ابن تیمیہ، تقی الدین، ابو عباس، احمد بن عبد الحلیم، **العبودیہ** (بیروت: المکتب اسلامی، 2005ء)
7. ابن سیدہ، علی بن اسماعیل، **المحكم والمحيط الاعظم** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2000ء)
8. ابن شہر آشوب، ابو جعفر، محمد بن علی، **معالم العلماء** (تہران: مطبعۃ فردین، 1353ھ)
9. ابن قیم، ابو عبد اللہ، شمس الدین، محمد بن ابی بکر، **إعلام الموقعين عن رب العالمين** (الریاض: دار ابن الجوزی، 1473ھ)
10. ابن قیم الجوزیہ، **زاد المعاد في هدى خير العباد** (بیروت: دار ابن حزم، 2019ء)
11. ابن کثیر، ابو الفداء، اسماعیل بن عمر، **تفسیر القرآن العظیم** (بیروت: دار الكتب العلمية، 1419ھ)
12. ابن ماجہ، ابو عبد اللہ، محمد بن یزید، **السنن** (الریاض: دار السلام، 1999ء)
13. ابو عبید، معمر بن المثنی، **مجاز القرآن** (مصر: محمد سامی امین الخانجی، 1953ء)
14. ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، **السنن** (الریاض: دار السلام، 1999ء)
15. ابی شیبہ، ابو بکر، عبد اللہ بن محمد، **المصنف** (الریاض: دار کنوز، 2015ء)
16. الازہری، محمد بن احمد، **تہذیب اللغۃ** (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 2001ء)
17. الاصبهانی، آفندی، عبد اللہ، **ریاض العلماء** (قم: مکتبہ آیۃ اللہ العظمی، 1415ھ)
18. اصفہانی، راغب، ابو القاسم، حسین، بن محمد، **مفردات فی غریب القرآن** (بیروت: دار القلم، 1412ھ)
19. افریقی، ابن منظور، ابو الفضل، جمال الدین، محمد بن مکرم، **لسان العرب** (بیروت: دار صادر، 1417ھ)

20. آلوسی، شہاب الدین، محمود بن عبد اللہ، **تفسیر روح المعانی**(بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1415ھ)

21. اندلسی، ابوحیان، اثیر الدین، محمد بن یوسف، **البحر والمحیط**(بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1993ء)

22. البحرانی، سید، ہاشم، **البرہان فی تفسیر القرآن**(بیروت: موسسۃ الاعلمی للمطبوعات، 2006ء)

23. بخاری، ابوعبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**(الریاض: دار السلام، 1999ء)

24. بخاری، ابوعبد اللہ، محمد بن اسماعیل، **الادب المفرد**(الریاض: مکتبہ المعارف، 1998ء)

25. البراک، عبد الرحمن بن ناصر، **ھدی الساری مقدمہ فتح الباری**(الریاض: دار طیبہ، 2005ء)

26. بغدادی، خطیب، ابو بکر، احمد بن علی، **تاریخ بغداد**(بیروت: دار الغرب الاسلامی، 2002ء)

27. ترمذی، ابوعیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، **السنن**(الریاض: دار السلام، 1999ء)

28. الجرجانی، شریف، علی بن محمد، **التعریفات**(بیروت: دار الكتب العلمية، 1983ء)

29. الجزیری، عبد الرحمن، **الفقہ علی المذاہب الاربعہ**(بیروت: دار الكتب العلمية، 2003ء)

30. الجوہری، ابونصر، اسماعیل بن حماد، **الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیہ**(بیروت: دار العلم للملایین، 1407ھ)

31. الجوہری، ابونصر، اسماعیل بن حماد، **الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیہ**(بیروت: دار العلم، 1954ء)

32. الحاکم، ابوعبد اللہ، محمد بن عبد اللہ، **المستدرک علی الصحیحین**(بیروت: دار الكتب العلمية، 1990ء)

33. الحائری، ابوعلی، محمد بن اسماعیل، **منتہی المقال فی احوال الرجال**(قم: مؤسسة آل البيت (عليهم السلام) لإحياء التراث، س ن)

34. حنفی، ابی العز، علی بن محمد، **شرح العقيدة الطحاوية**(بیروت: دار السلام، 2005ء)

35. خمینی، سید، روح اللہ، **أنوار الهداية في التعليقة على الكفاية**(ایران: مؤسسة تنظيم ونشر تراث الإمام الخمینی 1427ھ)

36. الخوئی، ابوالقاسم موسوی، **البیان فی تفسیر القران** (تہران: دار الثقلین، 1418ھ)

37. ذہبی، ڈاکٹر، محمد حسین، **التفسیر والمفسرون**(قاہرہ: مکتبہ وھبہ، س ن)

38. ذہبی، شمس الدین، ابوعبد اللہ، محمد بن احمد، **تذکرۃ الحفاظ**(بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1998ء)

39. رازی، ابو محمد، عبد الرحمن بن ابی حاتم، **تفسیر القرآن العظیم**(سعودی عرب: مكتبة نزار مصطفى الباز، 1419ھ)

40. الزبیدی، محمد بن عبد الرزاق، **تاج العروس من جواہر القاموس**(الکویت: دار الھدایہ، 2001ء)

41. زبیدی، محمد مرتضیٰ، **تاج العروس من جواھر القاموس**(بیروت: مکتبۃ الحیاۃ، س ن)

42. زرقانی، محمد، عبد العظیم، **مناہل العرفان فی علوم القرآن**(بیروت: دار الکتاب العربی، 1995ء)

43. زرکشی، علامہ، بدر الدین، محمد بن عبد اللہ، **البرھان فی علوم القرآن**(قاہرہ: مکتبہ دار التراث، س ن)

44. السبت، دکتور، خالد بن عثمان، **قواعد التفسیر** (دار عفان، 2005ء)

45. صدر، سید، محمد باقر، **المعالم الجديدة للأصول** (قم: المطبعۃ شریعت، 1425ھ)

46. الطالقانی، ابو القاسم، اسماعیل بن عباد بن العباس، **المحيط في اللغه**(عالم الکتاب، س ن)

47. طاؤس، سید، رضی الدین، علی بن موسی، **كشف المحجة لثمرة المهجة**(نجف: مکتبہ حیدریہ، 1950ء)

48. طباطبائی، سید، محمد حسین، **المیزان فی تفسیر القرآن**(بیروت: موسسۃ الاعلمی للمطبوعات، 1998ء)

49. طبرسی، امین الاسلام، ابو علی، فضل بن حسن، **مجمع البیان فی تفسیر القرآن**(بیروت: دار العلوم، 2005ء)

50. طبری، ابو جعفر، محمد بن جریر، **تفسیر جامع البیان فی تاویل القرآن**(مکہ مکرمہ: دار التربیہ، س ن)

51. طبری، ابو جعفر، محمد بن جریر، **تفسیر جامع البیان فی تاویل القرآن**(القاہرہ: دار الحدیث، س ن)

52. طوسی، ابو جعفر، محمد بن حسن، **التبیان فی تفسیر القرآن**(بیروت: دار احیا التراث العربی، س ن)

53. طوسی، ابو جعفر، محمد بن الحسن، **الاستبصار**(تہران: دار الکتب الاسلامیہ، 1390ھ)

54. طوسی، ابو جعفر، محمد بن الحسن، **الفہرست**(ایران: مؤسسة نشر الفقاهة، 1422ھ)

55. عبد الرسول الغفار، **الکلینی والکافی**(قم: موسسة النشر الاسلامی ،1416ھ)

56. عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، **مقدمہ فتح الباری بشرح صحیح البخاری**(بیروت: دار المعرفۃ، 1379ھ)

57. عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، **تبصير المنتبه بتحرير المشتبه** (لبنان: المكتبة العلمية، س ن)

58. عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، **نخبۃ الفکر**(قاہرہ: دار الحدیث، 1998ء)

59. عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، **لسان المیزان**(بیروت: مکتب المطبوعات الاسلامیہ، 2002ء)

60. عینی، ابو محمد، بدر الدین، محمود بن احمد، **عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری**(بیروت: دار الفکر، س ن)

61. الغطاء، کاشف، **اصل الشيعة واصولها**(ایران: مؤسسة الإمام علي عليه السلام، س ن)

62. فراہیدی، خلیل بن احمد، **کتاب العین**(قم: دار الھجرہ، س ن)

63. الفراہیدی، خلیل بن احمد، **کتاب العین**، تحقیق: المخزومی وغیرہ(دار مکتبہ الہلال، س ن)

64. فیروز آبادی، ابو طاہر، محمد بن یعقوب، **القاموس المحیط** (بیروت، مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر والتوزیع، 2005ء)

65. فیروز آبادی، ابو طاہر، مجد الدین، محمد بن یعقوب، **القاموس المحیط**(قاہرہ: دار الحدیث، 2008ء)

66. قشیری، ابوالحسین، مسلم بن حجاج، **الجامع الصحیح** (الریاض: دارالسلام، 1999ء)

67. قمی، علی بن ابراہیم، **تفسیر قمی** (قم: دار الکتاب، 1404ھ)

68. القیومی، احمد بن محمد، **المصباح المنیر** (بیروت: المكتبة العصريّة، 1418ھ)

69. الکرمانی، شمس الدین، محمد بن یوسف، **الکواکب الداری فی شرح صحیح البخاری**، (بیروت: دار إحياء التراث العربي، 1981ء)

70. الکلینی، ابوجعفر، محمد بن یعقوب، **الکافی** (ایران: دارالحدیث، 1429ھ)

71. مامقانی، الشیخ، عبداللہ، **تنقيح المقال في علم الرجال** (قم: مؤسسة آل البیت (علیہم السلام) لاحیاء التراث، س ن)

72. المازندرانی، محمد صالح، **شرح اصول کافی** (بیروت: داراحیا التراث العربی، 2008ء)

73. مجلسی، محمد باقر، **مرآة العقول فی شرح اخبار آل الرسول** (تہران: دارالكتاب الاسلامية، 1404ھ)

74. مجلسی، محمد تقی، **روضة المتقين في شرح من لا يحضره الفقيه** (کوشانپور: بنیاد فرہنگ اسلامی حاج محمد حسین، س ن)

75. موسوی، محمد باقر، **روضات الجنات فی احوال العلماء و السادات** (قم: اسماعیلیان، 1390ھ)

76. نجاشی، ابوالعباس، احمد بن علی، **رجال نجاشی** (ایران: مؤسسة النشر الاسلامی، س ن)

77. نسائی، ابوعبدالرحمن، احمد بن شعیب، **السنن** (الریاض: دارالسلام، 1999ء)

78. نیشاپوری، امام حاکم، ابوعبداللہ، محمد بن عبداللہ، **معرفة علوم الحدیث** (بیروت: دار لکتب العلمیہ، 1977ء)

79. ھمدانی، حسین بن عبدالصمد، **وصول الاخيار الى اصول الاخبار** (ایران: مجمع الذخائر الإسلامية، س ن)

اردو کتب

1. ابن تیمیہ، ابوعباس، تقی الدین، احمد بن عبدالحکیم، **مقدمہ فی اصول التفسیر** (بیروت: مکتبۃ الحیاہ، 1980ء)

2. ابوالفضل، عبدالحفیظ، **مصباح اللغات** (لاہور: مکتبہ قدوسیہ، 1999ء)

3. ابوعبداللہ، احمد بن محمد بن حنبل، **مسند احمد**، مترجم محمد محفوظ اعوان (لاہور: انصار السنہ پبلیکیشنز)

4. اعظمی، مولانا محمد، **تذکرۃ البخاری** (بھنجن یوپی: مکتبہ الفہیم، 2007ء)

5. بخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، مترجم وشارح، مولانا داؤد راز (ممبئی، دار العلم، 2012ء)

6. بستوی، قاسمی، افتخار احمد، **اصطلاحات اصول تفسیر** (یوپی: مکتبہ ابو عبد الفتاح، 2013ء)
7. حریری، غلام احمد، **تاریخ تفسیر والمفسروین** (فیصل آباد: ملک سنز پبلشرز، 2000ء)
8. دارمی، ابو محمد، عبد اللہ بن عبد الرحمنٰ، **سنن الدارمی** (لاہور: انصار السنۃ پبلیکیشنز، س ن)
9. الزحیلی، ڈاکٹر، وھبۃ، **الفقہ الاسلامی وادلتہ** (کراچی: دارالاشاعت، 2012ء)
10. سیوطی، جلال الدین، **الاتقان فی علوم لقرآن** (لبنان: دار الفکر، 1996ء)
11. عیاش، ابو نصر، محمد بن مسعود، **تفسیر عیاشی** (لاہور: حق برادرز، 2009ء)
12. الکاشانی، فیض، محمد بن مرتضیٰ، **تفسیر صافی** (کراچی: محفوظ بک ایجنسی، 2009ء)
13. مبارک پوری، عبد السلام، **سیرۃ البخاری** (لاہو: نشریات، 2009ء)
14. معلوف، لوئیس، **المنجد** (لاہور: مکتبہ قدوسیہ، 2009ء)
15. نجفی، محسن علی، **الکوثر فی تفسیر القرآن** (لاہور: مصباح القرآن ٹرسٹ، 2016ء)

English Books

1. Abdul Qadir, Muhammad Jalal, *Elevating Imam Al Bukhari*(Independently Published,2021.)
2. Al Azami Mustafa, *An Introduction To Sahih Al-Bukhari* (London: Turath Publishing, 2020.)
3. Askari ,Syed, Murtadha, *A Probe into the History of Hadith*(Foreign Department Of Boyad Be'that)
4. Campbell, Henry, *Black Law Dictionary* (USA: West Publishing Co.,1990)
5. Khan, Dr, Mohsin ,Muhammad,*Summarized Sahih Al-Bukhari*(Riyadh: Darulsalam,1994.)
6. Rasul Ja'fariyan ,*A Study of Sunni and Shii Traditions Concerning Tahrif*(Al-Tawhid Islamic Journal)
7. Rizvi,Syed,Athar Hussain, *Tafseer Imam Hasan Askari*(Qum:Ansariyan Publications)

Websites

1. www.alhassanain.org
2. www.hubeali.com
3. www.kitabosunnat.com
4. www.lib.eshia.ir
5. www.shamela.ws
6. www.sunnah.com
7. www.islamicurdubooks.com